TEXT PROBLEM WITHIN THE BOOK ONLY

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224049

UNIVERSAL
LIBRARY

OUE—87—11-1-68—5,000.

P. G.

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ٨٩١٥٤٣٠٥ Accession No. ٤٩٩٧

Author

Title ٤٩١٠ ادب جلد ٢

This book should be returned on or before the date last marked below.

فہرست جلد دویم

ادیب

ادب اُردو کا باتصویر ماہوار رسالہ

مرتبہ

نوبت رائے نظر لکھنوی

جلد دویم نمبر ۱-۶

جولائی لغایت دسمبر ۱۹۳۱ء

جسمین ۵۳ نامور اہل قلم کے ۴۹ مضامین ۲۹۶ صفحون پر درج ہین
اور ۵۰ رنگین وسادہ قابل دید ہاف ٹون تصاویر شامل ہین

مطبوعۂ انڈین پریس الہ آباد

قیمت فی جلد مع محصول دو روپیہ

فہرست تصاویر

جولائی

(۱) شکارگاہ (۲) مقبرۂ اعتماد الدولہ (۳) مسافر لندن (۴) راجہ رام موہن رائے (۵) فیل مرغ (۶) جھولا۔

اگست

(۱) شیخ سعدی شیرازی (۲) شاہ عالم ثانی کا مزار (۳) بابر بادشاہ (۴) قصر احمد و باغ مجیدیہ (۵) آگرہ کے ڈھیلے (۶) دروازۂ حویلی اکبر آباد (۷) مولانا سید علی حیدر صاحب طباطبائی (۸) ہن باس اور پرکھا رت

اکتوبر

(۱) شہزادی فرخ ناز (۲) عالم خیال (۳) دروازۂ تاج محل (۴) مہارشی دیویندر ناتھ ٹیگور (۵) بابو کیشب چندر سین۔

نومبر

(۱) شکنتلا (۲) محلات فتحپور سیکری (۳) سحابی مادہ (۴) مہر شہنشاہ (۵) قرص آفتاب (۶) آفتاب کے طلوع (۷) میور سنگل کالج الہ آباد (۸) ستی کا نظارہ۔

ستمبر

(۱) پلاؤ اور آگن گنڈ (۲) دھار ستارہ (۳) سید راحت حسین صاحب (۴) تاج محل کی سنگ تراشی (۵) اولاد کش ملکہ (۶) حضرت ریاض (۷) چار مینار۔

دسمبر

(۱) شوق دیدار رنگین (۲) الغانیت (۳) تصاویر نمائشگاہ۔

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
معنہ ہستی	۱ - ۴۹
حب وطن	۸
یمنی تال	۱۵
املاے اردو	۱۷
ایک مسافر لندن کی روداد	۲۶
راجہ رام موہن رائے	۲۹
کلام اکبر	۴۲-۴۴-۴۱ ۲
ابر نوبہار	۴۲
برسات	۴۳
باغ دل	۴۳
گل نرگس	۴۴
گلاب کا پھول	۴۵
صبح پیری	۴۶
رباعیات	۴۶
جیتی جاگتی تصویر	۴۷
آہنگ اکبر	۴۷
ایڈیٹر یل	ہر نمبر کے آخر میں
لکھنؤ کے قدیم طلسمے	۵۷
اردو ناول نویسی	۶۱
ہرائنس بیگم صاحبہ چغتائی	۶۶
آنکھ	۶۹
وقت	۷۴
بھانگر	۷۷
عیسی سینٹ ولیسا پھل	۸۱
مولانا سید علی حیدر صاحب طباطبائی	۹۰
ہیر ہوتی	۹۲
جنگل کی برسات	۹۳
پپیہا	۹۴
برسات کی رات	۹۵
کلام بیخود	۹۵
دوستی	۹۶
غزل	۹۶
تامل	۹۷
ودار ستارے کا طلوع و غروب ..	۹۹
تبادلہ اشیاء	۱۰۴
عورتوں کی شجاعت	۱۰۸
اثر پیچ بین الشعاب	۱۱۲
اخبار نویسی کی ابتدا	۱۲۰
بیز مرض محسن	۱۲۷
حضرت ریاض	۱۳۳
چار مینار	۱۳۵
مالوہ	۱۳۷
سودائے عشق	۱۳۷
کنول کا پھول	۱۳۸
مان کی تصویر	۱۳۹
یاد احباب	۱۴۱
شاعری	۱۴۲
موت اور زندگی	۱۴۲
سحر	۱۴۳
العبہ آموز	۱۴۳
زندگی	۱۴۴
رود نیل	۱۴۷
مہتاب الدولہ ورخشان	۱۵۹
مقصد حیات	۱۷۲
الپورا کے غار	۱۷۹
کیشب چندر سین	۱۸۳
دسہرہ	۱۹۰
پھلواری کی عید	۱۹۰
پنجو	۱۹۱
کلام ابر	۱۹۱-۲۴۰-۲۹۰
دور انقلاب	۱۹۲
شالامار باغ	۱۹۳
تذکرہ شعرو سخن	۱۹۵
عالم فانی کے عالم	۲۰۶
شمس البیان	۲۱۸
پیکر وفا	۲۲۱
تصویر ریاض	۲۲۸
قدیم ہند و ستان کی تہذیب ..	۲۳۱
تاج سخن پر ایک نظر	۲۳۳
ستی	۲۳۶
پان	۲۳۶
سنگسیر	۲۳۷
دار فانی	۲۳۷
شہید کا دن	۲۳۹
شمع زندگانی	۲۴۱
خامش کی ابتدا	۲۴۳
خامش کی تاریخ	۲۴۷
قطب	۲۵۴
ثمرۂ حیات	۲۶۰
علامہ تیفی	۲۶۹
ہندوستان کے پہلوان کی تعلیم ..	۲۷۳
نمائش عالمگیر	۲۷۷
سرور مہرور	۲۸۶
وحدت	۲۸۷
افادات نمائش	۲۸۷
تصویر نمائش	۲۸۸
رائنہ کا پرند	۲۸۸
آنکھ کی پتلی	۲۸۹
بستہ بار	۲۸۹
ناظم سرور	۲۹۱

جلد ۲ — جولائی سنہ ۱۹۱۰ء — نمبر ۱

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY HYDERABAD-7

ادیب

ادبِ اُردو کا باتصویر ماہوار رسالہ ——— ایڈیٹر نوبت رائے نظر لکھنوی

فہرست تصاویر

(۱) شکارگاہ (رنگین) (۲) مقبرۂ اعتماد الدولہ (۳) مسافر لندن
(۴) راجہ رام موہن رائے (۵) فیل مرغ (۶) جھولا

فہرست مضامین

۱ — معمۂ ہستی - از راے پربھولال صاحب بی - اے ..... صفحہ ۱
۲ — حُبِّ وطن - از منشی بیدیال صاحب سکسینہ ۸
۳ — نینی تال - از مسٹر علی محمود صاحب ۱۵
۴ — املائے اُردو - از خان بہادر مولانا سید علی محمد صاحب شاد ۱۶
انیریری مجسٹریٹ عظیم آباد .....
۵ — ایک مسافر لندن کی روانگی - از منشی ممتاز حسین صاحب سررشتہ دار ۲۶
۶ راجہ رام موہن رائے - از پروفیسر پنڈت منوہر لال صاحب زتشی ایم اے - ۲۹
۷ — کلام اکبر - از خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر جج پنشنر الہ آباد ۴۲
۸ — ابرِ نوبہار (نظم) از مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی ..... ″
۹ — برسات - از سید صادق حسین خانصاحب نہال عظیم آبادی ۴۳
۱۰ — باغِ دل - از پنڈت برجموہن ناتھ صاحب دتاتریہ کیفی دہلوی ..... ″
۱۱ — گلِ سرخ - از منشی محمد حسین صاحب محوی صدیقی ۴۴
۱۲ — گلاب کا پھول - از منشی محمد عبدالرحمن صاحب بسمل سنسہاروی ۴۵
۱۳ — صبح پیری - از مولوی محمد سیف الدین صاحب شباب ۴۶
۱۴ — رباعیات - از مرزا کاظم حسین صاحب محشر لکھنوی ..... ″
۱۵ جیتی جاگتی تصویر - از مولوی رشید الدین احمد صاحب ارشد تھانوی ۴۷
۱۶ — آہنگِ اکبر - از شیخ محمد علی صاحب میرٹھی اجمیری ..... ″
۱۷ — ایڈیٹوریل ۴۸

قیمت سالانہ چہار روپیہ — پنچکوڑی سٹریٹ پرنٹر و پبلشر نے انڈین پریس الہ آباد میں چھاپکر شائع کیا — فی پرچہ چھ آنہ

ادیب کے قواعد

یہ باتصویر ماہوار رسالہ جو اُردو علم ادب کی ترقی کا اعلیٰ نمونہ ہے ہر انگریزی مہینے کی پندرھویں تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔ ملک کے نامور انشاپردازوں سے مفید اور دلچسپ بنانے میں سرگرم ہیں۔ اسکے مضامین عورت و مرد دونوں طبقوں کیلئے خاص طور پر خوشگوار ہوتے ہیں ضخامت ۸۰ صفحات ہے اور ہر صفحے میں دو کالم ہونیکی وجہ سے معمولی تقطیع کے ایک سو صفحات کے قریب عبارت دیکھاتی ہے۔ اسکے علاوہ ہر ماہ التزاماً ایک رنگین اور متعدد عکسی تصاویر ہوتی ہیں جنمیں اکثر فن مصوری کے اعلیٰ نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔ اسکی سالانہ قیمت چار روپیہ مع محصول ہے۔ اس قیمت میں ان خصوصیات کے ساتھ کوئی اُردو رسالہ نہیں مل سکتا۔ خریداری کے لئے پیشگی قیمت آنا ضروری ہے کیونہ مفت نہیں دیا جائیگا بلکہ ۶ ر کے ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال ہوگا۔ نام اور پتہ خوشخط لکھا جائے کہ پرچہ آسانی سے پہونچ سکے۔ خط و کتابت کے ساتھ نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا جائے۔ اگر ایک دو ماہ کے لئے پتہ تبدیل کرانا ہو تو مقامی ڈاکخانہ سے بندوبست کرلیا جائے اور اگر ہمیشہ رہا زیادہ عرصہ کے لئے ضرورت ہو تو منیجر ادیب کو اطلاع دیجائے۔ اس رسالے میں مذہبی مباحث اور موجودہ پالیٹکس پر کوئی مضمون نہ چھاپا جائیگا۔ ناتمام مضامین بھی نہیں لئے جائیں گے۔ جس مضمون کے ساتھ تصویر کی ضرورت ہو اُسکا مضمون نگار حضرات خود ہی بندوبست فرمائیں جس مہینے کا پرچہ پہونچنے اُسکی اطلاع اُس مہینے کی آخری تاریخ تک آجانا چاہئے۔ بعد کو قیمت نہ لیجائیگی۔

منیجر ادیب انڈین پریس الٰہ آباد

لڑکیوں کا تعلیمی کورس

خوشی کا مقام ہے کہ ہندوستان میں لڑکیوں کی تعلیم ترقی کر رہی ہے اور ہر شہر ہر قصبہ اور ہر گانوں میں لڑکیوں کے مدرسے جاری ہو رہے ہیں۔ اس ترقی تعلیم کا نتیجہ جسقدر مفید ثابت ہوا ہے وہ محتاج تصریح نہیں تاہم عام طور پر یہ شکایت بھی سُنی جاتی تھی کہ لڑکیوں کی تعلیم کیلئے ابھی تک کوئی ایسا نصاب نہیں تیار ہوا ہے جو اُنکی دماغی اور اخلاقی حالت کے مناسب حال ہو اور اُنمیں خاطر خواہ فائدہ پہونچا سکے۔ اسی شکایت کی بنا پر ہمنے لڑکیوں کیلئے ایک ایسا نصاب بعرض تکمیل تیار کرایا ہے جو ہر طرح اور ہر حیثیت سے مکمل ہے اور جسے صوبہ بنا کی تعلیمی کمیٹی نے نہ صرف پسند کرکے بلکہ تمام گورنمنٹ پرزیڈنسی و دیگر ریذیڈنسیوں نیز جمیع دیگر مدارس نسوان میں جاری کردیا ہے۔ ان ریڈروں کی زبان کی نسبت اُتنا ہی کہنا کافی ہے کہ ایڈیٹر صاحب ادیب کی اصلاح و نظر ثانی سے مزین ہیں۔ انمیں اخلاقی و نصیحت آمیز کہانیوں اور سبقوں کے علاوہ تیزداری، معاشرت، امور خانہ داری، بچوں کی پرورش، مریضوں کی تیمارداری، خاوند کی اطاعت، شرم و حیا، عفت و عصمت اور بیشمار کارآمد باتیں لکھی گئی ہیں۔ علاوہ بریں ان ریڈروں میں ستیاسی، دینی سکتلا، ساوتری، لیلاوتی، الہابائی وغیرہ کی سوانح عمریاں و چین و جاپان کی لڑکیوں کے حالات نہایت سلیس و بچوں کی سمجھ میں آنیوالی زبان میں درج ہیں۔ کاغذ، لکھائی چھپائی وغیرہ سب اعلیٰ درجے کی ہیں جو انڈین پریس کا حصہ ہے۔ ان ریڈروں میں ۱۰۰ تصاویر بھی ہیں جنمیں ۳۰ تصاویر پورے صفحوں پر علیحدہ چھاپکر شامل کیگئی ہیں۔ یہ انصاب حسب ذیل ہے۔

۱۔ اُردو کا نیا قاعدہ ..... قیمت ۹ پائی

۲۔ لوور پرائمری ریڈر (پہلی اور دوسری جماعت کا نصاب) ..... ۶ ر

۳۔ اپر پرائمری ریڈر (تیسری اور چوتھی جماعت کا نصاب) ..... ۷ ر

۴۔ لوار مڈل ریڈرز پانچویں اور چھٹی جماعت کا نصاب) ..... ۸ ر

منیجر انڈین پریس الٰہ آباد

ضرورت ۔ انڈین پریس کو چند عمدہ خوشخط کاپی نویس اور مصلح سنگ درکار ہیں۔ تنخواہیں مناسب دیجائینگی جنکا تصفیہ خط و کتابت سے ہوسکتا ہے۔ درخواست کے ساتھ تحریر کا نمونہ ضرور آنا چاہئے۔ معمولی کاپی نویسوں کی ضرورت نہیں ہے۔

منیجر انڈین پریس الٰہ آباد

شکارگاہ

اقتدار پریس الہ آباد

جولائی سنہ ۱۹۱۰ء

ادیب

جلد ۲ — نمبر ۱

معمۂ ہستی

(۱)

سرہانے تیرے ماتا رووے پائینت رووے گوری
ہاتھ پکڑ کے بھائی رووے آج بچھڑ گئی جوڑی

اس شعر سے ایک نہایت ہی دردناک سین کا حال کھلتا ہے۔ کسی کا جنم بچھڑا ہو گیا ہے۔ جسم تو پڑا ہے مگر جیون حرکت ظاہر اتمام علامات زندگی کے مفقود ہین اور کوئی اس باتی نہیں رہی ہے کہ پیارا بیٹا پیارا خاوند پیارا بھائی جی اٹھیگا لیکن پھر بھی ساری نگاہ جسم کی طرف ہی ہے۔ اُسی کیطرف ٹکٹکی بندھی ہوئی ہے اور اُسی کو ایک حسرت بھری نگاہ سے سب دیکھ رہے ہین اور دل مین مسوس مسوس کر یہ خیالات اُٹھتے ہین کہ اس جسم کے ساتھ کیسے کیسے گہرے تعلقات تھے۔ اسکے ساتھ کیسے کیسے عیش کئے گئے۔ اب اس سے جدائی ہمیشہ کے لئے ہوتی ہے۔ کچھ دیر مین یہ جلا کر خاکستر یا زیر زمین دفن کر دیا جائیگا۔ اس آخری وقت مین جس حسرت کی نگاہ سے اس جسم کی طرف دیکھا جاتا ہے اُس سے ظاہر ہے کہ گویا یہ سمجھا جا رہا ہے کہ جو کچھ ہے یہ جسم ہی ہے اور موت کے ایسے اظہارون میں دیکھا گیا ہے کہ جسم کے اُٹھتے ہی وہ ماتم بپا ہوتا ہے اور وہ شور و شیون کی صدائین بلند ہوتی ہین کہ سُننے والون کا کلیجہ پھٹتا ہے۔

سوامی دویکانند فرماتے ہین کہ دو طرح کے خیالات کے آدمی دُنیا مین دیکھے جاتے ہین۔ قطع نظر اُس خیال سے جسمین بعد مرگ کوئی ہستی نہین مانی جاتی ہے۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ آدمی روح ہے اور جسم رکھتا ہے یعنی جسم ہے اور بعض کا یہ کہ آدمی جسم ہے اور روح رکھتا ہے یعنی ذی روح ہے۔ پہلے خیال کے لوگ کسی کے مرنے کا ذکر کرتے وقت یون کہتے ہین کہ فلان نے جسم کو چھوڑا یا یون کہو کہ فلان نے چولا چھوڑ دیا یا فلان کا دیہانت (انتقال) ہو گیا۔ دوسرے

خیال کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ "جان بحق تسلیم کرد - یا جان داد" ایک خیال مین روح پر زیادہ زور دیا گیا ہے اور دوسرے مین جسم پر - دوسری طرح کا خیال فارسی اور اُردو شعراء کے کلام مین بیشتر پایا جاتا ہے چنانچہ نظیر اکبرآبادی کے چند اشعار تمثیلاً بطور اقتباس درج کئے جاتے ہین -

اشعار

کیا کہین عالم مین ہم انسان یا حیوان تھے
خاک تھے کیا تھے غرض اک آن کے مہمان تھے
ایک دن اک استخوان پر جا پڑا میرا جو پاؤن
کیا کہون اُسوقت میرے دلمین کیا کیا دھیان تھے
پاؤن پڑتے ہی غرض اُس استخوان نے آہ کی
اور کہا ظالم کبھی ہم بھی تو صاحب جان تھے
دست و پا زانو سر و گردن شکم پشت و کمر
دیکھنے کو آنکھ اور سُننے کے خاطر کان تھے
ابرو و بینی جبین نقش و نگار و خال و خط
لعل و مروارید سے بہتر لب و دندان تھے
رات کو سونے کو کیا کیا نرم و نازک تھے پلنگ
دن کی خاطر بیٹھنے کو طاق اور ایوان تھے
لگ رہا تھا دل کہین چنچل پریزادونکے ساتھ
کچھ کسی سے عہد تھے اور کچھ کہین پیمان تھے
گلبدن اور گلعذارون سے کنار و واسطہ
کچھ نکالی تھی ہوس کچھ اور بھی ارمان تھے
ہو رہے تھے چہچہے اور مچ رہے تھے قہقہے
ساقی اور ساغر صراحی عطر پھول اور پان تھے
ایک ہی چکر اجل نے آن کر ایسا دیا
نہ تو ہم تھے نہ وہ سارے عیش کے سامان تھے
ایسی پرہمی سے مت رکھ پاؤن ہم پر اے نظیر
او میان ہم بھی کبھی تیری طرح انسان تھے

ان اشعار مین استخوان کا یہ کہنا کہ "ہم بھی تو صاحب جان تھے" سوامی دیانند کے ارشاد کی پوری تائید کرتا ہے - لیکن تعجب کے ساتھ دیکھا جاتا ہے کہ ایسا ہی خیال فارسی اور اُردو کے ہندو شعراء کے کلامون مین بھی باندھا گیا ہے جسکی ظاہر وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ مسلمان شاعرون کے کلام کا نتیجہ اُنہون نے بھی کیا ہے - چنانچہ ایک ہندو[۱] شاعر کے یہ چند اشعار خود ادیب سے منتخب کرکے نمونتہ ذیل مین درج کئے جاتے ہیں - ؎

غیرتِ خلد بریں تھی جنکے قدمون سے زمین
اب وہ دہقان آہ اہین شہر خموشان مین مکین
جھونپڑون میں رہنے والے اب کہان ہین وہ عرب
سوگئے کیون گوشۂ مرقد مین وہ حرمان نصیب
کنج تاریک لحد مین اب بسیرا اُن کا ہے
نقش عبرت خاک پر اب آہ پُتلا اُن کا ہے
کیا ابد تک اون سوتے رہین گے خاک مین
کیا نہ آئے گا تغیر گردش افلاک مین

جنکی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ وہ شہر خموشان مین مکین ہین یا گوشۂ مرقد مین سوگئے ہین وہ تو ہندؤن کے عقیدہ مین اپنے اپنے افعال کے مطابق یا تو بہشت کو گئے ہین یا آدمی یا جانور ہوکر پھر پیدا ہوئے ہونگے - وہ کہان اور گوشۂ مرقد کہان اور پھر اس مرقد سے اُن کا اُٹھنا کیسا جنکی جُدائی کا افسوس کیا جا رہا ہے - وہ کچھ اجسام نہ تھے جو میر درد

[۱] - ہندو نہین عیسائی - ایڈیٹر

کئے گئے بلکہ وہ ایک ایسی ذات تھی جسکو نہ معلوم ایسے کتنے اجسام حاصل ہوئے ہونگے جو یکے بعد دیگرے فنا ہوئے اور اسوجہ سے کہ کہین جسم ہی کو عین ذات نہ سمجھ لیا جاے ہندو اُسکو جلاکر خاکستر کر دیتے ہیں۔

پہلا خیال جسمین روح پر بمقابلہ جسم کے زیادہ زور دیا گیا ہے بلکہ روح ہی عین حقیقت سمجھی گئی ہے اور جسم کچھ نہین۔ ہندؤن کے تصوفانہ وشاعرانہ کلام مین بیشتر پایا جاتا ہے۔ چنانچہ تمثیلاً گورونانک کا ایک پد ذیل مین درج کیا جاتا ہے۔

پد

سادھو یہ تن مٹیا جانو

یا بھیتر جو رام بست ہے سا کچھ تا ہہ پہچانو
(یعنی چھوٹا)
یہ جگ ہے سمپت سپنے کی دیکھ کہا ایڑانو
سنگ تہارے کچھ نا چالے تا ہہ کہا لپٹانو
اسُتت نندا دوؤ پہ ہرہری کیرت اُر آنو
(یعنی مدح و مذمت) (یعنی پیچھے)
جو نانک سب جگ مین یہ ران ایک پرش بھگوانو

साधो इह तन मिथ्या जानो ।
या भीतर जो राम बसत हैं सांचो ताहि पछानो ।
इह जग है संपति सुपने की देख कहा ऐड़ानो ।
संग तिहारे कछु ना चाले ताहि कहा लपटानो ।
अस्तुति निन्दा दोऊ परिहरि हरिकीरति उर आनो।
जो नानक सबही मॅ पूरन एक पुरुष भगवानो ।

اگرچہ یہ ایک ایسا معما ہے جسکے متعلق حافظ شیراز نے یہ فرمایا ہے مصرع کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معما۔ مگر ہم یہ دیکھنا چاہتے ہین کہ حکماے قدیم وحال دونون نے ہمنون نے اس معمے کو حل کرنے کی کوشش کی ہے آخر کیا راے اس مسئلے کے متعلق قائم کی ہے اور پھر اُسکے بعد ہم یہ دیکھنا چاہتے ہین کہ اگرچہ بقول حافظ شیراز کسی نے بذریعہ حکمت اس معمے کو حل نہین کیا ہے لیکن جنکی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ اُنکو اس قسم کے اسرار کی خبر بذریعہ القا ہوئی ہے اور اُنہون نے اصل حقیقت کو دریافت کر لیا ہے۔ اُن لوگون کا اس بارہ مین کیا بیان ہے۔

اگرچہ زمانہ حال مین جبکہ سائینس کی بہت ترقی ہو رہی ہے جگہ جگہ یہی غور ہو رہا ہے کہ آسایش جسم کی غرض سے ابھی اور کون کونسی تدابیر اختیار کی جائین اور کون سے نئے نئے علوم کا سہارا لیا جاے جس سے ہم اپنے اس جسم کی ایسی حفاظت کر سکیں کہ اُسمین کوئی خرابی نہ پیدا ہو اور اگر ہو تو اُسکا دفعیہ فوراً ہی علم کے زور سے کر دیا جاے۔ تاہم اس ترقی یافتہ دور مین اب بھی کبھی کبھی یہ سوال لوگون کے دلون مین اُٹھتا ہے کہ کیا یہ جسمانی یا ظاہری حفاظیہ وہ انتہائی حفاظیہ نہیں جنسے پرے کوئی راحت یا آنند نہین ہے؟ جب یہ سوال جاگزین ہوتا ہے تو ہمارے دلون مین یہ خیال بھی بڑے زور سے پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی ایسا سکھ یا آنند ہے جو ہمارے ان جسمانی یا ظاہری حفاظیے پرے ہے یا جُدا ہے تو وہ ہمکو کیسے حاصل ہو۔

سب سے پہلے تو یہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے اس جسم کثیف کے چھوٹنے کے بعد ہماری کوئی ہستی رہتی ہے یا نہین۔ یہی سوال زمانۂ قدیم مین رشیون کے دلون مین پیدا ہوا تھا "جب کوئی آدمی مر جاتا ہے تو وہ کہان جاتا ہے؟ بعض کہتے ہین کہ وہ موجود ہے اور بعض کہتے ہین کہ وہ نہین رہا ہے۔ اے ایم دیوتا کہو سچ بات کیا ہے"؟ اس سوال سے ظاہر ہے کہ دو طرح کے عقائد رکھنے والے زمانۂ قدیم سے

چلے آرہے ہین- ایک وہ جو ہستی بعد مرگ کے قائل نہین ہین کیونکہ اُنکا یہ بیان ہے کہ اسکا کوئی ثبوت نہین ہے کہ جسکو کانشنس لنس Consciousness یعنی وقوف ہستی خود کہتے ہین وہ بعد مرگ قائم رہتی ہے- دوسرے وہ لوگ ہین جو نہ صرف اس بات کے قائل ہین کہ ہستی بعد مرگ ہے بلکہ اس بات کے بھی کہ وہ ہستی یا زندگی ابدی ہے- فرقۂ اول الذکر مین- ہندوستان کے قدیم چاروا کی- سوہم بادی- دروجن مت انو یائی اور بودھ اور یورپ کے زمانہ حال کے حکماے مادئین شامل ہین- اور فرقۂ ثانی الذکر مین ہندوستان کے وویت- وششٹا دویت وادویت وغیرہ مت والے اور دیگر وہ لوگ شامل ہین جو کسی نہ کسی شکل مین ہستی بعد مرگ یا عقبیٰ کے قائل ہین-

اب دیکھنا چاہئے کہ جو لوگ ہستی بعد مرگ یا یون کہو کہ روح کے قائل نہین ہین اُنکے کیا خیالات ہین- ان لوگون کا یہ بیان ہے کہ ہمکو صرف صفات کا علم ہوتا ہے جسکو ذات کہتے ہین ہمکو اُسکا علم نہین اور اسلئے اُسکے وجود کو ماننا فضول ہے- وہ یہ کہتے ہین کہ ہمکو صرف تغیرات کا علم ہے- کسی غیر متغیر شے کا ہمکو علم نہین ہے اور اسلئے ہم اُسکے وجود کے قائل نہین اور چونکہ یہ لوگ صرف صفات کے قائل ہین اسلئے وہ صرف مشاہد یعنی ظاہری باتون کے ماننے والے نہین اور اسیوجہ سے وہ نہ خدا کے قائل ہین اور نہ روح کے یہی عقیدہ زمانۂ قدیم مین بودھ مذہب کے لوگون کا تھا اور زمانۂ حال مین میٹریلسٹ Materialist حکماے یورپ کا بھی یہی عقیدہ ہے-

بُدھ مذہب مین آدمی کیا ہے ایک مجموعہ ہے صفات کا- صفات پانچ اقسام کے ہین (۱) صفات مادّی جسکو روپ نام دیا گیا ہے- (۲) محسوسات جسکو ویدن वेदन کہتے ہین یعنی جنکا علم ہمکو حواس خمسہ کے ذریعہ سے ہوتا ہے- (۳) خیالات (۴) سنسکار संस्कार یعنی افعال وخیالات کے نقش جو من یا چت پر ہوجاتے ہیں اور (۵) وگیان विज्ञान یعنی ادراک یہ پانچ اسکندہ स्कंध کہلاتے ہیں جنکا مجموعہ آدمی ہوتا ہے- ایکین جسم- من- بُدّھی یعنی قوت خیال وادراک وغیرہ سب شامل ہین- چونکہ یہ سب صفات لحہ لحہ یعنی چھن چھن پر بدلتے ہین اسلئے اس مذہب کے لوگون کو چھنک وگیان وادی क्षणिक विज्ञानवादी کہتے ہین- کوئی آدمی دو لمحون مین ایک ہی نہین رہتا ہے یعنی ایک لمحہ مین جو تھا دوسرے لمحہ مین وہ نہین ہے اور اسکے اندر کوئی ایسی شے نہین ہے جو اُن دو لمحون مین بلا تغیر برابر قائم رہتی ہے- یعنی کوئی ہمیشہ رہنے والی چیز جسکو روح کہتے ہین نہین ہے- اگرچہ یہ لوگ روح کے قائل نہین ہین مگر ایک معنی مین یہ بھی ہستی بعد مرگ کے قائل ہین کیونکہ انکے یہان بھی تناسخ کا عقیدہ ہے جو اسطرح ہوتا ہے کہ جب کوئی جانور یا آدمی مرتا ہے تو اُسکے افعال کے مطابق کسی یا دُکھی حالت مین ایک نیا آدمی یا جانور پیدا ہوجاتا ہے- یہ جو حواس خمسہ مین اُنکے بیرونی دُنیا سے ملنے کیوجہ سے محسوسات کی ابتدا ہوتی ہے اور ان محسوسات سے خواہشات کو پورا کرنے کے لئے ایک طبعی ہوس پیدا ہوتی ہے جسکو ترشنا (तृष्णा) نام دیا ہے- جب یہ ہوس پیدا ہوگئی تو اس ہوس کو بجھانے کے لئے خواہشات کی طرف من کی روانی شروع ہوتی ہے جسکا نام اُپادان उपादान ہے اور یہی اُپادان نئے آدمی یا جانور کی پیدایش کا باعث ہوتا ہے- یہ کچھ نئی روح نہین ہے بلکہ جسطرح اوپر ذکر ہوا ایک

جدید مجوجہ اسکندھون کا پیدا ہوجاتا ہے۔آدمی کی زندگی تبول بودھون کے مثل چراغ کی لَو کے ہے۔چراغ ایک دیالی ہے اور اُس دیالی مین تیل پڑا ہوا ہے، اور تیل کے اندر بتّی ہے جو جلتی ہے۔جیسے ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلایا جاتا ہے اور پھر اُس دوسرے سے تیسرا اسیطرح ایک نیا جاندار پہلے جاندار کے مرنے کے بعد پیدا ہوتا ہے۔دوسرے چراغ کی لَو پہلے چراغ کی لَو نہین ہوتی ہے لیکن پہلی لَو کے بغیر دوسری لَو پیدا نہیں ہوسکتی۔کسی لَو کا وجود بغیر تیل کے قائم نہین رہ سکتا بلکہ جب تک چراغ میں تیل ہے تب تک وہ لَو ہے۔اسی طرح ہر جاندار کا وجود بھی دنیوی خواہشات کے ساتھ تعلقات پر منحصر ہے۔جب چراغ مین تیل نہ رہیگا تو لَو خود بخود بجھ جائیگی اور پھر اُس سے کوئی نئی لَو پیدا نہین ہوسکتی۔اسیطرح خواہشات کے مٹ جانے پر آدمی کے کُل اجزا اور اُسکی کل قوتین درہم برہم ہوجاتی ہین اور کوئی نیا جاندار دُکھ اُٹھانے کے لئے نہین پیدا ہوگا۔کیونکہ بودھون کے عقیدہ مین زندگی کے معنی ہی دُکھ ہین۔اسطرح فنا ہوجانے یا مٹ جانے کو نجات کہتے ہین جسکا نام بودھون مین نروان ہے۔

اب دیکھنا چاہئے کہ حال کے ارنسٹ ہکلے یورپ کے اس بارہ مین کیا خیالات ہین ارنسٹ ہیکل (Ernest Haekal) نامے جرمنی کے ایک فلاسفر نے تھوڑا عرصہ ہوا ایک کتاب لکھی ہے جسمین وہ یہ لکھتے ہین کہ خدا، روح، اور عالم کے متعلق جو غور ہوا ہے وہ دو طرح کا ہے اور دو طرح کے خیالات کے آدمی دُنیا مین ہین۔ایک وہ جو دوئی کے قائل ہین اور دوسرے وہ جو صرف وحدت کے قائل ہین۔دوئی کے قائل وہ لوگ ہین جو یہ سمجھتے ہین کہ جسم جُدا ہے۔روح جُدا ہے۔جسم فانی ہے اور روح غیر فانی۔اور ان دونون کا ایک خالق ہے جسکو وہ خدا کے نام سے موسوم کرتے ہین۔اسکے برخلاف وحدت کے قائل لوگون کا یہ عقیدہ ہے کہ دُنیا مین حقیقت ایک چیز ہے جو ایک ہی وقت مین خدا بھی ہے، عالم بھی ہے، جسم بھی ہے اور روح بھی ہے، مادّہ بھی ہے اور قوت بھی ہے اور دونون ایک دوسرے سے کبھی جُدا نہین ہوسکتے۔دوئی کے قائل لوگون کا خدا عالم سے خارج ہے اور وحدت کے قائل لوگون کا خدا عالم کے اندر ہے۔ہیکل صاحب کہتے ہین کہ ہمارا یعنی وحدت کے قائل لوگون کا یہ عقیدہ ہے کہ بغیر اسپرٹ یعنی روح کے مادہ کا وجود قائم نہین رہ سکتا اور نہ وہ عمل پذیر ہوسکتا ہے اور اسیطرح مادہ سے علیحدہ روح کی ہستی ممکن نہین ہے اور نہ وہ عمل پذیر ہوسکتی ہے۔وہ یہ کہتے ہین کہ ہمارا یہ نچوڑ عقیدہ ہے کہ مادّہ یعنی غیر محدود پھیلی ہوئی چیز اور روح یا قوت یا خیال کرنے والی قوت جو کہ دو بڑی صفتین اُس محیط عالم موجود بالذات شے کی ہین جسکو آپ چاہے جوہر الوہیت کہہ سکتے ہین چاہے کچھ اور۔اور جو تمام عالم مین پھیلی ہوئی ایک ہی چیز ہے۔یہ تمام عالم مین پھیلی ہوئی شے اپنے وجود کے دو مختلف صفات ہم پر ظاہر کرتی ہے۔ایک مادّہ یعنی غیر محدود پھیلے ہوئے اجسام۔اور دوسری روح یعنی کل کو محیط کرنیوالے خیال کی قوت، یا اور کوئی دوسری قوت۔تمام چیزین جو ہمارے علم مین آتی ہین اور تمام افراد جنکی کوئی ہستی ہے، محض عارضی اشکال یا حالتین اُسی ایک محیط عالم موجود بالذات شے کی ہین۔یہی حالتین مادّی اشیا ہین، جب ہمکو اُنکی نسبت وسعت کا خیال ہوتا ہے۔مگر وہ حالتین قوت ہین جبکہ خیال کی یا قوت کی شکل مین ہین۔ہمارے نزدیک مادّہ اور تحریک

پیدا کرنے والی قوتین ایک ہی شے کی جنمین اُنکا قیام ہے ایسی دو صفتین ہین جو ایک دوسرے سے جُدا نہین ہوسکتین۔ یہ خیال ویدانت سے کسقدر مشابہ ہے۔ اسے ہم آگے بتائینگے۔

ہیکل صاحب کے نزدیک بعد مرگ کچھ باقی نہین رہتا۔ اُنکے نزدیک کوئی عقلی نہین ہے جیسے جسم فنا ہوتا ہے ویسے ہی روح بھی فنا ہو جاتی ہے۔ تخم پدر و خون مادر کے ملنے سے جیسے ایک نئے شخص کا جسم پیدا ہوتا ہے ویسے ہی اُسی تخم اور اُسی خون کے ذریعہ سے جنمین والدین کی روحانی قوتون کا انکڑ رہتا ہے ایک نئی روح پیدا ہوتی ہے۔ کہین باہر سے نہین آتی ہے اور اگر کسی کا سلسلۂ توالد بند ہوگیا تو جاننا چاہئے کہ جسم اور روح دونون کا سلسلہ منقطع ہوگیا پھر نہ کوئی جسم ہے اور نہ کوئی روح ہے جہانتک اُسکے سلسلہ سے تعلق ہے۔

اب دیکھنا چاہئے کہ جو لوگ ہستی بعد مرگ کے قائل نہین ہین۔ اُنکا یہ خیال کہانتک صحیح مانا جاسکتا ہے۔ پروفیسر ہیکل نے علمی طور پر عالم کی تنقیح کرتے وقت اپنی ایک کتاب مین یہ لکھا ہے کہ ہمکو علم صرف تین چیزون کا ہی یعنی یہ کہ مادہ ہے۔ قوت ہے اور کانشنس نس (Conscious ness) یعنی اپنی ہستی کا وقوف ہے اور ان تینون کا باہمین تعلق ہے۔ علمی تجربات سے ہمکو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انمین سے مادہ ازلی و ابدی ہے اور اسیطرح قوت بھی لافانی ہے۔ اس پر سے طبعی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کانشنس نس ہی جسکے ذریعہ سے ہمکو مادہ اور قوت کا علم ہوتا ہے ازلی و ابدی نہین ہے! کیا یہ برخلاف مادہ اور قوت کے فنا پذیر ہے۔ البتہ مادہ کی ابدیت کو ہم کیمیائی ترازو کے ذریعہ سے ثابت کرسکتے ہین اور اسیطرح جب ہمکو ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی قوت ضائع ہو رہی ہے تو ہم فوراً یہ ثابت کرسکتے ہین کہ وہ ضائع نہین ہوتی ہے۔ بلکہ وہ ایک دوسری قوت مین منتقل ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ ہم کسطرح ثابت کرین کہ کانشنس نس یعنی وقوف ہستی کو بھی بقا ہے؟ اسکو تو ترازو مین تول کر نہین بتا سکتے ہین۔ لیکن یہ قرین عقل نہین معلوم ہوتا ہے کہ جب مادہ اور قوت کو بقا رہتی ہے تو صرف کانشنس نس ہی کو بقا نہین ہے۔ باوجود اس بات کے کہ ہم یہ جانتے ہین کہ ہمارا علم جو کچھ ہے وہ کانشنس نس کی کسی نہ کسی حالت سے باہر نہین ہے تعجب ہے کہ جس کانشنس نس کی مدد سے ہمنے مادہ اور قوت کی ابدیت کو معلوم کیا ہے خود اُسی کانشنس نس کی ابدیت کے متعلق ہم کچھ نہین کہہ سکتے۔ غرض کہ حال کے علم کی یہ ایک عجب کمزوری ہے۔ یہ کہنا کہ مادہ اور قوت دونون غیر فانی ہے اور پھر یہ کہنا کہ کانشنس نس جسکی یہ دونون یعنی مادہ اور قوت حالتین ہین غیر فانی نہین ہین یہی معنی رکھتا ہے کہ کسی درخت کے پھول پتے تو غیر فانی نہین مگر اُسکی جڑ فانی ہے۔ بھگوت گیتا کا یہ قول ہے "موجود سے غیر موجود اور غیر موجود سے موجود نہین ہو سکتا" یعنی وجود سے عدم اور عدم سے وجود نہین ہو سکتا۔ پس جو ہیکلے کا نتیجہ ہے وہی ہندو فلاسفی کا بھی ہے۔ اور اگر یہ صحیح ہے تو کیا وجہ ہے کہ کانشنس نس کی نسبت جسکے ہست ہونے مین کوئی شبہ نہین کیا جاسکتا ایسا کیون نہ کہا جاسکے کہ "چونکہ وہ موجود ہے اسلئے وہ غیر موجود یعنی معدوم نہین ہو سکتی"۔

اب دیکھنا چاہئے کہ جو لوگ ہستی بعد مرگ کے قائل نہین اُنکے کیا عقائد ہین۔ انمین سے کچھ تو یہ مانتے ہین کہ صرف ایک ہی ہستی یا حقیقت ہے جو ازلی و ابدی ہے اور اگر بعض

دوسری جداگانہ ہستیان محسوس ہوتی ہین تو وہ یا تو اُسی ایک ہستی کے ظاہری شواہد یا اصلی تغیرات ہین - اور بعض کا یہ عقیدہ ہے کہ جتنے اجسام ہین اُتنی ہی ہستیان جداگانہ ہین - ان عقائد کا ذکر تفصیل سے آگے آئیگا -

عرضکہ متذکرۂ صدر بحث سے یہ نتیجہ مستنبط ہوتا ہے کہ دو تیوریان ہین یعنی دو قسم کے خیالات ہین -

(۱) ایک یہ کہ ایک ہی شے کا وجود مانا جاسکتا ہے جسکی کوئی واقعی ہستی ہے چاہے وہ اسپرٹ یعنی روح ہو اور چاہے وہ میٹر یعنی مادہ ہو - جو لوگ یہ مانتے ہین کہ روح ہی کا حقیقی وجود ہے اور دیگر وجود محض اعتباری یا مجازی ہین اُنکے نزدیک باقی دوسری چیزین جو محسوس ہوتی ہین وہ یا تو اُسی ایک حقیقی وجود کی محض ظاہری صورتین ہین یا اُسکے حقیقی تغیر یافتہ اشکال ہین اور جو لوگ صرف مادّہ کی ہستی کے قائل ہین اور باقی کسی چیز کے قائل نہین وہ یہ کہتے ہین کہ جسکو عام اصطلاح مین روح کہتے ہین یا من یا مائنڈ وہ اسی مادّہ کی جسمانی ترکیب کا نسخہ ہے - یا یون کہو کہ مادہ ہی کی ایک صفت ہے یا ارگنسٹ سیکل ایک محیط عالم شے کی ایک صفت ہے - اسیطرح جسطرح کہ خود مادّہ اُسکی ایک صفت ہے - یہ خیال اُن لوگون کو جو ظاہر بین ہین مقبول ہوتا ہے اور برخلاف اسکے عقیدۂ اول الذکر اُن لوگون کو مقبول ہوتا ہے جو باطن بین ہین

(۲) دوسرا خیال یہ ہے کہ دو علیحدہ علیحدہ چیزون کا حقیقی وجود ہے - یعنی یہ کہ روح علیحدہ ہے، مادّہ علیحدہ ہے اور یہ دونون ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ ہوکر رہ سکتے ہین - کوئی تو مادّہ اور روح دونون کے ازلی و ابدی ہونے کا قائل ہے اور کسی کا یہ عقیدہ ہے کہ مادّہ اور روح دونون کا حقیقی وجود تو ہے مگر دونون مخلوق ہین - یعنی یہ کہ اُنکی ابتدا ہے اور ان دونون کا پیدا کرنے والا بھی ایک ہے جو صرف ازلی و ابدی ہے - باقی اور کوئی چیز ین ازلی و ابدی نہین ہین -

یہ تو حکما کے خیالات ہوئے - اب دیکھنا چاہئے کہ رشیون کی نسبت ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اُنکو اس قسم کے حقائق کی رہنمائی (الہام) ہوئی ہے یا یہ کہ اُنھون نے ان حقائق کو خود الٹو ہو (قیاس) کیا ہے جسکے یہ معنی نہین کہ بذریعہ القا یا الہام اُنپر سارے حقائق کھلے ہوئے تھے آخر اُن رشیون نے وید مقدس مین اس بارہ مین کیا فرمایا ہے - لیکن چونکہ یہ خود ایک طویل مضمون ہے اسلئے اسکو دوسرے نمبر پر ملتوی رکھا جاتا ہے - انشاءاللہ تعالےٰ پھر لکھا جائے گا -

پربھولال

سدرشن - یعنی وید درحق - یہ ایک عارفانہ تصنیف ہے جسے ویدانت کا ماخذ سمجھنا چاہئے - مصنف نے اپنا نام نہین ظاہر کیا لیکن کتاب زبان حال سے کہہ رہی ہے کہ مین کسی واقعہ کار کے قلم سے نکلی ہوئی طرز بیان سلیس و دلچسپ ہے اور باتون باتون مین عرفان و حقیقت کے بڑے بڑے نکتے طے کئے گئے ہین - انسان کی اصلیت سچدانند ہے - تجدد مکان و زمان - خودی کی تجلی - سلسلہ جبر و قدر - روح کی تعلیم و تربیت - مراحل عرفان - نجات اور سرور ابدی ایسے مہتم بالشان مسائل پر بالترتیب بحث کی گئی ہے - جابجا اخلاقی نکتے اور سائنس کے بعض نادر اصول بھی بیان کئے گئے ہین - مذکیۂ نفس اور صفائے باطنی کو زندگی کا اعلیٰ مقصد قرار دیا گیا ہے - اور یہی سرور ابدی کا ذریعہ ہے - کتاب دو حصون پر ختم ہوئی ہے اور مجموعی ضخامت ۳۷۰ صفحات ہے - چھپائی صاف - زبان کسیقدر قابل ترجمہ - شائقین "مترجم صاحب تھیاسوفیکل سوسائٹی بنارس" سے خط و کتابت فرمائین -

حُبِّ وطن

اسے فطرت کا خاصہ کہئے یا قدرت کا تقاضا۔ انسین ذرا شک نہین کہ ہمین کوئی مقام ایسا پیارا دلفریب اور خوشنما نظر نہین آتا جیسا ہمارا وطن جسکی آب و گل ہمارے وجود کا جزء اعظم اور جسکی جان نواز ہوا۔ دلکش فزا۔ سہانا موسم۔ شاداب زمین یہ سب ہماری نظر اوّلین کا منظر بنی تھین۔ اور جب ہمنے کتم عدم سے نکلکر یہان آنکھین کھولی تھین۔ بھلا وہ خطّہ ہماری جانب سے ازدیاد محبّت کا کیون دم نہ بھرے۔ جسنے سب سے پہلے ہمین دُنیا کا سبق دیا۔ جسکے آغوش مین ہمارا نشو و نما ہوا۔ جہان ہمنے بہار طفلی کے مزے لوٹے اور جس جگہہ وہ سادہ لوحی کا زمانہ گذرا جسے بچپن کہتے ہین جسمین ہم غم جہان سے آزاد تھے۔ ہماری خوشیون مین رنج کا خلا ملانا تھا اور ہمپر مشاغل اور تعلقات دنیوی کی گرانباری نہ تھی۔ بقول سرو الٹر سکاٹ صفحۂ روزگار پر ایسا افسردہ دل اور پژمردہ خاطر ایک بشر بھی نہ ملیگا جسنے فخر اور مسرت کے ساتھہ اپنی زبان سے کبھی یہ جملہ نہ کہا ہو "یہی میرا پیارا وطن ہے یہی میرا گھر ہے" کوئی سینہ ایسا نہین جسمین وطن کی محبّت جاگزین نہ ہو اور کوئی انسانی طبیعت ایسی نہین جسمین اسکی الفت کے جذبات موجزن نہون۔ ادنیٰ سے اعلیٰ تک۔ بچّے سے بوڑھے تک کیا عالم کیا جاہل سب کے سب بالعموم اپنے وطن کے جان نثار و دلدادہ ہوتے ہین۔ اسکی محبّت کا دم بھرتے ہین اور اسکی خدمت پر ہمیشہ کمربستہ رہتے ہین۔ عشق وطن مین نہ جہالت سدّراہ ہوسکتی ہے۔ نہ دنیا کی صعوبتین اُسمین خلل اندازی کرسکتی ہین۔ انسان کہین ہو۔ کیسی ہی حالت مین ہو وطن کی یاد نہین بھول سکتا۔ وطن سے باہر ایک عالم اُس سے سرد مہری کرے۔ وہ آوارہ جہان ہوجائے۔ وہ مصائب جھیلے اُسکا سفر وسیلۂ اتلف ہو یا نموتہ السقر اُسکا حال اس شعر کا مصداق ہوگا۔ ؎

بسکہ شد زنجیر پایم رشتۂ حُبِّ وطن
در سفر دائم چو سوزن چشم دارم در قفا

ہر حال مین اس خطّہ کا اُنس اس زمین کی الفت ضرور اُسکے دل مین جگہہ کئے ہوئے ہوگی۔ وہ یاد وطن مین محزون ہوگا اور بیرون وطن کے آلام و آفات یا عشرت و نشاط سے مُنہ موڑکر ایک روز مجبور ہوجائیگا کہ وطن کے رنج و راحت کا حظ اُٹھائے اور اُسمین حصّہ لے۔ اسی محبّت کے ولولے نے بہت سی قومون کو زاویۂ گمنامی مین چین نہ لینے دیا۔ اُنھین بیدار کرکے ادبار و ذلّت سے نکال دیا۔ اور سطح زمین پر اُنکا نام روشن کر دیا۔ گو انقلاب زمانہ اور کج رفتاری فلک سے اُنھین وہی بلند پایگی اور رفعت حاصل نہ رہی۔ اس گردش چرخ کی وجہ سے کمال و زوال باری باری سے اقوام پر مسلط رہے اور اسنے جسے اُبھارا۔ اُسے غرقاب کرکے دکھا دیا۔ تاہم اگر کسی قوم کا چار دانگ مین ڈنکا بجا ہے یا بج رہا ہے تو وہ حُبِّ وطن کی وجہ سے۔ ورنہ وہ قومین جنھون نے وطن پرستی نہین کی۔ یا جذبات حُبِّ وطن سے جنکے سینے خالی رہ گئے یا جنکی طبائع مین دریاے جوش قومی موجزن نہین ہوا۔ مٹتی چلی گئین اور کبھی نہ اُبھرین۔

یونان اور روما کی عظیم الشان سلطنتین اب نیست و نابود ہوچکی ہین مگر جس زمانہ مین اُنکی کشور کشائی اور فرمانروائی کا آفتاب نصف النہار پر درخشان تھا اور ایک عالم اُنکی قومی ترقی کا لوہا مانے ہوئے تھا۔ جب اُنکے جھنڈے بڑے بڑے ملکون پر لہرا رہے تھے تو اُن اسباب مین جو اس قابل رشک عروج کی بنیاد ڈالنے مین محرک ہوئے تھے ایک بڑا سبب جب وطن بھی تھا۔ یونان کے بچے بچے کو اپنے ملک پر فدا ہونے کا سبق الف بے کے ساتھ ہی دیا جاتا تھا۔ پیر کلیز نے اپنی ایک تقریر مین کہا تھا کہ ہم اپنے ملک کے اُن باشندون کو جنھین ملک کا خیال نہین اور جو اسکی بہتری اور بہبودی کے معاملات مین دلچسپی نہین لیتے۔ صرف غیر ضروری ہی نہین سمجھتے بلکہ انکے عدم اور وجود کو مساوی جانتے ہین اور فی الحقیقت ملک کو ایسے اشخاص سے کوئی فائدہ نہین پہونچتا۔ روما کہنے کو ایک شہر تھا مگر ایک زمانہ ایسا بھی ہوچکا ہے جب سات پہاڑیون کی اس چھوٹی سی آبادی نے تمام عالم کو ہلا ڈالا تھا۔ جاپان ایک صدی پہلے ایک تیرہ و تار وحشیہ مین پڑا تھا اور اب تمام دُنیا کے مُدبّر، عقلمند اور طاقتور ملکون مین اُسکا شمار ہوتا ہے۔ اسکی ترقی اور عروج کے اسباب کو بھی جب آپ غایر نظر سے دیکھین گے تو حُبّ الوطنی کو ضرور نزدِ اعظم پائین گے۔ وہان کے بچون کو مان کی گود ہی مین بارہا اس قسم کی باتین سُننا پڑتی ہین کہ "اے میرے پیارے بچے جاپان کا سپوت ہے۔ تیرے بزرگون کی عزت و آبرو تیرے ہاتھ ہے اور جاپان کی ترقی اور حفاظت کا انحصار تیری ذات پر ہے۔" جب اوائل عمر سے ایسی ذمہ داریان وہان کے ہر شہری کی گردن پر لدھ دیجاتی ہین اور وہ اُنھین اپنی زیست مین نہایت خوش اور جانفشانی کے ساتھ پورا کرتا ہے تو اُس ملک کا ستارہ اوج پر کیون نہو۔

یہ تو ممالک غیر کے حالات ہین کچھ زمانہ سلف کے اور کچھ حال کے۔ ہمین حُبّ الوطن کا سبق اپنی حاکم قوم سے بھی لینا چاہئے۔ انگلش قوم اگر آج روے زمین کے ایک بڑے حصہ پر حکمران ہے تو یہ کوئی تعجب خیز امر نہین۔ فی الحقیقت وہ ہزار ہا خوبیان جنسے یہ بلند مرتبہ قوم مملو ہے اس بات کے متقاضی ہین کہ اسکا اقبال اور بڑھے، اسکی حدود سلطنت اور وسیع ہون، یہ اپنے محکومون پر ایک زمانہ تا قیامتنا ہی تک سایہ فگن رہے، اور اسکی برکتون سے ایک عالم یون ہی فیضیاب ہوتا رہے جس جگہ ملک اپنے ہر باشندے سے یہ کہے کہ "اے برطانیہ کے رہنے والے۔ دیکھ مین نے تیرے لئے کیا کیا کیا کر دیا، اب تو دکھا کہ تونے میرے لئے کیا کیا کام کئے۔ مین تجھ سے امید رکھتا ہون کہ تو اپنے فرض کو بجا لائیگا" جس جگہ نیلسن ایسے کئی محبانِ وطن دم واپسین تک اپنے فرائض ملکی انجام دینے مین سرگرم رہے ہون۔ جہان ملٹن کی یہ دعا صبح و مسا ہر بچہ کی زبان سے ادا ہو کہ "اے خدا جسنے اپنے افضال بے پایان سے اس سلطنت برطانیہ کو بنایا ہے اور رفیع الشان اور شایان رشک کر دکھایا ہے اُسے مع اُسکے مقبوضات کے قائم رکھ۔" جہان ٹینیسن اپنے چھوٹے سے جزیرے۔ اپنی قوم کی بہبودی ہم خیالی ہمدردی اور آزادی پر نازاور دیگر اقوام یورپ کی خانہ جنگیون اور انقلاب حکومت کی تضحیک کرتا ہوا خدا سے اُسکے تحفظ اور بقا کے لئے استدعا کرے۔ جس جگہ ہر متنفس اس بات کا قائل ہو کہ ذاتی فرائض کی پابندی اور انجام دہی قومی عظمت اور قومی ناموری کے راستے پر لے جاتی ہے، ایسی قوم اگر فرمانروائے ہفت کشور ہو جاے تو کونسی انوکھی بات ہے۔

مختلف ممالک اور مختلف اقوام کی تاریخ کے اوراق اُلٹ پلٹ کر دیکھنے سے اس امر کا علم ہو جائیگا کہ کوئی ملک کسی زمانے مین محبانِ وطن سے خالی نہین رہا۔ ہمارے ہندوستان مین بھی بہت سی مثالین ایسے دمسازان و یارانِ وطن کی ملینگی جنھون نے اپنی زندگیان ایثار نفسی اور ملکی خدمت پر وقف کر رکھی تھین اور کر رکھی ہین۔ قلت اور زیادتی کے ساتھ یہ خوبیان ہر قوم مین طبعی ہوتی ہین۔ زمانۂ گذشتہ مین اس ملک مین بھی انکا اظہار ایک معمولی رفتار پر ہوتا رہا۔ اصلی کام کرنے والے اپنے اپنے دھندون مین مشغولیت رکھتے تھے۔ انکی جانب سے نہ جوش تھا نہ خروش نہ ناظرین کی نگاہین اُنسے لڑی رہتی تھین۔ اب پانچ چھ سال سے یہان کا عالم جُدا ہو گیا۔ ادھر ہمالیہ سے راس کماری تک۔ اُدھر بنگال سے گجرات تک دیش بھگتی اور حُبِّ وطن کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ ہر دیوار و در با آوازِ دُہل پکار رہا ہے کہ ملک پر فدا ہو جاؤ۔ اپنی قوم کو ادبار سے نکالو، جاگو اُٹھو ع نکل جاؤ رستہ ابھی بے خطر ہے + اس ہمت اور جرأت دلانیوالی خوشگوار اور دلپذیر آواز کے ساتھ ہی ایک نا عاقبت اندیش اور گمراہ گروہ کی ایک وحشت ناک صدا بھی کانون مین آتی ہے کہ اے اہل قوم بہت سو چکے اب ہشیار ہو جاؤ۔ حاکمون سے حکومت طلب کرو۔ نہین تو جبراً لو۔ ہتھیار سنبھالو پھانسی چڑھو فنا ہو جاؤ مگر ملک کو نجات دلا دو۔ لیکن ہمین اپنی شومی طالع پر سخت افسوس آتا ہے کہ ایک زمانہ کی کش مکش کے بعد سدیشی تحریک کی بنیاد پڑی مگر اسکے بھی دو متضاد پہلو بنگئے۔ یہ ایک نہایت نیک سعید اور پاک خیالات اور محسوسات کا نتیجہ ہے جسکا موضوع نیکنیتی آشتی اور صلح پر مبنی ہے، جسکی ترقی مین علی العموم تمام باشندگانِ ہند کیا ہندو کیا مسلمان سب شریک حال ہین اور جسکی نسبت ایک روشن دماغ اور نازک خیال کی راے سے سب کو اتفاق ہے جو یہ ہے۔ ؎

داخل مری دانست مین یہ کام ہے پُن مین
پہونچائیگا قوت عجب ملک کی بُن مین
تحریک سدیشی پہ مجھے وجد ہے اکبر
کیا خوب یہ نغمہ ہے چھڑا دیس کی دُھن مین

مگر جب یہ محبت مغلوبانہ خیالات سے پُر ہو گئی اور عقل کا غلبہ اُسپر نہ رہا تو اس تحریک کا دوسرا پہلو پیدا ہوا جسنے پہلے بائیکاٹ کی صورت اختیار کی اور پھر اناركی کا پیرایہ تیار ہوا۔ اس نیک کوشش کا یہ دوسرا حصہ بہت شرمناک ہے۔ ہمارے مذہب و عقائد۔ ہمارے عادات و آداب کے بالکل برعکس ہے۔ ہماری فلاح مین حائل اور ہماری ترقی کے لئے نہایت ہی نحس اور زبون ہے۔ اس راہ پر چلنے والی بدخواہ جماعت نے جو کجروی اختیار کی ہے وہ بہر طور قابل نفرت و حقارت ہے۔ برٹش قوم کی بے لوث حکومت۔ انصاف اور رعایا پروری سے کونسا بشر ہے جو منکر ہو گا۔ چوروں اور لٹیرون سے نجات۔ جان و مال کی حفاظت۔ مذہب کی آزادی۔ دیگر ممالک کے حملون سے بیفکری۔ تعلیمی اور تمدنی ترقی۔ خواہ غلط سے ہماری بیداری اور فلاح عامہ کے بہت سے کام تار۔ ڈاک۔ ریلوے۔ آبپاشی۔ ریلیف فنڈ۔ شفاخانجات وغیرہ یہ چند اُن بے شمار فوائد مین سے ہین جو ہمین انگریزی سلطنت کی بدولت نصیب ہوئے۔ اُس گروہ سے کوئی پوچھے کہ ایسی رحمدل اور شفیق حاکم جماعت سے برسرِ پیکار ہونا کونسی عقلمندی ہے۔ اس سے زیادہ حکومت کی جانب سے اور مراحم خسروانہ کیا ہو سکتے ہین۔ اگر ملک کی ترقی کے لئے ایک گروہ نے کشت و خون ہی کو

اپنا مسلک ٹھہرایا ہے۔ تو اُسے باب کامرانی تک پہونچنے کی اُمید منقطع کردینی چاہیئے۔ حاکم قوم اور اُسکے اختیارات کے مقابلہ چند بد اندیش اشخاص کا اجتماع کچھ نہین کرسکتا۔ گورنمنٹ اور ملک کے سربرآوردہ اصحاب اسکی بیخکنی اور انسداد مین کوشان ہیں۔ ایک نہ ایک دن فرداً فرداً اس جماعت کے ممبر کالعدم ہوجائین گے۔ نہ انکی ذات سے کسی کو استفادہ پہونچے گا۔ نہ اُنسے وطن کی خدمت ہوسکے گی۔ انھین اب بھی اپنی حرکات ناجائز سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ کیونکہ صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آجاے تو اُسے بھولا نہین کہتے۔

ان دلون اپنے ملک کی محبت اور خدمت کے متعلق کچھ ایسے لغو خیالات ملک مین پھیلے ہوئے ہین جنسے ہمین سراسر نقصان پہونچ رہا ہے اور آیندہ اس سے زائد نقصان پہونچنے کا احتمال ہے۔ حُبُ الوطنی اور محبِ وطن ان دو الفاظ کا اطلاق فی زمانہ ہمین عجب طرح سے ہوا ہے۔ عموماً آجکل وہ لوگ محبانِ وطن مین شمار کئے جاتے ہین جو پلیٹ فارم پر کھڑے ہوکر تقریرین کرتے ہین یا پریس مین جاکر اخبار کی ایڈیٹری کے اہم فرائض کو انجام دینے لگتے ہین خواہ وہ نوعمر اور ناتجربہ کار ہی کیون نہون۔ کسی آدمی نے ایک مغویانہ مضمون لکھا اور وہ قید کرلیا گیا تو اُسکا نام فنافی القوم افراد مین لکھ لیا جاتا ہے اور ایک جماعت کی جماعت اندھی ہوکر اسکی تحریر کو درد زبان کرتی ہے اور اسکے لفظ لفظ پر فدا ہوتی ہے۔ یہان کے نوجوان اپنے اپنے خیال سے اتنی کے میز کرسی پہ ہوئے ہین اور اُنھین بھروسہ ہے کہ ملک کو ایسی ہی باتون سے آزاد کرینگے اور خود اپنے حاکم ہوجائینگے۔ مگر این خیال است و محال است و جنون۔ جو قوم آشوب زمانہ سے کئی صدیون ہوئین پست ہوچکی ہو جسکی ہمت ٹوٹ چکی ہے۔ جسمین ہزار ہا کمزوریان موجود ہین وہ کیونکر جلد ہوشیار ہوسکتی ہے۔ ہنوز بیدار ہوئے روز اول ہے اور صدہا برس کی نیند کا خمار ابھی دور نہ ہوا تھا کہ سیلف گورنمنٹ کا دعویٰ کرنے لگی۔ سمجھدار آدمی اس قسم کی کارروائیون کو جنکا انحصار سراسر کم فہمی تعلیمی کمزوری اور ناعاقبت اندیشی پر ہے کب حُبِّ الوطنی کہینگے۔ محبِ وطن بنجانا آسان کام نہین ہے۔ ایک فاضل انگریز مصنف کے خیال سے صرف وہی سچا شیدائے وطن یا خادم قوم ہے "جو سب سے پہلے اپنے حاکم کی نہایت فرمانبردار اور وفاکیش رعایا ہونے کی ذاتی شان عوام کے روبرو پیش کرسکے۔ قوانین رائج الوقت کا پابند اور اُنپر پورا پورا کاربند ہو، اپنے وطن کے رسم و رواج کی مودبانہ اطاعت کے ساتھ قدر کرے۔ اُن بدطینت اشخاص کی مخالفت کو اپنا عین فرض سمجھے جو غیر تعلیم یافتہ جماعت مین ناراضی ناموافقت، ہلچل اور شورش کا بیج بوتے ہین۔ جو ایسے کامون کا جن سے سلطنت کی پالیسی کو نقصان پہونچے انسداد کرے، خلقت مین امن و صلح قائم رکھنے اور اسکے ساتھ انصاف کئے جانے مین مدد کرے، اپنے ملک کی معلومات کے وسائل و ذرائع کو وسیع کرے، اُنکی اخلاقی اور تمدنی برائیون کے مٹانے مین ہمہ تن کوشان ہو۔ صرف ایک ایسی ذات اس متبرک اور معزز نام سے موسوم کئے جانے کا حق رکھتی ہے۔ اور یہ تمام باتین اُنھین مین موجود ہونگی جو وطن کے سچے سہی خواہ ہونگے۔ پس اس روش پر چلتے ہوئے جو بندگان خدا اپنے ملک کی خدمت مین مصروف ہین وہ سب محبانِ وطن ہین۔ اسمین فصیح البیان کی تخصیص ہے نہ ایڈیٹری کا تفوق۔ ایک مذہبی ریفارمر بھی پیٹریٹ Patriot کا کام کررہا ہے۔ ایک

شاعر یا مصنف ملک کی ادبی خدمت انجام دے رہا ہے تاجر ملک کو اُس شعبہ مین بلند پایہ بنا رہا ہے اور اسکے سرمایہ کی فراوانی اور فراوانی کی دُھن مین لگا ہوا ہے۔ کسی ماہر فن کی خدمت جداگانہ ملک کو مشہور کر رہی ہے۔ مصور خاموشی کے ساتھ چار دیواری مین رہکر بھی اپنی حیرت انگیز اور اچھوتی صناعیون سے اپنے وطن کے نام کو شہرۂ آفاق کر رہا ہے۔ اسیطرح ہر شہر جو ملک کیلئے خاص خاص باتون کے لحاظ سے مایہ ناز ہے خادم وطن کہلائے جانے کے قابل ہے۔ انگلستان جب نیلسن۔ ویلنگٹن۔ گلیڈ اسٹون۔ برک جیسے صدہا ملکی خدمت انجام دینے والے اشخاص پر فخر کرتا ہے تو ساتھ ہی شکسپیر۔ ملٹن۔ چاسٹرواٹ۔ ولیم ہارویے۔ بیکن۔ نیوٹن۔ ڈارون۔ ہکسلے۔ ہرشل ایسے یگانۂ روزگار افراد کے نام پکارے جانے پر بھی فرطِ انبساط سے جامے مین نہین سماتا اور انھین سے ہر ایک کی ذات پر اُسے یکسان ناز ہے۔

اسمائل صاحب نے کئی سال پیشتر حُبّ الوطن پر ایک مضمون لکھکر اسکے نیک و بد دونون پہلو ظاہر کئے تھے۔ اُس مضمون کے ایک حصّہ کا ترجمہ اس موقعہ پر کچھ بیجا نہو گا۔ وہ لکھتے ہین کہ "ہمارے زمانہ مین جس چیز کا نام حُبّ الوطن ہے وہ صرف قومی تعصب اور بدظنی ہے جو آپس کے حسد۔ نفاق۔ غرور اور تنفر سے پیدا ہوتی ہے۔ اسکا اظہار کسی کام کے کرنے سے نہین کیا جاتا بلکہ صرف شیخی سے۔ شور و شغب سے۔ ہاتھ پاؤن پیٹنے سے۔ مدد کے لئے چلاّنے پکارنے سے۔ جھنڈے ہلانے سے۔ گیت گانے سے۔ زمانہ ماضیہ کی صعوبتون پر اور اُس ظلم و تعدی پر جسکا ایک عرصہ ہوا مداوا کر دیا گیا، زبان شکایت کھولنے سے حُبّ وطن کا راگ الاپا جاتا ہے۔ ایسی حُبّ الوطنی کے لئے دق ہونا اور دردسر مول لینا ایک بدترین عذاب ہے جو کسی ملک پر نازل ہو سکتا ہے۔ مگر ایسی حقیقی حُبّ الوطنی کے ساتھ ایک نیک حُبّ الوطنی بھی ہے جو اُس ملک کو نیک کاموں سے تقویت دیتی اور بلند کرتی ہے۔ جو قوم اپنے فرائض کو خلوص اور مردانگی سے پورا کرتی ہے، جو راست بازی، فراست اور دیانت داری سے بسر اوقات کرتی ہے اور اپنی ترقی کیلئے اُن وسائل اور مواقع سے مستفیض ہونے مین کوشش بلیغ کرتی ہے جو وقتاً فوقتاً ہر چہار طرف سے آتی جاتی ہیں۔ اور وہ حُبّ الوطنی جو زمانۂ سلف کے اُن بزرگان قوم کی یاد دلاتی ہے اور اُنکی مثال پیش نظر کرتی ہے جنھون نے مذہب اور آزادی کے معاملے مین کڑی سہکر اور تکالیف اُٹھا کر اپنے لئے شہرت لایزال اور اپنی قومون کے لئے وہ حقوق اور مراسم زندگانی جنپر وہ عقب سے قابض ہوئین۔ حاصل کئے۔ کسی قوم کی بزرگی اُسکے افراد کے قد و قامت اور اُسکے مقبوضات کی وسعت پر موقوف نہین ہے۔ ایک قوم اپنی آبادی اور ملک کے لحاظ سے ممتاز ہونے پر بھی اصلی عظمت سے عاری رہتی ہے۔ یونان کچھ بڑا ملک نہ تھا۔ اٹیکا کی آبادی جنوبی لنکاشایر سے کم تھی۔ مگر علم ادب فلسفہ اور حُبّ الوطنی کے خیال سے اُسکی عظمت اپنی نظیر نہین رکھتی۔ قومی ترقی بھی شخصی محنت۔ قوت اور استبازی کا نتیجہ ہے جسطرح سے کہ قومی زوال شخصی کاہلی خودغرضی اور گنہگاری کے یکجا ہونے کا نتیجہ ہے۔ جن باتون کو ہم سوسائٹی کی بڑی بڑی برائیان شمار کرتے ہین وہ اکثر پتہ لگانے پر کسی نہ کسی واحد شخص کی گمراہ زندگی کا ثمرہ ثابت ہوتی ہے اور اُسوقت اُنکی بیخ کنی گوازروے قانون کر دیجاتی ہے مگر وہ برائیان کسی نہ کسی وقت دوسری صورتون مین

نمودار ہوئے بغیر نہیں رہتیں تاوقتیکہ ہر شخص اپنے طرز زیست اور چال چلن کی پوری پوری اصلاح نہ کرے۔ اگر یہ خیال درست ہے تو حُبّ الوطنی اور ہمدردی سے صرف یہی مراد نہیں ہے کہ قوانین میں تغیر و تبدل اور مراسم میں ترمیم و تنسیخ کیجائے بلکہ ہر انسان کو ذاتی ترقی کے لئے اُکسانے اور مدد دینے کا نام حُبّ الوطنی اور ہمدردی ہے۔ انسان پر بیرونی حکومت کا اثر بالمقابل اتنا زیادہ نہیں پڑتا جتنا کہ اسکی حکومت کا اثر خود اُسپر پڑتا ہے۔ وہ آدمی غلام نہیں ہے جسپر ایک خود مختار بادشاہ حکمران ہو۔ بلکہ غلام وہ ہے جو اخلاقی حالت۔ خود غرضی اور دیگر بیشمار عیوب سے خوار و ذلیل ہے۔ وہ قومیں جو دل کی غلام ہیں اپنے حاکم یا اپنے قوانین کے بدل جانے سے آزاد نہیں ہوسکتیں اور تاوقتیکہ یہ خیال خام کہ قوم کی حُرّیت قطعاً گورنمنٹ پر منحصر ہے واقع نہ ہو جائے۔ کسی ملک کی جماعت پر حکام یا ہان کے قوانین کی تبدیلی کا اثر اتنا ہی کم دیرپا ہوگا جتنا میجک لینٹرن کے تماشے میں تصاویر کا اِدھر اُدھر ہٹا دینا آزادی کی محکم بنیاد شخصی چال چلن پر دارومدار رکھتی ہے اور شخصی چال چلن ہی معاشرتی حفاظت اور قومی ترقی کا یقینی ذریعہ ہے۔ جان اسٹوارٹ مل کا قول ہے اور سچا قول ہے کہ جبر و تشدد کی حکومت کا کوئی اثر اُسوقت تک نہیں پڑسکتا جب تک شخصیت اُسکی محکوم ہے اور وہ حکومت جو شخصیت کو کچل دے اُسے حکومت خواہ تیاری کہہ سکتے ہو یا کسی اور نام سے موسوم کرلو۔

تمام قوموں کی موجودہ صورت انسان کی پشت ہا پشت کے افعال اور غور و خوض کا نتیجہ ہے مستقل مزاج اور خفاکش متقدمین نے اس کارِ عظیم کو انجام دینے میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹایا ہے اور ہر ایک نسل پہلی نسلوں کی مشقت سے تعمیر کی ہوئی عمارت کو درجہ بدرجہ اونچا اُٹھاتی چلی گئی ہے۔ ایسے نیک کام کرنیوالوں کے لگاتار سلسلے نے صنعت و حرفت اور علم و ہنر کے نامکمل ڈھیر میں ایک قسم کی ترتیب اور باقاعدگی پیدا کردی ہے۔ یوں ہی رفتارِ زمانہ کے ساتھ ساتھ حال کی نسلوں کو اپنے بزرگوں کی محنت شعاقہ اور دانشمندی سے کمائی ہوئی بیش بہا جاگیر بحق ورثہ سپرد ہوئی ہے کہ اُسے اور آراستہ کریں اور آیندہ نسل کو نہ صرف جیسی کی تیسی سونپیں بلکہ پہلے سے بہ نسبت ایک بہتر صورت میں اُسے حوالہ کریں۔

ناظرین ملاحظہ کرینگے کہ اسمٰعیل صاحب کی تحریر کا پہلا حصہ کسقدر ہمارے حسب حال ہے۔ موجودہ حُبّ الوطنی کا خاکہ ہندیوں کے دماغ میں بجنسہٖ اسی صورت میں موجود ہے۔ جیسا اوپر لکھا جاچکا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اس سے بہتر یعنی اپنے اعمال و افعال کو درست کریں، فرداً فرداً اخلاقی ترقی کریں، اکتساب علوم و فنون میں مصروف ہوں، اور جن باتوں میں ہم دیگر اقوام سے پیچھے ہیں اُنمیں اپنی سعی وافر اور قوت بازو سے برابر آجائیں۔ وطن کی سچی خدمت کے لئے آمادہ ہوجائیں اور انتفصال انار کرم میں کوشش کریں۔ ایسا کرنے پر ہمیں یقین واثق ہے کہ زمانہ ہماری مدد کرے گا اور ہم آستانۂ مرام تک خود بخود پہونچ جائیں گے۔

قومی تعصب اور آپس کے تنفر کیوجہ سے ہم خود اپنی عیوب و استقام کے دیکھنے سے محروم رہ جائیں گے اور وہ ترقی جو پستی سے بلندی پر آنے کے لئے لابدی ہے ہمیں میسر نہوگی۔ دوسروں کے دست نگر اور محتاج ہونے پر بھی بائیکاٹ کردینا ہماری تجارت کے لئے کسقدر مضر ہوسکتا ہے؟

اسکا احساس صرف وہی اشخاص کرسکتے ہین جنھین ذاتی نقصان پہونچا ہے - ہمارا یہ خیال بالکل باطل ہے کہ ہم دیگر ممالک کو نقصان پہونچاکر خود استفادہ اُٹھاسکینگے - ایک ملک کی فلاح اور نمود ایک حد تک دیگر ممالک کی امداد پر منحصر ہے - ہندوستان کو ابھی کئی قرن درکار ہین - اس سے پیشتر کہ وہ جاپان - انگلستان اور امریکہ کی طرح اپنے حوائج ضروریات کو خود فراہم کرسکے اور ایسا ہونے پر بھی مبادلہ پیداوار کا مختلف ممالک کے درمیان جاری رہنا ایک دوسرے کے تجارتی کاروبار کے لئے نہایت ہی ضروری اور مفید ہے - ہندوستان کی موجودہ بدعملی اور بدامنی - انارکسٹ لوگون کی سرکشانہ اور سازشانہ حرکتین ہمارے ملک کی خدمت نہین کرتین بلکہ اسکی ترقی کی راہ مین حائل ہین - ہمکو یہ امر ذہن نشین کرلینا چاہئے کہ سلطنت برطانیہ ہمارے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے - بھارت ورش کی بگڑی حالت درست کرنے کے لئے اس حکومت کا وجود اور قیام بڑی امداد کا باعث ہوا ہے اور ہوگا - ابھی زمانہ نے وہ خانہ جنگیان - خونخوار اڑائیان جہالت کے دن - باہمی مخالفتین - غیر مطمین حالتین جو اس سلطنت سے پہلے ہند مین نظر آتی تھین بھلا نہین دین اور تک اس صدی ڈیڑھ صدی کے بعد بھی اُنکی یاد اسے متوحش کردیتی ہے -

جے دیال سکسینہ

اشتہار

ہوم ڈپارٹمنٹ - گورنمنٹ ہند پبلک نمبر ۱۶۹۲ مقام شملہ - مورخہ ۲۴ - مئی ۱۹۱۰ عیسوی

اعلیحضرت اقدس بادشاہ انگلستان اور ضمیمہ ہندستان نے پیغام مندرجہ ذیل ہندوستان کے مہاراجگان اور راجگان اور نوّابان و والیان ریاستہا اور باشندگان کو ارسال فرمایا ہے -

مہاراجگان اور راجگان اور نوّابان اور والیان ریاستہا اور باشندگان ہندوستان - ہمارے عزیز والد ماجد کی پُرغم اور ناگہانی وفات کے باعث ہم بحیثیت ایک عظیم الشان اور قدیمی خاندان کے وارث ہونیکے تخت نشین ہوتے ہین - بحیثیت بادشاہ اور قیصر ہونیکے ہم مہاراجگان اور راجگان اور نوّابان اور والیان ریاستہا اور اپنی سلطنت ہندوستان کے تمام باشندگان کو سلام بھیجتے ہین - بعد ازان ہم تمام اقوام اور طبقات اور مذاہب مختلفہ ہندوستان کا دلی شکریہ ادا کرتے ہین - اُس موثر اور کثیر وفادارکی اور دلبستگی کیلئے جو اُنھون نے اس موقع پر تاج سلطنت اور ماحان تاج کی نسبت ظاہر کی ہے - علیا حضرت ملکہ وکٹوریہ مرحومہ نے جب ۱۸۵۸ عیسوی مین زمام سلطنت ہندوستان کو اپنے دست مبارک مین لیا تھا تو اپنی رعایاے ہندوستان اور والیان ریاستہا کو خطاب فرمایا تھا اور اُنکے فرزندگرامی نے جو ہمارے والد محترم اور محبوب تھے اُسکے پچاس سال بعد اُس واقعہ عظیم کی یادگار میں دوبارہ اُسکو خطاب فرمایا تھا - یہ خطابات سلطنت شاہنشاہی کے مقاصد اور مرام خیر از کے نشانات ہین اور اپنے تمام عہد سلطنت مین ہم نہایت دیانت سے اُنھین مقاصد کے پابند رہینگے - اعلیحضرت مرحوم کی فرمایش سے اور اُنھین کی مثال پر چل کر ہم پانچ سال قبل اپنی ملکہ محترمہ کے ساتھ ہندوستان کو تشریف لے گئے تھے - اُس موقع پر ہمنے بڑی بڑی سلطنتون سے جنکا تواریخ مین ذکر ہے اور اس تمدن کی یادگاروں سے جو ہمارے تمدن سے زیادہ قدیم ہے اور بود و باش قدیمی کے آداب اور رسوم سے اور والیان ریاستہاے ہندوستان اور اُن ممالک وسیعہ کے شہرون اور قصبون اور دیہات اور باشندگان سے ذاتی واقفیت حاصل کی تھی اور اُس عجیب و غریب اور نہایت موثر حسیات اور محبت آگین واقعات کبھی ہمارے دل سے کم یا فراموش نہین ہوسکتے - اُن اُمور عظیمہ اور مہمہ مین جنکی انجام دہی ہمارے عہد مین ہوگی ہمکو اُنکی یاد وفا اور پختہ ہمراہی پر بڑا اعتماد ہے اور ہمکو یقین ہے کہ ہندوستان کی بہبودی مین جو ہمیشہ ہمارے مدنظر رہیگی ہم آپ سے پوری امداد کی توقع رکھ سکتے ہین -

حسب الحکم عالی جناب نواب گورنر جنرل بہادر اجلاس کونسل

اے - ایل - قائم مقام سیکریٹری گورنمنٹ ہند -

نینی تال

پیارے دوستو!

قیامِ نینی تال اب اسقدر مختصر رہ گیا ہے کہ شاید یہاں سے یہ آخری خط ہے۔ تمہارے یہاں آنیکی مجھکو حسرت رہ گئی عجب جانفزا و فرحت اندوز مقام ہے۔ تم دیکھکر بہت خوش ہوتے اور دل پر ایک کیفیت لیکر جاتے۔ بہرحال جب کبھی بھی آؤ گے تو یہاں کے مناظرِ زیبا تمکو مست و مخمور کردینگے۔ نیلا آسمان، ہوائے جانپرور کے سرد جھونکے، پرگھاسے نوخیز کی ٹھنڈی و فرحناک سبزی، پھولوں کی نازک و رنگین پتیاں، سایہ دار کنجوں کی تخیل پرور تنہائی، فاختۂ دردمند کی ولدوز آواز، تمہیں وارفتہ و مدہوش کردیگی! چونکہ فضا عموماً گرد سے صاف رہتی ہے، اسلئے چاندنی اتنی اُجلی، موثر و توہم شکن ہوتی ہے، کہ تم دیوانہ وار گھر سے باہر نکل پڑو گے، نظر اُٹھا اُٹھا کر کبھی تاروں کو دیکھو گے، کبھی ماہِ تاباں کو، کبھی بیٹھ جاؤ گے، کبھی کھڑے رہ جاؤ گے، یہانتک کہ اسیطرح ساری رات آنکھوں میں کٹ جائیگی!!

نسیم سحری طلوعِ آفتاب سے بہت پہلے تمہاری خوابگاہ میں آکر تمہیں جگائیگی، کہ آس پاس کے درخت کی چڑیاں نغمہ سنجیاں کر رہی ہیں، شبنم آلود گھاس پر موتیوں کا انبار پڑا ہے، اُفقِ مشرق میں دولتِ ضیا لُٹ رہی ہے، گلہائے نازک و رنگین بے پردہ کھڑے ہیں اور تم سو رہے ہو؟ یہانتک کہ ہوائے شوق تمہیں دور دور لیجائیگی، نا ہموار بلندیوں پر چڑھاکر دامنِ صحرا کا لطف دکھلائیگی۔ کرکرہ پرخم اور پُرپیچ راستے بتائیگی صاف و سرد پانی کے جھرنے دیکھوگے، جگہ جگہ پر چھوٹی چھوٹی کھیتیاں نظر آئینگی، چڑیوں کی میٹھی اور سریلی آواز سنوگے، یہاں وہاں گلہائے خوشرنگ تمہیں آگے بڑھنے سے روکینگے، انکو دیکھو گے۔ مسرت سے مسکراؤ گے، انکی نزاکت مانع ہوگی، مگر تمسے صبر نہو سکے گا، تم انہیں توڑو گے، سونگھوگے اور مست ہوکر میٹھے رہو گے!

دوپہر اور جنگلوں کی طرح یہاں کی بھی کسیقدر افسردہ اور سُنسان معلوم ہوگی، مگر یہاں اُسوقت بھی ایک عالم ہوتا ہے۔ مناظرِ قدرت کا دلدادہ کسی بلند، سایہ دار، اور ٹھنڈے کُنج میں نرم گھاس پر پڑا ہوا ہے اور تخیل کی باگ چھوڑ دی ہے! کسی پاس کے چشمہ سے پانی کے رسنے اور گرنے کی نرم آواز کانوں میں پڑ رہی ہے اور ہوائے خوشگوار کے خواب آور جھونکے اُسکے سر کے بالوں کو اُبھار رہے ہیں کہ دفعتاً کسانوں اور گلہ بانوں کی تندرست لڑکیوں کی بشاشت آمیز صدا کانوں میں پڑتی ہے، وہ اُٹھ بیٹھتا ہے اور دیر تک محوِ نظارہ رہتا ہے، اسلئے کہ وہ عموماً خوش گلو، موزوں اندام اور نظر فریب ہوتی ہیں، اور گو اُنکا لباس بدقطع ہے، مگر اُنکا تناسبِ اعضا اہلِ نظر کے لئے صبر آزما ہوتا ہے! وہ عموماً بکریاں چراتی ہوتی ہیں، درختوں کے نیچے بیٹھکر کپڑے سیتی ہیں، بے باکانہ اُچکتی ہیں، کودتی ہیں، اور پھر غائب ہوجاتی ہیں!!

پہاڑیوں کی بولیاں تمہاری سمجھ میں نہیں آئینگی، مگر اُنکے پہاڑی گیت میں تم سادگی، گھلاوٹ اور درد پاؤ گے جسکے اثر سے تمہارا دل بھی محفوظ نہیں رہیگا۔ وہ سناٹے کے عالم

مین جسوقت اونچی اور ولولہ انگیز لے سے گاتے ہین تو اُنکی آوازین چٹانون سے اُچٹ اُچٹ کر دلون سے ٹکراتی ہین اور دیر تک ریشہ ہاے دل کانپتے رہتے ہین!

ان وقتون مین ہمارے پردار دوستون کی ادائین بھی کچھ کم دلفریب نہین ہوتین۔ حریص و بلانوش گدا اونچی او۔ نکیلی چٹانون پر بیٹھے ہوئے کسی جان بلب جانور کی موت کا انتظار کر رہے ہین۔ بدنیت اور دھوکہ باز کوّا اس طرح گردن موڑے بیٹھا ہے گویا کچھ نہین جانتا، مگر حقیقت مین اس تاک مین ہے کہ چیل نے جو شکار کیا ہے اُسے کھسکائے۔ گلہری اُکڑو بیٹھی ہوئی اخروٹ کے چھلکے کر رہی ہے۔ پہاڑی مینا کسی شاخ پر بیٹھی زبانہاے مختلفہ کی مشق کر رہی ہے اور اُدھر چند لفاست پسند طیور ٹھنڈے پانی مین غسل کر رہے ہین!

انھین تماشون مین تمہین شام ہو جائیگی اور غروبِ آفتاب کا عالم دیکھکر پھر تم سر دُھننے لگوگے، کیونکہ یہ وقت بھی یہان نہایت ہی نشاط انگیز ہوتا ہے۔ اُدھر آفتاب سرکوہ کی طرف جھکا اور اُفقِ مغرب مین آگ لگی! لہکتی ہوئی سنہری کرنون سے تمام جنگل گلزار و روشن ہو گیا، تیتریان اُڑنے لگین، ہواے سرد کے جھونکے چلنے لگے، بلند نشین و تنہائی پسند طیور آشیانون کے قریب آبیٹھے۔ شفق پھولنی شروع ہوئی، آبابیلیں اُڑنے لگین اور آفتاب غروب ہو گیا! اب گھاس نم ہونے لگی، پھول سرنگون ہو گئے، تاریکی پھیلنے لگی، چڑیان چُپ ہو گئین اور چارون طرف اندھیرا اور سناٹا ہو گیا! گہرے گہرے غار تاریک ہو گئے اور ویران بلندیون پر ہولناک سکوت چھا گیا۔

یہ نہ سمجھنا کہ فرصت ہو گئی۔ ابھی سر پر تارون بھری رات بیچین کرنے کو کھڑی ہے۔ مدت کے جذبات خفتہ جاگ اُٹھین گے، حسرت دامنگیر ہو جائیگی، ہزارون آرزؤن اور تمناؤن کا ہجوم ہو جائیگا اور خدا جانے تمہارا دل کیا کیا چاہنے لگے گا!

مگر تم کہو گے کہ ابھی تک مجھکو شہر نہین دکھایا۔ مین نے اسلئے نہین دکھایا کہ وہان کچھ دیکھنے کے لائق نہین۔ بازارون کے مکانات عموماً پست، تاریک و بے فضا ہین جنمین کم مایہ اور ملازم پیشہ لوگ گرمیون بھر خانہ گیر رہتے ہین۔ تم اگر کسی ضرورت سے ان مکانات مین جاوگے تو کئی بار تمہارے سر مین چوٹ لگے گی، اکثر سیڑھیون پر سے پیر پھسلین گے اور تھوڑی دیر کہین بیٹھنے نہین پاؤگے کہ دھوئین سے گھبرا کر اُٹھ کھڑے ہوگے۔ وجہ یہ ہے کہ جگہہ کی قلت کے سبب باورچیخانہ قریب ہے اور نہ صرف باورچیخانہ —— باورچیخانہ، نعشت خانہ، غسل خانہ، صحت خانہ۔ سب ایک جگہہ پر ہے، اور اس روش کے مکانات اسقدر کثیف اور گھنونے ہین کہ دیکھکر دم گھٹنے لگتا ہے۔ مگر غربت و افلاس نے صفائی و نفاست پسندی کے احساس کو اتنا کُند کر دیا ہے کہ اسطرح کا بھی کوئی مکان خالی نہین۔ البتہ انگریزون کی کوٹھیان اور بازاری اہل وطن کے بنگلے، جو بازارون سے دور اور ایک دوسرے سے الگ الگ بلندیون پر واقع ہین، وہ حقیقت مین عیش و راحت کے ایوان ہین، جنمین ہر وقت ایک کیفیت رہتی ہے۔ رات کے وقت ان مکانات کی روشنیون سے پہاڑون پر چراغان ہو جاتا ہے۔ کسی بنگلے سے پیانو کی آواز آرہی ہے، کہین بادہ پرست انگریزون کے گلاس اور بوتل ٹکرا رہے ہین۔ روشن و آراستہ کمرون مین بتانِ فرنگ محوِ آرایش و سرگرم ناز ہین۔ ایکطرف افسران اعلیٰ اور

فیل مرغ

انتخابین پریس الہ آباد

جمیل القدر حکام سگارکشی و اخبار بینی مین مصروف ہین، دوسری طرف سائبانون مین فراغت پسند و دولت مند انگریز آرام کرسیون پر لیٹے ہوے قہقہے لگا رہے ہین - انھین بنگلون کے قریب اور پہاڑون کی گود مین وہ بڑا اور خوشنما تالاب یا "تال" ہے جسمین رات کے وقت تارے نہاتے اور ماہتاب مُنہ دیکھتا ہے اسکے چارون طرف ایک سڑک گھوم گئی ہے جسپر سایہ دار درخت لگے ہوے ہین جنمین ارباب محبت شکایتہاے رنگین کے لئے آبیٹھتے ہین - شام کے وقت سطح آب پر چھوٹی چھوٹی کشتیان دوڑتی پھرتی ہین اور انمین باوشائین ملاحت تفرج و تعشق کا وقت گذارتے ہین!

آج تم تمام دن مناظر پرستی مین مصروف رہے کل کچھ احباب تمہین محفل رقص و سرود مین شریک کرینگے - مگر یہان تمہین گانے کا کچھ بہت زیادہ لطف نہین آئیگا - کیونکہ زبان و لہجہ کی ناقص واقفیت کے سبب اکثر ہمارے گیت اور غزلون کا لحن ہو جاتا ہے - گو انمین بعض مستثنیات بھی ہین، خیر گانا نہ سہی مگر تم دیکھوگے کہ اہل محفل بہ ارباب ذوق اہل نظر محو نظارہ ہو گئے - اسلئے کہ کبھی نگاہ غلط انداز دل مین اُتر گئی اور کبھی کا قد رعنا آنکھون مین کھُب گیا!

فغان کین لولیان شوخ شیرین کار شہر آشوب
چنان برخاست صبر از دل کہ نتوان کرد خون یغما را

علی محمود

املاے اُردو

عبارتون کے ہر اک لفظ کو درست پڑھو
لکھو تو صاف لکھو اور پڑھو تو چست پڑھو

عبارت کی لکھاوٹ کی اصل تعریف یہ ہے کہ پڑھنے والا (عام ازین کہ اُس لفظ کے معنی نہ بھی سمجھتا ہو تاہم) پوری اور صحیح آواز سے اُسکو ادا کر سکے - اگر محض معنی و مطلب و سیاق کلام سے لفظون کو صحیح پڑھانا املا کا تکلف کیا ہوا - جہان تک مجھے اطلاع ہے مذکورۂ بالا عیب ہر زبان کے املا مین ہے مگر کسی مین کم اور کسی مین زیادہ اور کسی مین بہت زیادہ - ستر اسی برس قبل تک کی فارسی معمولی تحریرین میرے پاس موجود ہین ہر چند انمین اشارات املائی و دیگر فوائد حسن املا سے کام نہین لیا گیا ہے تو بھی وہ تحریرین ایسی صاف و واضح ہین کہ پڑھنے والے کو بہت کم دقت ہوتی ہے مگر اُسکے بعد سے تو فارسی اور اُردو لکھنے والون نے رسم الخط کو اپنی بے اعتباری سے ایسا بگاڑ دیا کہ خصوص اُردو کی تحریر وا املا پر سیکڑون الزام اور اعتراض وارد ہو گئے - مجبور ہو کر سرکار نے بھی صوبہ بہار کے سرکاری دفترون سے اُردو تحریر کو قطعاً نکال دیا - اس سے زیادہ غریب اُردو کی اور کیا بدقسمتی ہو سکتی ہے - گو اُردو کے موقوف ہو جانے سے ہندان فائدہ نہوا بلکہ دقتین اور مشکلین اُس سے کہین زیادہ بڑھ گئین -

مجھکو خوب یاد ہے کہ اُردو کے برخلاف جو مورپل اسوقت

سر رچرڈ ٹمپل صاحب لفٹنٹ گورنر بنگال کے حضور مین پیش کیا گیا تھا - اُسپر علاوہ ہمارے ہم وطن ہندو بھائیون کے مسلمان بھائیون کے بھی دستخط تھے - نتیجہ یہ ہوا کہ سرکاری آفسون مین طوالتین اور پریشانیان دونون کے لئے بڑھ گین -

اس مین شک وشبہ نہین کہ مموریل مین اُردو کے املا پر جو الزام واعتراض کئے گئے تھے - اُنمین بہت سے اعتراض ناقابل قبول اور بہت سے اعتراض قابل تسلیم اور بہت سے اعتراض ایسے تھے جو دوسری زبانون پر بھی بطور عامۂ الورود کے وارد ہوتے ہین -

مین یقیناً کہتا ہون کہ اسمین نہ تو مموریل دینے والون پر چنداں اعتراض ہے نہ سرکار پر - بلکہ سارا الزام اُن اُردو نویسون پر ہے جنھون نے اپنی کمالات یا زود نویسی یا بے اعتنائی یا ناواقفیت سے اُردو کی لکھاوٹ کو مورد الزام بنا دیا -

منجملہ اعتراضون کے جو میموریل مین مذکور تھے یہ بھی اعتراض تھا کہ اُردو کی تحریر مین جعل بنا لینے اور نقطون کو دو تین طرح پڑھنے اور بہ اندک تغیر معنی ومطلب کے بدل دینے کی بڑی گنجایش ہے اور اس دعوے پر چند مقدمات عدالت کی نظیرین بھی بطور دلیل پیش کی تھین - ایسے قابل تسلیم اعتراض اُسی زمانے سے میرے دل مین کھٹکتے تھے - ایک مجھی پر کیا منحصر ہے اکثر اُردو کے خوش خیال مویدون نے اس بدنما داغ کو اُسکے نورانی چہرے سے دھونے کی تدبیر کی لیکن یہ ایک ایسا مشکل کام ہے کہ جبتک قریب قریب کل انشاپردازاس کام پر متفق نہ ہو جائین صرف دو چار شخصون کے اتفاق کر لینے سے کام چلنا دشوار ہے - اب سے چودہ پندرہ برس قبل مین نے کتاب اُردو تعلیم مین حتی الوسع اُن اصلاحون اور تدارکون کو مذکور بھی کیا جن سے بہت کچھ اُن قابل قبول اعتراضون کا دفعیہ ہو سکتا ہے - مگر افسوس چونکہ یہ پہلی کتاب محض بچون کی تعلیم کے لئے لکھی گئی تھی - پڑھے لکھے حضرات نے اُن اصلاحون اور ہدایتون پر یا تو سرسری نظر ڈالی اور بھیا نک ہو گئے یا سرے سے ملاحظہ ہی نہ کیا -

بالفرض معمولی خط وکتابت مین اگر اُن ہدایات پر عمل نہ کرین تو چنداں قباحت نہین ہے - کیونکہ نئی بات پر عمل درآمد کرنا تا وقتیکہ عادت نہ ہو سخت دشوار ہے - لیکن دست آویزون اور چھپی ہوئی کتابون مین اس کا لحاظ نہ رکھنا تو اُردو تحریرون کو بے چھری ذبح کرنا ہے - یاد رہے کہ بغیر رسم الخط کی درستی اور اشارات املائی کے اُردو کا لٹریچر بالکل ناتمام اور ہمیشہ مورد الزام ہے -

مجھکو ہرگز یہ دعویٰ نہین ہے کہ اُردو کے سیاق ورسم الخط کو مین پورا پورا درست کر سکتا ہون - لیکن ہان ہمارے ہم قلم چندے ہمارا ساتھ دین اور اپنی بیش قیمت رایون سے اس بارہ مین مدد کیا کرین تو الحاصل باتفاق راے بہت سے نقائص املاے اُردو کے دُور ہو سکتے ہین - ذیل مین جو ہدایات ہین درج کرتا ہون اگرچہ اُن مین بعض ایسے بھی ہین جنکو چند خوش خیال مطبع والون نے جاری کیا ہے ورنہ باقی ہدایات غالباً نئے ہین - مجھکو اُمید ہے کہ ہندوستان کے شاہیر انشاپرداز عموماً میرے ان ناچیز نوٹون پر عنوہ فرما کر کوئی ایسی صورت جلد قائم کر دین گے کہ اُردو کے املا سے یہ نقائص بہت جلد دفع ہو جائین گے -

مین نے حتی الوسع ذیل کی ہدایتون مین بھی اس جدید رسم الخط کا کسیقدر التزام کیا ہے ملاحظہ ہو -

پہلی ہدایت

اکثر لکھنے والے لفظ (اُس) یہ ضمّ الف وسکون سین میں مہمل بمعنی اشارۂ بعید کو واؤ کے ساتھ لکھا کرتے ہیں یعنی (اوس) حالانکہ حرف واؤ کے بڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں حرف الف ماقبل پر پیش دینا اور اشارۂ قریب کے لئے الف کو زیر دینا کافی ہے۔

دوسری ہدایت

کسی زمانے میں کہا گیا تھا کہ ؎ عاقلاں در پے نقطہ نروند۔ مگر اس روشن زمانے میں یوں سمجھنا چاہئے کہ ؎ عاقلاں صد نکتہ می گیرند بر ہر نقطہ۔ بے اعتنائی سے نقطہ دار حرفوں کے نقطوں کو چھوڑ دینا یا دو خواہ تین نقطوں کی جگہ ایک ہی نقطہ پر قناعت کرنا یا ٹھیک جگہ پر نقطہ نہ دینا سلیقۂ تحریر کے بالکل خلاف ہے نقطہ دار حرفوں کی ٹھیک ٹھیک جگہ پر نقطے دینے چاہئیں۔ حرفوں کے شوشے ہرگز مشتبہ نہ ہونے پائیں تاکہ پڑھنے والے کو اختیار تمام رہے۔

تیسری ہدایت

الف کا بیان

جو الف شروع لفظ میں آئے اور اُس کی آواز دو الف کی طرح نکلے یعنی الف الف زبر آ تو حقیقت میں بھی وہ دو ہے۔ مگر ایک لکھا جاتا ہے ایسے الف کے اوپر مد دینا ضرور ہے جیسے آج آہ آم اور جو الف کھڑی آواز کے ساتھ یوں نہ پڑھا جائے اور ابتدا میں واقع ہو تو اُس پر وہی حرکت دے دینی ضرور ہے جو اُس کی ہمجنس جیسے امتحان۔ اُستاد۔ اَبتر۔ الف ساکن کے ماقبل حرکت دینا کچھ ضرور نہیں ہے کیونکہ ایسے الف کے پہلے ہمیشہ زبر ہی ہوا کرتا ہے جیسے شام۔ دام۔ دُعا۔ دَوا۔

چوتھی ہدایت

حرف واؤ کا املا

واؤ ہمیشہ پوری لکھی جاتی ہے۔ جس واؤ ساکن کے پہلے حرف پر پیش ہو اور خوب کھینچ کر پڑھی جاتی ہو جیسے دوڑ دم تو اُس پر جزم معکوس دینا چاہئے جیسے جُوتا۔ سوت۔ نوڑ وغیرہ۔ اور اگر ایسی واؤ ساکن خوب کھینچ کر نہ پڑھی جائے جیسے ہوش۔ بھور۔ تو اُس واؤ پر جزم معمولی دینا چاہئے مثال گویا۔ زور۔ شور وغیرہ۔ اگر واؤ ساکن کے قبل زبر ہو جیسے غور۔ طور۔ وغیرہ تو اُس پر جزم منقلب دینا چاہئے مثال۔ موج۔ فوج۔ دور۔ قوم وغیرہ۔

اگر واؤ ساکن لکھی تو جائے مگر آواز اُس کی پڑھنے میں نہ آئے تو اُس واؤ پر جزم معلق دینا چاہئے جیسے خود۔ خویش خواہ وغیرہ

پانچویں ہدایت

حرف یا (ی) کا املا

جو حرف یا (ی) لفظ کے آخر میں ہو اور خوب کھینچ کر پڑھی جاتی ہو پوری اور گول لکھی جائے گی ایسی یا کو یائے معروف کہتے ہیں جیسے ولی۔ گھڑی۔ دہلی وغیرہ۔

اور جب ایسی ساکن یا لفظ کے بیچ میں آئے جیسے زینہ۔ تیر وغیرہ تو اُس پر جزم معکوس دینا چاہئے مثال دین مہین۔ جینا۔ پینا وغیرہ۔

جب یا (ے) آخر لفظ میں ہو اور خوب کھینچ کر پڑھی جائے تو وہ یا ہمیشہ باد گشتی لکھی جائے گی ایسی یا کو یائے مجہول کہتے ہیں مثال گھوڑے۔ قصّے۔ بچّے۔

اور جب مذکورۂ بالا یا درمیان میں آئے اور شوشہ دار ہو تو اُس پر جزم معمولی دینا چاہیے مثال میرا - تیرا - کھیل - یہ - غیرہ

جو یا کہ ساکن ہو اور قبل اُسکے زبر ہو اور آخر لفظ میں آئے وہ ہمیشہ نصف دائرہ لکھی جائیگی مثال - علی - ای - محی - شی وغیرہ -

اور جب مذکورۂ بالا یا درمیان میں لفظ کے واقع ہو تو اُس پر جزم منقلب دینا چاہیے مثال - ذیل - بیل - ایسا - میل وغیرہ -

اگر شروع لفظ میں ایسی شوشہ دار یا آئے تو حرف اُس کی حرکت (زیر - زبر - پیش) ہو اُس پر ضرور دے دینی چاہیے مثال یکے - یا نی - یل وغیرہ -

چھٹی ہدایت

حرف نون کا املا

اگر نون دامن دار ہو اور اُس کی خوب پوری آواز نہ نکلتی ہو جیسے گانوں - پاؤں وغیرہ تو اُس نون کے دامن میں نقطہ نہ دیا جائے گا - مثلاً میں - چھاؤں - ہیں - کہاں -

اور اگر اُس نون کی پوری آواز ظاہر ہوتی ہو تو نقطہ ضرور دیں گے جیسے جان - مہمان - زمین - مہین وغیرہ -

جو نون ساکن کہ لفظ کے اندر ہو اور یہ طور غنہ کم آواز کے ساتھ پڑھا جائے جیسے گونڈ - چانڈو وغیرہ اُس نون پر جزم معلق دینا چاہیے مثلاً آنکھ - بانس - دانت -

جو نون ساکن درمیان لفظ میں اپنی پوری آواز سے پڑھا جائے اُس پر جزم معمولی دینا چاہیے جیسے فرزند بچندہ انداز - ہنڈ - وغیرہ -

ساتویں ہدایت

ہائے ہوز کا املا

جو ہا مخلوط التلفظ یعنی اپنے پہلے کے حرف سے ملا کر پڑھی جاتی ہو جیسے جھاڑو - پنکھا - تو وہ ہمیشہ دو چشمی لکھی جائے گی ایسی ہا ہندی لفظوں میں آتی ہے جیسے جھاڑ - دودھ - گھر - ٹھوکر - ڈھونڈھ - واضح رہے کہ ایسی ہا کو بہ جز مقام مذکور کے دوسری جگہ نہ لکھنا چاہیے ورنہ اشتباہ ہوگا

جو ہائے ساکن آخر لفظ میں ہو اور اپنے پہلے حرف سے ملی ہوئی لکھی جائے اور اُسکی آواز دبی ہوئی نکلتی ہو اُس کا شوشہ بہت ذرا سا نکالنا چاہیے جیسے تو بہ ترکہ - غلہ - نہ - چنانچہ وغیرہ -

اور اگر اُس ہا کی آواز زیادہ نکلتی ہو تو شوشہ اُس کا زیادہ کیا جائے گا جیسے گنہ - سہ - کہ - شہ - لیکن اُس کے قبل کے حرف پر جو حرکت ہوگی وہ ضرور دی جائے گی -

جو ہائے ہوز آخر میں ہو اور لفظ کے ساتھ لکھی نہ جاتی ہو بہ شرطے کہ آواز اُس کی کم نکلے تو وہ مدور یعنی گول لکھی جائے گی جیسے بندہ - پردہ - برآمدہ - کجاوہ وغیرہ - اور اگر زیادہ آواز دیتی ہو تو اُس ہا کا الگ شوشہ نکال دینا چاہیے جیسے بے راہہ یا الف آخر میں بڑھا دینا چاہیے جیسے نبلا ہا -

آٹھویں ہدایت

لفظوں کا ایک ساتھ ملا کر لکھنا

اکثر لکھنے والے دو دو لفظوں یا لفظوں کے ایسے ٹکڑوں کو بھی جو الگ الگ لکھے جا سکتے ہوں بے کار ایک ساتھ ملا کر لکھ دیا کرتے ہیں - جس پڑھنے والے کو اس زبان سے کم لگاؤ ہو وہ ضرور اُلجھے گا - جہاں تک ہو سکے

لکھتے وقت یہ ضرور خیال رکھے کہ پڑھنے والا عبارت کو آسانی سے پڑھ لے۔

ذیل میں چند مثالیں لکھی جاتی ہیں اِنھیں پر باقی کو قیاس کر لیجیے۔

یوں نہ لکھے	یوں لکھے	یوں نہ لکھے	یوں لکھے
کیونکر	کیوں کر	او جھکر	اُلجھ کر
اونکیساتھ	اُن کے ساتھ	نکر	نہ کر
غرضکہ	غرض کہ	دیکھکر	دیکھ کر
جمعدار	جماعدار	بطور	بہ طور

نویں ہدایت

اشاراتِ املائے و علاماتِ قرأت

جسطرح آدمی باتیں کرتے وقت کہیں ذرا سا کہیں زیادہ ٹھہر جاتا ہے۔ کہیں کسی لفظ کو کھینچ کر کہیں مختصر آواز سے کہیں کسی لفظ کو بلند صدا سے کہیں آہستہ بول جاتا ہے، چاہیے کہ لکھنے میں بھی وُہی بات پیدا ہو۔ اس لئے یہاں لکھنے کے چند ایسے قاعدے لکھے جاتے ہیں جن کی پابندی سے بہت اشتباہ مٹ جائیں گے

(نجم و نجمین)

یہ تو معلوم ہو کہ پوری بات کو جملہ کہتے ہیں۔ جب جملہ ختم ہو جائے تو وہاں سطر کی سیدھ میں ایک نقطہ دے دینا چاہیے جیسے بخشو بہت نیک بخت لڑکا ہے۔ اُس کا گھر دہلی میں ہے" ایسے نقطہ کا نام نجم رکھنا چاہیے یہ بھی واضح رہے کہ جب پہلے اور دوسرے جملہ میں کچھ لگاؤ ہو تو ایک نقطہ (نجم) دینگے اور اگر بعد کا جملہ بے لگاؤ ہو تو دو نقطے دینے چاہئیں ان نقطوں کا نام نجمین ہو گا۔ مثال "اِما من کو آج جھوٹھ بولنے کی سزا مل گئی۔ گل میں نے ایک کتاب مول لی" واضح رہے کہ نجم والے جملہ کے بعد بہت کم ٹھہر کر دوسرا جملہ پڑھنا چاہیے اور نجمین والے جملوں کے درمیان کسی قدر زیادہ ٹھہرنا چاہیے۔

دسویں ہدایت

نجم السّوال خطِ فصل خطِ وصل

اگر عبارت میں کوئی بات بہ طور سوال یعنی پوچھنے کے آجائے تو وہاں ایک نشان یوں بنا دینا چاہیے کہ پڑھنے والے کو خبر اور استفہام میں امتیاز رہے ایسے نشان کو نجم السّوال کہیں جیسے" آپ کا مزاج تو اچھا ہے" میں تو آج سیر کو نہ جاؤں گا۔ اور آپ؟

مختلف دو بیانوں یا مختلف دو مضمونوں کے بیچ میں ایک چھوٹا سا خط کھینچ دینا چاہیے جیسے "غرض کہ دنیا میں سلیقہ بڑی نعمت ہے" ــــ "اب ہم محبت کا بیان کرتے ہیں" ایسے خط کو خطِ فصل کہنا چاہیے۔

جب کسی عبارت میں کئی لفظ ایسے آجائیں کہ سب ایک ہی طرح یا ایک ہی قسم کے معنی اور حکم میں داخل ہوں تو اُن سب لفظوں پر چھوٹے چھوٹے ایک ہی طرح کے نشان بنا دینے چاہئیں جن سے معلوم ہو جائے کہ یہ سب لفظ ایک ہی حکم میں داخل ہیں۔ ان نشانوں کو خطِ وصل کہنا چاہیے۔ جیسے "کیا آپ آئینہ غریب عالم جاہل سب کو برابر جانتے ہیں۔

گیارھویں ہدایت

خطِ المتن خطِ تمیز خطِ الجبلی

اگر کسی عبارت کے معنی و مطلب بیان کرنے مقصود

بعض اہل علم کی رائے ہے کہ انگریزی میں جو اشارات املائے ہیں جوں کا توں اُن کو اُردو میں بھی استعمال کرنا چاہیے ۱۲ منہ

ہیں۔ اِس طرح پر کہ پہلے اُس عبارت کو لکھیں اور اُس کے معنی و مطلب کی شرح کریں تو اس پہچان کے لئے کہ یہاں سے یہاں تک وہ عبارت ہے جس کا ہم مطلب کہتے یا شرح لکھتے ہیں تو اصل عبارت یعنی متن پر برابر ایک سیدھا لمبا اور صاف خط کھینچ دیں گے اُس خط کو خط المتن کہیں گے۔ جیسے "علم تمام نعمتوں اور دولتوں کی کنجی ہے۔ جاننا چاہیے کہ جتنی چیزیں آنکھوں سے دکھائی دیتی یا جو چیزیں چھپی ہوئی ہیں۔ اُن کی گہنہ تک پہونچنے کا نام علم ہے۔

جب عبارت میں کوئی ایسا لفظ یا جملہ لکھیں جس سے یہ مقصود ہو کہ پڑھنے والا سمجھ لے کہ لکھنے والے نے خاص کر کے اس لفظ یا اس جملہ پر زیادہ توجہ دلوائی ہے تو اُس لفظ یا جملہ کے نیچے ایک سیدھا خط کھینچ دیں گے اور ایسے خط کو خط تمیز کہیں گے۔ جیسے "یوں تو دنیا میں سب تیک صفتیں انسان کو انسان بناتی ہیں لیکن سب سے بڑھ کر سچ بولنا ہے"

اگر عبارت کے شروع یا بیچ میں ایسا لفظ آگیا ہے کہ خواہی نخواہی پڑھنے والے کی توجہ اُس پر بہت زیادہ دلوانی منظور ہو تو اُس لفظ یا جملے کو اُس عبارت کے قلم کے اعتبار سے کسی قدر چوب قلم سے لکھ دیں گے یا خط شکست یا خط نسخ یا اُس خط میں لکھ دیں گے جو اُس عبارت کے خط کے شیوے سے الگ ہے۔ اور ایسے لفظ کو خط الجلی کہیں گے۔ سب کی مثالیں برسات کا موسم شروع ہو گیا۔ دریا کا پانی بڑے زور پر ہے آپ پیرنا موقوف کیجئے۔ اس سال پانی بہت کم برسا پیداوار کی طرف سے بالکل یاس ہے۔

بارھویں ہدایت

قوسین۔ واوین۔ کواکب

اگر عبارت میں کوئی ایسی زائد بات آجائے کہ اگر اُس بات کو وہاں سے نکال بھی ڈالیں تو معنی میں کوئی خلل نہ ہو۔ خواہ وہ لفظ یا جملہ کسی پہلے لفظ کی شرح یا معنی یا گنجلک بات کے کھول دینے کے لئے لائے ہوں تو اُس لفظ یا جملے کو دو ٹھڑے نشانوں سے گھیر دیں گے تاکہ پڑھنے والا سمجھ لے کہ یہ لفظ یا جملہ عبارت میں زائد ہے۔ ان ٹھڑے نشانوں کو قوسین کہیں گے۔ جیسے "سبحان (کریم کا بیٹا) آیا تھا۔ سخن حق (سچی بات) تلخ (کڑوی) ہوتی ہے

اگر اپنی عبارت میں کسی دوسرے کی عبارت یا مثل یا کہاوت یا کسی خاص اپنے ہی مضمون کو لے آئیں اور مقصود ہو کہ وہ جملہ یا لفظ نمایاں رہے تو جہاں سے وہ لفظ یا عبارت شروع کی ہے اُس جگہ سیدھے میں یا لفظ کے اوپر دو اُلٹے واو لکھ دیں گے اور جہاں وہ لفظ یا جملہ ختم ہوا ہے وہاں بھی ایسے ہی دو اُلٹے واو بنا دیں گے اور اسے واوین کہیں گے۔ جیسے ماسٹر صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ "تعطیل میں بھی کتابوں کو ضرور دیکھنا چاہیے"۔ "آدمی اگر شریف ہے تو اُس کا طور طریق شرفا کا ہو نہ کہ اونچی دوکان پھیکا پکوان"

اگر اپنی یا غیر کی عبارت میں کچھ الفاظ طوالت یا اور کسی سبب سے چھوڑ کر لکھیں گے تو چھوڑی ہوئی عبارت کی جگہ مسلسل پانچ سات یا دس بارہ نقطے دے دیں گے تاکہ معلوم ہو کہ یہاں سے عبارت چھوڑ دی ہے۔ ایسے نقطوں کو کواکب کہیں گے۔ جیسے۔ ماسٹر صاحب نے کہا کہ" یاد کرکے جس سے کہہ دینا کہ اگر اب کسی لڑکے کی شان میں کوئی خلاف ادب

بات کہی تو میں خوب .....

تیرھویں ہدایت

خطّ الخطاب خطّ العتاب خطّ انکشاف

اکثر جگہ منادے میں حرف ندا کو محذوف کر کے لکھتے ہیں جیسے "اے دوست" کی جگہ صرف "دوست" "اے میرے بھائی" کی جگہ "میرے بھائی" تو ایسی جگہ بعد منادے کے ایک نشان بنا دیں گے۔ مثال۔ دوست! تم کیا کہتے ہو؟ "ناظرین! میں پھر اس عبارت کو نقل کرتا ہوں" یعنی اے دوست اور اے ناظرین ایسے خط کو خطّ الخطاب کہیں گے۔

اگر عبارت میں کوئی ایسا لفظ یا جملہ آجائے کہ زبانی کہتے تو ڈانٹ کر یا غل مچا کر کہتے۔ ایسی جگہ اس لفظ یا جملے کے بعد ایک نشان بنا دیں گے اور ایسے نشان کو خطّ العتاب کہیں گے۔ جیسے "اُنھوں نے کہا کہ ابن مردود تو پڑھتا نہیں ہے۔ یہ کہہ کر رمضانی کو پکارا" رمضانی! اور رمضانی!

جب عبارت میں خوشی یا تعجب یا افسوس کا کلمہ آجائے تو اس لفظ کے بعد خط الخطاب کی طرح دو نشان یا تین یا چار (جیسا مقتضا ہو) بنا دینا چاہیے۔ اس خط کو خط انکشاف کہیں گے۔ جیسے۔ سید علی نے بی۔ اے کا امتحان پاس کر لیا!! اور سب سے اوّل رہا!!! مگر اس کا بھائی فیل ہو گیا!!!!

چودھویں ہدایت

نقطۂ اختصار۔ خطّ تہدید خطّ ایصال

کسی نام یا کسی اصطلاح یا کسی فقرے کو بہ سبب طوالت کے اگر چاہیں تو لکھنے میں مختصر کر کے ایک دو حرف اس کے ہر ٹکڑے کے لکھ دیں گے مگر ہر ایک ٹکڑے کے بعد ایک نقطۂ اختصار بنا دینا ضرور ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہاں سے کچھ حرف کم کر دیے گئے ہیں۔ بعض جگہ کئی کئی لفظوں کے ایک ایک حرف کو ایک ہی جگہ لکھ دیتے ہیں۔ مثال اوّل "بنگال پولیس" کی جگہ ب پ یا ایسٹ انڈین ریلوے کی جگہ ای۔ آئی۔ آر مثال دوم۔ الے آخرہ کی جگہ الخ یا علیہ السلام کی جگہ ع۔م۔

اگر عبارت میں ایسا لفظ یا جملہ آگیا ہے کہ زبانی کہا جاتا ہو تو ایسے تیور اور ایسے لہجے سے کہ گویا مخاطب پر تہدید کر رہے ہیں یا دھمکی دیتے ہیں اس لفظ یا جملہ کے بعد ایک ٹہڑا نشان بنا دینا چاہیے۔ اور اس نشان کو خط تہدید کہیں گے جیسے کیوں صاحب! ہم تمہاری نہیں سنتے ہو دیکھو پھر ہم اپنے نام کے ہیں وہ چھڑی رکھی ہے

اگر ایک سطر میں دو عبارتیں ایسی آجائیں کہ ایک کی تفصیل دوسری میں بہ طور حاشیہ کے ہو تو درمیان میں ایک ٹہڑا خط کھینچ کر دونوں کا فرق ظاہر کر دیں گے اور اس خط کو خط ایصال کہیں گے۔ جیسے

ٹھاکر پرشاد } رہنے والے کندن نگر کے قوم کایستھ
ہیرا لال }

پندرھویں ہدایت

تنبیہ السہو۔ خطّ الشک۔ خطّ الیقین

اگر عبارت میں کوئی لفظ لکھنے میں بھول گئے ہیں۔ تو اس لفظ کو عبارت کے اوپر ٹھیک جگہ پر اس کی لکھ دیں گے اور نیچے ایک نشان بنا دیں گے تاکہ معلوم ہو کہ یہ لفظ اس مقام پر چھوٹ گیا تھا۔ اس نشان کو تنبیہ السہو کہیں گے۔ جیسے۔

گائے بھی عجیب بے آزار جانور ہی دودھ تو تیکھے ہے۔ دودھ اس کا سب کو میٹھا ہے اگر ایسی عبارت لکھنی پڑے جس کے مضمون میں لکھنے والے کو یہ شک ہے کہ آیا حقیقت میں بھی یہ بات صحیح ہی یا نہیں تو اس جگہ ایک نشان بنا دیں گے اور اس کو خط الشک کہیں گے۔ جیسے حسینی سے معلوم ہوا کہ بکس میں پچاس روپے رکھے تھے؟ وہ چوری گئے؟

اگر دوسروں کو شک ہو مگر لکھنے والے کو اس بات کا یقین ہو تو ایسے مقام پر لکھنے والا ایک نشان حسب ذیل بنا دے گا اور اس کو خط الیقین کہیں گے۔ جیسے وہاں کل لوگوں کا بیان ہے کہ "مارپیٹ نہیں ہوئی" مگر ایک شخص اقرار کرتا ہے۔

سولھویں ہدایت

اگلے زمانے میں تو فضول لمبے چوڑے القاب و آداب کا خطوں اور کتابوں کے عنوانوں پر لکھنے کا بے حد رواج تھا۔ ایسے ایسے مبالغہ آمیز القاب اختیار کئے جاتے تھے کہ ممدوح کی ہجو ملیح ہو جاتی تھی۔ مگر اب سمجھتے سمجھتے لوگ سمجھتے جاتے ہیں کہ بے ضرورت لمبے لمبے القاب لکھنے میں اوقات کے ضائع ہونے کے سوا اور کوئی نتیجہ نہیں ہے۔ البتہ القاب میں مختصر طور سے دو ایک ایسے لفظ نام کے ساتھ بڑھائے جائیں کہ جن سے ممدوح کی اصلی شان یا رتبہ نمایاں ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔ یورپ میں کیسے کیسے علما حکما امرا حکام رؤسا ہیں مگر نہ خطوں میں کہیں ان کے نام پر گڑھ گڑھ کر القاب مبالغہ آمیز لکھے جاتے ہیں اور نہ ان کے اعلا درجہ کی تصنیفوں پر۔ صرف وہی القاب یا خطاب درج کئے جاتے ہیں جو ان کو گورنمنٹ یا کسی یونی ورسٹی سے ملے ہیں۔ اس سے بڑھ کر ہمارے یہاں اور کیا تحریم کی بات ہو سکتی ہے کہ کتابوں کے مصنف خود ہی تو اپنی کتاب چھپواتے ہیں اور عنوان پر خود ہی اپنے نام پر لمبے چوڑے مبالغہ سے بھرے القاب چھپواتے ہیں جہاں مذکورۂ بالا باتیں قابل لحاظ و اصلاح ہیں وہاں یہ بھی بات قابل اعتراض ہے جو مخاطب کے القاب میں فی زمانہ بے پروائی اور بے تکلفی برتی جاتی ہے۔ مثلاً کسی دوست کا پوتا نام بابو سندر لال خواہ سید رحمت حسین ہے۔ اب خواہ مخواہ ہی دوستانہ خط میں اسکی طرف فقط سندر یا رحمت کر کے خطاب کرے ہیں۔ مخاطب کا پورا نام (جو اس کی شان کا مقتضا ہو) ضرور لکھنا چاہیے۔

اگلے وقتوں میں بلکہ اب بھی اہل علم و تمیز اپنے برابر والوں اور بے تکلف دوستوں خواہ آنک لفاوت مراتب میں مخدوم و معظم یا معظم و مکرم کے لقب خطوں میں لکھا کرتے ہیں مگر اس زمانے میں بزرگوں اور اپنے سے کہیں ذی رتبہ لوگوں کو بھی خطوں میں اسی القاب سے ملقب کیا کرتے ہیں بعض حضرات اپنے باپ کے ہم رتبہ و ہم منصب بزرگوں کو قبلہ معظم لکھ دیا کرتے ہیں۔ گو کہ معناً یہ القاب کیسے ہی کیوں نہ ہوں مگر اہل تمیز مخدوم معظم مکرم فقط برابر والوں ہی کو لکھیں گے نہ کہ بزرگ رتبہ حضرات کو۔ "التماس" کا لفظ بھی برابر والے دوستوں کی شان میں استعمال ہوتا ہے نہ کہ بزرگوں کے مقابل

سترھویں ہدایت

مختصر القاب خطوط و مکاتیب کے

میرے نزدیک اب وہ زمانہ نہیں ہے کہ خط و کتابت میں طویل و طویل القاب سے کام لیا جائے۔ اگر ذیل کے مختصر القاب خطوں کے لئے مخصوص کر لئے جائیں تو نہایت مناسب ہے بہت کم سنوں کے لئے خواہ وہ ذی قرابت ہوں یا نہ ہوں

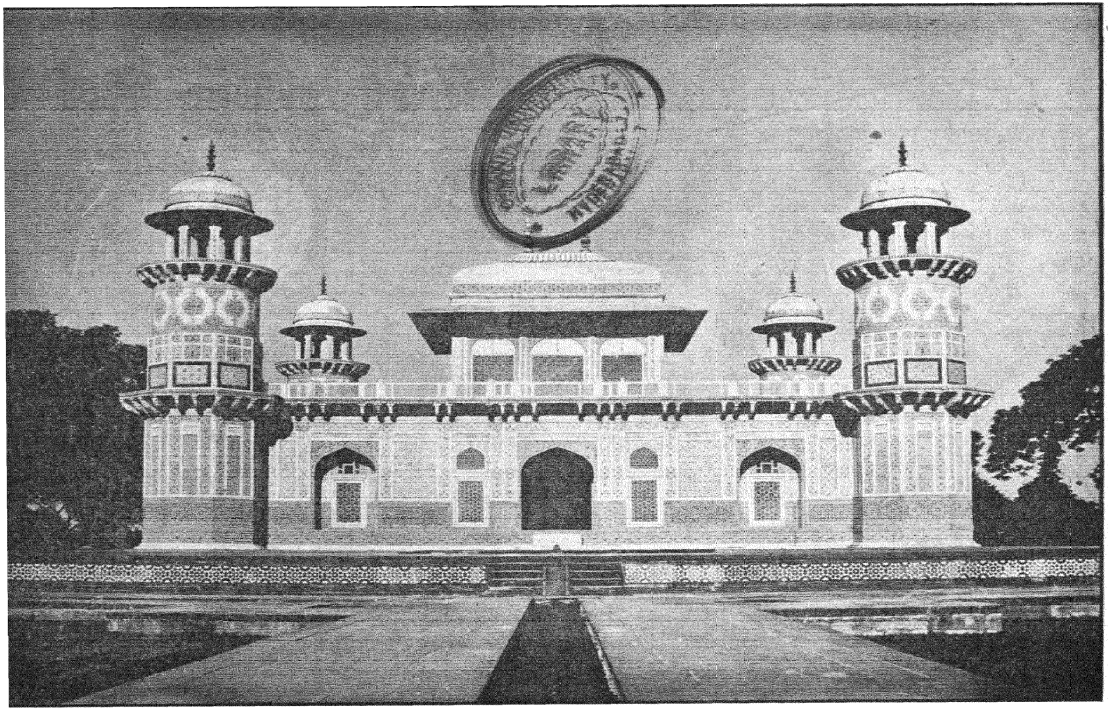

مقبرۂ اعتماد الدولہ

انقیٰن پریس الہ آباد

"عزیزمن" یا "میرے عزیز" کافی ہے۔

جن دوستوں یا برابر والوں سے ملاقات کم ہے اُن کے لئے مکرمی یا مکرم من اور جن سے زیادہ ربط و آمد و رفت ہے اُنکے لئے مخدومی خواہ مخدوم من مناسب ہے اور متوسط درجہ کے بزرگ ہوں اُن کی شان میں "جناب عالی" اور جو اعلا درجہ کے بزرگ ہوں اُن کی شان میں "حضور عالی" لکھنا چاہیے۔

ف

اکثر لکھنے والے واو عاطفہ کو شروع سطر میں لکھتے ہیں حالانکہ معطوف الیہ گزشتہ سطر میں لکھا گیا ہے۔ چاہیئے کہ معطوف الیہ کے ساتھ ہی (گو کہ آخر سطر میں ہو) واو عاطفہ کو بھی لکھ دینا چاہیے۔

خاتمہ

اِس وقت تک جس قدر میری فکر نے یاری دی۔ میں نے غور کر کے اُردو تحریر کے بااِملا اور باسلیقہ لکھے جانے پر اپنا خیال ظاہر کر دیا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے غالباً اس بیان باطریقہ تحریر میں یہ پہلا مضمون ہے۔ اِس لئے اِس میں ضروری فروگزاشتوں کا ہو جانا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ مجھے پوری اُمید ہے کہ عالی خیال انشا پردازاُن فروگزاشتوں کی اصلاح کر کے آیندہ اور اور فوائد بھی اِس پر بڑھا کر اُردو تحریر کے اس وجیئے کو ضرور مٹائیں گے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

سید علی محمد شاد

مقبرۂ اعتماد الدولہ۔ تاریخ ہند میں غیاث بیگ سے زیادہ شاید ہی کوئی خوش قسمت شخص پایا جاے جو ایک غریب مسافر کی حیثیت سے ہندوستان میں وارد ہوا تھا اور ایک ایرانی سوداگر کی وساطت سے شہنشاہ اکبر کے دربار میں پہونچکر نہ صرف میر بخشی کے عہدے پر سرفراز ہوا بلکہ آسمان شہرت پر آفتاب بنکر چمکا اُٹھا۔ نورجہان اسی کی بیٹی تھی جسے شہنشاہ جہانگیر کی پیاری ملکہ کی حیثیت سے شہرت دوام حاصل ہے۔ جہانگیر نے غیاث بیگ کو اعتماد الدولہ کا خطاب اور منصب وزارت عطا کیا تھا اور ایک انسان کو سبقدر عروج حاصل ہو سکتا ہے وہ اعتماد الدولہ کو حاصل تھا۔ اُمراے جہانگیری میں اعلیٰ مرتبہ رکھنے کے علاوہ یہ نہایت خوش مذاق اور سخن دوست تھا۔ اکثر نامی شعرا اسکے دربار کی زینت رہے ہیں۔ آخر کار ۱۶۲۱ء میں کشمیر کی طرف پیشقدمی کرتے ہوئے اعتماد الدولہ کا بمقام کانگڑہ انتقال ہو گیا اور اُسکی سعادتمند بیٹی نورجہان اُسکی لاش آگرہ میں لائی۔ پہلے اُسکا ارادہ تھا کہ اپنے باپ کا مقبرہ خالص چاندی کا بنوائے جو بالکل ٹھوس ہو۔ اُس وقت ہندوستان میں ایسی بیش بہا عمارت کا بنانا زیادہ تعجب خیز نہ تھا جبکہ تھوڑے ہی عرصے بعد اعتماد الدولہ کی پوتی ارجمند بانو عرف تاج محل کا عجائب روزگار مقبرہ جواہرات سے مغرق کر دیا گیا۔ لیکن بعض لوگوں نے نورجہان کی اس تجویز سے اس بنا پر اختلاف کیا کہ چاندی کا مقبرہ بنوانے سے چور دن کو اس مقدس عمارت پر دست درازی کی ترغیب ہوگی بہرکیف بجاے چاندی کے سنگ مرمر اور دوسرے قسم کے پتھر کام میں لائے گئے اور اس حالت میں بھی یہ عمارت اپنی طرز میں لاجواب سمجھی جاتی ہے۔ یہ رفیع الشان مقبرہ آگرہ میں ایک مربع باغ کے اندر واقع ہے جسکی عمدہ طور پر حفاظت کی گئی ہے۔ اسکا پھاٹک بھی بجاے خود ایک بےنظیر عمارت ہے جسکی تصویر آیندہ نمبر میں ہدیۂ ناظرین کیجائیگی۔ اس مقبرہ کا موازنہ خود جہانگیر کے مقبرے سے جو لاہور میں واقع ہے کیا گیا ہے اور اُس سے کسی طور پر کم نہیں ثابت ہوا۔ انگریزی مورخین کے بیان کے مطابق یہ مقبرہ ہندوستان میں پہلی عمارت ہے جسمیں اطالین طرز کی معماری کا تتبع کیا گیا ہے۔

ایک مسافر لندن کی روانگی

راے بریلی مین ۲۰ جون ۱۹۶۰ء کی صبح ایک عجیب یادگار صبح ہے۔ آج راے بریلی کے ایک نامور اور خوش اخلاق وکیل سید محمد عابد صاحب کا پیارا فرزند محمد زاہد بی۔ اے۔ امتحان بیرسٹری کے لئے ولایت جارہا ہے، یوں تو احباب واعزا کی روز سے ملنے کو آتے جاتے ہین مگر یہ صبح قیامت کی صبح ہے جو ایک سعید بیٹے کو اُسکے والدین، اعزا اور احباب سے کئی برس کے لئے جدا کرکے ایک نئی سرزمین مین بھیجنے کا پیام لیکر زبان حال سے یہ شعر پڑھتی ہوئی نمودار ہوئی ہے۔ ؎

مرا سینہ ہے مشرق آفتاب داغ ہجران کا
طلوعِ صبح محشر چاک ہے میرے گریبان کا

دوست احباب جُوق جُوق چلے آرہے ہین، زاہد کے صحن مکان مین میلا سا لگا ہے، وکلا، عمال، حکام سب ہی تو ہیں، "الایچی پان" تقسیم ہورہے ہین، حقہ اور سیگرٹ کے دَور پر دَور چل رہے ہین، دروازہ پر سواری کا گھوڑا پھولون کے زیور سے سجا ہوا کھڑا ہے، دوست احباب کی شیروانی، کوٹ ٹوپیون اور عمامون مین سُرخ و سفید پھول کے طُرّے لگے ہوئے ہین، ہر شخص دُور دراز منزل اور بحری سفر کے تصور مین ڈوبا ہوا ہے، آفتاب بامِ فلک پر بلند ہوچکا ہے، گھڑی کی سوئیان پلک مار مار کر آٹھ بجانے کی تیاری کررہی ہین، لندن کا مسافر زنانخانہ مین اپنی پیاری ماں، بیوی، بہن سے رخصت ہورہا ہے، گھر مین ایک کہرام مچا ہوا ہے، امام ضامن کے روپیے، اشرفیان اُسکے بازو پر ایک ایک کرکے بہت سی باندھی جاچکی ہین، اندر سے باہر تک سب کے سب غمِ مفارقت مین رو رہے ہین، ماں اپنے لاڈلے بیٹے کو چھاتی سے لگاکر پیار کرچکی، بھائی بہن گلے مل چکے، گھر کے بوڑھے بزرگ، پاس پڑوس والے چپٹ چپٹ بلائین لے چکے۔ لیجئے! وہ جانے والا مسافر صحن مکان مین کھڑا ہوا ایک ایک کو سلام کررہا ہے، ماں بہنین رو رہی ہین، مسافر اپنے خوابگاہ کو حسرت بھری نگاہون سے دیکھ رہا ہے اور سب کو الوداع کہہ رہا ہے، اُسکا دل مفارقت کے غم سے بھرا آتا ہے، وہ گھر جسمین وہ بچپن سے پلا اور پھلا پھولا تھا آج اُس سے کئی برس کے لئے چھٹتا ہے گھر کی ایک ایک چیز اُسکے دامن محبت کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے، وہ روتا جاتا ہے اور دامن جھٹکتا جاتا ہے کہ للہ مجھین نہ روکو، ہمپر اپنی محبت کا اثر نہ ڈالو، ہم کچھ کرنے کے لئے تم سے جُدا ہورہے ہین اور خدا چاہیگا تو دامن مراد کو ہر مقصود سے بھر کر آئین گے اور پھر تجھ سے ملین گے۔ یہ کہہ کے جانے والے مسافر نے باہر نکلنے کو قدم بڑھایا، گھر کے لوگ پیچھے پیچھے دوڑے مگر سب زنانہ مکان کی حد تک پہونچاکے روتے ہوئے پلٹ گئے، دل گرفتہ ماں اکیلا ہو کر الگ بیٹھ گئی۔ باہر والا مسافر زنانہ مکان کے دروازہ سے باہر آیا، باہر کے صحن مین بیٹھنے والے سب کے سب بے چینی سے کھڑے ہوگئے۔

یہ سمان بھی کسقدر حیرت خیز ہے کہ ایک عزیز ترقطع کے قرآن کا سایہ سر پر کئے ہوئے مسافر کو باہر لارہا ہے، ایک عزیز پیچھے پیچھے روتا ہوا آیۃ الکرسی پڑھ رہا ہے، باپ، مامون،

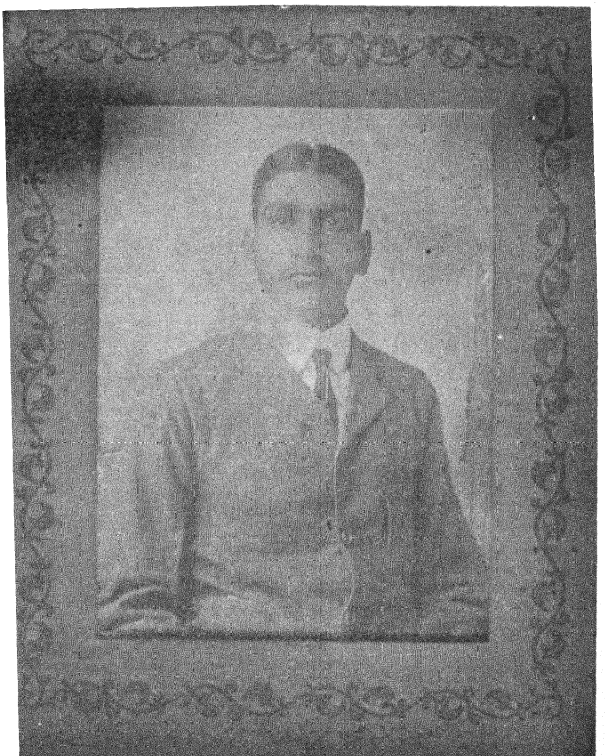

سید محمد راھد بی - اے

انڈین پریس الہ آباد

چچا اور چھوٹے چھوٹے بھائی سب کے سب رو رہے ہین باہر کے صحن مین پھول برسائے جارہے ہین، مسافر گھر سے نکل رہا ہے، اُسکے دوست احباب کے خطوط کے پرزے جو اُسنے ابھی ابھی چاک کرکے پھینکدئے تھے اُڑتے ہوئے اُسکے پاؤن سے لپٹے جاتے ہین، وہ باہر کی ہر ایک چیز پر اُچٹتی ہوئی نظر ڈالتا گاڑی پر سوار ہونیکو چلا ہے، گاڑی، گھوڑے، سیکل دروازہ پر کھڑی ہین، مسافر کو اسٹیشن تک لیجانے والے گھوڑے کے ماتھے پر سُرخ پھول لگا دیا گیا ہے جسکی پنکھڑیان اُسکو اپنی طرف یون اشارے سے بُلا رہی ہین۔ ؎

گر بر سر و چشم من نشینی
نازت بکشم کہ نازنینی

مسافر پھولون سے لدی ہوئی گاڑی پر سوار ہو چکا ہے مگر ابھی گاڑی رُکی ہوئی ہے، آگے پیچھے لوگ اپنی اپنی سواریون پر بیٹھے چُکے ہین، ادھر اُسکے سکونت کا مکان حسرت مین ڈوبا ہوا دم بخود کھڑا ہے۔ اُدھر وہ باغ جسمین وہ بچپن مین کھیلا کرتا تھا حسرت سے اُسکی صورت تک رہا ہے کہ ہائین یہ مجھکو یون چھوڑکر لندن جارہا ہے، جانیوالا مسافر رو رو کر اپنے دیس کے ایک ایک منظر سے جُدا ہو رہا ہے اور اہل وطن سے رو رو کر کہہ رہا ہے۔ ؎

در و دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہین
رخصت اے اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہین

گاڑی چلی، روپیہ پیسہ لٹایا جارہا ہے، مٹھا جون کو غلّہ تقسیم ہو رہا ہے، کھلی ہوئی گاڑی پر ہر طرف سے پھولون کی بوچھار ہو رہی ہے، دروازہ پر نوبت بج رہی ہے، پھول مسافر کے سر کے بلا گردان ہو کر پاؤن پر گر رہے ہین اور سڑک پر بچھے جارہے ہین، نازنین گھوڑا پھولون پر دوڑتا ہوا جا رہا ہے، محلّہ والے اور ہمسائے کوٹھون پر کھڑے ہوئے تماشا دیکھ رہے ہین، رخصت ہونے والے مسافر کے دل پر ابر غم چھایا ہوا ہے، کبھی وہ اپنے وطن کے صاف اور نکھرے ہوئے آسمان کو دیکھ رہا ہے کہ اب ایسا آسمان کہان ملیگا، کبھی وہ سڑک کے دورویہ درختون اور عمارتون پر نگاہ ڈالتا ہے۔

تمام مناظر جو اسوقت مسافر کے پیش نظر ہین اور جو نظر سے اوجھل ہین وہ سب کے سب گویا اُسکو وداع حافظ کہہ رہے ہین اور وہ ہر منظر سے بار بار متوجہ ہو کر کہہ رہا ہے کہ بات کی بات مین ہمارے قیام کی مدّت ختم ہو جائیگی۔ ہم پھر آئینگے اور تیری بہار دیکھین گے، راستہ مین جو چیزین پڑتی جاتی ہین اُنکو فرط محبّت سے وہ سلام کر رہا ہے یہانتک کہ چھوٹے چھوٹے کسان جو اسوقت ادھر اُدھر سڑکون کے کنارے کھڑے ہین، یا جاتے ہوئے مل رہے ہین، یا جو اپنے اپنے دروازون پر بیٹھے یا کھڑے ہین ہر ایک کو اُسکی نگاہین ڈھونڈھ کر سلام کر رہی ہین، اسوقت نہ اُسکو اپنی شان کا خیال ہے نہ ریاست اور امیری کا گھمنڈ ہے نہ قابلیت اور نہ خاندانی و ذاتی اعزاز پر ناز ہے۔ بلکہ وطن کی محبّت اعلیٰ ڈگری پر ہے۔ مساوات کی بحر تمثال فلاسفی مین وطن اور اہل وطن کے چھوٹنے سے مذوجزر کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔ قلب اس درجہ نرم ہو رہا ہے کہ اپنے دیس کے ایک ادنیٰ کسان سے اگر کچھ نہ سہی تو صرف ایک سلام ہی کے ذریعہ سے وہ گلے ملنے اور رخصت ہونے کے تمام ارکان ادا کر رہا ہے۔

مسافر کی گاڑی چلی جارہی ہے، آگے پیچھے بہت سی بگھیان اور سیکلین ساتھ ہین یا کچھ لوگ کھیتون سے دوڑتے ہوئے اسٹیشن کو چلے آرہے ہین، کوئی تار کو پھاندتا ہوا لپٹا چلا آرہا ہے، کوئی شیروانی کاندھے پر ڈالے ہوئے گھر سے چل کھڑا ہوا ہے، کوئی باغون سے ہوتا ہوا درختون کے سایہ مین پہلے ہی سے آکر دم لے رہا ہے اور گاڑی آتے ہوئے دیکھکر آگے بڑھا ہے، کوئی یون ہی پاپیادہ سڑک پر دوڑتا اسٹیشن کو لپکا جارہا ہے، غرضکہ سب کے سب آگے پیچھے اسٹیشن کو پہونچتے جارہے ہین۔ ؎

شیخ کعبہ ہو کے پہونچا ہم کنشت دل مین ہو
دَر و منزل ایک تھی تھک راہ ہی کا پھیر تھا

لندن جانے والا مسافر ابھی اپنی گاڑی سے اُترا ہے، احباب واعزا اُسپر پھول برساتے ہوئے پلیٹ فارم پر لارہے ہین، ریلوے اسٹیشن احباب واعزا کی بدولت ایک آراستہ دولہن بنا ہوا ہے۔ پلیٹ فارم پر ایک جمِ غفیر ہے، فیملی ڈاکٹر (مسٹر محمود الحسن صاحب) بھی پلیٹ فارم پر موجود ہین طبی مشورے دئے جارہے ہین۔ بحری سفر کے متعلق دواؤن کی کچھ شیشیان لیبل لگی ہوئی ساتھ ہین، ہدایت استعمال کا پرچہ الگ ہے، ٹرین کے انتظار مین وقت کاٹا جارہا ہے، بار بار تار بابو سے لائن کلیر اور گاڑی چھوڑنے کی خبر ملنے کا سوال کیا جارہا ہے، پلیٹ فارم کے بالکل کنارے پر گاڑی آنے والی سمت کی طرف کوئی کھڑا تک رہا ہے۔ بارے خدا خدا کرکے ۸ بجے صبح والی گاڑی آئی، لوگ پریشان ذرات کی طرح ادھر اُدھر منتشر ہونے لگے، گاڑی رُکی اور سکنڈ کلاس ڈھونڈھا جارہا ہے۔

اسوقت کا سمان قابل دید ہے۔ ایک چھوٹا بچہ آیا کو گوٹے پٹے کا ہار پہنانے کے لئے دوڑا جارہا ہے آیا کو ٹلے پانی سے پیٹ بھرنے کے لئے گاڑی سے جدا ہوکر چلا ہے۔ یہ دیکھکر دوڑتا ہوا مغموم واپس آتا ہے اور کہتا ہے "آیا رُٹھکر بھاگا جاتا ہے، اب گاڑی کیسے چلے گی، کیا آیا اپنی گاڑیون سے آکر پھر نہ ملیگا؟"

یہ کہکر وہ خاموش ہوجاتا ہے اور کسی طرف سے کوئی جواب نہین ملتا مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اُسکے پاس کھڑا چپکے چپکے یہ کہہ رہا ہے۔ ؎

ہان مشو نومید چون واقف نئی زاسرارِ غیب
باشد اندر پردہ بازیہائے پنہان غم مخور

یہ منظر البتہ یادگار ہے کہ ٹرین خاموش کھڑی ہے، سکنڈ کلاس کے سامنے لندن جانے والا مسافر چپ چاپ کھڑا ہے، لوگ دور تک وسیع حلقہ مین اُسکو گھیرے ہوئے ہین، ایک نوجوان نہایت متانت کے ساتھ دواعیہ نظم بہت ہی دردانگیز لہجہ مین کھڑا پڑھ رہا ہے، نظم مین یون ہی بڑا اثر ہوتا ہے مگر وقت کی بات ہے یہ نظم کچھ ایسی پھلی پھولی کہ جس نے دو ایک شعر سُن لئے اُسکی آنکھون مین آنسو ڈبڈبا آئے، بہت سے مسافر جو پلیٹ فارم پر اوتر آئے ہین وہ بھی اس دردانگیز سین سے بیحد متاثر ہورہے ہین، نظم پڑھی جارہی ہے، کچھ تو مفارقت کے اثر کچھ موجودہ سین اور کچھ نظم کی قدرتی دلاویزی کا ایسا اثر پڑ رہا ہے کہ سب کھڑے رو رہے ہین، فوج کے کچھ گورے کچھ اور یوروپین مسافر اس سین سے بے انتہا متاثر نظر آرہے ہین۔ دلچسپی کے لئے وہ نظم بھی اپنے موقع پر پیش ہے۔

راجہ رام موہن رائے

انتین پریس الہ آباد

یہ مجھ ہے امید و حسرتِ ہجران کا اک منظر — کہ جاتا ہے ولایت اک جوان ہونکو بیرسٹر
خبر سُن کے احباب و اعزا یان تک آ رہے ہین — دعائین پڑھ کے دم کرنیکو بازو سے مسافر پر
مبارک تجھکو اے لندن کہ خوانِ علم پر تیرے — جوان اک ہند سے جاتا ہے تیرا یہ مہمان ہوکر
مبارک اے مسلمانون کے کالج تجھکو یہ تحفہ — چلا لندن تری آغوش کا پالا ہوا بچکر
ہر اک اونچی عمارت سر اُٹھائے تجھکو تکتی ہے — ارے او جانیوالے اک نظر پھر دیکھ لے مُڑکر
وہ کالی کالی اونچی چوٹیان کوہ ہمالہ کی — بلائین تیرے سر کی لے رہی ہین ہاتھ پھیلاکر
یہ تیرے دیس کے باغون سے یہ لالون سے عنقریب — تجھے کرتی ہین رخصت ہر شجر کی ٹہنیان ہل کر
یہ مانا ہے احباب اعزا انجمن سے چھٹتے ہین — مگر ملینگے سو دوست تو لندن ہی کے اندر
یہ کیا کم ہے تم اپنے عسکری کو جاکے دیکھینگے — نہین پردیس مین لطف وطن آئیگا دم بھر

بمنت چھٹتے جانا پاس کرنا لطف سے رہنا — پرائے دیس مین تم دونون بھائی خوب مل جُل کر
نہ جانا صحبتِ بد مین نہ ملنا ایسے ویسون سے — نہین اُٹھتا جو نظرون سے گرا خاک مذلت پر
تم احباب و اعزا کی امیدین لیکے جاتے ہو — بس اسکی لاج رکھنا بھولنا دیکھو نہ وان جاکر
مزا جب ہے کہ تم حسن عمل سے کر دو یہ ثابت — کہ دین حق کی ہے بنیاد سائنس اور حکمت پر
سمندر ہو کر خشکی ہو بیابان ہو کہ صحرا ہو — نہ گھبرانا نہ ظاہر حوصلہ ہے حافظ کبر
الٰہی باسلامت طے ہو راہ و منزل لندن — رہو تم شاد و مان ہو کر پھر اپنے گھر کا مہمان ہو کر
بس اب رخصت دو ہم کو اے کہ ہین ہم سب خدا حافظ — نگہبان چلتے چلتے حسن لو یہ دو مصرع خوشتر

خدا دے قسمت تصنیف سعدی تکو اے زاہد — پھلو پھولو زمانہ مین گلستان بوستان ہوکر

ممتاز جونپوری

راجہ رام موہن رائے

(تمہید)

اصول راست رہے چاہے جان رہے نہ رہے
زمین رہے نہ رہے آسمان رہے نہ رہے

جسوقت کہ ہندوستان مین ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی صوبہ دارون کی سرکشی مرہٹون کی دست برد اور نادر شاہ اور احمد شاہ کے حملون نے سلطنت مغلیہ کا قریب قریب خاتمہ کرکے شاہ دہلی کو محض شاہ شطرنج بنا دیا تھا۔ ملک کے گوشے گوشے مین طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ بنگال پر انگریز اپنا تسلط جما رہے تھے۔ سوسائٹی کا شیرازہ بکھر رہا تھا اور مذہب کیا ہندوؤن کا اور کیا مسلمانون کا محض چند رسوم مقررہ کے پیچھے کا نام رہ گیا تھا۔ اُسوقت جنگ پلاسی کے سترہ برس بعد ۱۷۷۴ء مین بنگال کے ضلع ہگلی کے قصبہ رادھانگر مین ایک ایسا شخص پیدا ہوا جس نے باوجود عظیم دقتون کے اپنے گرد و پیش کی مشکلات پر فتح حاصل کرکے ہندوستان مین مذہبی سوشل اور قومی اصلاح کی بنیاد رکھی جس نے مذہب کے میدان مین بت پرستی کو چھوڑکر خدا پرستی کی طرف اپنی قوم کو متوجہ کیا ستی کی قبیح رسم کی بیخکنی کرکے سوشل اصلاح کے پہلے مرحلہ کو طے کیا اور انگلستان مین پارلیمنٹ کی کمیٹی کے سامنے اپنا اظہار دیکر اُن پولیٹکل اصول کا خاکہ کھینچا جسمین آج تک رنگ و روغن بھرا جا رہا ہے۔ راجہ رام موہن رائے نے اپنے ملکی عقائد سے کبھی گریز نہین کیا البتہ مغربی روشنی سے کسب نور کرکے اُنکو جلا دینے کی کوشش کی اور مشرقی

مغرب کے باہمی اختلاط کے اُن اصول کی بنیاد رکھی جنپر ہندوستان جدید کی عمارت تیار ہو رہی ہے۔ اسمین ذرا بھی شک نہین کہ اسوقت ہندوستان کے مدبّرون اور مصلحون کی ساری کوششین راجہ رام موہن رائے کی اوّلین سعی کی منّت کش ہین اور اگر آج ہم راجہ صاحب ممدوح کی زبان سے یہ کہین کہ

ہر مرغ کہ پرزد بہ تمنائے اسیری
اوّل بشکنش کرد طوافِ حرمِ ما

تو نہایت مناسب اور زیبا ہے۔

خاندان و پیدائش

رام موہن رائے کے بزرگ اعلیٰ نسل کے کلین برہمن تھے۔ آپ کے پردادا کرشن چند بنرجی نے نوابان مرشدآباد کے یہان سے اپنے حسن خدمات کے صلہ مین رائے کا خطاب حاصل کیا تھا اور اسوقت سے یہ خاندان اسی نام سے مشہور چلا آتا ہے۔ رام موہن رائے کے باپ کا نام رما کانت رائے تھا اور اُنکی شادی شام بھٹاچارج کی بیٹی تارنی بائی سے ہوئی تھی۔ شام بھٹاچارج شاکت مت کے پیرو تھے۔ لیکن تارنی بائی نے سسرال مین جاکر وشنومت اختیار کر لیا تھا۔ یہ جیسی پارسا اور پاک باطن تھین ویسی ہی ہردل عزیز اور شیرین کلام بھی۔ اور اسیوجہ سے سب لوگ اُنکو "پھول ٹھکرانی" کہا کرتے تھے۔ رما کانت رائے کچھ روز تو مرشدآباد کی سرکار مین ملازم رہے لیکن کچھ عرصہ بعد نوکری سے کنارہ کش ہوکر رادھانگر مین سکونت اختیار کر لی اور پرگنہ وان کی ریاست سے کچھ گانون ٹھیکے پر لیکر بسر اوقات کرنے لگے۔

تعلیم و تربیت - توحید کی دُھن

رام موہن رائے اُس زمانہ کے حسب دستور پانچ برس کی عمر مین پاٹھ شالا مین بٹھائے گئے اور بنگالی زبان کی تعلیم سے مستفید ہوکر اُنھون نے مولوی صاحب کے پاس مکتب مین پڑھنا شروع کیا۔ کیونکہ اس زمانہ مین بنگال مین بھی فارسی درباری زبان تھی۔ اور اسکا حاصل کرنا شرفا کے لئے ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شعرائے فارس کے صوفیانہ خیالات کے وہ اسی زمانے سے شیدا تھے اور شمس تبریز اور حافظ شیراز کے تصنیفات نہایت شوق سے پڑھتے تھے۔ کیا عجب ہے کہ ایشور کی بھگتی اور عشق حقیقی کی بنا مکتب ہی کی تعلیم کا نتیجہ ہو۔ فارسی کی تعلیم سے فارغ ہوکر رام موہن رائے عربی کی تکمیل کے واسطے پٹنہ بھیجے گئے جو اسوقت بنگال مین عربی فارسی کا سرچشمہ خیال کیا جاتا تھا۔ عربی مین مہارت حاصل کرکے اُنھون نے قرآن کا مطالعہ کیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی توحید و حدانیت نے اُنکے دل کو مروجہ بت پرستی کے طریق سے قطعی متنفر کر دیا۔ ازان بعد اُنھون نے سنسکرت کی تعلیم حاصل کی اور ہندو شاستروں سے معرفت الٰہی کے سبق حاصل کئے۔ اس تعلیم و تلقین کا یہ نتیجہ ہوا کہ سولہ برس کی عمر مین اُنھون نے بُت پرستی کے خلاف ایک کتاب لکھی۔ جب اس تصنیف کی خبر اُنکے باپ کو پہونچی تو وہ بہت برافروختہ ہوئے۔ اُنکی والدہ بھی اُنسے ناراض ہوگئین۔ آخر والدین کی مخالفت سے تنگ آکر یہ گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور چار برس تک برابر سیاحی کرتے رہے۔ اس زمانہ مین بُدھ مذہب کی تحقیقات کے لئے رام موہن رائے تبت گئے اور وہان کی زبان سے واقفیت حاصل کرکے مذہبی تحقیقات شروع کی۔

تبت کے لوگ دلائی لاما کی پرستش کرتے ہین۔ اُنکا خیال ہے کہ دلائی لاما مرتا نہین بلکہ چولا بدلا کرتا ہے۔ چنانچہ جب دلائی لاما مرتا ہے تو کسی ایسے بچے کی تلاش کیجاتی ہے جسمین

اُنکے اعتقاد کے مطابق اُسکی روح حلول کرگئی ہے۔ رام موہن رائے کی حق پسند طبیعت نے اُنکو اس خیال کی لغویت ظاہر کرنیکے لئے مجبور کیا جسکی وجہ سے وہان کے لوگ اُنکے دشمن ہوگئے۔ آخرکار چند عورتون کی مدد سے اُنکی جان بچی اور اپنے والدین کے حسب الطلب یہ گھر کو واپس آگئے۔ جب یہ واپس آئے تو اُنکے باپ نے کہا کہ جیسا رنج راجہ و سرمنھ کو رامچندر کی جدائی سے ہوا تھا ویسا ہی قلق مجھکو اپنے رام کی علیحدگی سے ہوا ہے اور اب مین اُسکو اپنے سے الگ کرنا نہین چاہتا۔

لیکن باوجود ان باتون کے رام موہن رائے اور اُنکے باپ مین پھر ان بن ہوگئی کیونکہ رام موہن رائے مروجہ عقائد کی مخالفت سے باز نہین رہ سکتے تھے۔ مذہبی معاملات مین جب کبھی مباحثہ ہوتا تھا تو یہ اپنے والد کے دلائل کو نہایت متانت سے رد کرتے تھے۔ چنانچہ انکے باپ کہا کرتے تھے کہ جتنی دلیلین مین پیش کرتا ہون اُن سب مین تو کنتو (یسکن) لگاکر اُن کو کاٹ دیتا ہے۔ اسی اختلاف کی وجہ سے رام موہن رائے کو دوبارہ گھر چھوڑنا پڑا اس مرتبہ سنسکرت کی تکمیل کی غرض سے یہ بنارس جاکر رہے اور وہان اُپنشدون کی تعلیم کو پورے طور سے حاصل کیا۔

۱۸۰۳ء مین اپنے والد کی بیماری کی خبر سُنکر یہ وطن واپس گئے اور اُنکی وفات کے وقت اُنکے پاس موجود تھے۔ ایک مرتبہ پادری ایڈم صاحب سے رام موہن رائے نے بیان کیا کہ مرتے وقت میرے والد یسی محبت سے رام رام کہتے تھے کہ باوجود اختلاف عقائد کے اُنکے عقیدہ کی مضبوطی اور مذہبی جذبہ سے سننے والے کا متاثر ہونا ناممکن تھا۔

ملازمت سرکاری

اب رام موہن رائے کی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ ابھی تک تو گویا اُنکا طالبعلمی کا زمانہ تھا یہ سچ ہے کہ اُنھون نے علاوہ معمولی تحصیل علم کے اُس زمانے مین کئی زبانون پر قدرت حاصل کرلی تھی اور مروجہ خیالات اور طریقون سے ہٹکر قرآن اور اُپنشدون کی مدد سے اپنے لئے وحدانیت کا الگ راستہ نکال لیا تھا۔ لیکن اصول کے قیام و استحکام کی حد سے گذر کر اُنکی اشاعت کی نوبت نہین آئی تھی ۱۸۰۱ء مین رام موہن رائے نے سرکاری ملازمت کا ارادہ کیا اور اُنکی ملازمت کا زیادہ حصہ رنگ پور کے کلکٹر مسٹر ڈگبی کی سرشتہ داری مین بسر ہوا۔ انگریزی کام کرتے کرتے اور ڈگبی صاحب کے پاس جو انگریزی اخبارات آتے تھے اُنکو پڑھتے پڑھتے دو تین سال مین رام موہن رائے نے انگریزی مین معقول لیاقت پیدا کرلی۔ ڈگبی صاحب اُنکی نہایت قدر کرتے تھے اور انگریزی زبان سیکھنے مین اُنکی مدد کرتے تھے۔ اُنکا برتاؤ رام موہن رائے کے ساتھ حاکمانہ نہین بلکہ دوستانہ تھا اور وہ اُنکے مذہبی اصلاح کے کام مین بہت کچھ دلچسپی ظاہر کرتے تھے۔ چنانچہ جب رام موہن رائے نے ویدانت کو انگریزی مین لکھا تو ڈگبی صاحب نے اُسکو ترتیب دیکر اُسکا دیباچہ اپنے قلم سے لکھا۔

رام موہن رائے نے رنگپور مین اپنے مکان پر ایک مجلس قائم کی تھی جسمین مذہب کے شوقین اکثر مذہبی معاملات پر گفتگو کیا کرتے تھے۔ اسی زمانے مین دیوان گوری کانت رائے چترجی نے ایک کتاب گیان مندر نامے اُنکے خلاف لکھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رام موہن رائے نے چند رسالے بت پرستی کی تردید مین

تحریر کئے تھے۔ اُنکو مذہبی اصلاح کی دُھن تھی اور اُسکے متعلق کچھ نہ کچھ کام وہ زمانۂ ملازمت مین بھی کئے جاتے تھے۔ تاہم نوکری کی پابندی بہت کچھ اُنکی آزادی مین حائل تھی۔ اسیوجہ تیرہ برس نوکری کرکے ۱۸۱۴ء مین اُنھون نے استعفیٰ دیدیا۔ جب وہ استعفیٰ دیکر اپنے گھر آئے تو اُنکی مخالفت از سرِ نو شروع ہوئی۔ رام جی بٹ نامے ایک شخص نے بہت سے لوگون کو ساتھ لیکر اُنکو طرح طرح کے آزار دینا شروع کئے۔ لوگ آکر اُنکے مکان کے نیچے چلاّتے، جانورون کی بولیان بولتے اور اُنکے مکان مین ہڈیان پھینکتے تھے۔ صرف یہی نہین بلکہ رام موہن رائے کی ماں اُنسے اسقدر بیزار ہوگئین کہ اُنکو الگ مکان بنا کر رہنا پڑا۔ اسی زمانے کا ذکر ہے کہ اُنکی بیوی اُما دیوی نے اُنسے پوچھا کہ کونسا دھرم سب سے اچھا ہے۔ رام موہن رائے نے جواب دیا کہ "گائین مختلف رنگون کی ہوتی ہین مگر سب کا دودھ یکسان ہوتا ہے۔ اسیطرح مختلف مہاپرشون کی آرا مختلف ہین لیکن ہر مذہب کا لبِ لباب یہ ہے کہ سچ کو اختیار کیا جاے اور ایمانداری کے ساتھ زندگی بسر کیجاے"۔ اس زمانے مین ہندوستان مین عموماً اور بنگال مین خصوصاً ہندوؤن کی اونچی ذاتون مین ستی کی رسم بڑے زور شور سے جاری تھی۔ انگریزی حکّام اسکو بُرا سمجھتے تھے اور حتی الامکان عورتون کو ستی ہونے سے منع کرتے تھے لیکن جزو مذہب سمجھکر اعتناع قانونی کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ اتفاق سے اُس زمانہ مین رام موہن رائے کے بڑے بھائی کا انتقال ہوگیا اور گو رام موہن رائے نے اُنکی بیوی کو ستی ہونے سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی مگر اُنکی ایک پیش نہ گئی اور آخر کار اُنکی بھاوج ستی ہوگئی۔ اُسیوقت رام موہن رائے نے دل مین یہ عہد کیا کہ جب تک اس کروہ رسم کو بند نہ کرالونگا اُسوقت تک چین نہ لونگا۔

مرشد آباد۔ تحفۃ الموحدین

ملازمت سرکاری سے علیحدہ ہونیکے بعد رام موہن رائے کی زندگی کا تیسرا دور شروع ہوا۔ اُس زمانے مین اُنھون نے وطن سے ہجرت کرکے چند روز مرشد آباد مین اور پھر مستقل طور سے کلکتہ مین سکونت اختیار کی۔ مرشد آباد کے زمانۂ قیام مین رام موہن رائے نے ایک چھوٹی سی کتاب موسوم بہ تحفۃ الموحدین لکھی۔ یہ کتاب فارسی زبان مین ہے اور اُسکے ساتھ ایک عربی دیباچہ ہے۔ یہ کتاب پُرانے مولویانہ ڈھنگ پر لکھی گئی ہے اور اُسکا ماحصل یہ ہے کہ "خدا کی وحی ہر ایک مہاتما پر نازل ہوسکتی ہے اور یہ سلسلہ وحی و رسالت ابد تک رہے گا۔ ہر ایک مذہب کی خوبیونکی قدر کرو پر ماتما کو جامع جمیع کمالات سمجھکر اُسکی عبادت کرو اور ہر ایک مذہب کے بنیادی اُصول کو جو عقل کے مطابق ہون دُنیا مین رواج دو"۔ چند سال ہوے برہمو سماج نے اس کتاب کو دوبارہ شائع کرایا تھا۔

کلکتہ کی سکونت

مرشد آباد کے چند روزہ قیام کے بعد رام موہن رائے نے کلکتہ مین سکونت اختیار کی اور اپنے اصول اور اشاعت کو باقاعدہ طور پر شروع کردیا۔ ۱۸۱۵ء مین اُنھون نے ویدانت سُوتر کو مع بنگلہ ترجمہ کے شائع کیا اور کتاب کے شروع مین بُت پرستی کی مخالفت مین ایک زبردست مقدمہ لکھا۔ ازاں بعد پانچ اُپنشدون کا ترجمہ کرکے شائع کیا۔ اُنکے شائع کرنے سے اُنکی غرض یہ تھی کہ ہندوؤن کو یہ بتایا جاے کہ اُنکی مقدس کتابون کی رو سے بُت پرستی ناجائز ہے اور اُسمین خداے واحد کی پرستش کے احکام موجود ہین۔ رام موہن رائے جانتے تھے کہ مذہب کے معاملہ مین محض عقل و دلائل سے کام نہین چلتا کیونکہ انسان کی

تمام باتون مین اور خصوصاً مذہب کے معاملہ مین عادت کو بہت کچھ دخل ہے۔ پس اگر ہندؤن کو یہ بتایا جائے کہ وہ جن کتابون کو الہامی سمجھتے ہین اُنھین کتابون مین اُنکے مروجہ لغویات کا رد موجود ہے تو وہ وحدانیت کی تعلیم کو زیادہ آسانی سے قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائین گے۔

ہندؤن کے مذہب کی اُس زمانے مین یہ کیفیت تھی کہ عوام کا تو کیا ذکر ہے خواص بھی ویدون اور شاستروں سے بے بہرہ محض تھے اور سارے مذہبی عقائد اور رسم و رواج کی بنیاد پُرانون پر رکھی ہوئی تھی جو ویدون اور شاستروں سے بہت بعد کو لکھی گئی ہین۔ رام موہن رائے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ خالص اور قدیم ہندو مذہب مین بت پرستی کا طریقہ رائج نہین تھا بلکہ اسکا رواج انسانی کمزوری اور اوہام پرستی کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے۔ اُنپشدون کے تراجم چھاپ کر ہندؤن کو اُنکی تعلیم سے آگاہ کرنے کی یہی غرض تھی کہ خواص و عوام پر یہ روشن ہو جائے کہ اصلی ہندو مذہب کیا ہے اور وہ کون کونسی بدعتین ہین جو بعد کو اُسمین شامل کر دی گئی ہین۔ پُرانے خیال کے پنڈتون نے رام موہن رائے کی بہت کچھ مخالفت کی اور اُنسے عرصہ تک زبانی تحریری مباحثے ہوتے رہے۔

پادریون سے مباحثہ

۱۸۱۷ء مین سرریام پور کے مشہور پادریون کیری۔ وارڈ اور مارشمین وغیرہ سے رام موہن رائے کی ملاقات ہوئی اور اس ملاقات سے اُنکو مذہب عیسوی کی تحقیقات کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ اُنھون نے انجیل کو اصلی زبان عبرانی مین پڑھنا شروع کیا۔ کیونکہ یونانی۔ لاطینی یا انگریزی تراجم اور تراجم در تراجم سے اُنکی تسکین ناممکن تھی۔ چونکہ رام موہن رائے عربی کے ماہر تھے اسلئے اُنکو عبرانی زبان سیکھنے مین زیادہ دقت نہین ہوئی۔ انجیل کے مطالعہ سے بھی اُنھون نے وحدانیت کا ہی سبق اخذ کیا جو وہ قرآن اور اُنپشدون سے نکال چکے تھے۔ وہ اکثر عیسائیون سے کہا کرتے تھے کہ ہمکو تو قرآن مین تثلیث ملتی نہین تم نہ معلوم تثلیث کہان سے نکال لاتے ہو۔ اس مباحثہ مین اُنکے دلائل کا اسقدر اثر ہوا کہ ایک پادری صاحب ایڈم نامے جنسے رام موہن رائے یونانی زبان سیکھتے تھے اور جنکو یہ قوی امید تھی کہ رام موہن رائے جلد عیسائی ہو جائینگے۔ تثلیث کے مسئلہ کو سلام کر کے یونیٹیرین (موحد) بنگئے ع۔ شکار کرنے کو آئے شکار ہو کے چلے۔ یونیٹیرین فرقہ کے لوگ یورپ اور امریکہ مین اُسوقت بھی موجود تھے اور اب بھی موجود ہین گو تعداد مین تھوڑے ہین۔ یہ لوگ حضرت عیسیٰ کو نہ خدا اور نہ خدا کا بیٹا مانتے ہین اور نہ انجیل کو مبرا از خطا سمجھتے ہین۔ اُنکے دل مین حضرت عیسیٰ کی عزت محض بحیثیت ایک مذہبی پیشوا یا پیغمبر کے ہے اور انجیل کو وہ ایک مذہبی اور مقدس کتاب خیال کرتے ہین اور بس۔

ایڈم صاحب کی اس حرکت سے عیسائی عموماً اور عیسائی پادری خصوصاً ناراض تھے اور چونکہ وہ رام موہن رائے کو اسکا باعث سمجھتے تھے اسواسطے اسنے بھی باوجود انکی تعلیم وحدانیت کے کچھ خوش نہ تھے۔ اتفاق سے اس زمانہ مین رام موہن رائے اور عیسائی پادریون سے مباحثہ شروع ہو گیا۔ ابتدا اسکی یون ہوئی کہ انجیل کو پڑھکر راجہ صاحب نے ایک کتاب موسومہ تعلیم مسیح شائع کی جسمین اُنھون نے انجیل سے حضرت عیسیٰ کے خاص خاص اقوال انتخاب کر کے درج کئے تھے۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے مؤلف سے پادری صاحبان کو خوش

ہونا چاہئے تھا کیونکہ اس سے اُنکے مذہبی پیشوا کے اقوال کی اشاعت ہوتی تھی۔ لیکن اسکے بالکل برخلاف پادریون کو یہ امر نہایت ناگوار گذرا کہ رام موہن رائے نے حضرت عیسیٰ کے معجزون اور اُنکی خدائی سے قطع نظر کرکے محض اُنکے اقوال ایک مذہبی پیشوا اور بزرگ کی حیثیت سے نقل کر دئے تھے۔ یہ زمانہ وہ تھا کہ یورپ کے عیسائیون مین مذہبی تنگ خیالی اور تعصب کا رواج تھا اور جو پادری لوگون کو عیسائی کرنے کے لئے ہندوستان آتے تھے نہ تو اُنکی تعلیم و تربیت اعلیٰ درجہ کی ہوتی تھی اور نہ وہ اپنے مروجہ مذہب کے ہر اچھے اور بُرے کی تمیز کرسکتے تھے۔ بس اُنکا ایک اصول ہوتا تھا کہ مذہب عیسوی جس ملت کے وہ پیرو ہین اُسکے علاوہ ہر شے لغو ہے اور ہر شخص کو عیسائی بنالینا اُنکا فرض ہے۔ بہرحال ایک پادری اسمتھ صاحب نامی نے اپنے اخبار فرینڈ آف انڈیا مین رام موہن رائے کی مخالفت مین ایک مضمون لکھا جسکا جواب رام موہن رائے نے فرسٹ اپیل ٹو دی کرسچین پبلک مین دیا۔ اسکا جواب الجواب ڈاکٹر مارشمین صاحب کی طرف سے اُنکے رسالے مین شائع ہوا جسکا جواب سکنڈ اپیل مین دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ رام موہن رائے جب اپنے مذہب کے توہمات سے دست بردار ہوچکے تھے تو وہ دوسرے مذہب کے توہمات کو کب پسند کرسکتے تھے اور اسوجہ سے وہ اپنے جوابات مین اُن عیسائی مسائل کی سخت مخالفت کرتے تھے۔ اس مرتبہ عیسائی مطبعون نے اُنکا جواب چھاپنے سے انکار کردیا اور اسیوجہ سے رام موہن رائے کو اپنا مطبع علیحدہ قائم کرنا پڑا اور اُنکی تیسری اپیل اسی مطبع سے شائع ہوئی۔

شدہ شدہ ان تحریرات کا شہرہ انگلستان اور امریکہ تک پہونچا چنانچہ ۱۸۲۱ء مین انگلستان کی یونیٹیرین سوسائٹی نے نصائح مسیح اور تینون اپیلون کا مجموعہ اپنے طور پر شائع کرایا پھر ۱۸۲۴ء مین یہ کتابین امریکہ مین چھپین اور ۱۸۳۲ء مین دوبارہ لندن مین شائع ہوئین۔ اسی زمانے مین پادریون نے اپنے اخبار سماچار درپن مین ہندو مذہب پر سخت حملے شروع کئے جن کا جواب رام موہن رائے کی طرف سے برہمینکل میگزین کے کئی نمبرون مین دیا گیا۔ رام موہن رائے ہندو مذہب کے توہمات کے ضرور مخالف تھے لیکن وہ اسکی خوبیون سے بھی بخوبی ماہر تھے اور اُنکو بحیثیت ایک ہندو کے یہ گوارا نہ تھا کہ اسکے مذہب پر اس قسم کے حملے کئے جائین۔ اس واقعہ کے کچھ دن بعد رام موہن رائے اور ایک پادری ٹائٹلر نامے سے مباحثہ ہوا اور عرصہ تک دونون طرف سے اخبارات مین مضامین شائع ہوتے رہے۔ ان مباحثون کی تفصیل سے یہ بات صاف طور سے واضح ہوگئی ہوگی کہ گو راجہ صاحب بعض مروجہ ہندو عقائد مثلاً بت پرستی اور ستی وغیرہ کے سخت مخالف تھے اور اپنے ہم مذہبون کو ان عقائد سے جدا کرکے اُنپشدون کی خالص تعلیم توحیدانیت کی طرف لیجانا چاہتے تھے۔ لیکن وہ اپنے کو ہندو مذہب سے خارج نہین سمجھتے تھے اور نہ اخراج کو پسند کرتے تھے۔ دوسرے مذاہب کے عمدہ اصول سے تعلیم حاصل کرنا اُنکے نزدیک واجب اور درست تھا کیونکہ جیسا کہ اُنکے اس جواب سے ظاہر ہے جو اُنھون نے اپنی بیوی اُما دیوی کو دیا تھا وہ بخوبی سمجھتے تھے کہ

یک چراغ ست درین خانہ واز پرتو آن
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

اور حضرت عیسیٰ اور دیگر ہندی پیشواؤن کی عزت اُنکے

دل مین تھی - تاہم وہ کسی دوسرے مذہب کو اپنے مذہب سے اعلیٰ نہین سمجھتے تھے اور نہ اپنا مذہب چھوڑکر دوسرا مذہب اختیار کرنے پر آمادہ تھے - برہمو سماج پر جو عیسائیت کا ایسا چوکھا رنگ چڑھا وہ زیادہ تر کیشب چندر سین کی تلقین کا نتیجہ تھا

ستی کی رسم کا انسداد

ستی کی رسم ہندوستان مین پُرانے زمانے سے رائج تھی - غالباً اسکی بنا متقدمین کے اس خیال پر تھی کہ جسطرح کسی انسان کو مختلف اشیا کی ضرورت دُنیا مین ہوتی ہے اُسیطرح اُنکی ضرورت اسکی روح کو مرنے کے بعد بھی ہوتی ہوگی آجکل ہنود مین اکثر چیزین جو کسی شخص کے مرنے کے بعد مہاپاتر کو دان دیجاتی ہین وہ بھی اسی خیال سے دیجاتی ہین - چنانچہ یونانی اپنے سردارون کی نعش کے ساتھ اُسکی کمان وغیرہ کو بھی جلادیا کرتے تھے اور اُسکی چتا پر اسکے گھوڑے اور اسکے غلامون کی قربانی کرتے تھے - کیا عجب ہے کہ راجپوت جنکو بعض مورخین سیتھین قوم کی نسل سے بتاتے ہین اس رسم کو وسط ایشیا سے اپنے ساتھ لائے ہون - بہرحال اسکی اصلیت جو کچھ ہو رفتہ رفتہ یہ رسم مرحوم کی بیوہ تک محدود رہگئی تھی اور مجبوری اور زبردستی کی حیثیت سے گذرکر اسنے اُس بے نظیر ایثار کی شکل اختیار کرلی تھی جسکے فسانے سُنکر دُنیا آج عش عش کرتی ہے - لیکن بھلو یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ جہان چند عورتین رنج اور محبت کے جذبون سے بیتاب ہوکر اپنے خاوند کی نعش کے ساتھ خوشی خوشی جل جانا پسند کرتی تھین وہان بیسیون خاندان کی بدنامی کے ڈر سے زبردستی جلادیجاتی تھین - بعض اوقات ایسا ہوتا تھا کہ عورت کو رسّون سے جکڑکر چتا پر ڈالا جاتا تھا کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ عورت پہلے تو لواحقین کے کہنے سُننے یا محبت اور رنج کے جوش مین ستی ہونے پر راضی ہوجاتی تھی لیکن جب چتا روشن کیجاتی تھی تو آگ کے شعلون کی برداشت نہین کرسکتی تھی اور اُٹھنے اور بھاگنے کی کوشش کرتی تھی - ایسی مثالین بھی موجود ہین کہ جب عورتین اپنی جان بچانے کے لئے چتا پر سے گنگا جی مین کود پڑین - ان موقعون پر شقی القلب لوگ اردگرد بانس لیکر کھڑے رہتے تھے کہ عورت کو اُٹھنے کا موقع نہ ملے اور اکثر چتا کے گرد ڈھول اور اس قسم کے اور باجے بجائے جاتے تھے کہ جلنے والی کے چیخنے اور چلّانے کی آواز کسی کو نہ سنائی دے - اکبر نے اس رسم کی انسداد کی تھوڑی بہت کوشش کی تھی - جب ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت ہندوستان مین قائم ہوئی تو زندہ عورتون کو جلتے ہوئے دیکھکر انگریزی افسر نہایت پریشان ہوئے - لیکن چونکہ وہ اسکو مذہبی رسم سمجھتے تھے اور مذہب مین دخل دینا اُنکے اصول کے خلاف تھا اسلئے دم نہین مار سکتے تھے - تب بھی ڈرتے ڈرتے اس وحشیانہ رسم کے خلاف کچھ احکام جاری کئے گئے تھے - مثلاً "یہ کہ کوئی بیوہ اپنے خاوند کی نعش سے الگ نہ جلائی جائے ورنہ شوہر متوفی اور بیوہ کی کل جائداد ضبط ہوجائیگی" تاہم اُسوقت تک کوئی معقول انسداد اسکا نہین ہوا تھا -

رام موہن رائے نے اپنے بھائی کی بیوہ کو جلتے ہوئے دیکھکر اس ہولناک رواج کو کالعدم کرنے کا عہد کیا تھا کلکتہ مین آکر اُنھون نے اسکی مخالفت علانیہ شروع کی - گھاٹ پر جاکر وہ اسکے خلاف لوگون کو سمجھایا کرتے تھے - انگریزی حکام سے ملکر اُنھون نے اس رسم کی لعنیت کو ظاہر کرنا شروع

کیا، اخباروں مین مضامین لکھے۔ کئی کتابین ستی کی رسم کے خلاف لکھین اور یہ ثابت کیا کہ اُسکا ذکر ویدون مین کہین نہین ہے۔ یہ محض لوگون کی اختراع ہے۔ آخر کار اس تحریک کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ ولیم بنٹنگ نے اس رسم کے متعلق تحقیقات شروع کی اور مذہب کے اصلی احکام پر اسکو مبنی نہ پاکر ۱۸۲۹ء مین اسکے انسداد کے لئے قانون پاس کردیا۔ اس قانون کے پاس ہوتے ہی کلکتہ مین ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ ادیب کے ناظرین مین سے جن صاحبون کو ایج آف کنسنٹ بل Age of consent bill کے زمانہ کا شور و شغب یاد ہے وہ اُس زمانے کے شور و شغب کا کچھ اندازہ کرسکتے ہین۔ بیسیون جلسے اس سرکاری فیصلے کے خلاف منعقد ہوئے اور ہمارے بنگالی بھائیون نے اپنے حسب عادت بہت کچھ شور مچایا۔ ایک بہت بڑی عرضداشت اس قانون کے خلاف گورنر جنرل صاحب کے حضور مین گذرانی گئی جسکو رد کرنے کے لئے رام موہن رائے نے تین سو بڑے بڑے معززرؤسا سے دستخط کراکے ایک سپاسنامہ لارڈ ولیم بنٹنگ کی خدمت مین پیش کیا۔ اسپیس نہ کرکے ایک عرضی ستی کے انسداد کے خلاف ولایت بھیجی گئی مگر رام موہن رائے کی کوشش سے وہ بھی خارج ہوگئی۔

انگریزی تعلیم کی حمایت

ہندؤن اور مسلمانون کے زمانے مین خاص خاص طبقون مین تعلیم کا رواج تھا اور اُنکے لئے مختلف پاٹھ شالاؤن مدرسون اور مکاتب کا انتظام تھا۔ ان پاٹھ شالاؤن اور مدرسون کی امداد بادشاہان وقت کی طرف سے ہوتی رہتی تھی اور علوم اور فنون کی قدردانی مختلف طریقون سے کیجاتی تھی۔ لیکن تعلیم کا کوئی خاص صیغہ قائم نہین ہوا تھا اور تعلیم کے ذرائع مہیا کرنا اور اُنکی نگرانی کرنا حاکم وقت کا فرض نہین خیال کیا جاتا تھا۔ جب انگریزون کا تسلط بنگال مین ہوا تو اُنھون نے بھی پُرانے طریقہ کو جاری رکھا۔ جو اوقاف تعلیم کے متعلق قائم تھے وہ اسیطرح قائم رہے اور بندوبست استمراری کے موقع پر انکا خیال رکھا گیا۔ وارن ہیسٹنگز نے ایک سنسکرت کالج بنارس مین اور ایک اسلامی مدرسہ کلکتہ مین ہندو اور مسلمان مقننون کے تعلیم کیلئے قائم کیا کہ انگریزی ججون کو ہندو اور مسلمانون کی جائداد کے متعلق جو فیصلے دھرم شاستر اور شرع کے مطابق کرنا پڑتے ہین اُنکے واسطے اچھے تعلیم یافتہ قانونی مُشیر مل سکین لیکن عوام کی تعلیم کے لئے کسی قسم کا انتظام نہین کیا گیا۔ ۱۸۱۳ء مین جب کمپنی کے چارٹر کی تجدید ہوئی تو اسمین پارلیمنٹ کی طرف سے یہ شرط بھی رکھی گئی کہ ایک لاکھ روپیہ سالانہ تعلیم کی مد مین خرچ کیا جائے۔ لیکن دس سال تک اسپر کوئی عملدرآمد نہین ہوا اور یہ روپیہ محض جمع ہوتا رہا۔ آخر کار ۱۸۲۳ء مین لارڈ ایمہرسٹ اس شرط کو پورا کرنے کے لئے ایک سنسکرت کالج کلکتہ مین قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ رام موہن رائے کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اُنھون نے گورنر جنرل کے اس ارادے کی مخالفت کی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جس قسم کی دماغی اخلاقی اور سوشل ترقی کی ہندوستانیون کو ضرورت ہے وہ محض مشرقی علوم کی تعلیم سے نہین حاصل ہوسکتی۔ انگریزی کی کتابین پڑھکر وہ یورپ کے حالات سے واقف ہوچکے تھے۔ اُنکو خوب معلوم تھا کہ جن علوم و فنون کی دینوی ترقی کے لئے ضرورت ہے اُنھین اہل فرنگ ہندوستانیون سے سیکڑون کوس آگے

نکل گئے ہین اور ہندوستانیون کی بیداری اور ترقی اگر ممکن ہے تو انھین ذرائع سے ممکن ہے جنھون نے فرنگستان کو اس معراج پر پہونچا دیا ہے۔ اس مسئلہ کے متعلق راجہ صاحب موصوف کے خیالات بعینہ وہی تھے۔ جو جاپان کے مشہور و معروف مدبر مارکوئس آئٹو اور اُنکے ساتھیون کے دلون مین موجزن تھے اور جسپر کاربند ہوکر اُنھون نے بیس برس کے عرصہ مین جاپان کو یورپ کا مدمقابل بنا دیا۔

رام موہن رائے نے جو خط تعلیم مغربی کی ضرورت کے متعلق لارڈ ایمہرسٹ کو لکھا تھا اُسکے بعض حصص کا ترجمہ لالہ رگھوناتھ سہائے صاحب کی کتاب سے جو اُنھون نے راجہ رام موہن رائے کے حالات کے متعلق لکھی ہے اخذ کرکے ذیل مین درج کیا جاتا ہے:۔

"کلکتہ مین ایک جدید سنسکرت کالج قائم کرنے سے گورنمنٹ کی اس قابل تعریف خواہش کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ باشندگان ہند کی حالت کی تعلیم کے ذریعہ سے اصلاح کرے یہ ایک ایسی برکت ہے جسکے واسطے انھین ہمیشہ شکرگزار رہنا چاہئے اور ہر ایک خیرخواہ نوع انسان ضرور اس بات کا خواہان ہوگا کہ اُنکی ہدایت کے واسطے نہایت ہی مہذب اصول سے کام لیا جائے تاکہ علم کا پانی انھین نہرون مین جاری ہو جو سب سے زیادہ فائدہ رسان ہین:۔

"جب اس دارالعلوم کی تجویز ہوئی تھی تو ہم لوگون نے سمجھا تھا کہ گورنمنٹ انگلستان نے یہ حکم دیا ہے کہ ہر سال ایک بڑی رقم اُسکی ہندوستانی رعایا کی تعلیم و تربیت مین صرف ہو۔ ہمارے دل امیدون سے بھر گئے تھے کہ اس رقم کے صرف سے صاحب ذہانت اور تعلیم یافتہ یورپین فضلا نوکر رکھے جائینگے تاکہ وہ باشندگان ہند کو ریاضی۔ فلسفہ۔ علم طبعی۔ کیمیا۔ تشریح الاجسام اور دیگر مفید علوم کی تعلیم دین بنکو باشندگان یورپ نے ایسے درجہ کمال تک پہونچایا ہے اور جسکے باعث وہ دُنیا کے دوسرے حصون کے باشندون سے بالاتر ہوگئے ہین"۔

\+ \+ \+ \+ \+ \+ \+

لیکن ہمین معلوم ہوا ہے کہ گورنمنٹ اس علم کی تعلیم کے لئے جو پہلے ہی ہندوستان مین رائج ہے ہندو پنڈتون کے ماتحت ایک سنسکرت اسکول قائم کرنے والی ہے اس دارالعلوم سے جو اُن مدرسون کے مانند ہوگا جو لارڈ بیکن کے زمانے کے قبل یورپ مین پائے جاتے تھے ہم صرف اس بات کی توقع کرسکتے ہین کہ وہ نوجوانون کے دلون کو صرف دقیانوسی باریکیون اور ادبیات کے مسائل سے گرانبار کردے جو عملی طور پر انکے جاننے والون یا سوسائٹی کے واسطے بالکل بیفائدہ ہین۔ اس دارالعلوم مین طلبا وہی باتین سیکھینگے جو دو ہزار برس سے معلوم ہین اور ایسی لاحاصل اور بے معنی موشگافیان کرینگے جو اُس زمانے کے بعد صاحب فکر لوگون نے نکالی ہین اور جنکی ہندوستان کے تمام حصون مین پہلے ہی سے خوب تعلیم ہو رہی ہے"۔

"یہ بخوبی روشن ہے کہ سنسکرت زبان ایسی مشکل ہے کہ اسکے لئے تقریباً عمر کا ایک معقول حصہ درکار ہے اور اسکی وجہ سے زمانہ ہائے دراز سے اشاعت کے راستہ مین ایک قابل افسوس روک پیدا ہوگئی ہے اور وہ علم جو اس پردہ کے اندر جس مین داخل ہونا تقریباً ناممکن ہے چھپا ہوا ہے اس بات کے لئے ہرگز کافی نہین ہے کہ اُسکے حصول کیواسطے جو محنت درکار ہے اُسکا صلہ دے سکے۔ لیکن اگر ان چند بیش قیمت معلومات کے واسطے جو اس زبان مین ملتے ہین اسکو زندہ رکھنا ضروری خیال کیا جاتا ہے تو یہ مقصد بجائے اسکے کہ ایک جدید سنسکرت کالج قائم کیا جائے دوسرے سائل سے بہت سہولت سے حاصل ہوسکتا ہے۔ کیونکہ سنسکرت کے بے شمار

فاضل ملک کے مختلف حصّون مین اس زبان اور نیز علم ادب کی دوسری شاخون کی تعلیم دینے مین ہمیشہ مصروف رہے ہین، اور اب بھی مصروف پائے جاتے ہین اور یہی اس جدید دارالعلوم کا بھی مقصد ہے۔ پس اگر یہی مطلب ہے کہ زیادہ تندہی سے اُنکی تحصیل عمل مین آوے تو یہ کام اسطرح انجام پاسکتا ہے کہ اُنکے سب سے مشہور معلمون کو جو پہلے اپنی مرضی سے اُنکی تعلیم دے رہے ہین انعامات عطا کئے جائین اور اُنکے واسطے وظائف مقرر کئے جائین۔ اس قسم کے صلے حاصل ہونے سے اُنھین اور بھی زیادہ سعی کرنیکی تحریک ہوگی۔"

+ + + + + + +

"لیکن جب گورنمنٹ کا مقصود ہندوستانیون کی اصلاح اور ترقی ہے تو اسے ایک آزاد اور مہذّب طریقۂ تعلیم کو جسمین ریاضی فلسفہ۔ طبعی کیمیا۔ تشریح الاجسام اور دیگر مفید علوم شامل ہون رواج دینا چاہیے اور یہ مقصد اس رقم سے جو تجویز ہوئی ہے بسطح حاصل ہوسکتا ہے کہ چند ذی علم و ذی لیاقت صاحبان کو جنھون نے یورپ مین تعلیم پائی ہو ملازم رکھا جاوے اور ایک کالج قائم کیا جاوے جو ضروری کتب۔ آلات اور دوسرے سازوسامان سے آراستہ ہو۔"

شاید ادیب کے ناظرین کو یہ پڑھکر تعجب ہوگا کہ اس عرضداشت کو شرف قبولیت حاصل نہین ہوا اور سنسکرت کالج پُرانے قسم کی ناقص تعلیم دینے کیواسطے قائم کردیا گیا ایسی حالت مین رام موہن رائے سوائے اسکے کیا کرسکتے تھے کہ نئے اصول پر دوسرا مدرسہ قائم کرنیکی کوشش کرتے۔ چنانچہ اُنھون نے اپنے دوست مسٹر ڈیوڈ ہیر اور دیگر احباب کے ساتھ ملکر انگریزی تعلیم کے لئے ایک کالج کھولنے کی کوشش شروع کی۔ اس کوشش مین خاطرخواہ کامیابی ہوئی لیکن کالج قائم ہونے سے کچھ پہلے چند پُرانے خیال کے ہندوؤن نے کمیٹی مین شریک ہونے سے اس بنا پر انکار کردیا کہ اسمین رام موہن رائے شریک تھے۔ یہ سُنتے ہی رام موہن رائے فوراً کمیٹی سے علیحدہ ہوگئے اور گو وہ در پردہ کالج کا سارا کام کرتے رہے لیکن اُنھون نے کمیٹی مین رہکر کالج کو نقصان پہونچانا گوارا نہ کیا۔ کلکتہ کا ہندو کالج اسی کوشش کا نتیجہ تھا۔ علاوہ برین اپنے ذاتی صرف سے رام موہن رائے نے ۱۸۲۶ء کے قریب ایک اور انگریزی اسکول قائم کیا تھا۔

اخبار نویسی

ہم پیشتر ذکر کرچکے ہین کہ جب عیسائی مطبعون نے رام موہن رائے کے مضامین اور رسالے چھاپنے سے انکار کردیا تھا تو اُنھون نے اپنا مطبع قائم کرکے ان مضامین کو برہمنکل میگزین مین شائع کیا تھا۔ اس انگریزی رسالے کے علاوہ ۱۸۲۱ء مین اُنھون نے ایک بنگالی ہفتہ وار اخبار سمبدکودی نامے نکالا جسمین مفید مضامین عام فہم زبان مین شائع کئے جاتے تھے۔ انگریزی اور بنگالی پر اکتفا نہ کرکے رام موہن رائے نے مراۃ الاخبار فارسی زبان مین بھی ہر جمعہ کو شائع کرنا شروع کیا۔ اُسوقت اشاعت اخبارات مین وہ سہولت اور آزادی نہ تھی جو ہندوستانیون کو آج نصیب ہے۔ ہندوستانی تو ہندوستانی انگریز اخبار نویس گورنر جنرل کے حکم سے ملک سے نکال دئے جاتے تھے۔ چنانچہ ایڈیٹن صاحب قائم مقام گورنر جنرل کے زمانے مین ایک ایسا ہی واقعہ ہوا اور اخبارات کے ساتھ بہت سختی برتی جانے لگی۔ اسوقت رام موہن رائے نے اخبارات کی آزادی کے لئے ہندوستان اور نیز انگلستان مین سخت کوشش کی اور گو وہ کوشش بارآور نہین ہوئی تاہم اسمین ذرا بھی شک نہین کہ ہندوستان جدید

اخبارات اس شیر مرد کی سعی کے زیر بار احسان ہین۔

برہمو سماج کی بنا

سوشل اصلاح ترقی تعلیم اور اجرا اخبارات کے متعلق جو کچھ راجہ رام موہن رائے کے حالات اوپر بیان کئے گئے ہین اُنسے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اُنکو مذہبی اصلاح کی طرف سے کسی قسم کی لاپروائی ہوگئی تھی۔ سچ یہ ہے کہ وہ مذہبی اصلاح کو دوسرے کاموں پر مقدم سمجھتے تھے۔ ۱۸۱۵ء مین اُنھون نے کلکتہ مین روحانی ترقی کے لئے ایک انجمن قائم کی تھی اور اُسکا نام آتمیہ سبھا رکھا تھا۔ اسمین راجہ رام موہن رائے اور اُنکے خاص خاص دوست شامل تھے۔ اس انجمن کے جلسے ہفتہ وار ہوتے تھے اور ان جلسون مین اول راجہ رام موہن رائے اور انکے دوستون کے تصنیف کردہ بھجن گائے جاتے تھے اور بعد ازان ہندو شاستروں کا پاٹھ ہوتا تھا۔ ایڈم صاحب نے جنکا ذکر اوپر آچکا ہے مسئلہ تثلیث کو خیر باد کہنے کے بعد ایک یونیٹیرین انجمن قائم کی تھی۔ اور اسمین راجہ رام موہن رائے اور اُنکے دوست بابو دوارکانا تھ ٹگور، بابو پرسنو کمار، اور بابو رادھا پرشاد رائے، برابر شریک ہوتے تھے۔ جب اس انجمن کے متعلق مکان اور اسکول کی تجویز ہوئی تو راجہ رام موہن رائے نے پانچ ہزار روپیہ خود دیا اور بہت کچھ روپیہ اپنے دوستون سے دلوایا۔

لیکن باوجود ایڈم صاحب کی کوششون کے یہ انجمن سرسبز نہ ہوئی۔ ایک دفعہ جب راجہ رام موہن رائے اور اُنکے دوست اس مجلس موحدین سے واپس آرہے تھے تو نارائن چکرورتی نے کہا کہ غیرون کی پرستش گاہون مین جانے سے کیا فائدہ۔ ہمکو خدائے واحد کی پرستش کے لئے ایک مندر الگ بنانا چاہیئے۔ یہ بات راجہ رام موہن رائے کو بھی پسند آئی اور اُنھون نے اپنے دوستون سے مشورہ کرکے ایک انجمن ۲۰ اگست ۱۸۲۸ء کو برہمو سبھا کے نام سے قائم کردی۔ اس سبھا کے ہفتہ وار جلسے ہر سنیچر کو ہوا کرتے تھے اوّل دو یا تین پنڈت وید پاٹھ کرتے تھے، پھر ایک اور پنڈت بنگالی زبان مین ان ویدمنترون کی تشریح کرتا تھا۔ اسکے بعد بنگالی زبان مین وعظ دیا جاتا تھا اور آخر مین سنسکرت اور بنگالی زبان کے بھجن باجے کے ساتھ گائے جاتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ ضرورت محسوس ہونے لگی کہ سماج کے لئے ایک عمدہ مندر ہو اور اُسکے انتظام کے لئے ایک باقاعدہ کمیٹی منتخب کیجائے۔ چنانچہ چت پور روڈ پر زمین خرید کرکے برہمو سماج کیلئے عمارت تعمیر کی گئی۔ ۲۳ جنوری ۱۸۳۰ء کو یہ عمارت بنکر تیار ہوگئی اور اسی روز اسمین برہمو سماج منتقل کردی گئی۔ چھ ہزار روپیہ ایک کمپنی کے پاس اس غرض سے امانت رکھوادیا کہ اسکے سود سے معمولی اخراجات چلائے جائین اور تین شخص یعنی بیکنٹھ ناتھ سین، رادھا پرشاد رائے، اور رام ناتھ ٹگور اس جائداد کے امین مقرر کئے گئے اور اسکا انتظام انکے سپرد کیا گیا۔ اس مکان کے قبالہ مین مندر اور سماج کے مقاصد اسطرح بیان کئے گئے ہین:۔

(۱) اس مندر مین کائنات کے خالق زاکار پرمیشور کی پوجا کیجاے گی۔

(۲) اس مندر مین بلا لحاظ قوم وملت ہر شخص کو زاکار پرمیشور کی پرستش کرنے کا اختیار رہے۔

(۳) کسی تقریر یا بھجن مین کسی مذہب یا فرقہ کے معبود کی مذمت نہ کیجائیگی۔

(۴) آئین بکری یا اور کسی جانور کی قربانی نہ ہوگی۔
(۵) کسی قسم کا بت، تصویر یا فوٹو اس مکان مین نہ رکھا جاے گا۔

یورپ کا سفر

راجہ رام موہن رائے کو یورپ کے سفر کا عرصہ سے اشتیاق تھا وہ چاہتے تھے کہ فرنگستان جاکر وہان کے حالات کا خود مشاہدہ کرین۔ علاوہ برین جب سے ستی کی رسم کے حامیون نے گورنمنٹ کے تصفیہ کے خلاف ایک لمبی چوڑی عرضداشت ولایت بھیجی تھی تب سے راجہ رام موہن رائے کو یہ فکر تھی کہ خود ولایت جاکر اسکی تردید کرین۔ اتفاق سے اس زمانمین اکبر ثانی بادشاہ دہلی کمپنی کی بعض تجاویز کے خلاف شاہ انگلستان کے حضور مین اپیل کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اس کام کے لئے رام موہن رائے منتخب کئے گئے شاہ دہلی نے انکو راجہ کا خطاب دیکر اپنا سفیر مقرر کیا اور ۱۹۔ نومبر ۱۸۳۰ء کو یہ کلکتہ سے روانہ ہوئے۔ انگلستان کے اکثر لوگ راجہ صاحب کے نام سے واقف تھے۔ کیونکہ وہان کے اخبارون مین کبھی کبھی انکا ذکر چھپا کرتا تھا۔ اسکے علاوہ یونیٹیرین سوسائٹی نے انکی بعض تصنیفات بھی ولایت مین شائع کی تھین۔ چار مہینے بیس روز کے سفر کے بعد جب یہ ۱۸ اپریل ۱۸۳۱ء کو لیورپول پہنچے تو وہان کے اکثر پڑھے لکھے لوگ ان سے بڑے شوق سے ملے اور اس بات کا ذکر کردینا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ منجملہ اور لوگون کے راجہ رام موہن رائے سے لورپول مین ولیم اسکو سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ لندن مین بھی انکا وہی عالم تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ صبح سے شام تک انکے ہوٹل کے سامنے گاڑیوکا جمگھٹا رہتا تھا۔ لندن مین راجہ صاحب سے جرمنی نتیم سے ملاقات ہوئی۔ یونیٹیرین حلقہ مین تو انکی خاص طور سے تواضع وتکریم ہوتی تھی اس فرقے کے بڑے چھوٹے جلسون مین وہ ہمیشہ مدعو کئے جاتے تھے۔ شاہ انگلستان کے حضور مین بھی راجہ صاحب پیش ہوئے اور پارلیمنٹ کی کمیٹی کے سامنے انکو ہندوستان کے معاملات پر اظہار رائے کا موقع دیا گیا۔ جن اصلاحون کی تجاویز انھون نے پارلیمنٹ کے سامنے پیش کین انکو پڑھنے سے راجہ صاحب کی پولیٹیکل قابلیت اور بیدار مغزی کا ثبوت ملتا ہے۔

راجہ رام موہن رائے کی وفات

شروع ماہ ستمبر ۱۸۳۳ء مین راجہ صاحب اپنے یونیٹیرین دوستون سے ملنے برسٹل گئے۔ یہان اُنکے دوستون نے کئی جلسے منعقد کئے جنمین راجہ صاحب نے ہندوستان کے معاملات پر تقریرین کین۔ ۱۶ ستمبر کے جلسے مین اُنھون نے تین گھنٹہ تک تقریر کی اور بہت سے سوالون کے جواب دئے۔ اسکے تین روز بعد اُنکو بخار آیا اور نو دن بیمار رہکر ۲۷ ستمبر کو اس نامور ہندو رفارمر نے انتقال کیا۔ ۱۸۔ اکتوبر کو انکے انگریز دوستون نے بلا کسی ہندو یا مسیحی رسم کے انکی نعش کو دفن کر دیا۔ ۱۸۴۲ء مین جب بابو دوارکانا تھ ٹیگور انگلستان تشریف لیگئے تو اُنھون نے انکے تابوت کو اس جگہ سے نکلوا کر برسٹل کے ایک نہایت خوشنما قبرستان مین دفن کر دیا اور ایک عمدہ مشرقی طرز کی عمارت بھی اسکے متعلق بنوادی اور ۱۸۷۴ء مین انکی قبر پر انکی یادگار مین ایک کتبہ لگا یا گیا۔

راجہ رام موہن رائے کی زندگی کا سبق

یون تو راجہ رام موہن رائے کی زندگی اور انکے کارنامون سے سیکڑون سبق اخذ ہوسکتے ہین

لیکن ہم اسوقت دو خاص باتون کیطرف ناظرین کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہین۔ اوّل یہ کہ راجہ صاحب موصوف مذہبی اور اخلاقی اصلاح کو ہر قسم کی ترقی کے لئے ضروری سمجھتے تھے اور اسیوجہ سے وہ زندگی بھر اس معاملہ مین خاص طور سے کوشش کرتے رہے۔ وہ یہ جانتے تھے کہ جبتک ہماری طبیعتون سے ریاکاری اور باطل پرستی نہ جائیگی اُسوقت تک کسی قسم کی اصلاح بارآور نہین ہوسکتی۔ یون چاہے ہم صبح سے شام تک بندے ماترم کے نعرے بلند کیا کرین۔ یا نمازی اور سچائی ہر قسم کی ترقی کی جڑ ہے۔ حق پرستی سے مُنہ موڑکر ہماری کوئی کوشش سرسبز نہین ہوسکتی۔ وطن پرستی کا جذبہ نہایت قابل تعریف ہے لیکن وہین تک ہمانتک وہ اخلاق کے اصول کے تابع فرمان ہے۔ اگر آپ جھوٹ بول کر یا بے ایمانی کرکے اپنے وطن کی خدمت کرنا چاہین تو ممکن ہے کہ آپ کو کچھ فوری فائدہ حاصل ہوجاے لیکن آپ کا نہین بلکہ ساری قوم کا کیرکٹر گرجائے گا اور اسکی تلافی کسی نمایشی نفع سے نہین ہوسکتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ راجہ رام موہن رائے کی سعی کسی ایک خاص دائرے یا طبقے مین محدود نہ تھی بلکہ انسانی زندگی کے ہر پہلو پر حاوی تھی۔ برہمو سماج اُنھون نے قائم کی۔ ستی کی رسم کو اُنھون نے موقوف کرایا۔ اسکول اُنھون نے قائم کئے۔ اخبار اُنھون نے نکالے۔ پولیٹکل اصلاح کی عرض سے پارلیمنٹ کے سامنے اظہار اُنھون نے دیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ قوم کی زندگی کے تمام پہلو چاہے وہ سوشل ہون یا پولیٹکل، مذہبی ہون یا اخلاقی، ایک دوسرے سے وابستہ ہین اور قومی ترقی کے لئے ان سب مین اصلاح کی ضرورت ہے۔ یہ ممکن نہین کہ پولیٹکل معاملات مین تو آپ اعلیٰ معراج پر پہونچ جائین اور مذہبی اور سوشل معاملات مین آپ مطلق ترقی نہ کرین۔ ملکی انتظام کیلئے آپ بیسوین صدی کے اصول پر کاربند ہون اور اپنے گھر کا کاروبار آپ پہلی صدی کے رسم ورواج کے مطابق چلائین۔ جو قوم گورنمنٹ سے آزادی کی آرزومند ہے اُسے پروہتون اور پنڈون کی غلامی سے پہلے اپنے کو آزاد کرنا چاہئے۔ جو لوگ دوسرون سے ہمسری کا دعوی کرین اُنکو اپنے گریبان مین مُنہ ڈالکر یہبی دیکھنا چاہئے کہ ہمنے اپنے یہان "پنچ ذاتون" کے ساتھ کیا برتاؤ کیا ہے۔

راجہ رام موہن رائے کی زندگی کے یہ سبق ایسے ہین جنکی اسوقت ملک کو سخت ضرورت ہے۔ افسوس یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے آدمیون کی "پنچ پکارنے" ہمارے کانون کو ایسا گانگ کردیا ہے کہ راجہ رام موہن رائے کی آواز اُن تک مشکل سے پہونچتی ہے۔

منوہر لال زتشی

فلپانا - مشہور جادو نگار اور مقبول ناولسٹ مولانا محمد عبدالحلیم صاحب شرر کا یہ نیا ناول جو حال ہی مین شائع ہوا ہے نہایت دلچسپ اور لطف انگیز ہے۔ اسکا پلاٹ اسلام کے زمانہ عروج سے لیا گیا ہے اور طرابلس الغرب کے نامور فرمانروا گرگیوری اور اسلامی سپہ سالار ابن زبیر کی معرکہ آرائیون کے نہایت پُرجوش سین دکھائے گئے ہین۔ طرابلس الغرب کی شاہزادی فلپانا ہیروئن اور ابن زبیر اس ناول کے ہیرو ہین جو اسلامی تاریخ مین ایک نامور فاتح ہوئے ہین۔ حسن وعشق کی چاشنی کے ساتھ اُس عہد کی تاریخ کا ایک بڑا حصّہ اس تصنیف مین موجود ہے۔ نیجر دلگداز پریس لکھنؤ سے دستیاب ہوسکتا ہے۔ ایڈیٹر۔

کلام اکبر

یاد ہو خیبر اگر آشفتہ حال کی — سرخ رنگ، رقیب اور دوا سپتال کی

بادہ و رندی کا ذکر اب شعر میں بے سود ہے — کیا مزہ مطلق نقل کی جب اصل ہی موجود ہے

وقتِ طلوع دیکھا وقتِ غروب دیکھا — اب فکر آخرت ہے دنیا کو خوب دیکھا

عمر اپنی بہت افسوس ہے غفلت میں کٹی — اتنی تسکین ہے لیکن کہ محبت میں کٹی
فرق کیا واعظ و عاشق میں بتاؤ تم کو — انکی حجت میں کٹی انکی محبت میں کٹی

دیکھئے شکل کسوں نقشۂ دنیا میں ہے کم — عالم آب زیادہ ہے زمیں تھوڑی سی
آپ کو غیر کی راحت کا مبارک ہو خیال — خیر تکلیف اٹھالیں گے ہمیں تھوڑی سی

بہار عالم ایجاد دیکھ لی کچھ کچھ — کھلی تھی آنکھ ہماری بھی ایک پل کیلئے

تم شوق سے کالج میں پھلو پارک میں پھولو — جائز ہے غباروں میں اڑو چرخ پہ جھولو
بس ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد — اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

مسلم ہے مگر بات نبی کی نہیں سنتا — لڑکا ہے مگر اپنے ولی کی نہیں سنتا
ہاں آپ جو فرمائیں تو سب ہیں ہمہ تن گوش — آپس میں تو اب کوئی کسی کی نہیں سنتا

شیخ نے ناقوس کے سُر میں جو تو دہی تان لی — پھر تو یاروں نے بھی گانے کی دلیں ٹھان لی
مدتوں قائم رہینگی اب دلوں میں گرمیاں — میں نے تو تولے دیا منہ نظر پہچان لی
جان و دل محبوب تھے لیکن نتیجہ یہ ہوا — دل نے سچا پایا ہمیشہ، زندگی نے جان لی
بزم میں مطلق نہیں وہ میری جانب مستقت — غالباً میری محبت کی نظر پہچان لی

ابر نو بہار

بپاس خاطر رندانِ بادہ خوار برس — برس برس کے دن اے ابر نو بہار برس
دعائیں مانگی ہیں ساقی نے کھول کاکل لفن — بسانِ دست کرم ابر دجلہ بار برس
کمی نہ بادہ پرستوں کے جوش میں ہوگی — ہزار بار برس یا کہ لاکھ بار برس
جبالِ دشت و گلستان میں جھرنے بہل چلیں — نکال خوب سا دل میں جو ہے بخار برس
نگاہ جانبِ قبلہ ہے منتظر ہوں میں — ہوئے ہیں چار پہر آج مجھکو چار برس
کوئی تو تربتِ عاشق پہ رونے والا ہو — ذرا چمن میں برس کر سرِ مزار برس
بس انتظار ہے تیرا ہی بادہ نوشوں کو — لئے ہیں ہاتھ میں ساغر تڑپ کے نثار برس
تعجب ہوتی ہے مری چشم اشکبار بس — متاعِ بے اگر تیری پست ہے ہمت
دلوں میں کچھ تو جہادات کے پڑی ٹھنڈک — نکل رہے ہیں ہر اک سنگ سے شرار۔ برس
گلوں سے بھر گئیں ہیں جھولیاں ہیں کس کی — نمو کا جوش ہے ہاں تو بھی بار بار برس
رکھا ہوا ہے تہ مے چنے ہیں سب ساغر — مرے خدا یوں ہی برسے گھٹا ہزار برس
شباب حسن کی گرمی بڑھی ہوئی ہے بہت — دلوں کو شعلہ مزاجوں کے ہو قرار برس
چمن ہو۔ وسعت آبادی جنوب و شمال — سوئے ہیں برس گہ سوئے یسار برس
صدف ہے تلزم تواج میں کشادہ دہن — گہر نشان ہو اب اے ابر قطرہ بار برس
پرانے داغ جو تھے دل میں پھر سے ہوتازہ — سرزمین گلستان لالہ زار برس
بڑھائے جوششِ دل سینہ پہاڑوں کی — روان ہو چادر باران آبشار برس
ترے کرم سے ہے بادانِ لطف ساقی بھی — قریب مسکن رندان میگسار برس
نظر فریب بنا چوٹیاں پہاڑوں کی — میوے وسعت دامانِ کوہسار برس
نگار و ساقی و مینا و مے کی صحبت ہے — بقدر ذوق تماشائیان یار برس
تجھے بھی جوش ہے آواز رعد کہتی ہے — بھرا ہوا ہے مرے سر میں بھی خمار برس
دکھاؤں جوش نہاں ابر طبع کا میں بھی — زمانہ دے مجھے مہلت جو پانچ چار برس
عزیز شعلۂ افکار نو سے ہے سرخوش — اگر ہو جوش تو اے ابر نو بہار برس

مرزا محمد ہادی عزیز

عہ سال بھر لعہ ۱۲

جھولا

انقین پریس الہ آباد

برسات

قطعہ

آئی برسات ہرے بھرے ہوئے دل کے سب زخم — باغ میں پھر ہے جنوں خیز ہواؤں کا گزر
آئی گھنگھور گھٹا چھا گئے بادل ہر سُو — آئینِ بگلوں کی قطاریں سوئے دریا اُڑا کر
کوئلیں کوکیں پپیہوں نے صدا دی دل کش — ہو کے خوش مورنے بھی ناز سے پھیلائے پر
فاختہ دیدمیں ہے سرو سہی کے مشغول — مُسکراتے ہوئے غنچوں پہ ہے بلبل کی نظر
یاد پھر آگئی میخوار کو مے کی لذت — بھٹیاں[1] بھر گئیں چلنے لگا دورِ ساغر
پھر سنورنے لگے باغوں میں عروسانِ چمن — پھرنئے سر سے پہننے لگیں شاخیں زیور
جھوزے کرنے لگے پھولوں کی بَلا گردانی — آکے سب بیٹھ گئے نغمہ سرا شاخوں پر
شورِ قمری سے کیا باغ میں حشر بپا — ضعف سے نرگسِ بیمار نے دیدے تیزے
بالِ سُنبل کے جو اُلجھے ہوئے پائے اسنے — شانہ کرنے لگی منقار سے قمری آکر
کالی کالی جو گھٹا میں کبھی بجلی چمکی — پھر گئی آنکھ میں اُس شوخ کے غصّے کی نظر
پھر عشق آنے لگے جھکوئے نفس سرد کے ساتھ — کسی بیدرد کی الفت کا ہوا اول یہ اثر
لہر کھاتے ہوئے سُنبل کے جو گیسو دیکھے — ایسے اُلجھے کہ رہا کچھ بھی نہ قابو دل پر

یوں نکل جائیں یہ دن ہجر کے صدمون میں نہال
تم ہی انصاف کرو صبر کریں ہم کیونکر

سیّد صادق حسین خاں نہال عظیم آبادی

باغِ دل

(یہ سلسلۂ ماہ گذشتہ)

طلب سچی خوشی کی ہے تو اس گلزار میں آکر — رگِ گل میں تو موجِ بحرِ عرفاں کا تماشا کر
یہ باغِ دل ہے اسمیں ہے عمل عشقِ حقیقی کا — نظارہ اسکا جب ہو پہلے حالِ شیم پیدا کر
پھنسا ہے تُو تو یارا وہ غیر کفر و دیں کے جھگڑوں میں — تو اسے کھوئے ہوئے گھر کے وہاں دیکھیگا کیا جاکر
دوئی اور غیریت سے تو سدا تکلیف پائے گا — کبھی کا ہو کے رہ۔ یا تو کسی کو یار اپنا کر

نہیں بادل سے تیری ذات سے بجلی نکلتی ہے — جو دانا ہے تو ہو برقِ خرمن مست اکھٹا کر
جو مل سکتا نہیں ہے یوں وہ ملتا ہے سینے میں — تو سوتے جاگتے محویتِ کامل کو پیدا کر
نہیں اک شے سے فعلِ فطرتی زائل کبھی ہوگا — یہی دانائی ہے کام اُس سے لے قابو میں لا کر
بصیرت کی طلب ہو تو نہ رکھ تو چشمِ نظارہ — اگر ہو دید کی خواہش تو لاشے کو تماشا کر
مٹا ہے گر کسی صورت یہ تصویر اُسکی بچا تو — اگر محو خودی ہے آپ کو ہر شے میں دیکھا کر
پھنسا ہے دل کسی بُت کے اگر گیسوئے پُرخم میں — تو سنبل میں بھی جعدِ یار کی پیچوں کو سونگھا کر
سما جا اسمیں جا کر تو جو تجھ میں قابلیت ہے — تغافل کا لگا دو یار کی ہرگز نہ شکوا کر
جو ہے بازیچۂ وہم و گمان کا محوِ نظارہ — تو چشمِ نرگسِ حیران سے ہر پتلی کو دیکھا کر
نہیں گرتا ہے ہجراں کی تو خواہش وصل کی سن کر — جو ہاتھ آکر نکلتا ہے کبھی اُسکا نہ پیچھا کر
انانیت تو تجھ میں تو کیا دعوٰی کا رقیبوں کا — جو ہے منظورِ یار اپنا ہو۔ تو غیروں کو اپنا کر
نہ ہوگی آس تو ڈریاس کا کب غالب آئیگا — تمنا وصل کی ہوگی تو چھا جائے گا ہجر آکر
یہی ہے خود پرستی آپ کو ہر شکل میں دیکھے — یہی ہے دیکھنا اے دیدہ ور کچھ بھی نہ دیکھا کر
یہ کہدینا تو ہے اک بات بیّن تو دو نہیں ذاتین — تصوّر اور عمل میں اپنے تو یہ رنگ پیدا کر

کر یگا صاف لوحِ دل تو وہ نقشِ حسین پائیگا
کہ ساری ذہن کی معمورہ شکلیں بھول جائیگا

دو دنی کو دل سے کھو دیتی ہے وحدت ایسی ہوتی ہے — نظر آتا ہے غیر اپنا۔ محبت ایسی ہوتی ہے
تمیزِ زلف و عارض خال و لب کچھ نہیں رہتی — فروغِ حُسن کی تاثیر و طاقت ایسی ہوتی ہے
نظر آتا ہے نورِ روئے جانان اسکو ہر شے میں — اگا ہو محو نظارہ کی حیرت ایسی ہوتی ہے
غرض کی لوث سے فکر اور فعل اُسکا مبرّا ہے — جواد خود رفتہ بیں غیں لطافت ایسی ہوتی ہے
رقابت اور غیریت کا لچہ اُس سے نہیں اُٹھتا — خیالِ حُسن جاناں کی نزاکت ایسی ہوتی ہے
نظر معشوق آتا ہے جو آنکھوں اپنے پڑتی ہے — کمالِ عشق میں عاشق کی صورت ایسی ہوتی ہے
اُسے تا نفسِ تار گریباں کے برابر ہے — جنونِ عشق میں عاشق کی وحشت ایسی ہوتی ہے
ہجوم کثرتِ عالم میں رہکر بین الگ اس سے — یہ ہوتے ہیں سَو حوا اور وحدت ایسی ہوتی ہے
خبر رکھتے ہیں کل کی آپ سے وہ بیخبر ہوکر — مے عرفاں کے سرمستوں کی غفلت ایسی ہوتی ہے
پیے اک جام جو اسکا وہی اسکا مزا جانے — بتاؤں کیا تجھے اس مے کی لذت ایسی ہوتی ہے

[1] مے خانے۔

خبر کیا میری تیری اپنی سُدھ تک بھی نہیں اتنی
جب انہد راگ بجتا ہے تو حالت ایسی ہوتی ہے

نہ دل ہو طالبِ وصل اور نہ شوق دید آنکھوں کو
اسی کو عشق کہتے ہیں محبت ایسی ہوتی ہے

جو جانا اور سیکھا - لوحِ دل سے یک قلم دھوئے
یہی ہے علمِ کامل اور حکمت ایسی ہوتی ہے

نہ خوف ہے اسکے آگے کو ولیعہدِ تاجِ سلطانی
متاعِ درد کی دراصل قیمت ایسی ہوتی ہے

اگر ہو جائے تارا آفتاب اُس تک نہیں پہونچے
خیالِ بیخودی کی شان رفعت ایسی ہوتی ہے

پڑا ہے پر تو اسلام جہاں کیا کسی کے کونے میں
مکانِ دل کی پہنائی و وسعت ایسی ہوتی ہے

شمیمِ گیسوئے حورانِ عین سے ہے غنی کرتی
نسیمِ گلستانِ دل کی نکہت ایسی ہوتی ہے

اگر اس باغِ دل کا تو کبھی محوِ تماشا ہو
تو علمِ ذات حاصل کر کے خود اپنے پہ شیدا ہو۔

کیفی

غزل

(از افکارِ تازہ مولانا سید علی حیدر صاحب طباطبائی نظم لکھنوی)

مژدہ اے دل پھر اجوائے انقلاب آنے کو ہے
قدر گردوں ہو چکا دورِ شراب آنے کو ہے

من کی آئینہ داری کو شباب آنے کو ہے
زلف میں بل گیسوؤں میں پیچ و تاب آنے کو ہے

آنکھ میں تیری مروت بھول کر آتی نہیں
شرم سو سو بار آنے کو ہے حجاب آنے کو ہے

کہہ دیا ہیں - فال بد مُنہ سے نہ دو اعظ کہ کار
مجھ پہ رحمت اُتر گئی تجھ پہ عذاب آنے کو ہے

پتلیاں تھوڑی جلی ہیں کرتے کرتے انتظار
چارہ گر خوش ہیں کہ اب آنکھوں میں خواب آنیکو ہے

دیکھئے کیا رنگ ہو محفل کا اہلِ مصر کی
ہاتھ میں چھریاں ہیں یوسف بے نقاب آنیکو ہے

بھر کی اک شب میں گھڑیاں بیچ مکی ہیں دو ہزار
اے فلک سمجھوں گا میں روزِ حساب آنیکو ہے

سونے والو وقت آخر ہو گیا اب تو اُٹھو
لے کے آئینہ لبِ بامِ آفتاب آنے کو ہے

شیشۂ توبہ نہ جوشِ کشمکش میں ٹوٹ جائے
جھوم کر صحنِ گلستاں میں سحاب آنے کو ہے

آگئی حاضر پہ مُرتی - ہر طرح سے ہے ستم
یا عجاب آنے کو ہے یا اجتناب آنے کو ہے

جوشِ گل کی کشمکش میں آگیا سبزہ کو غش
شیشۂ شبنم میں کھنچ کھنچکا گلاب آنے کو ہے

گلِ سُرخ

کیا شوخ اور دلکش ہے گل! ہے رنگ تیرا
جس سے شگفتہ ہر دم رہتا ہے قلب میرا

خالق نے تجھکو رنگین چار عطا کیا ہے
بُلبُل کے خون میں یا تو نے اسے رنگا ہے

تو شاخِ نخل میں ہے - اور نخل باغ میں ہے
خوشبوئے مست تیری لیکن دماغ میں ہے

کیا دلفریب صورت پیدا ہوئی ہے تیری
بُلبُل غریب اسی سے شیدا ہوئی ہے تیری

پہلے نثار ہونے کو گرد گھومتی ہے
آغوش میں یہ لیکر پھر تجھکو چھوتی ہے

وہ عندلیب گلشن جو ہم نوا ہے میری
تو دلربا ہے اُسکا - دلدار وہ ہے تیری

شاخوں میں تجھکو جھولا باد صبا جھلائے
پتّوں میں تیری رنگت نظارے کو لبھائے

غنچہ رہے کہ گل ہو - خوش تیری ہر ادا ہے
شیدا ہیں تجھ پہ سب تو کچھ ایسا خوش لقا ہے

صورت سے تیری ظاہر قدرت ہوئی خدا کی
ندرت سے تیری ظاہر حکمت ہوئی خدا کی

غنچہ تھا پیشتر تو اب ہے گلِ شگفتہ
کھولا اُسے ہوا نے، جو راز تھا نہفتہ

باغوں میں تیری ہستی دل کو لبھا رہی ہے
شاخوں میں تیری مستی دل کو لبھا رہی ہے

رعنائی تک جو تیرے شدت کی دھوپ پہونچی
دلکش یہ تازگی پھر ہرگز نہیں رہے گی

بکھرے نہ یا آہی کوئی ورق گلوں کا
کھچنے نہ یا آہی کوئی عرق گلوں کا

ہے کیسی پیاری پیاری اسکی عجب خلیقت
یہ اسکی شوخ رنگت، یہ اسکی تیز نکہت

ہر پھول سے زیادہ تو رونقِ چمن ہے
تو چھوڑنا نہ اسکو گلشن ترا وطن ہے

اے گل! بیان سے نکلا تو دردناک ہوگا
گر پڑ کے منتشر تو بالا سے خاک ہوگا

جبتک رہا شگوفہ، کچھ باغبان نہ بولا
ہے اُسکا دانت تجھ پر، تو نے دہن جو کھولا

نادان ہے کہ کھولا اپنے دہن کو تو نے
خود ہی لیا تو ہوتا رخ چمن کو تو نے

خاموش تو جو رہتا آتی کبھی نہ آفت
قفلِ دہن کو کھولا تو یہ پڑی مصیبت

دستِ جفائے گلچیں سے کیا بچیگا اب تو
گلشن میں بھی رہیگا لیکن اوگل! ابر بیگاب تو

صیاد اور گلچیں کہنے کو تو بشر ہیں
دو دل دکھا رہے ہیں ظالم یہ کسقدر ہیں

چھیڑے گی ہائے! فرقت میں عندلیب گلشن
گھر باغباں کا جب تم تیرا بنے گا مسکن

بجلی نزاں کی بُلبُل کی جان پر گرے گی
کرنی ہوئی فغاں یہ گلزار میں پھرے گی

او عندلیب! او گل! تجھکو چمن مبارک — جبتک نصیب میں ہو یہ لطف و امن مبارک
شاخ شجر غنیمت، باد چمن غنیمت — نکلے اگر وطن سے تو ہر جگہ ہے ذلت
نیرنگیِ جہان کی اچھی مثال ہے تو — بنکر حسین اپنے جی کا وبال ہے تو
گلچین نے حیف! آخر تیرا وطن چھڑایا — تجھکو شجر سے توڑا تجھ سے چمن چھڑایا
او محفل طرب کے! او گلستان کے رونق! — پھرے پہ آئی خشکی رنگت تری ہوئی فق
او نکھرے رنگ والے! او مرغ گل وے! — تیرے جگر میں کیا کیا چھیدے گئے ہیں بھالے
مالک نے تیرے جبتک رشتے کو خود نہ توڑا — خوئے وفا تھی تجھ میں تو نے نہ ساتھ چھوڑا
ڈالا ہے دور اُسنے کس بے دلی سے تجھکو — تو ہو گیا تھا باسی پھینکا اسی سے تجھکو
اپنے مآل پر تو اے گل! جو غور کرتا — بزم وجود میں تو ہرگز قدم نہ دھرتا
محوی کیطرح لیکن سب بے قصور تو بھی — پابند حکم خالق کا ہے مزور تو بھی

محمد حسین محوی صدیقی

گلاب کا پھول

ہر ایک پھول سے اعلیٰ ہے یہ گلاب کا پھول — کہاں چمن میں ہے اسکے کوئی جواب کا پھول
ریاضِ دہر میں نخلِ طرب مآب کا پھول — بجا ہے اسکو کہیں ہم اگر شباب کا پھول
کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہنسنے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

خدا نے دی ہے اسے کیا ہی خوشنما صورت — عیاں ہے جس سے ہر اک اسکا جلوۂ قدرت
دلوں کو مست کئے دیتی ہے وہ رنگینیِ مست — کہاں گلوں کو میسر یہ روپ یہ رنگت
کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہنسنے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

ہر اک کلی کا ہری پتیوں میں ہے یہ حال — ہوں جیسے سبز دوپٹے میں گلخون سے گال
خدا نے اسکو دیا ہے عجیب حسن و جمال — صفت میں کیوں نہو اپنی زبان ناطقہ لال
کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہنسنے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

چمن میں پھول ہیں پر سب سے یہ نرالا ہے — اسیکا گلشن عالم میں بول بالا ہے
گلاب چین سے سوئے چمن کھی ہے لاتا ہے — مگر گلاب کہیں مرتبے میں اعلا ہے
کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہنسنے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

چمن میں صبح کو آتی ہے جب نسیم بہار — بلائیں لیتی ہے مُنہ چوم چوم کر ہر بار
نثار کرتی ہے شبنم بھی گوہر شہوار — دعائیں دیتی ہیں سب بلبلیں ہزار ہزار
کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہنسنے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

چمن میں آنکھ کھلی رہتی ہے جو نرگس کی — لگائے ٹکٹکی اسکو ہے دیکھتی رہتی
نظر لگے نہ کہیں چھاؤں اسکی ہے ہلکی — نسیم پھونکتی ہے پڑھکے آیت الکرسی
کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہنسنے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

دل و دماغ کو بھینی بھینی بھاتی ہے — اسی شمیم سے بوئے بہشت آتی ہے
تھکنگی یہی دلکش فضا دکھاتی ہے — طراوت آنکھوں میں دلمیں سرور لاتی ہے
کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہنسنے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

محمد عبد الرحمن بسمل

صبح پیری

صبح پیری آگیا اب شامِ جوانی جاچکی — ولولے سب مٹ گئے دل کی کلی مرجھاچکی
اب وہ ذوقِ میکشی وہ شوقِ مینا ہاے کہان — ہاتھ مین شیشہ بغل مین دست جانانہ کہان
اب کہان وہ راحتِ تکلیفِ دردِ لادوا — اب کہان وہ شادمانیِ غمِ لذت نما
اب کہان وہ دشت و صحرا اور دریاے شوق — صدمتِ ریگِ رواں وہ کوہ پیماے شوق
اب کہان وہ مجمعِ داغِ عشقِ رشکِ ماہ کی — اب کہان وہ صحن دل مین چاندنی چھٹکی ہوئی
اب کہان زیرِ سریر شوریدہ وہ نالوے یار — اب کہان وہ دل کہان وہ حسرتِ بوس و کنار
جلوۂ داغِ غم نہ زہرہ شمائل اب کہان — انجمن افروزیِ کاشانۂ دل اب کہان
خواہشین تھین جتنی تھین دل مین مذبوحان ہوگئین — حسرتون کی بستیان سونس ویران ہوگئین
صبح پیری اب مجھے بیحد ہے تیرا انتظار — آکہ تیرے واسطے جانثار ہا دل کا قرار
نوحہ آنکھون کا ہے حاضر ہو نمائی کے لئے — ڈھونڈتا ہون بحرِ غم مین آشنائی کے لئے
ہے گواہ پاکدامانی ترا طاہر وجود — دل کو چمکاتا ہے تیرا وہ ہے حسنِ ورود
کرتی ہے دم مین فرشتہ حضرتِ انسان کو تو — اور دیتی ہے جلا آئینۂ ایمان کو تو
الحمد اب بارِ عصیان سے تجھے کہا جاتا ہون مین — سرخمیدہ ہے سیہ کاری سے شرماتا ہون مین
بجھ گیا دل کا کنول وہ ولولہ جاتا رہا — پارہ مرکر کیہیا تیری بدولت ہوگیا
تیری صحبت مین ہوئی حاصل مجھے گنجینہ سری — مثلِ میثِ رفتہ سب خامی مری جاتی رہی
میری عزت پر ولا کرتے ہین سب شاہ و گدا — کیا کہون اے دوست تجھسے ملکے مین کیا ہوگیا
منہ دکھاتی ہے سدا عجمیت خاطر مجھے — خوب مالا مال تو نے کردیا آخر مجھے
وہ جوانی مجھکو ہم برسون رہے خدمت گزار — جسکی شمعِ حسن کے والہ تھے پروانہ وار
وہ جوانی سوز سے خالی نہ میرا سا نہ تھا — جسکی جان پر دردِ فاداری پہ بھی نازان تھا
وہ جوانی آغوش داغِ جدائی دے گئی — دل سے ذوقِ آرزوہاے محبت لے گئی
صبح پیری تو نہین مدشکل ایسی بے وفا — مانتا ہون نام کو تجھ مین نہین مگر دریا
اب تو آخر زندگی تک میرا تیرا ساتھ ہے — تیرا وامانِ وفا ہے اور میرا ہاتھ ہے
قبر مین بھی ہین اور آرام سے سوئینگے ہم — اور جوانی کے لئے ہر گز نہ پھر روئینگے ہم

شباب

رباعیات

اے گلشنِ زیست تجھ پہ پانی پھر جاے — جینے کی بلا اور کسیکے سر جاے
بند آنکھین ہوئین یہ دی اجل نے رخصت — اب کیون نہ جہان نظر سے اپنی گر جاے

مرنے کو حیاتِ جاودانی سمجھون — جینے کو مین اک حادثے جانی سمجھون
ہون معتقد حکم مگر یہ تو بتا — کیا تیری امید کو بھی فانی سمجھون

فیشن کے جنون کو جزو ایمان کردہ — ہر کام کو فلسفے سے آسان کردہ
اس عہد مین یہ منصفے ہمدردی ہین — ہر اک کی غرض کو گھنگے ہان ہان کردہ

کیا پایا اگر کوے صنم مین بیٹھے — کیا مل گیا جاکر جو حرم مین بیٹھے
دل مطمئن اُسوقت ہوا اے محشر — جسوقت کے آخرت کے غم مین بیٹھے

ہستی سے حباب کو بھی تم کم سمجھو — دُنیا کی خوشی کو اپنا ماتم سمجھو
اللہ سے پائی ہے اگر عقل سلیم — ہر کام پہ مرنے کو مقدم سمجھو

اغیار کے منت لاکھون احسان ہوے — اُسپر بھی تمہارے نہ زرا کان ہوے
دیکھا تو وہی رہے کہ جو پہلے تھے — صاحب بھی بنے مگر نہ انسان ہوے

دو دن کی حیات اور جو حشرت طلبی — درگاہ ہوس سے ہے مصیبت طلبی
غافل یہ کہے دیتے ہین آگے تو جان — دنیا طلبی ہے عین آفت طلبی

دُنیا مین نفاق کا ہے شکوہ کیسا — ہے کوشش اتفاق سعی بیجا
شکلین ہین جدا رنگ طبائع بھی الگ — انسان مین ہے اختلاف ازل سے پیدا

محشر

جیتی جاگتی تصویر

کتنے اصرار سے دی چھپنے کو تصویر اپنی — اور سمجھا کے رسوائی ہے تشہیر اپنی
یعنی خود محو تماشا کا تماشا ہونا — کچھ تعجب سا تھا اُنکے لئے ایسا ہونا
یا یہ کہئے کہ طبیعت میں نمایش ہی نہیں — خواہش مدح و تمنائے ستایش ہی نہیں

ایک ہم کیش کی صورت جو نظر آئی ہے — آج ممنون نظر چشم تماشائی ہے
خوب نقاش مضامین کا یہ نقشہ دیکھا — بولتی چالتی تصویر کا جلوہ دیکھا
ایسے ہوتے ہیں خوش افکار طبیعت والے — ایسے ہوتے ہیں مزیدار طبیعت والے

کوئی اس پیکر تصویر کو مجھسے پوچھے — اس خوشی میں بھی تکلم کی تقریر کو مجھسے پوچھے
بے زبانی میں بھی دعوی تھا زباندانی کا — نقش تصویر بھی آئینہ تھا حیرانی کا
ہر اصرت سے عیاں ذہن میں تھا جو کچھ — سُننے والوں نے سنا اُسنے کہا جو کچھ

کیا کہوں عالم تصویر کا انداز سکوت — صد تے صد شان تکلم ترے اے راز سکوت
ہائے وہ حُسن تخیل کا سمان آنکھوں میں — یعنی دُنیائے تصور تھی نہاں آنکھوں میں
کیسی کیفیتیں حاصل ہیں فراموشی میں — اس مرقع سے کوئی پوچھے خاموشی میں

شاہد شعر کے صورتگر و فتاں ماہر[1] — حُسن افروز عروسان معانی نادر
چہرہ پرداز سخن جلوہ طراز اشعار — ناظم بے بدل و شاعر شیریں گفتار
ہر طرف دھوم ہے تیری سخن آرائی کی
سچ تو یہ ہے کہ یہی شان ہے گویائی کی

ارشد تھانوی

آہنگ اکبر

ہے ربط پاؤں کو جب رفعت کی نردبان سے — سر اُٹھ نہ جائے کیونکر اُس بُت کے آستان سے
ہر شعر کا زالا مضمون ہو جہان سے — ہاں آ ہر زمین غزل کی بڑھ جائے آسمان سے
عقد ہر جدید ہے یہ۔ سُنتے ہو نو جوانو — یہ لو پُر آئے مضمون نیرنگئے بیان سے
اس باغ میں لبائے جدت کی قمریوں کو — اے شاعر ذکا بلبل کو بوستان سے
چھپ چھپ کے گوش گل سے سرگوشیاں ہیں ناحق — مُنھ پھٹ چٹک کر کہدیگے باغبان سے
یورپ کی طرح تم بھی اے اہل خانہ جاگو — دُنیا کی سیر دیکھو نکلو ذرا مکان سے
بیکار جا رہی ہے سب آپ کی یہ قوت — کچھ کام لو ذہن سے کچھ کام لو زبان سے
افسوس قومیت کی کچھ ماہیت نہ جانی — فارغ ہوئے ہزاروں ایم۔اے کے امتحان سے
اے میر کیوں سخن میں آتی ہے بوئے مغرب — کیا تو بکھر گیا ہے مشرق کے کاروان سے

میر احدی

غزل

(از افکار تازہ پنڈت برجن نرائن صاحب دربیرسٹرایٹ لا لکھنؤ)

سرور سے میں گلوں میں رہا جو بوہو کر — وہ میرے دل میں رہا دل کی آرزو ہو کر
نہ ٹپکا آنکھ سے جو اشک غم لہو ہو کر — وہ میرے دل میں رہا خون آرزو ہو کر
دکھائے گا جو اخر سوز نالۂ بلبل — گلوں کا رنگ اُڑیگا چمن میں بو ہو کر
بناؤ دیکھا ہے کیا تنکے کیوں ہو رکھتے ہیں — سوال ہے یہ آئینہ روبرو ہو کر
خدا نے مجھکو بچایا غرور منعم سے — رہا جہان میں غربیوں کی آبرو ہو کر
چھٹا ہے رنگ گلوں کا جو آب شبنم سے — وہ سادے باغ میں اُڑتا پھرا ہے بو ہو کر
یہ چاک وہ نہیں جنمیں لگائے پیوند — درست جائے گل ہو گا کیا رفو ہو کر
پیا تھا چین سے جو مان کا دودھ طفلی میں — وہ سر سے پیری میں نکلا سفید مو ہو کر
بڑا کریم ہے وہ آبر جسکا بحر کرم — میرے چمن میں بھی آتا ہے آبجو ہو کر

[1] منشی نادر علیخان صاحب نادر کا کروی جنکی تصویر ادیب کے نئی نمبر میں شائع ہوئی ہے۔

ایڈیٹوریل

فضیلت مآب شمس العلماء ڈاکٹر سید علیمان صاحب بلگرامی۔ ایم۔ اے۔ ایل ایل ڈی کے مہتمم باشان ترجمۂ تمدن ہند کا پہلا نمونہ ادیب کے گذشتہ نمبر میں شائع ہو چکا ہے۔ یہ کتاب بھی اُسی فرنچ مصنف کی تصنیف ہے جسنے تمدنِ عرب لکھی تھی اور یہ کا ترجمہ ڈاکٹر صاحب ممدوح کے قلم سے شرف دوام حاصل کر چکا ہے۔ تمدن عرب کے متعلق الٰہ آباد کے روزانہ اخبار لیڈر کے ایک نامہ نگار نے لکھا تھا کہ ڈاکٹر صاحب کو گورنمنٹ نظام کی طرف سے اس ترجمے کا معاوضہ ایک لاکھ روپیہ دیا گیا تھا۔ مگر تمدن ہند کے انتشار سے جو حال ہی میں فاضل مترجم نے ارسال فرمایا ہے ایسی اُمید نہیں پائی جاتی، اور وہ ملک کے علم دوست رؤسا سے امداد کے خواہاں ہیں۔ کتاب کی قیمت پچاس روپیہ رکھی گئی ہے اور تمدنِ عرب کیطرح نہایت اہتمام سے چھاپی جائیگی۔ تین اعلیٰ چھپائی اور کاغذ کے علاوہ ایکسو پچاس عکسی تصاویر بھی شامل ہونگی۔ ہندوستان کے قدیم حالات پر حقیقت گریز وہ پڑا ہوا ہے اور جسقدر اس قدیم ترین ملک کی نسبت تاریخی لاعلمی چھائی ہوئی ہے اُسکے لحاظ سے "تمدن ہند" کی اشاعت بیحد ضروری ہے۔ فاضل مترجم صرف تین سو خریدار چاہتے ہیں جنمیں ہز ہائینس مہاراجہ صاحب بروڈہ نے تیس جلدوں کی خریداری فرمائی ہے اور کتاب کے اکثر حصوں کو مترجم ممدوح کی زبان سے ہم نے اپنا اطمینان ظاہر کیا ہے۔ اسیطرح ہز ہائینس نواب صاحب رامپور نے بھی دس جلدوں کی خریداری کا آرڈر دیا ہے اور تیسرے فرمانیشیں متفرق طور پر وصول ہوئی ہیں۔ غرضکہ جملہ ۳۵ جلدوں کی خریداری ہو چکی ہے باقی ڈھائی سو جلدوں کی خریداری کا انتظام ملک کو کرنا چاہیئے جسکی خانہ پُری پر اس نایاب کتاب کی اشاعت منحصر ہے۔ ملک کی عام حالت دیکھتے کتاب کی قیمت گران معلوم ہوتی ہے لیکن اُردو میں ایسی گران قیمت کتابوں کی اشاعت کوئی نئی بات نہیں ہے عرصہ ہوا کہ "علمی من نظام دکن" (نظارۂ ہائے سلطنت نظام) کے نام سے ایک بالتصویر کتاب شائع ہو چکی ہے جو امریکہ میں بزبان اُردو چھاپی گئی تھی اور جسکی قیمت اسّی روپیہ تھی۔ اسیطرح ولکشور پریس نے دربار دہلی کے موقع پر صحیفۂ زرین شائع کیا تھا جسکی قیمت پچاس روپیہ رکھی گئی تھی اور یہ کتابیں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئیں۔ حالانکہ تذکرہ بالا کتب خاص خاص مقصد پر مبنی تھیں اور تمدن ہند ملک کے عام مقصد سے تعلق رکھتی ہے۔ ہر نوع حامیان اُردو اور شائقین علم ادب کا فرض ہے کہ وہ اس مفید عام اور لاثانی کتاب کی اشاعت کیلئے فراخدلی سے کام لیں اور اس علمی کارنامے سے اپنی زبان کی ترقی کو دوبالا کریں۔ مجیبین مفصل حالات مترجم ممدوح سے بمقام دہرہ دون سلوم ہو سکتے ہیں۔

اُردو کے مایہ ناز ادیب شمس العلماء مولانا محمد شبلی صاحب نعمانی کے سلسلۂ تصنیف کی تیسری جلد بھی شائع ہو گئی اور اسکے ساتھ ایرانی شاعر کا آخری دور ختم دیا گیا۔ اب صرف چوتھی جلد باقی ہے جسکے ساتھ اس مہتمم باشان سلسلے کی تکمیل ہو جائیگی۔ ہمارے صوبے میں صرف مولانا شبلی ہی کی ذات بابرکات ایسی ہے جنکے شعاب قلم سے علم التواریخ عملی بارش ہوتی رہتی ہے۔ مولانا کی دوستی نظر اور شگفتگی بیان کی بہانا تعریف کیا ہے کہ ہے۔ خصوصاً اس زمانے میں جبکہ فارسی زبان کا مذاق تقریباً معدوم ہو چکا ہے شعر العجم کی تصنیف نے اس زبان کے ساتھ مسیحائی کی ہے جسکی بدولت وہ ایک حد تک پھر زندہ ہو گئی کتاب کے تینوں حصے پڑھنے اور لطف اٹھانے کے قابل ہیں۔ دار المصنفین اعظم گڑھ سے زر خواستہ کرنے پر دستیاب ہے۔

اُردو کانفرنس بالیون جس استقلال کے ساتھ ترقی کر رہی ہے اُس سے آئندہ کے لئے نہایت شاندار اُمیدیں پیدا ہو گئی ہیں۔ اسکے بانیوں کی سرگرمی اور ایثار نفسی کے متعلق ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ اب اُنکی لگاتار محنت کا اندازہ بھی ہو گیا ہے اور ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ اگر حامیان اُردو تھوڑی سی امداد بھی کرتے رہیں تو یہ کوشش بہت جلد بارور ہو گی۔ کانفرنس نے حال میں اُردو کی عرضحوالی اشاعت کا بھی انتظام کیا ہے اور اسیطرح بہت سی مفید اور عملی کارروائیوں کا سلسلہ جاری ہے۔ ملک کے لئے نہایت بہ قسمتی کا باعث ہو گا اگر اسکی مالی امداد میں کمی کی گئی۔ مفصل حالات اور قواعد جنرل سکریٹری صاحب اُردو کانفرنس بدایوں کے پتہ سے دریافت ہو سکتے ہیں۔

لسان العصر

نمبر ۱۲ جلد ۱

مارچ سے نکلنا شروع ہوا اور اس چار مہینے کے اندر اسنے قدردان اور نکتہ چین دونوں کو اپنی اہمیت اور وقعت پر متفق پایا۔ ہر ایگزن نے اسکا ایک پرچہ بھی دیکھا ہے وہ اندازہ کرسکتے ہین کہ اردو رسائل مین اسکا کیا پایہ ہے۔ ہر مہینے علاوہ پچاس ساٹھ صفحے علمی و سیاسی مضامین کے ہندوستان کے تمام اردو اور اکثر انگریزی رسائل کا خلاصہ اسی پرچے کے ذریعے سے پیش کیا جاتا ہے، جسقدر نکلتے ہین اردو مین نکلتے ہین اسکے برخلاف ماہ بماہ اسی رسالے مین جمع کئے جاتے ہین۔ حجم اسکا کسی حال مین سو صفحے سے کم نہین ہوتا۔ ایک خصوصیت مین یہ رسالہ سب سے ممتاز ہے وہ یہ کہ ہر مہینے کسی نامور شخص کا آٹوگراف انعام دیا جاتا ہے۔ باوجود ان خوبیون کے قیمت صرف ۸ فی پرچہ ہے۔

چونکہ اکثر اصحاب نمونے کے پرچے طلب کرتے ہین اور ہمارے لئے یہ ممکن نہین کہ ہم نمونہ مفت دے سکین لہذا ہمنے یہ ارادہ کیا ہے کہ جولائی کے نمبر کثیر تعداد مین چھپوائین اور نمونے کی قیمت (آیندہ فیس نمبر) ۲ نہ رکھین غرض اس سے یہ ہے کہ جن لوگون کو اردو سے محبت ہے وہ ایک بار اس رسالے کو ضرور دیکھ لین۔ اگر آپ کو اپنی پیاری زبان اردو سے محبت ہے تو ایک نمبر اس رسالے کا ضرور ملاحظہ کیجئے۔

جولائی کے نمبر سے تاریخ عالم کا ایک سلسلہ شروع ہوگا جو بجائے خود بہت ہی قابل قدر ہوگا۔ انمین جنگ و صلح کے معمولی واقعات نہین ہونگے بلکہ بتایا جائیگا کہ دنیا کس سطح پر ہے، انسان کہان سے آیا، کیونکر اپنی موجودہ شکل و صورت حاصل کی، زمین کو اپنے دشمنون سے پاک کرنے مین اسنے کیا کیا دشواریان پیش آئین، اور کیونکر بالآخر وہ تمام مخلوقات کو مغلوب کرکے دنیا کا مالک بنگیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ منیجر لسان العصر لکھنو

میرے کا سرمہ

(مصدقہ جناب اسسٹنٹ سرجن صاحب سول آفیسر ہارڈر گورنمنٹ پنجاب)

"مغز انگریزون ڈیجکل کالج کے پروفیسرون نامور ڈاکٹرون والیان ریاست اور والیت کی یونیورسٹی کے سندیافتہ یورپین ڈاکٹرون نے بعد تجربہ اس سرمہ کی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ سرمہ امراض ذیل کے لئے اکسیر ہے ضعف بصارت، تاریکی چشم۔ جالا پردہ ال۔ غبار پھولا۔ سیل سرخی۔ ابتدائی موتیابند۔ پانی جانا خارش وغیرہ مغز ڈاکٹرا اور حکیم بجائے اور ادویہ کے آنکھون کے مریضون پر اس سرمہ کا استعمال کرتے ہین۔ چند روز کے استعمال سے بینائی بہت بڑھ جاتی ہے اور عینک کی بھی ضرورت نہین رہتی بچے سے بوڑھے تک کو یہ سرمہ یکسان مفید ہے۔ قیمت اسلئے کم رکھی گئی ہے کہ خاص و عام اس سے فائدہ اٹھائین قیمت فی تولہ جو سال بھر کیلئے کافی ہے بمبلغ (۴) میرے کا سفید سرمہ اعلیٰ قسم فی تولہ (۴) خالص میرے فی ماشہ بیس روپیہ خرچ ڈاک بذمہ خریدار درخواست کرتے وقت اخبار کا حوالہ ضرور دین **المشتہر** پروفیسر سیالنگھ المبلغ والیہ مقام بٹالہ ضلع گورداسپور پنجاب

اسسے بڑھکر اور معتبر شہادت کیا ہو سکتی ہے؟ جناب پروفیسر سیالنگھ صاحب سلیم ہین آپ کے یہان سے سفید سرمہ میرے کا منگوا کر استعمال کیا بہت درجہ کا فائدہ ہوا۔ بالکل صحت حاصل ہوگئی آپ کا سرمہ جملہ امراض چشم کو مفید ہے۔ بصارت کو طاقت بخشتا ہے تیسرے دن فائدہ معلوم ہو جاتا ہے واقعی یہ سرمہ اکسیر کا حکم رکھتا ہے اسلئے مین بڑی خوشی سے تصدیق کرتا ہون کہ اس سے بڑھکر آنکھ کیلئے اور کوئی دوائی نہین ہے (الراقم کنور بھیر پال سنگھ صاحب بہادر ریاست بھگلان اودھ (۲) مین نے میرے کا سرمہ جو کہ سردار سیالنگھ نے تیار کیا ہے۔ ان مریضون پر جنکی آنکھین بہت کمزور اور بیمار تھین استعمال کرکے مفید پایا یہ میرا رائے مین خاصکر ان مریضون کے واسطے جنکی آنکھون سے پانی جاری رہتا ہے اور دھندلا غبار کمزوری نظر وغیرہ یہ سرمہ نہایت ہی مفید ہے۔ الراقم ڈاکٹر بیج لال گھوش رائے بہادر ایل۔ ایم اسسٹنٹ سرجن و پروفیسر میڈیکل کالج لاہور حال آنریری سرجن گورنر پنجاب۔

عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

رسالہ علیگڈھ منتھلی - "ادیب الآباد" اس نام کے رسالے ہندوستان مین متعدد شائع ہوئے بلکہ دکن سے اب بھی ایک ادیب نکلتا ہے مگر بالالتقبع یہ بات ہے کہ کوئی رسالہ کیا باعتبار مضامین اور کیا بلحاظ چھپائی کھائی اسکی ہمسری کیا گرد تک کو نہ پہنچا۔ ہمکو خوشی ہے کہ ہمارے دوست منشی نوبت رائے صاحب نظر لکھنوی نے جنکو تحریر نظم و نثر مین خاص دستگاہ ہے اس رسالہ کو نہایت اہتمام اور ضروریات زمانہ کو ملحوظ رکھکر شائع کیا۔ ادیب اُردو علم ادب مین ایک قابل قدر اضافہ ہے اور اہل علم اور اہل دول کی امداد کا مستحق - اسکے دو نمبر (جنوری و فروری) ہماری نظر سے گزرے اور شکر ہے کہ ترتیب مضامین اور رنگ روپ مین ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر نکلے۔

تصاویر کا التزام و اہتمام جس ندرت کے ساتھ عمل مین آیا ہے قابل داد اور موجب افتخار ملک ہے۔ خدا چشم زخم حساد سے مامون رکھے۔ ہماری تعریف کی انتہا یہ ہے کہ اب تک ہمنے جتنے رسالہ کوریو ویو وغیرہ کے انداز سے بالکل الگ تھلگ رکھا ہے مگر ادیب کو جسقدر جسقدر نمبر باستعیاب دیکھا اور باوجود غیر معمولی ضخامت کے کچھ نہ کچھ ہمارے قلم سے بے اختیار نکل گیا۔ ضرورت ہے کہ ہندو مسلمان دونون اُردو علم ادب کی ترقی اور اصلاح مین کوشش کرین اور دوسری زبانون کیطرح اسکے خزانہ کو بھی ہر قسم کے زر و جواہر سے معمور کر دکھائین۔ اُردو زبان ہندوستان کی ایک متحدہ زبان ہے اسکی درستی اور ترقی مین جسقدر اوقات عزیز صرف کئے جائین کم ہین۔ ہمکو اُمید ہے کہ جناب نظر اس رسالے کو ہر پہلو سے بے نظیر و مفید بنانے مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہونے دینگے اور ملک کے عالی خیال و اہل کرم بڑی گرم جوشی کے ساتھ اسکا خیر مقدم کرینگے۔

اخبار عالم لاہور - "ادیب" یہ مشہور و معروف ماہوار علمی رسالہ انڈین پریس الآباد سے شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ ادیب کی لکھائی چھپائی اور کاغذ ایک سے ایک اعلیٰ ہین۔ لائق فائق اور نامور اہل قلم اسکے مضامین لکھنے والے ہین۔ گویا کہ ادیب علمی خوبیون کا ایک گلدستہ ہے جسکی مہک اسکے ناظرین کو آپ سے آپ وجد مین لے آتی ہے۔ ہر ماہ کی ۵ تاریخ کو بلاناغہ شائع کیا جاتا ہے اور ہر نمبر مین ایک رنگ دار اور چار سادہ تصویرین دل لبھانیوالی ہوتی ہین۔ تصویرین چونکہ نفیس ہین اسلئے وقعت پاتی ہین۔ بابو نوبت رائے صاحب نظر لکھنوی اسکے ایڈیٹر ہین جنھون نے اول نمبر کے شائع ہوتے ہی اسکو خوبیون کا مجموعہ بنا دیا۔ اُردو لٹریچر کے طالبان کے لئے اس سے عمدہ دوسرا رسالہ نہ ہوگا۔ ابتک اسکے چار نمبر موصول ہوئے ہین لیکن ہر نیا نمبر پچھلے نمبر پہ سبقت لے گیا ہے اگر اہل علم اسپر بھی اُردو لٹریچر کی قدر نہ پہچانین تو افسوس کا مقام ہوگا۔ کم سے کم ایک نمبر کا مطالعہ تو ہر ایک شخص کو کرنا چاہیئے تاکہ اسکی خوبیون کا پتہ لگ جائے۔

رسالہ ترقی لاہور - "ادیب" سال رواں کے شروع سے الآباد سے منشی نوبت رائے صاحب نظر کے زیر اہتمام نکلنا شروع ہوا ہے۔ اسکے چار نمبر نکل چکے ہین جو اُمیدین اول نمبر دیکھکر لگائی گئی تھین انھین کسی قسم کی ترمیم کرنے کی ضرورت نہین ہے۔ کیونکہ باقی نمبر ایک سے ایک بڑھکر ہے۔ ادیب اپنی قسم کا نرالا رسالہ ہے۔ اُردو ادبیات کی توسیع اور ترقی اسکی تولید کا مقصد ہے۔ طرز تقطیع۔ کاغذ چکنا۔ کتابت پاکیزہ۔ الغرض محاسن ظاہری و باطنی مین ہر طرح قابل تعریف ہے۔ مضامین نگارون مین نامور اہل قلم کے اسمای گرامی نظر آتے ہین۔ تصاویر رنگین و سادہ کا التزام بہت قابل تعریف ہے۔ طریق کی اشاعت مین تو تصاویر مین "سکنتلا" مسٹر راوی ورما کی مایہ ناز صناعیون کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اسی آرٹسٹ کی "مالتی" بھی ہے۔ اسکے علاوہ مولانا آزاد اور مسٹر رومیش چندر دت کی تصاویر ہین۔

جلد ۲ | اگست سنہ ۱۹۱۰ء | نمبر ۲

ادیب

ادبِ اُردو کا باتصویر ماہوار رسالہ

ایڈیٹر نوبت رائے نظر لکھنوی

فہرست تصاویر

(۱) شیخ سعدی شیرازی (رنگین) (۲) شاہ عالم ثانی کا دربار (۳) پارسی حسن (۴) قصر احمد و باغ بجنجیرہ
(۵) آنکھ کے ڈھیلے (۶) دروازۂ مقبرۂ اعتماد الدولہ (۷) مولانا سید علی حیدر صاحب طباطبائی (۸) بن باس اور بربھارت

فہرست مضامین

	صفحہ
۱- معمۂ ہستی - از رائے پربھولال صاحب - بی۔ اے	۴۹
۲- لکھنؤ کے قدیم نظارے - از ایڈیٹر	۵۷
۳- اُردو ناول نویسی - از "د - ر"	۶۱
۴- ہز ہائینس بیگم صاحبہ بجنجیرہ - از پرائیویٹ سکرٹری حضور عالیہ	۶۶
۵- آنکھ - از مسٹر پی - ایل شاکر	۶۹
۶- وقت - از سید محمد اسد علی صاحب جعفری	۷۴
۷- بیچا نگر - از حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری	۷۷
۸- جیسی نیت ویسا پھل (مختصر قصہ) از خان احمد حسین خانصاحب مصنف بی۔ اے - ایم - آر - اے - ایس (لندن)	۸۱
۹- مولانا سید علی حیدر صاحب طباطبائی - از سید غلام مصطفےٰ صاحب نیّر	۹۰
۱۰- بیر بہوٹی - از منشی درگا سہائے صاحب سُرور جہان آبادی	۹۲
۱۱- جنگل کی برسات - از مسٹر شاکر میرٹھی	۹۳
۱۲- کلام اکبر - از خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر جج پنشنر الہ آباد	۹۴
۱۳- پپیہا - از بابو جگت موہن لال صاحب رواں	//
۱۴- برسات کی رات - از حافظ محمد یعقوب صاحب اوج گیاوی	۹۵
۱۵- کلام چکبست - از پنڈت برج نرائن صاحب چکبست - بی۔ اے لکھنؤ	//
۱۶- دوستی - از مرزا کاظم حسین صاحب محشر لکھنوی	۹۶
۱۷- غزل - از پنڈت بشن نرائن صاحب دربیر سٹرایٹ لا لکھنو	//
۱۸- تاثر - از مولوی رشید احمد صاحب ارشد تھانوی	۹۷
۱۹- ایڈیٹوریل	//

قیمت سالانہ چار روپیہ

پنچکوڑی مترا پرنٹر و پبلشر نے انڈین پریس الہ آباد میں چھاپکر شائع کیا

فی پرچہ چھ آنہ

لڑکیوں کا تعلیمی کورس

خوشی کا مقام ہے کہ ہندوستان میں لڑکیوں کی تعلیم ترقی کر رہی ہے اور ہر شہر اور ہر قصبہ اور ہر گاؤں میں لڑکیوں کے مدرسے جاری ہو رہے ہیں۔ اس ترقی تعلیم کا نتیجہ جسقدر مفید ثابت ہوا ہے وہ محتاج تصریح نہیں۔ تاہم عام طور پر یہ شکایت بھی سنی جاتی تھی کہ لڑکیوں کی تعلیم کے لئے ابھی تک کوئی ایسا نصاب نہیں تیار ہوا ہے جو انکی دماغی اور اخلاقی حالت کے مناسب حال ہو اور انھیں خاطر خواہ فائدہ پہونچا سکے۔ اسی شکایت کی بنا پر ہمنے لڑکیوں کے لئے ایک ایسا نصاب بدوں کثیر تیار کرایا ہے جو ہر طرح اور ہر حیثیت سے مکمل ہے اور جسے صوبہ ہذا کی تعلیمی کمیٹی نے نہ صرف پسند کر کے بلکہ تمام دیگر ریڈروں پر ترجیح دیکر مدارس نسواں میں جاری کر دیا ہے۔ ان ریڈروں کی زبان کی نسبت اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ ایڈیٹر صاحب ادیب کی اصلاح و نظر ثانی سے مزین ہیں۔ انمیں اخلاقی اور نصیحت آمیز کہانیوں اور سبقوں کے علاوہ تیمارداری۔ معاشرت۔ امور خانہ داری۔ بچوں کی پرورش۔ مریضوں کی تیمارداری۔ خاوند کی اطاعت۔ شرم و حیا۔ عفت و عصمت اور دیشپار کا رآمد باتیں لکھی گئی ہیں۔ علاوہ بریں ریڈروں میں ستیاجی۔ دمینتی۔ سکنتلا۔ ساوتری۔ لیلاوتی۔ اہلیا بائی وغیرہ کی سوانح عمریاں اور چین و جاپان کی لڑکیوں کے حالات نہایت سلیس اور بچوں کی سمجھ میں آنیوالی زبان میں درج ہیں۔ کاغذ۔ چھپائی۔ جلد وغیرہ سب اعلیٰ درجے کی ہیں۔ جو انڈین پریس کا حصہ ہے۔ ان ریڈروں میں ۱۱۰ تصاویر بھی ہیں جنمیں ۳۴ تصاویر پورے صفحوں پر علیحدہ چھاپکر شامل کیگئی ہیں۔ پورا نصاب حسب ذیل ہے

۱۔ اردو کا نیا قاعدہ .... تیمت ۲ پ

۲۔ لور پرائمری ریڈر (پہلی اور دوسری جماعت کا نصاب) ۶/

۳۔ اپر پرائمری ریڈر (تیسری اور چوتھی جماعت کا نصاب) ۱۰/

۴۔ لور مڈل ریڈر (پانچویں اور چھٹی جماعت کا نصاب) ۱۸/

منیجر انڈین پریس الہ آباد

ممیرے کا سرمہ

(مصنفہ جناب اسسٹنٹ سرجن کیمل آگرہ میسر بہادر گورنمنٹ پنجاب)

معزز انگریزوں میڈیکل کالج کے پروفیسروں نامور ڈاکٹروں والیان ریاست اور ولایت کی یونیورسٹی کے سند یافتہ یورپین ڈاکٹروں نے بعد تجربہ اس سرمہ کی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ سرمہ امراض ذیل کے لئے اکسیر ہے ضعف بصارت۔ تاریکی چشم۔ جالا۔ پردہ ال غبار۔ پھولا۔ سیل مُہرگی۔ ابتدائی موتیا بند۔ پانی جانا غائرش وغیرہ معزز ڈاکٹر و حکیم چاہے اور ادویہ کے آنکھوں کے مریضوں پر اب اس سرمہ کا استعمال کرتے ہیں۔ چند روز کے استعمال سے بینائی بہت بڑھ جاتی ہے اور عینک کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ بچے سے بوڑھے تک کو یہ سرمہ یکساں مفید ہے قیمت اسلئے کم رکھی گئی ہے کہ خاص و عام اس سے فائدہ اٹھائیں۔ قیمت فی تولہ جو سال بھر کے لئے کافی ہے۔ مبلغ (۱) روپیہ کا سفید سرمہ اعلیٰ قسم فی تولہ (دستے) خالص میرہ فی ماشہ پیس روپیہ خرچ ڈاک بذمہ خریدار درخواست کرتے وقت اخبار کا حوالہ ضرور دیں۔

المشتہر پروفیسر سیاسنگھ الہ ایہ مقام ٹبالہ ضلع گورداس پور پنجاب اسسے بڑھکر اور معتبر شہادت کیا ہو سکتی ہے؟ جناب پروفیسر سیاسنگھ صاحب تسلیم۔ میں نے آپکے یہاں سے سفید سرمہ میرے کا منگوا کر استعمال کیا حد درجہ کا فائدہ ہوا۔ بالکل صحت حاصل ہو گئی آپ کا سرمہ جملہ امراض چشم کو مفید ہے۔ بصارت کو طاقت بخشتا ہے تیسرے دن فائدہ معلوم ہو جاتا ہے واقعی یہ سرمہ اکسیر کا کم رکھتا ہے اسلئے میں بڑی خوشی سے تصدیق کرتا ہوں کہ اس سے بڑھکر آنکھ کے لئے اور کوئی دوا نہیں ہے الراقم کنور چھتر پال سنگھ صاحب بہادر ریاست مچھراؤں اودھ (۲) میں نے میرے کا سرمہ جو کہ سردار میا سنگھ نے تیار کیا ہے۔ ان مریضوں پر جنکی آنکھیں بہت کمزور اور بیمار تھیں استعمال کر کے مفید پایا میری رائے میں خاصکر مریضوں کے واسطے جنکی آنکھوں سے پانی جاری رہتا ہے اور دھندلا بنا کمزوری نظر کو یہ سرمہ نہایت ہی مفید ہے۔ الراقم ڈاکٹر بچھ لال گوش آنریری سرجن گورنمنٹ بہادر۔ ایل۔ ایم۔ اسسٹنٹ سرجن و پروفیسر میڈیکل کالج لاہور حال آنریری سرجن گورنمنٹ

شيخ سعدي شيرازي

اگست سنہ ۱۹۱۰ء

ادیب

جلد ۲ — نمبر ۲

معمۂ ہستی

(۲)

ویدون کے وہ حصص جنمین اس قسم کے حقائق کا ذکر ہے اُنپشد کے نام سے مشہور ہین اور ان مین سام وید کی چھاندوگیہ اُنپشد ایک بہت پرانی اُنپشد ہے۔ اس اُنپشد مین یہ قصّہ بیان ہوا ہے کہ جب دیوتاؤن اور اسُرون کے درمیان مخالفت اسقدر بڑھ گئی کہ اکثر نوبت بجنگ پہونچتی تھی۔ اُسوقت خداوند عالم (پرجاپتی) نے دونون سے یہ کہا کہ تم دُنیا کی حکومت اور ثروت کے لئے کیون لڑتے ہو۔ صرف آتما کا گیان یعنی علم حقیقت ہی آدمی کو شانتی بخشتا ہے۔ یہ آتما گناہ سے پاک ہے۔ اسکو نہ بڑھاپا ہے نہ موت، رنج والم بھوک پیاس وغیرہ سب سے وہ مبرّا ہے۔ سب کو اس بات کی کوشش کرنا چاہیئے کہ آتما کا گیان حاصل ہو۔ کیونکہ جسکو یہ آتم گیان حاصل ہوا اُسکی تمام خواہشات پوری ہوجاتی ہین اور وہ زمین و آسمان کا مالک ہوجاتا ہے۔

پرجاپتی کے اس ارشاد کو سُنکر دونون فریق نے اپنے اپنے دل مین یہ سوچا کہ جب آتم گیان ہی سے ہمکو قوت وثروت وحکومتِ دُنیا مل سکتی ہے تو پھر اُسکے حاصل کرنے کی ہم کیون کوشش نہ کرین۔ پس اُنھون نے اپنے اپنے سردارون سے یعنی دیوتاؤن نے اندر سے اور اسُرون نے ورو چن سے۔ یہ عرض کی کہ کسی عارف کامل کے پاس جاکر آپ کو اس گیان کے حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ قبل اسکے کہ اس قصّہ کو آگے بڑھایا جاے۔ ہمین اسکی صراحت کردینی چاہیئے کہ لفظ اُسُر سے کیا مراد ہے۔ اُسُرون سے مراد کچھ شیاطین نہین ہین جیسا کہ عام خیال ہے، بلکہ اُنسے مراد صرف وہ انسان ہین جو لذائذ نفسانی کی طرف مائل رہتے ہین۔ بمقابلہ روحانیت کے جسمانی راحت جسمانی عیش اُنکا مدعاے غائی ہوتا ہے اور انکی خواہشات کی کوئی انتہا نہین ہوتی۔ حرص اور طمع اُنمین بہت بڑھی ہوئی ہتی

ہے اور جبر و ستم سے دُنیوی حکومت کرنے اور قوت حاصل کرنے کے وہ ہمیشہ خواہان رہتے ہین۔ اس قسم کے انسان ہر زمانہ مین رہے ہین۔ لیکن زمانہ قدیم مین اس لقب کی تخصیص خاص اُن لوگون کے ساتھ کی جاتی تھی جو خدا ترس، خدا پرست اور ریاضت کیش آدمیون کے دشمن تھے اور اُنکو ہمیشہ طرح طرح کی ایذا پہونچایا کرتے تھے۔

غرض کہ دیوتا اور اسُر دونون اپنے اپنے سردار اندر اور وروچن کے پاس گئے اور اُنسے یہ التجا کی کہ کسی عارف کامل سے اُس آتم گیان کو حاصل کرنا چاہیئے جس سے ہمکو دنیوی حکومت اور ثروت بغیر لڑائی اور خونریزی کے حاصل ہو۔ چنانچہ اندر اور وروچن دونون علیحدہ علیحدہ اور بالاعلم ایک دوسرے کے ایک ایسے عارف کامل کے پاس گئے جو دوسرون کو آتم گیان کی تلقین کرسکتا تھا۔ یہ دونون مدت تک اُس مرشد کی خدمت مین رہے یہانتک کہ اُنکی خدمت سے خوش ہوکر ایک دن اُس گرو نے اُنسے یہ پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو۔ اُن دونون نے یہ جواب دیا کہ ہمنے خداوند عالم پرجاپتی سے یہ سُنا ہے کہ صرف آتم گیان سے ہی ساری قوت اور حکومت حاصل ہوسکتی ہے۔ پس ہم چاہتے ہین کہ وہ گیان ہم آپ سے حاصل کرین۔ آپ مہربانی کرکے وہ گیان ہمکو دیجئے جس سے ہم بھی اس دنیا مین سب سے زیادہ طاقتور اور صاحب حکومت ہوجائین۔ گرو نے جب یہ گفتگو اُن لوگون کی سُنی تو اُسنے یہ جان لیا کہ یہ دونون بھٹکے ہوئے ہین۔ انکو صفائی قلب ابھی نہین حاصل ہے، اور اسلئے انکو آتم گیان ایک ہی وقت مین دیدینا مناسب نہین ہے۔ بلکہ انسب یہ ہے کہ درجہ بدرجہ انکو اُس گیان تک پہونچایا جائے اور سب سے بہتر طریقہ اس گیان کے دینے کا یہ ہوگا کہ انکے دلون مین کچھ ایسی چھیڑ پیدا کردیجائے کہ جس سے وہ خود بخود کوشش کرکے آپ ہی اُس گیان کو حاصل کرین۔ پس گرو نے یہ فرمایا کہ جسکو تم آنکھ کی پُتلی مین دیکھتے ہو وہی آتما ہے جو گناہ سے پاک اور رنج والم و تکلف سے بڑا ہے۔ اسیکو جان کر تمسام دنیا کی حکومت مل سکتی ہے۔ گرو کے ارشاد کے اصل رمز کو نہ سمجھکر اُسکی صرف یہ مراد سمجھی کہ جو آنکھ کے ذریعہ سے دیکھتا ہے وہی آتما ہے اُن چیلون نے اُلٹا یہ سمجھ لیا کہ گرو کے ارشاد کے یہ معنی ہین کہ آنکھ کی پُتلی مین جو عکس پڑتا ہے وہی آتما ہے اور اسلئے اُنھون نے یہ عرض کی کہ اے بھگوان جو ایک آئینہ یا پانی مین دیکھا جاتا ہے کیا وہی وہ شخص ہے جو آنکھ کی پُتلی مین نظر آتا ہے؟ جسکے جواب مین گرو نے یہ فرمایا کہ اصل آتما وہی ہے جو ان سب مین دیکھا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ گرو کا مطلب کچھ اور تھا لیکن اُن چیلون نے کچھ اور سمجھ لیا۔ پس اُنکی عقل کو آزمانے کے لئے گرو نے اُنسے یہ کہا کہ پانی کے ایک کٹورے مین تم اپنے کو دیکھو اور جو تمہارے سمجھ مین نہ آئے وہ مجھسے آکر بیان کرو۔ چنانچہ اُنھون نے ایسا ہی کیا اور پانی کے کٹورے مین اپنی ہی صورت کو دیکھکر گرو سے یہ عرض کی کہ مہاراج ہم نے اپنا ہی عکس سر سے پانون تک پانی مین دیکھا ہے۔ اپنے ہی جسم کی ایک کامل تصویر یہانتک کہ بالون اور ناخنون کا عکس بھی ہمنے پانی مین دیکھا ہے۔ یہ سُنکر گرو نے پھر یہ فرمایا کہ اچھا اب کی دفعہ اپنے جسم کو طرح طرح کے لباس اور زیور سے آراستہ کرکے پانی مین دیکھو۔ چنانچہ اُنھون نے ایسا ہی کیا اور گرو سے آکر کہا کہ ہمنے اپنے جسم کو آراستہ و پیراستہ جیسے کہ ہم اسوقت ہین پانی مین دیکھا ہے۔ گرو نے یہ سُنکر جواب دیا کہ بس یہی آتما ہے جو موت و زندگی اور تکلیف و آرام وغیرہ سے پاک ہے۔

اندر اور ورو چن دونون گرو کے اس ارشاد کو سُنکر چل کھڑے ہوئے اور اپنے اپنے گھرون کا راستہ لیا لیکن گرو نے جب یہ جانا کہ اُسکے کہنے کو ان دونون نے سچا مان لیا ہے فوراً پکار کر کہا کہ تم مین سے جو کوئی اس میری تلقین پر عمل کریگا اُسکا مرنا ناش ہوگا۔ مگر اُن دونون نے اسپر کچھ التفات نہ کی اور اپنے اپنے گھرون کو چلے گئے۔ ورو چن نے گرو کے بچن کو قطعی طور پر سچا مان کر اُسپر یہ تلقین کی کہ جسم مین آتما ہے اسی کی پرستش اور خدمت کرنی چاہیئے۔ اپنی ہی بڑائی کر کے اور جسم کی خدمت کر کے آدمی دُنیا کی حکومت حاصل کر سکتا ہے چنانچہ اس تلقین کا یہ نتیجہ ہوا کہ جسم اور نفس پرستی اُسرون مین پھیل گئی اور اُنھون نے اپنا سب سے بڑا فریضہ یہی سمجھا کہ جسم کی حفاظت کرنا چاہیئے اور اُسکو طرح طرح کا آرام اور آسایش پہونچانا چاہیئے۔ چونکہ ان لوگون کے طبائع پہلے ہی سے نفس پرستی کیطرف مائل تھے اسلیئے یہ تعلیم جو گرو نے محض ریطور آزمایش دی تھی فوراً اُنمین مقبول ہوگئی۔

برخلاف اسکے جب اندر نے اپنے گھر جاکر اُس تلقین پر جو اُسکو گرو سے ملی تھی غور کیا اور سوچا تو اُسکو معلوم ہوا کہ گرو نے تو یہ ارشاد فرمایا تھا کہ آتما تکلیف و آرام، بھوک پیاس، زندگی و موت ان سب سے پاک اور برتر ہے۔ لیکن اس جسم کو تو بھوک اور پیاس معلوم ہوتی ہے اور تکلیف اور آرام سے بھی وہ برا نہین ہے پھر اسکا عکس کیسے آتما ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جس جسم کا یہ عکس ہے وہ مرگ و زیست، بھوک پیاس، تکلیف و راحت وغیرہ کے تابع ہے۔ پس اس تلقین سے اُسکی تشفی نہ ہوئی اور اسلیئے گرو کے پاس واپس آکر اُسنے عرض کی کہ مہاراج جسم کا عکس کسطرح آتما ہو سکتا ہے، جب انمین تغیرات ہوتے رہتے ہین۔ اگر جسم آراستہ و پیراستہ ہے تو عکس بھی جیسکو آپنے آتما کہا ہے آراستہ و پیراستہ نظر آتا ہے۔ اگر جسم مین ایک آنکھ ندارد ہے تو عکس بھی ایک آنکھ کے بغیر نظر آتا ہے۔ اگر جسم لنگڑا ہے تو عکس بھی لنگڑا ہے مگر آپ نے پہلے یہ فرمادیا تھا کہ آتما ان سب عیبون سے پاک ہے۔ جب یہ صحیح ہے تو پھر یہ عکس جو پانی مین دیکھا جاتا ہے کیسے آتما ہو سکتا ہے؟ گرو نے کہا تو سچ کہتا ہے۔ تو سچا سالک ہے۔ اسلیئے تجھکو آتم گیان یعنی علم حقیقت حاصل ہوچکا۔ کچھ مدت اور یہان ٹھہر اور خدمت کر۔ چنانچہ اندر نے ایسا ہی کیا۔ حتی کہ ایک دن گرو نے خوش ہوکر اُس سے یہ کہا "حالت خواب مین جو خواب دیکھتا ہے وہی برہم ब्रह्म ہے، جسکو فنا نہین"۔ یہ سُنکر اندر بظاہر مطمئن ہوکر گھر چلا گیا۔ مگر گھر جاکر جو غور کیا تو اُسکو ایک اور دقت پیش آئی یعنی یہ کہ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ حالت خواب مین جو خواب دیکھتا ہے اُسپر جسم کے کسی تغیر کا کوئی اثر نہین ہوتا ہے یعنی یہ کہ جسم کے لنگڑے لولے ہونے مین وہ لنگڑا لولا نہین، مگر خواب کا دیکھنے والا کیسے آتما ہو سکتا ہے جسکی نسبت گرو نے یہ فرمایا ہے کہ اُسکو فنا نہین اور نہ کوئی خوف ہے کیونکہ خواب مین بھی وہ تکلیف اور آرام کو محسوس کرتا ہے۔ اُسکو خواب دیکھکر دہشت ہوتی ہے۔ ڈرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ پس یہ سوچکر اور گرو کے پاس اگر اُسنے اپنے مندرجۂ صدر شبہ کو ظاہر کیا اور کہا کہ آپ نے آتما کو ان سب باتون سے پاک اور برا فرمایا ہے اور اسلیئے سوپن اوستھا अभिमानी स्वप्न अवस्था کا ابھمانی

یعنی خواب دیکھنے والا کسطرح آتما ہو سکتا ہے۔ گرو نے کہا تو سچ کہتا ہے ابھی اور کچھ دن یہان ٹھہر کر خدمت کر۔ اندر نے اور چندے وہان رہکر گرو کی خدمت کی اور آخر ایک دن گرو نے خوش ہوکر پھر یہ فرمایا "وہ جو گہری نیند مین عین سکون کی حالت کو حاصل کرتا ہے اور کوئی خواب وغیرہ نہین دیکھتا ہے" وہی آتما ہے لیکن اندر

کچھ غور کے بعد یہ جواب دیا کہ جسکو خود اپنا اور کسی دوسری چیز کا کوئی احساس نہین رہتا ہے وہ کیسے آتما ہو سکتا ہے؟ ایسی حالت مین کسی چیز کا احساس نہین رہتا ہے۔ کیا تمام خیالات محسوسات وقوف اور علم کی معدومیت ہی کو آپ آتما کہین گے؟ گرو نے جواب دیا نہین یہ آتما نہین ہے۔ اب وہ وقت آگیا ہے کہ مین تجھے تیری آزمایش کے بعد سچی تلقین کرونگا۔ مین تجھسے بہت خوش ہون۔ غرضکہ اُسکے بعد گرو نے اندر کو آتم گیان دیا۔ وہ کیا گیان تھا۔ اُسکو جب وہ پرم گیانی پُرش منجھون نے اسکو سمادہی جانا ہے نہین بتا سکتے اور زبان اور الفاظ سے اُسکے بتانے مین وہ بالکل قاصر ہین اور جب خود شرتی کا یہ قول ہے کہ مین اور بُدّہی وہان جاکر واپس نہین آتین تو پھر ہم ایسے ضعیف البنیان آدمی جو ہمیشہ گناہ اور معصیت مین مبتلا رہتے ہین کیا کہہ سکتے ہین۔ ہمارا تو اُسکا ذکر ہی کرنا اس مثل کا مصداق ہے کہ چھوٹا منہ بڑی بات۔

اسکے بعد گرو نے اپنے چیلے (اندر) سے یہ فرمایا کہ جسکو اس آتما کا گیان ہوگیا ہے وہ اس دُنیا کے مصائب سے آزاد ہوکر حیات ابدی حاصل کرتا ہے۔ بھلا ایسے شخص کو کیا حاصل نہین۔ دُنیا کی یہ ادنی حکومت و ثروت اُسکے نزدیک ہیچ ہے۔ وہ خود ہی عین حقیقت ہے جو اس سارے عالم کی حقیقت ہے۔ لیکن جنکو اسکا گیان نہیں وہ البتہ جسمی کو سچا سمجھتے ہین لہذا اُنکے لئے پیدایش اور موت کا سلسلہ برابر قائم رہتا ہے۔ جبتک ہمکو یہ خیال رہیگا کہ ہم فانی ہین تبتک موت کا خوف ہمکو ضرور دامنگیر رہے گا۔ لیکن جیسے ہی گیان ہمکو ہوتا ہے کہ آتما غیر فانی ہے اور ہم آتما ہی ہین جسم نہین ہین یہ خوف فوراً جاتا رہتا ہے۔ پھر اُسکے لئے نہ موت ہے اور نہ زندگی ہے۔ جب سکندر اعظم نے ہندوستان کے ایک رشی کو اپنے ساتھ یونان لیجانے کی خواہش ظاہر کی اور اُس رشی نے انکار کرنے پر اُسکو یہ دھمکی دی کہ مین تجھے مار ڈالونگا تو اُسوقت اُس رشی نے ایک بڑا قہقہہ لگا کر یہ کہا کہ اے بادشاہ تو نے سب سے بڑی بیوقوفی کی بات یہی کہی۔ تو مجھکو نہین مار سکتا۔ مجھے نہ سورج کی دھوپ سُکھا سکتی ہے نہ آگ جلا سکتی ہے اور نہ کوئی ہتیار کاٹ سکتا ہے کیونکہ مین زندگی اور موت سے پاک ہون اور سب جگہ موجود ہون۔ ایسے گیانی لوگ جسم کو بنڑا ایک گھر کے سمجھتے ہین جو اسلئے اختیار کئے جاتے ہین کہ بعض خواہشات اور بعض اغراض زندگی کے جنکی چھٹیر ہوچکی ہے پورے ہون۔ وہ لوگ جنکے اغراض اور خواہشات پاک نہین مبتلاے مصیبت ہوتے ہین لیکن منجھون نے ہر طرح کے اغراض اور خواہشات کو خواہ پاک ہون یا ناپاک الوداع کہدیا ہے۔ وہ ان اجسام کی قید سے چھوٹ جاتے ہین اور پھر اُنکے لئے نہ جینا ہے اور نہ مرنا ہے۔ یہی سب سے بڑا ایک مدعا ہے جسکے حصول کی کوشش ہونی چاہئے۔

یہ جو اوپر ذکر ہوا وہ شرتیون کے بچن یعنی اقوال ہین۔ ان شرتیون کی جُدا جُدا تفسیرین کی گئی ہین جنمین سے دو سب سے بڑی تفسیرین سری شنکر آچارج اور سری رامانج آچارج کی لکھی ہوئی ہین۔ پہلے آچارج ہین عقیدہ ادویت یعنی فرقہ وحدت الوجود جسکے مُفسّر سری شنکر آچارج ہین حقیقت صرف ایک ہے اور ایک ہی ہو سکتی ہے۔ جسکو چاہے آپ آتما کہین، برہم کہین، ذاتِ مطلق کہین، یا ان نوایبل UnKnowable اُسکا یہ کہنا ہے کہ جو کچھ ہے یا جو کچھ نظر آتا ہے وہ صرف وہی ایک آتما یا ذاتِ مطلق ہے گو ہم اودیا سے یعنی جہل سے اُسکو اور کچھ مان لین جسکی بحیثیت منفردہ جیو یعنی روح کہتے ہین اُسکی بھی

وہی حقیقت ہے جو بحیثیت کُل خدا کی ہے۔ یعنی یہ کہ نگاہ حقیقت سے روح ذات مطلق سے جُدا نہین ہے اور اسطرح یہی ذاتِ مطلق عین حقیقت جسم کی ہے۔ مادّہ کی بھی وہی حقیقت ہے اور قوت کی بھی وہی حقیقت ہے۔ غرض کہ یہ ظاہر ہوگا کہ اسپنوزا نے جو یہ کہا ہے کہ مادّہ یعنی غیر محدود پھیلی ہوئی چیز اور روح یا قوت یا خیال کرنے والی قوت۔ دو بڑی صفتین اُس محیط عالم موجود بالذات شے کی ہین جسکو آپ جوہر الوہیت کہہ سکتے ہین، یا کچھ اور۔ یا یہ کہ ہمارے نزدیک مادّہ اور تحریک کرنیوالی قوتین ایسی دو صفتین ہین جو ایک دوسرے سے جُدا نہین ہوسکتین۔ اُنکا یہ خیال سری شنکر آچارج کے خیال سے کسقدر مشابہ ہے۔ لیکن دونون خیالون مین جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ شنکر آچارج کا یہ قول ہے کہ فی الاصل ذات مطلق ہی سچ ہے اُسکے اگر کوئی صفات ہین تو وہ ظاہر ہین۔ ہمکو ایک وقت مین ایک ہی چیز کا علم ہوتا ہے۔ اگر ہمکو ذات کا علم ہوا تو صفات غائب ہوجاتے ہین اور اگر صفات ہی کو ہم دیکھتے ہین تو ذات کا خیال جاتا رہتا ہے۔ اس لفظ صفات مین روح یعنی جیو، مادّہ، قوت، وغیرہ سب آگئے۔

دوسری تفسیر سری رامانج آچارج کی ہے جسکو وششٹ ادویت کہتے ہین۔ یہ ظاہرا ایک بڑے جمہور کے لئے ہے۔ یعنے اُن لوگون کے لئے جو عالم شہادت کو سچا مانتے اور خود اپنی ہستی کو کچھ کچھ جُدا ماننے سے انکار کرنے پر راضی نہین ہوتے۔ شنکر آچارج کے ساتھ رامانج کو اتفاق ہے کہ فی الحقیقت ایک ہی آتما یعنی ذات مطلق کا وجود ہے۔ مگر وہ اُس وجود کو صفات دیتے ہین جس سے شنکر آچارج کو انکار ہے۔ بقول رامانج ذات مطلق مین بعض ایسی قوتین موجود ہین جو اس عالم کثرت کی گویا تم ہین اور اسلئے ہمارے تجربے مین جو مادّی اشیا آتے ہین اور جو فرداً فرداً روحین ہین وہ ذات مطلق کے حقیقی تغیرات ہین اور نہ کہ محض ظاہری شہودات۔ جیسا کہ شنکر آچارج کا خیال ہے۔ اس تغیر یافتہ شکل مین اُس ذات مطلق کو ایشور کہتے ہین اور روحانی اور مادّی عالم دونون اُس ایشور کے گویا جسم ہین یعنی یہ کہ ایشور دونون مین سائر و دائر ہے اور اسطرح یہ دونون عالم یعنی وہ اشیا اور وہ روحین حقیقی جداگانہ وجود رکھتی ہین جس سے شنکر آچارج کو قطعاً انکار ہے۔ پس شنکر آچارج کے اس مقولہ کے مقابلہ مین کہ ذات مطلق کی نسبت دھوکا ہوتا ہے یعنی ہم جہل سے کچھ کا کچھ سمجھ لیتے ہین۔ رامانج کا یہ کہنا کہ ذات مطلق کے حقیقی تغیرات ہوتے ہین یعنی جو کچھ اُسمین ابتدائے آفرینش مین بالقوہ موجود تھا وہی حقیقی ہوکر عالم محسوسات مین جاتا ہے اور یہ خیال حال کی ادولیوشن تھیوری سے بہت کچھ ملتا جاتا ہے۔

المختصر روح اور جسم کے متعلق طرح طرح کے خیالات ہین جنمین سے خاص خاص خیالات حسب ذیل ہین۔

(۱) وہ جسمین کوئی مستقل بزو یا لیون کہو کہ کوئی ہمیشہ قائم رہنے والی شے نہین مانی گئی ہے۔ یہ عقیدہ بودھون کا ہے جنکی کئی تفریقین ہین۔ ایک وہ جسمین ہر ایک شے کے وجود سے چاہے وہ روح ہو اور چاہے جسم، اس بنا پر انکار کیا گیا ہے کہ کوئی ایسی شے نہین ہوسکتی جسکے اجزا نہ ہون اور جب تم اجزا کو مانوگے تو تمکو لازمی طور پر یہ ماننا ہوگا کہ ان اشیا کی پیدائش اور فنا ہے اور جس چیز کی پیدائش اور فنا ہے وہ ضرور ہے کہ قبل از پیدائش اور بعد از فنا معدوم ہو اور جب کوئی چیز کسی زمانہ ماضی مین معدوم تھی اور کسی زمانہ مستقبل مین بھی معدوم ہوجائیگی تو اسکو زمانہ حال مین بھی معدوم ہی سمجھنا چاہیئے۔

لہذا یہ روح یہ جسم یہ عالم سب فی الاصل فانی ہی نہین یہ عقیدہ شونیہ وادی शून्यवादी بودھون کا ہے۔ دوسرے وہ جسمین یہ مانا گیا ہے کہ ہمکو علم صرف تغیرات کا ہوتا ہے یا بالفاظ دیگر ہمارا کل علم صرف احساس ہی پر محدود ہے جو لمحہ لمحہ پر بدلتے رہتے ہین یعنی یہ کہ جو شے ایک لمحہ مین کچھ تھی وہ دوسرے لمحہ مین وہی نہین رہتی بلکہ کچھ اور ہوجاتی ہے یہ عقیدہ چھنک گیان وادی क्षणिकविज्ञानवादी بودھون کا ہے۔ تیسرے وہ جو اگرچہ اجسام محرک احساس کے وجود کو مانتے ہین مگر انکی نسبت انکا یہ خیال ہے کہ انمین بھی لمحہ لمحہ پر تغیرات ہوتے رہتے ہین۔ یہ عقیدہ سوترانتک सौत्रान्तिक بودھون کا ہے۔

(۲) وہ جسمین یہ مانا گیا ہے کہ جو کچھ ہے وہ من یا روح ہی ہے اور ہمکو علم صرف احساس ہی کا ہے جو روح یا من کے اندر پیدا ہوتے ہین اور یہ سارے اجسام جو ان احساس کے ذریعہ سے محسوس ہوتے ہین من ہی کے اندر ہین۔ من سے علیحدہ انکی کوئی جداگانہ ہستی نہین ہے۔ اسمین اگر کوئی مستقل یا قائم رہنے والا جزو ہے تو وہ من ہی ہے جسمین دائمی احساس کی قابلیت ہے۔ اس عقیدہ کے مطابق مادّہ کی تعریف یہی ہے کہ جسکے ذریعہ سے دائمی احساس کا پیدا ہونا ممکن ہے۔ وہی مادّہ ہے اور جسمین یہ احساس پیدا ہوسکتے ہین وہی روح یا من ہے۔ یہ زمانۂ متوسط کے یورپ کی مشہور آئیڈیل تھیوری ہے بودھون کے عقیدہ اور اس تھیوری مین صرف اتنا فرق ہے کہ بودھ لوگ احساس کے لمحہ لمحہ پر بدلنے کے قائل ہین اور اس عقیدہ مین دائمی احساس کا پیدا ہونا بھی ممکن ہے۔

(۳) وہ جسمین جزو مستقل یا ہمیشہ قائم رہنے والی شے صرف ایک آتما مانی گئی ہے جو ازلی و ابدی اور غیر متغیر ہے اور یہ جو علیحدہ علیحدہ ارواح یا علیحدہ علیحدہ اجسام ہمکو محسوس ہوتے ہین وہ اُسی ایک آتما کے عکس یا ظاہری اشکال ہین جو متغیر ہین اور جنکی کوئی حقیقی ہستی نہین ہے، اور جو ہمکو صرف اسوجہ سے محسوس ہوتے ہین کہ ہمنے اپنے تئین بجاے آتما کے جو ہم فی الواقع ہین روح یا جسم سمجھ لیا ہے جو ہم نہین ہین۔ اس عقیدہ مین دو حالتین مانی گئی ہین۔ ایک عین حقیقت جسمین آتما فاعلیت وغیرہ کے تمام صفات سے مبرّا ہے اور دوسری تغینات جسمین اُسی آتما کا عکس جسکا نام روح ہے۔ یہ نتیجہ اگیان فاعلیت وغیرہ کے صفات سے موصوف ہوجاتا ہے اور پھر وہ کرتا اور بھوگتا دونون ہے اور اسکے لئے اُسکو اجسام اختیار کرنے پڑتے ہین۔ کیونکہ یہ ایک قاعدۂ کلّیہ ہے کہ روح بغیر جسم کے عمل پذیر نہین ہوسکتی اور اسیطرح جسم بھی بغیر روح کے عمل پذیر نہین ہوسکتا۔ یہ عقیدہ ادویت وادیون یعنی فرقۂ وحدت الوجود کا ہے۔

(۴) وہ جسمین علیحدہ علیحدہ روحین بطور جزو مستقل مانی گئی ہین جو ازلی و ابدی ہین اور یہ اجسام جنکو یہ روحین اختیار کرتی ہین بدلتے رہتے ہین۔ یہ عقیدہ دو ویت وادیون یعنی دوئی کے ماننے والون کا ہے۔

(۵) وہ جسمین جو کچھ ہے جسم ہی ہے۔ جسکو بلحاظ سلسلۂ توالد و تناسل ہم ازلی کہہ سکتے ہین مگر ابدی اسلئے نہین کہہ سکتے کہ ممکن ہے کبھی سلسلہ کے منقطع ہونے پر اُسکی انتہا ہوجاے۔ اس عقیدہ مین جسم سے علیحدہ کوئی روح نہین ہے اور جسکو مانڈیا من کہتے ہین وہ ترکیب جسم کا نتیجہ ہے۔ یہ عقیدہ زمانۂ قدیم مین ورجن اور چارواک کا تھا اور حال کے حکماے مادّیین کا بھی یہی عقیدہ ہے۔

(۶) وہ جسمین روح اور جسم دونون بطور جزو مستقل کے

مانے گئے ہین اور یہ دونون ازلی کہے جا سکتے ہین کیونکہ کیسا بلحاظ سلسلۂ توالد و تناسل اور کیا بلحاظ مسئلہ ارتقا یعنی تبدیل انواع یہ نہین کہا جا سکتا کہ اُنکی ابتدا کب ہوئی - مگر یہ ممکن ہے کہ کسی ایک سلسلے کے منقطع ہو جانے پر اُس خاص صورت مین اُسکی انتہا ہو جاے اور اسلئے ہم ان دو نون کو ابدی نہین کہہ سکتے - یہ عقیدہ ازنسٹ ہیکل اور اُسکے ہم خیال لوگون کا ہے -

(۷) وہ جسمین جسیمی بطور ایک جزو منتقل کے مانا گیا ہے اور بدلتی رہتی ہے - حضرت آدم سے ہر جسم کا سلسلہ ملا کر ہم جسم کو محدود معنی مین بطور ایک منتقل جزو کے مان سکتے ہین لیکن چونکہ اُسکی ابتدا حضرت آدم سے ہے اسلئے ہم اُسکو ازلی نہین کہہ سکتے اور علی ہذا القیاس روح کو بھی ہم اسلئے ازلی نہین کہہ سکتے کہ وہ اس عقیدہ کے مطابق محض ایک امر ربی ہے جسکے وقوع کا زمانہ مقرر ہے - مگر ان دونون کو شاید ابدی اسلئے کہا جا سکیگا کہ قیامت مین یہ دو نون پھر ملکر ہمیشہ کے لئے اپنے حسب اعمال بہشت یا دوزخ مین رہینگے - یہ عقیدہ پارسیون - عیسائیون اور مسلمانون مین اہل ظاہر کا ہے -

یہان ہمارا یہ مقصود نہین ہے کہ ہر خیال کی نسبت جو اعتراضات وارد ہوتے ہین اُنکا ذکر اس مضمون مین کیا جاے - اس معمۂ ہستی کے متعلق زمانۂ قدیم سے جو خیالات چلے آرہے ہین اُنکا خلاصہ اوپر درج کر دیا گیا ہے اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ جسکو جس خیال سے اتفاق ہے اُسی کو وہ پسند کرتا ہے -

اب سوال یہ ہے کہ اس معمۂ ہستی کا آخر حل کیا ہے؟ جہانتک شرتی نے اور اُسکے دو بڑے مفسرون نے اسکو حل کیا ہے وہ یہی ہے کہ ایک ہی ذات سچ ہے جو ازلی و ابدی ہے یعنی جسکو کبھی فنا نہین اور یہ جو منفردہ روحین یا اجسام ہمکو محسوس ہوتے ہین وہ یا تو اُسی ایک ذات مطلق کے عکس یا ظاہری اشکال ہین جو نتیجہ اسکے پیدا ہوتے ہین کہ ہمنے اپنی حقیقت کو بھول کر اپنے تئین کچھ اور سمجھ لیا ہے - یا یہ کہ وہ اُسی ایک ذات کے حقیقی تغیر یافتہ اشکال نہین - مگر ہم تو مایا کے محکوم ہو کر حسکو قدرت خدا کہنا چاہئے - انھین روحون اور اجسام کو سچا مان رہے ہین - بلکہ صرف اجسام ہی کو سچا مان رہے ہین اور اسلئے کوئی تعجب نہین کہ انکی جدائی کے وقت ایک گہرا اثر ہمارے دلون پر پڑتا ہے اور موت جس سے ہماری ذات فی الحقیقت بالکل مبرا ہے - ہمکو اسقدر خوفناک معلوم ہوتی ہے - ایسے اشخاص کتنے ہین جو ایسے وقت مین باوجود اس گیان کے امتحان مین پورے اُترتے ہین - ایسے وقت مین ہمکو دو ہی باتون سے مدد مل سکتی ہے - یا تو ہم آتم گیان کے ذریعے سے جسکی فراوانی ہونی چاہئے نہ کہ محض زبانی ہو اپنی حقیقت کو پہچان کر بیخوف ہو جائین - یا یہ کہ ہم ایشور کی شرن لین اور اُسکے پریم مین ڈوبین جس سے موت کا خوف بہت کچھ دور ہو سکتا ہے بقول گرونانک -

بد

سادھو رچنا رام بنائی
ایک بنستے ایک بنھر بِنسٹے (بگڑتے) अथिर آتھر (آتھر) کوئی ماوے کوئی جاتا ہے
کام کرودھ موہ بس پرانی ہری مورت بسرائی
جھوٹا تن سانچو کرمانیو جیون سپنا رینائی
بروے بیج سوکل دنا تھے جیون بادر کی چھائین
جن نانک جگ جانو مِتھیا (مِتھیا) मिथ्या رہو رام شرنائی

اگر آخری وقت مین ایسی کچھ آرزو ئین جو حضرت شعلہ کے ذیل کے اشعار مین ظاہر کی گئی ہین سینے مین موجزن رہین تو پھر کیا کہنا ہے - بیڑا پار ہے -

اشعار

افسوس ہری، ناتھ! سنو میری بھی حالت
پابی ہوں مجھے عرض سے آتی ہے نجالت
قیدی کی طرح عمر کٹی موہ کے بس میں
پابند کیا لوبھ نے بے دانہ قفس میں
ہر ایک گھڑی گزری ہے دُنیا کی ہوس میں
اک دن بھی نہیں کام کا ہر راہ و برس میں
اک وقت کا توشہ نہیں اور سر پہ سفر ہے
پاپوں کا بہت بوجھ ہے بشکستہ کمر ہے
ہوں آپ کے چرنوں میں لگا جان لو اتنا
کچھ اور نہیں چاہتا پر مان لو اتنا
جس دن میری امید سے گھر والوں کو ہو یاس
سب دُور ہوں سرکار ہی سرکار ہوں اک پاس
پھیلی ہوئی شہر نگار کے پھولوں کی ہو باس
مُرلی کی صدا کان میں آتی ہو چپ و راس
ہو جاؤں فنا پاؤں جو اتنا میں سہارا
جب بند ہوں آنکھیں تو مُکٹ کا ہو نظارا
دم لب پہ ہو سینہ میں تصور ہو تمہارا
مر کر بھی جُدائی نہ ہو چرنوں کی گوارا

خاتمہ پر اسقدر اور کہا جاتا ہے کہ کیش کے سوال کے جواب میں راجا جُدھشٹر نے یہ فرمایا تھا کہ "دُنیا میں سب سے بڑی تعجب کی یہی بات ہے کہ ہم روز آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ لوگ مرتے جاتے ہیں مگر پھر بھی ہم اپنے تئیں لافانی سمجھتے ہیں یعنی یہ کہ ہم کبھی نہیں مرینگے۔ موت کا خوف اگر ہر دم دامنگیر رہے تو پھر زندگی محال ہو جاوے۔ یہ بھی ایک قدرت خدا ہے کہ ایسا خیال ہمکو نہیں رہتا ہے اور اسلئے اس قدرت کا ہمکو شکور ہونا چاہیئے۔ ورنہ جسم سے تو ہماری موت یقینی ہے اور اُسکا خوف بھی یقینی" فقط

پربھولال

شاہ عالم ثانی کا دربار۔ اخیر مغل بادشاہوں میں شاہ عالم ثانی گو محض برائے نام بادشاہ تھے تاہم مغلوں کے زمانہ کے بادشاہوں کی بہ نسبت زیادہ ہے۔ انکا اصلی نام علی گوہر تھا اور عالمگیر ثانی کے بڑے بیٹے تھے۔ ابتدا میں۔ نواب شجاع الدولہ والی اودھ کی مدد سے انگریزوں پر چڑھائی کی اور شکست کھانے کے بعد الہ آباد میں قیام کیا یہاں ایسٹ انڈیا کمپنی کیطرف سے انکا وظیفہ مقرر کر دیا گیا۔ ۱۷۸۴ء میں مرہٹوں کی اعانت سے تخت دہلی پر متمکن ہوئے۔ اگرچہ اُسوقت سلطنت کے حدود چند میلوں سے زیادہ وسیع نہ تھے لیکن شاہ کو فخر مغلیہ کی ذرا آن تھی۔ چند عرصے بعد غلام قادر نے ایک روہیلہ سردار نے دہلی پر چڑھائی کی اور بادشاہ کو گرفتار کر کے آنکھیں نکال لیں اسپر مرہٹہ سردار سندھیا نے غلام قادر پر فوج کشی کی اور اُسے شکست دیکر بادشاہ کو پھر اولوالی اُسوقت سے ۱۸۰۳ء تک تخت دہلی پر مرہٹہ سرپرستی قائم رہی اور بادشاہ اُنکے وظیفہ خوار رہے ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک نے دہلی پر قبضہ کر لیا اور اُسوقت سے ۱۸۵۷ء تک بادشاہ انگریزی حفاظت میں رہے اور پنشن پاتے رہے۔ باایں ہمہ ان بادشاہوں کی جو عزت کی جاتی ہے وہ اس سے ظاہر ہے کہ ولایت سے جو گورنر جنرل بھیجا جاتا تھا وہ شہنشاہ دہلی کے دربار میں حاضر ہوتا تھا اور اُسوقت کے ڈھنڈورے میں یہ الفاظ پکارے جاتے تھے "خلق خدا کا۔ ملک بادشاہ کا حکم سرکار کمپنی بہادر کا" شاہی دربار کی تصویر میں لارڈ لیک بائیں جانب کھڑے ہوئے ہیں اور بادشاہ تخت پر جلوہ افروز ہیں۔ تمام وزرا و اُمرا اور ارکین سلطنت حاضر ہیں اور اگرچہ اب اُنکے لئے کوئی کام نہیں باقی ہے لیکن اپنے عہدوں کی خانہ پُری کر رہے ہیں۔ مرزا سودا نے اپنے شہر آشوب میں اس عہد کی مکمل تصویر کھینچدی ہے۔

شاہ عالم ثانی کا دربار

انڈین پریس الہ آباد

لکھنؤ کے قدیم نظارے

شاہان مغلیہ کیطرح فرمانروایان اودھ بھی ظاہری شان وشوکت اور نمایشی تزک واحتشام کے دلدادہ تھے۔ ان بحکمرانوں کو یہ مذاق اپنے مالکون سے بطور ورثہ ملا تھا جو تخت دہلی پر جلوہ افروز تھے اور جنکی درباری شان وشوکت اور شاہانہ جاہ وجلال بجاے خود ایک حیرت انگیز افسانہ ہے۔ شاہی عظمت وجبروت کا اظہار اسکے سوا غیر ممکن خیال کیا جاتا تھا کہ غیر معمولی دھوم دھام اور زبردست کروفر سے رعایا کو مرعوب کیا جاے اور عوام کے دلون پر وہ اثر والاجاے جو آنکھوں مین چکا چوند پیدا کردے۔ اس بارے مین مشرقی مذاق کا معیار یہ تھا کہ "زبردست شان وشوکت زبردست اثر رکھتی ہے" یعنی جسقدر زیادہ شان وشوکت کا اظہار کیا جائیگا اُسیقدر عام قلوب پر یہ وہ متاثر ومرعوب ہونگے اور اُسی مناسبت سے شاہانہ عظمت و جبروت اور جاہ وجلال زیادہ مسلم ہوگا۔ بہرکیف اس معیار ذہنی کی بدولت نے جو نتیجہ پیدا کیا وہ اظہر من الشمس ہے۔ شاہی کے دولون قدیم مرکز دہلی اور لکھنؤ جہان شاہانہ تزک واحتشام کے اظہار کی انتہا ہوچکی ہے اب وہی حیثیت رکھتے ہین جو ہندوستان کے معمولی سے معمولی شہر اور جن سرزمینون پر صدیون تک زر وجواہر کی بارش ہوتی رہی ہے اب وہان خاک اُڑا کرتی ہے۔ ان شہرون کے بعض پرانے لوگ جو ابتک زندہ ہین ان شاندار نظارون کو حسرت وافسوس کے ساتھ یاد کرتے ہین اور اُنکے خیال مین عہد شاہی سے زیادہ مبارک زمانہ کبھی نہین آسکتا۔ اُنکا خیال اُنکے لئے مخصوص ہے۔

اظہار شان وشوکت کے سب سے بڑے موقع اُسوقت ہوتے تھے جب لکھنؤ مین گورنر جنرل یا کمانڈر انچیف یا انگریزی رزیڈنٹ کا سرکاری داخلہ ہوتا تھا۔ ان موقعون پر مہمان ومیزبان دونون ہی اپنی اپنی شان وشوکت اور جاہ وجلال کا اظہار کرتے تھے۔ چنانچہ مارکوئس آف ہیسٹنگز نے اپنے داخلہ لکھنؤ کی کیفیت حسب ذیل تحریر کی ہے:-

۵ر اکتوبر ۱۸۱۸ء | ہلوگ علی الصباح شہر کیطرف روانہ ہوے تو نب وزیر غازی الدین حیدر شہر سے دو میل کے فاصلہ پر بر سم استقبال ملے اور مجھکو دیکھتے ہی اپنے ہاتھی سے اُتر پڑے۔ مین بھی اپنے ہاتھی سے اُترا اور اُن سے بغلگیر ہونے کے بعد دونون ایک اور ہاتھی پر سوار ہوے جسکا مرصع ہودج اور مفرق جھول نہایت شاندار تھی اور ہودے مین دونون کے بیٹھنے کے لئے جداجدا نشستگاہین بنی ہوئی تھین اسکے بعد ہم مع حشم وخدم شہر کیطرف روانہ ہوے۔ دولتمند اہل شہر زرق برق پوشاکین پہنے اپنے مکانات کی چھتون پر جمع تھے ..... مین نے ایکہزار روپے لٹائے۔ ارباب نشاط اپنے آراستہ کمرون پر پرتکلف پشوازین پہنے نہایت میٹھے سرون مین مبارکباد گارہے تھے۔ اور ہاتھی پر سوار ہونے کی وجہ سے ہم انھین بالکل قریب سے دیکھ سکتے تھے۔ اہل شہر ہمین دیکھنے کے لئے اِدھر اُدھر دوڑتے پھرتے تھے اور زندہ چڑیون کو جو پنجرکیون مین بند تھین نحال نکال کر ہوا مین اُڑا رہے تھے۔ جسکا یہ مطلب تھا کہ خوشی اور مسرت کے موقعون پر اسیران قفس کو آزاد کرنا نہایت مبارک وسعود کارروائی ہے"

۱۱ر دسمبر ۱۸۲۶ء کو لارڈ کمبرمیر عیشیت کمانڈر انچیف لکھنؤ مین

وارد ہوئے۔ یہ داخلہ بھی نہایت زبردست اور عالیشان تھا اور اس موقع پر بھی نہایت شاندار جلوس آراستہ کئے گئے تھے۔ دونوں جانب زبردست تیاریاں ہوئی تھیں۔ دونوں جلوس ایک دوسرے کیطرف بڑھے اور آپسمیں ملکر ایک غول ہوگئے۔ کوسوں تک آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے مگر دھوئیں کے سبب سے آسمان دُھندلا ہوگیا تھا۔ ہاتھی گھوڑے اور اونٹوں کی قطار میلوں تک چلی گئی تھی۔ نوجوان شہزادہ (کیوان جاہ) جو کمانڈر انچیف کے استقبال کے لئے بھیجا گیا تھا اپنے ہاتھی سے اُتر کر کمانڈر انچیف کے ہاتھی پر سوار ہوا۔ تمام جلوس ایک قطار میں آگے بڑھا۔ تقریباً چالیس ہاتھی تھے جنکے مرصع ہودج اور کارچوبی جھولیں زر و جواہر سے مغرق تھیں۔ جلوس کے ہمراہ عصا بردار، بیق بردار، جھنڈی بردار اور باجے والے خوشنما وردیاں پہنے ہوئے تھے۔ اور آگے آگے نقیبوں کا ایک زبردست ہجوم تھا جو نوعمر شہزادہ کا نام و خطاب باواز بلند پکارتے جاتے تھے۔ انکے بعد کوتل گھوڑے تھے جو مرصع سازوبراق سے آراستہ تھے۔ ہاتھیوں کے آگے پیچھے اور دونوں پہلوؤں میں رسالے کے سوار زرق برق وردیاں پہنے اپنی شہسواری کے کرتب اور نیزہ بازی کے جوہر دکھاتے چلے جارہے تھے۔

مندرجۂ بالا تاریخ (۱۱ر دسمبر) کمانڈر انچیف کے داخلۂ لکھنؤ کے لئے اہل تنجیم نے مستحسن قرار دی تھی۔ شہزادہ کیوان جاہ بہادر بمعیت نواب معتمد الدولہ اور دیگر اعیان سلطنت برسم استقبال رحمت گنج تک گئے جہاں دونوں جلوس باہم ملکر شہر کیطرف روانہ ہوئے۔ شہر سے دو میل کے فاصلے پر خود شاہ زمان نصیر الدین حیدر بہادر ایک زبردست جلوس کے ساتھ آکر شریف فرما تھے۔ شاہ اور کمانڈر انچیف نہایت گرمجوشی سے بغلگیر ہوئے اور دونوں ایک ہی ہاتھی پر سوار ہوکے شہر کیطرف روانہ ہوئے۔ اب شاہی سواری کا جلوس بھی پہلے جلوس میں شامل ہوگیا اور ایک نہایت پُرعظمت اور شاندار نظارہ پیدا ہوگیا۔ شہر میں داخل ہونے پر تماشائیوں کا ہجوم قابل دید تھا۔ عالیشان مکانوں کے دروازوں اور کھڑکیوں میں بھی تمین شالی اور کارچوبی پردے پڑے ہوئے تھے تماشائیوں کے اسیطرح ٹھٹ لگے ہوئے تھے جسطرح گلیوں اور سڑکوں پر جہاں تل رکھنے کو جگہ نہ تھی۔ بہت سے لوگوں نے اپنے بادشاہ کو نہایت مؤدب طریقے سے سلام کیا۔ سواری کے پیچھے پیچھے شہدوں کا ایک جمِ غفیر تھا جو نہایت زبردست شور و غل کر رہے تھے اور جنکے غول میں بادشاہ کیطرف سے مٹھیاں بھر بھر کے روپے پھینکے جاتے تھے۔ اس ہجوم میں ہاتھیوں کی ہوشیاری نہایت حیرت انگیز تھی جو اسقدر سنبھل سنبھل کر پاؤں رکھتے تھے کہ کوئی شہدا کچلنے نہیں پاتا تھا حالانکہ روپے لوٹتے وقت یہ حریص و طامع فرقہ اپنے کو ہاتھیوں کے پاؤں کے پاس اسطرح بیدھڑک ڈال دیتا تھا کہ اُنکے پاؤں کی ایک خفیف سی جھڑپ بھی ان لوگوں کی ہڈیاں پسلیاں چور کر دینے کو کافی تھی۔ بعض مکانوں کی چھتوں اور کمروں پر بھی روپے پھینکے گئے۔ اور گلیوں میں یہ نظارہ نہایت تبسم خیز تھا کہ لوٹنے والوں میں چھین جھپٹ کے درمیان اگر کوئی شخص اپنے منہ میں روپے رکھ لیتا تھا تو چھیننے والے اُسکے منہ پر گھونسے مار کر روپے اُگلوا لیتے تھے۔ بعض تنگ گلیوں میں بھیڑ کا ریلا نہایت خوفناک تھا۔ ہاتھی چنگھاڑتے تھے اور مکانوں کی کرگاسے اُنکی جھولیں نوچ جاتی تھیں۔ بعض مکان کے آگے نکلے ہوئے برآمدے

یا چھپر ان قوی ہیکل جانوروں کے ریلے میں مسمار ہو جاتے تھے۔

ایوانِ موتی محل اور قصر فرح بخش شاہی مہمانوں کی ملاقات کے لئے مخصوص تھے جنہیں عالیشان دربار منعقد ہوتے تھے۔ لارڈ ہیٹنگز تحریر فرماتے ہیں:۔

"نواب وزیر غازی الدین حیدر نے مجھے اور لیڈی لاڈن سے ایک زرتار مسند پر جو صحن میں بچھی ہوئی تھی بیٹھنے کے لئے اصرار کیا۔ ہمارے دونوں جانب شہنشاہ دہلی کے دو بھائی جو بالفعل لکھنؤ میں قیام رکھتے تھے بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ نواب وزیر کے محل میں کبھی قدم رنجہ نہیں فرماتے تھے لیکن اس خاص موقع پر عزت افزائی کی نظر سے تشریف لائے تھے۔ نواب وزیر ایک مؤدب طریقے سے مسند کا کونا دبائے ہوئے بیٹھے تھے۔ اتنے میں مرزا سلطان محمد ایک ایرانی شہزادے بھی تشریف لائے اور مسند کے ایک سرے پر بیٹھ گئے۔ لیکن جلد ہی ایک متکبرانہ انداز سے اٹھ کھڑے ہوئے اور چلدیئے۔ اسکے بعد شاہی امرا اور ارکان دولت پیش ہوئے اور دربار برخاست ہو گیا۔"

شاہی دعوتوں کے ساتھ روشنی (چراغاں) آتشبازی اور رقص و سرود کے جلسے لازم و ملزوم تھے، جو اپنی نوعیت اور اعلیٰ شان و شوکت کے لحاظ سے تمام شمالی ہندوستان میں بینظیر تھے۔ نواب سعادت علی خاں، غازی الدین حیدر، اور نصیر الدین حیدر، انگریزی مہمانوں کے ساتھ اکل و شرب میں بھی شریک ہوتے تھے۔ لیکن محمد علی شاہ، امجد علی شاہ، اور واجد علی شاہ، آخری تاجداران اودھ نے شراب اور غیر مذہب کے لوگوں کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کبھی نہیں استعمال کیا۔ وہ انگریزوں کے ساتھ ایک فرش پر بیٹھ کر کھاتے تھے، لیکن وہی خدائین جو مطبخ شاہی میں تیار ہوتی تھیں اور مسلمان ملازمین اپنے ہاتھ سے دستر خوان پر چنتے تھے۔ ایک دعوت کا ذکر حسب ذیل ہے:۔

"آخر کار بادشاہ سلامت (واجد علی شاہ) تشریف لائے اور تمام حضار محفل میں ایک زبردست چہلپش ہوئی۔ ہماری جگہ بادشاہ کے عین مقابل تھی جس سے ہمیں ان جواہرات کے اندازہ کرنے کا بخوبی موقع ملا جنہیں شاہی جسم سر سے پاؤں تک ڈوبا ہوا تھا۔ ہم نے اس آب و تاب کے جواہرات اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ موتیوں کی ایک بدھی ایک شانے سے دوسرے شانے تک پڑی ہوئی تھی جسمیں زمرد کی لڑیں اور الماس و یاقوت کی تکمیاں آویزاں تھیں۔ پائجامہ اور شلوکہ ہیروں اور دوسرے قیمتی جواہرات سے لپا ہوا تھا۔ اور یہ امر نہایت تعجب انگیز تھا کہ باوجود سر سے پاؤں تک جواہرات میں لدے ہونے کے کمرے کی گرمی نے آپر کوئی اثر نہیں کیا۔ بادشاہ کے ایک پہلو میں حقہ بردار مرصع پیچوان لئے ہوئے کھڑا تھا اور دوسرے پہلو میں دوسرا خدمتگار شاہی پیچ لئے ہوئے نہایت ہوشیاری سے مستعد تھا کہ بادشاہ کو دسترخوان پر جو چیز مرغوب ہو فوراً پیچ سے اکھاڑ کر وہ کیطرح انکے منہ میں دیدے۔ دونوں خدمتگار اپنے فرایض نہایت ہوشیاری سے انجام دے رہے تھے۔ جب بادشاہ کا منہ نوالے سے خالی ہوتا تھا تو خاصہ بردار فوراً پیچوان کی نہال بادشاہ کے ہونٹ سے لگا دیتا تھا اور وہ خوشبودار تمباکو کا ایک کش کھینچ کے پھر کھانے میں مصروف ہو جاتے تھے۔ جب کبھی یہ خدمتگار اپنی ڈیوٹی میں چوک جاتے تو بادشاہ انکی طرف اس قہر آلود تیور دن سے دیکھتے کہ انکی روح سلب ہو جاتی تھی۔

اس موقع پر ایک زنانہ دعوت کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

"محل سرا کے سب سے بڑے کمرے مین بیگمات اور خاندان شاہی کی دعوت کی تیاریان کی گئی تھین۔ رات کا وقت تھا اور کمرے مین نئے نئے خوشنما قالین بچھائے گئے تھے۔ جن پر اس سرے سے اُس سرے تک دو لمبے دسترخوان دو رویہ بچھے ہوئے تھے اور جنکے دونون جانب پلیٹین چُنی ہوئی تھین۔ کمرے کے صدر مین ایک دیوار سے دوسری دیوار تک ایک اور دسترخوان تھا جو ایک زرتار قالین کے سامنے بچھا ہوا تھا۔ بین سُنہری جھالر لگی ہوئی تھی۔ اسکے قریب نہایت عالیشان کارچوبی مسندیں بچھائی گئی تھین اور چاندی سونے کے ظروف چارون طرف پھیلے ہوئے تھے۔ سب سے چھوٹے دسترخوان پر جو کمرے کے صدر مقام پر آراستہ تھا اور جو سب سے زیادہ معزز جگہ تھی بادشاہ کی والدہ جناب عالیہ متمکن تھین۔ انکے برابر خود بادشاہ (واجد علی شاہ) نواب خاص محل، مرزا ولیعہد بہادر، جنرل صاحب (برادر خُرد واجد علی شاہ) اور اُنکے بڑے بیٹے رونق افروز تھے۔ نوبت بج رہی تھی۔ شہنائی اور نرسنگے کے شور مین کان پڑی آواز نہین سُنائی دیتی تھی۔ فوجی باجہ علیحدہ بج رہا تھا اور توپین دامی جا رہی تھین۔ اسکے بعد شاہی مہمات کی سیر آنا شروع ہوئی۔ ان مین کوئی کشیدہ قامت تھی کوئی پستہ قد۔ کوئی سانولی کوئی گوری۔ کوئی چوان کوئی ادھیڑ۔ کوئی حسین کوئی بدصورت لیکن سب کی سب زربفت اور کمخواب کے جوڑے پہنے ہوئے تھین اور مرصع زیورات سے جواہر کے دریا مین غرق تھین۔ کمرے کی چھت مین جھاڑ اور قندیلین روشن تھین۔ دیوارون پر کنول اور قدآدم آئینے لگے ہوئے تھے تمام کمرہ روشنی سے جگمگا رہا تھا اور چاندی سونے کے برتنون جواہرات اور زرتار پوشاکون کے عکس سے آئینون کے اندر ایک دوسری محفل معلوم ہوتی تھی جس نے ایک عظیم الشان نظارہ پیدا کر دیا تھا۔ گویا راجہ اندر کا اکھاڑا یا پرستان ہے۔ نرم اور سُریلی آوازون کے قہقہے گونج رہے تھے۔ کمسن بیگمات کی خوش الحانی کے ساتھ سن رسیدہ بیگمات کی کرخت آوازین ملکر بغیر کسی ساز کے موسیقی کا لطف پیدا کر رہی تھین۔ فرش پر کے فانوسین اور لالے روشن تھے اور ان سب کے عکس مع حصار روعوت کے خوبصورت و بدصورت چہرون کے عکس کے آئینون مین جو لطف پیدا کر رہے تھے وہ زبان قلم سے ادا نہین ہو سکتا۔ ہر طرف خوشی و مسرت چھائی ہوئی تھی۔ شرمیلی آوازین بیباک قہقہون مین اسطرح غائب ہو جاتی تھین گویا وہ مُنہ سے نکلتی ہی نہین اور کمرے کی لمبی صفون مین ہر جگہ ایک دنیا سمان بندھا ہوا تھا۔

(ماخوذ از بکٹ ریل لکھنؤ) ایڈیٹر

ماہ ملک ۔ مولانا محمد عبدالحلیم صاحب شرر کی تازہ تصنیفات مین یہ دوسرا ناول ہے جو پچھلے مہینے مین پریس سے نکلا ہے۔ اسکا سین غور مین واقع ہے اور اس ملک کے پایۂ تخت سفید کوہ کے نہایت دلچسپ حالات درج ہین جو عام تاریخون مین نہین مل سکتے جسکے لئے حضرت مصنف کے تاریخی تجسس کی داد دینا چاہئے۔ ناول کا ہیرو بارھوین صدی عیسوی کا مشہور فاتح شہاب الدین غوری ہے جو اپنے بھائی سلطان غیاث الدین کی طرف سے کشور کشائی کی خدمت پر مامور تھا۔ شہاب الدین کی فتوحات مین سب سے زیادہ مشہور اور نمایان فتح ہند و ستان ہے جسکا ذکر اگرچہ بہت احتیاط سے کیا گیا ہے تاہم تاریخی نقرن سے خالی نہین۔ ضخامت ۲۱۲ صفحات۔ قیمت ۱۰ روپیہ۔ منیجر ولکدار پریس لکھنؤ سے خط و کتابت کیجائے۔

پارسی حسن

انڈین پریس الہ آباد

اُردو زبان اور ناول

ابھی بہت زمانہ نہین گذرا کہ اُردو زبان مین ناول نویسی اور ناول خوانی کی دھوم تھی۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار، مولوی عبد الحلیم شرر، منشی عاشق حسین اور حکیم محمد علی یہ اسما ر گرامی اُنھین دنون کی یادگار ہین۔ حالانکہ ان صاحبون مین سے بجز مولوی محمد علی کے اور کسی کو مالی فروغ نہین حاصل ہوا۔ اور ہندوستان کے سوا دنیا کے کسی دوسرے ملک مین اُنکی آمدنی بڑے بڑے راجاؤن کی آمدنی سے ٹکر کھاتی۔ تاہم اُنکی کتابون کے پڑھنے والے اور اونکی قدر کرنے والے کم نہ تھے۔ یہ لوگ اس صنفِ ادب مین پیشرو کا کام کر گئے اُردو دنیا کے لئے ناول ایک اچھوتی چیز تھی۔ زبان مین ایک ایسی چیز کا رواج ہو رہا تھا جو معمولی افسانون سے زیادہ دلاویز۔ اور معمولی مثنویون سے زیادہ پُرلطف تھی۔ اسلئے پبلک نے حسب حیثیت ناولون کو ہاتھون ہاتھ لیا۔ اور بڑے چھوٹے ناولون کی خوب گرم بازاری رہی۔ متذکرۂ بالا مصنفین کے سوا اور کتنے ہی درجہ دوم و سوم کے ناول نویس بھی میدان مین آئے اور اپنی یادگارین چھوڑ گئے۔ یہانتک کہ رینالڈس کا کوئی ناول ترجمہ ہونے سے نہ بچا۔ یہ ترجمے بڑے شوق سے پڑھے جاتے تھے۔ اور ہاتھون ہاتھ بکتے تھے۔ شاید عام اُردو خوان حضرات کو انگریزی مصنفین مین بجز رینالڈس کے اور کسی دوسرے مصنف سے مطلق دلچسپی نہو گی۔ دربار لندن کے اسرار۔ روز الیبٹ۔ طلسمی فانوس۔ حرم سرا۔ ایلن پرسی۔ یہ کتابین بڑے شوق سے پڑھی جاتی تھین۔ اور عبرت کو تو لوگ فسانہ نگاری کی معراج سمجھتے تھے۔ راقم کو بھی اندنون ناول لکھنے کی دُھن سوار تھی۔ شاعری کی طرح ناول نویسی بھی بیکاری کا مشغلہ ہو رہا تھا۔ ناول کے چند صفحے لیکر ایک مولوی صاحب کی خدمت مین حاضر ہوا جو اپنے تئین شاعر کہا کرتے تھے۔ اور نثر مین بھی دعویٰ کمال رکھتے تھے۔ نو مشق مصنفون کو داد کلام لینے کا خبط ہوتا ہے۔ راقم کو بھی یہی ہوس اُنکی خدمت مین لیگئی۔ مگر پہلا سوال جو اُنھون نے مجھ سے کیا وہ یہ تھا کہ آپ نے عبرت کا مطالعہ کیا ہے۔ راقم نے معذرتاً کہا کہ وہ کتاب ابھی نظر سے نہین گذری۔ مولوی صاحب نے فوراً مُنہ پھیر لیا۔ اور بولے پہلے اُسے خوب غور سے پڑھ جایئے اور تب ناول لکھنے کے لئے قلم اُٹھایئے۔ گویا عبرت، ناول نہین۔ بلکہ ناول گر تھا۔ اس تیز روی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر کس و ناکس نے ناول لکھنا شروع کیا۔ اسکول اور کالج کے طلبا۔ اور معمولی لیاقت کے لوگ جنھین سو پچاس اشعار یاد ہو گئے۔ قلم لیکر بیٹھ گئے اور سمان باندھنا شروع کر دیا۔ کئی کئی صفحے تک بے سر پیر کی بکواس کے بعد بازاری حسن و عشق کا قصہ چھیڑ دیا۔ موقع موقع سے اشعار چسپان کر دیئے۔ عاشق کی بیقراری۔ اور معشوق کی بے نیازی دکھائی۔ کچھ دنون تک جدائی کی تکلیفین رہین۔ میان عاشق پر جنون سوار ہو گیا۔ تب دوستون کی ہمدردیون نے پوشیدہ ملاقاتین کرائین۔ اور عاشق و معشوق کا وصال ہو گیا۔ قصہ تمام ہوا۔ فخر اور سرشار کے سوا قریب قریب

سیمون نے یہی طرز اختیار کیا۔ اسی خاکے پر ہر ایک مصنف اپنی لیاقت اور مذاق کے موافق رنگ بھر لیا کرتا تھا۔ آخر ناولون کی ایسی افراط ہوگئی کہ پڑھنے والے تنگ آگئے۔ حسن و سلوی بھی اگر افراط سے ملے تو اس سے طبیعت سیر ہو جاتی ہے۔ یہ خاصہ انسانی ہے۔ سنجیدہ مذاق کے لوگون مین رفتہ رفتہ ناول خوانی کا شوق کم ہونے لگا۔ دیکھتے دیکھتے ناولون کا بازار سرد ہوگیا۔ حضرت شرر نے قصے لکھنا ترک کر دیا۔ اور خجستہ و مجنون کے حالات کی تفتیش کرنے لگے۔ محمد علی صاحب نے فسانہ نگاری کو خیرباد کہدیا۔ اور آج کوئی مصنف ایسا نہین ہے جسے ہم خصوصیت سے ناولسٹ کہہ سکین۔

اس امر کی تنقیح کہ اُردو ناولون کی بیقدری کے کون کون اسباب محرک ہوئے آسان نہین۔ ملک کا افلاس اور ناولون کی کثرت ایسے عام وجوہ ہین جو ہندوستان کی ہر ایک زبان پر یکسان جاری ہین۔ بنگالی اور گجراتی پبلک اُردو خوان پبلک سے زیادہ مالدار نہین اور نہ ان مطلون مین ناول نویسون کی تعداد اُردو ناول نویسون سے کم کہی جاسکتی ہے۔ جس زبان کے نام لیوا کروڑون کی تعداد مین ہون اُسپر آدھے درجن ناولسٹون کا بار ناقابل برداشت نہین ہوسکتا۔ مگر گجرات اور بنگال مین ناولون کی قدر روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اور اُردو کی کیفیت اسکے بالکل عکس ہے۔ آج شرر کے ناول بہت کم پڑھے جاتے ہین۔ اور محبت کی طرف بہت کم کسی کی نگاہ عبرت پڑتی ہے۔ فسانۂ آزاد کی بھی آج اُتنی قدر نہین ہے جتنی آج سے کئی سال پہلے تھی۔ رینالڈس کے ترجمے بھی کم و بیش ناقدری کی زد مین آگئے۔ اسلئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس سرد بازاری کے خارجی اسباب سے قطع نظر کے معنوی اسباب ڈھونڈھنے کی کوشش کی جاے۔

اُردو ناول کے حُسن و قبح پر اسکے قبل بعض ادبی اخبارات مین بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ افسانہ خوان طبقے کی تقسیم دو بڑے حصّون مین منقسم کی جاسکتی ہے۔ ایک عامیانہ مذاق والے۔ اور دوسرے سنجیدہ مذاق والے۔ اُردو ناول ان دونون کو مایوس کر دیتا ہے۔ نہ اُلجھی ہوئی سین بندیون۔ اور پیچیدہ ترکیبون کا لطف عامیانہ مذاق کو آتا ہے۔ اور نہ سطحی خیالات و جذبات۔ اور بسا اوقات اخلاق سے گرے ہوئے کیرکٹر سنجیدہ مذاق کو پسند آتے ہین۔ عامیانہ مذاق چاہے موزون اشعار پر لوٹ بھی جاے مگر مذاق متین کی ضیافت کا سامان بہت کم کسی ناول مین نظر آتا ہے۔ اُردو کا چارلس ڈکنس موجود ہے۔ مگر اُردو کا تھیکری۔ چارلس ریڈ۔ میری کارلی۔ جارج ایلیٹ ابھی وجود مین نہین آئے۔ اس بیقدری کی ایک اور وجہ ہے۔ اُردو ناول نویس اب تک بجز سرشار کے تقریباً سب مسلمان تھے۔ اور انھون نے اپنی کتابون مین اُس ہندو جذبہ کی مطلق پروا نہین کی جو مسلمان ہیرو اور ہندو ہیروئن کے تعشق سے پیدا ہوتا ہے۔ کچھ دن ہوئے ہندوستان ریویو مین ایک مسلمان نے اپنے مضمون مین لکھا تھا کہ اکثر بنگالی ناولون مین ہندو ہیرو اور مسلمان ہیروئن کا جوڑ ملایا گیا ہے جسے پڑھکر مسلمانون کے خون مین جوش آجاتا ہے۔ اُردو کے کئی مشہور ناولون مین اس لغویت کی بالکل پروا نہین گئی۔ علاوہ برین اب ناول مین یہ ثابت کرنے کی ضرورت باقی نہین رہی کہ عالم شباب مین شادی نہ کرنے سے

* حزت شرر نے پھر ناول نویسی شروع کر دی ہے اور اُنکے دو نو تصنیف ناول حال ہی مین شائع ہوئے ہین (ایڈیٹر)

کیا کیا اخلاقی نتائج پیدا ہوتے ہین۔ یا پردہ کرنے سے کیا کیا نقصانات ظہور مین آتے ہین۔ یا صغرسنی کی شادی کہانتک مضر ہے۔ یہ مسائل اب بحث مباحثہ کی منزلین طے کرچکے۔ اور امر مسلمہ کے درجہ تک پہونچ گئے۔ صفت تو یہ ہے کہ ہمارے فسانہ نگارون کو ایسے مسائل پر ناول لکھنے کی جرأت کیونکر ہوئی۔ اگر ایک ناول نویس یہ دکھا سکتا ہے کہ پردہ کرنے سے نقصانات پیدا ہوتے ہین۔ تو دوسرا اُسی منطق سے اسکی ضد پایۂ ثبوت کو پہونچا سکتا ہے۔ اب وہ زمانہ گیا جب اِن مباحث کو لوگ ناولون مین ڈھونڈھا کرتے تھے۔ ایسے اخلاقی مسائل کا تصفیہ افسانہ گو کی تخلیقون سے نہین ہوا کرتا۔

لیکن ناولون کی اس کشادہ بازاری کا خیر مقدم کرنے کے لئے ہم تیار ہو جاتے اگر اُسکا اثر ہماری ناول نویسی کا معیار اونچا کر دیتا۔ اگر فسانہ نگار طبائع انسانی کے سچے نمونے پیش کرنے لگتے۔ بدقسمتی سے اسکا اثر ناولون کو ملک عدم کیطرف لیجا رہا ہے۔ ۱۹۰۹ء کے اُردو مطبوعات کی فہرست دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صوبہ مین صرف دو ناول شائع ہوئے۔ یہ صوبہ اُردو زبان کا مرزبوم ہے۔ جب یہان یہ کیفیت ہے تو اور مقامات کا کیا ذکر۔ اسلئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُردو زبان کے شیدائی اور معاونین اس خیال کو دور کرنے کی کوشش کرین کہ ناول پڑھنا لغو محض اور تضیع اوقات ہے۔ جسطرح ہر ایک صنف کلام مین اعلیٰ ادنیٰ کی قید لگی ہوئی ہے اُسی طرح ناولون کی کیفیت بھی سمجھنا چاہئے۔ اسمین ذرا بھی شک کی گنجایش نہین ہے کہ ادبی دنیا مین قصہ کا وہی رتبہ ہے جو کسی محفل مین صدر مجلس کا۔ کسی زبان کا ادب لے لیجئے۔ افسانہ کا رنگ غالب نظر آئے گا۔ قصہ کا رنگ مذہب۔ اخلاق۔ سیاست۔ غرض جمیع مشاغل زندگی پر حاوی نظر آتا ہے۔ قصون کے ذریعے سے اخلاق کی تزئین۔ معرفت کے رموز۔ تاریخ کے انقلابات، زمانۂ قدیم سے ظاہر ہوتے چلے آئے ہین۔ عربی ادب کا نام ایک قصۂ الف لیلہ سے روشن ہے۔ ہارون الرشید کے زمانہ کے طرز تمدن۔ طرز سیاست۔ طرز تعلیم۔ اخلاق و آداب کی اس سے بہتر تاریخ نہین ملسکتی۔ عربی ادب کے شعرا۔ فلسفہ نگار۔ مورخین کسی کے نام سے دنیا آشنا نہین ہے۔ مگر الف لیلہ کی داستان شاید ہی کسی بدقسمت شخص کی نظر سے نہ گذری ہو۔ اُردو مین، بنگلہ ادب سے بہت کم لوگ واقف ہونگے۔ مگر بنکم بابو کا نام ہر شخص جانتا ہے۔ گوبندرام ترپاٹھی کا جو گجراتی زبان کے مشہور و معزز ناول نویس تھے پچھلے سال جب انتقال ہوا تو ایک گجراتی رسالہ نے ایک کارٹون کے ذریعہ سے یہ دکھایا تھا کہ گجراتی ادب کا آفتاب غروب ہوگیا۔ جسطرح بنکم بابو بنگلہ ادب کے بادشاہ تھے۔ اُسی طرح گوبندرام گجراتی ادب کے تاجدار تھے۔ علیٰ ہذا اور مثالین بھی دی جاسکتی ہین جنسے معلوم ہو جائیگا کہ ناول نویس کا رتبہ ادبی دُنیا مین کیا ہوتا ہے۔ انگریزی زبان کو لیلو۔ ڈکنس اور تھیکری۔ اسکاٹ اور الیٹ کو جو مقبولیت حاصل ہے وہ شیکسپیر کو بھی نصیب نہین۔ سر جان لبک نے اپنی ایک کتاب مین دُنیا کے بہترین سو کتابون کی فہرست دی ہے۔ اسکاٹ کے سب قصے اُسمین موجود ہین۔ لارڈ بیکنسفلڈ جو ملکہ وکٹوریہ کے زمانہ مین کئی بار وزیر اعظم رہے لارڈ لٹن

جو ہندوستان کے ولیسرائے رہ چکے ہین انگریزی ادب کے رکن سمجھے جاتے ہین۔ اور یہ دونون اعلیٰ پایہ کے ناولسٹ ہین۔ ابکی کانگرس کی پریسیڈنشل تقریر مین آنریبل پنڈت مدنموہن مالوی نے رومیش چندر دت مرحوم کے وفات پر اظہار ماتم کرتے ہوے انکی ادبی خدمات کو انکے ملکی اور سیاسی خدمات پر ترجیح دی تھی۔ کسی صوبہ کا کمشنر ہوجانا۔ کسی ریاست کا دیوان بن جانا ہر ایک شخص کے حیطۂ اقتدار مین ہے۔ مگر "فاتح بنگالہ" اور "ستنار" لکھ لینا ہر شخص کا کام نہین ہے۔ بنگلہ ادب کے موجودہ صدر نشین بابو رمیش چندر دت تھاکرے اور وہ اعلیٰ پایہ کے ناولسٹ ہین۔ گیٹی جرمن زبان کا سب سے مشہور مصنف ہے اور وہ ناولسٹ ہے۔ کاؤنٹ ٹالسٹائے روس کے موجودہ ادب کے بادشاہ ہین۔ اور وہ ناولسٹ ہین۔ ان مثالون سے یہ کافی طور پر واضح ہوگیا ہوگا کہ ناول نویس کا رتبہ ہر ایک زبان کے ادب مین سب سے زیادہ ممتاز ہوتا ہے۔ اور ادبی دنیا اُسکے احسانات و خدمات کے بوجھ سے سُبکدوش نہین ہوسکتی۔ ایسی حالت مین کیا یہ افسوس اور عبرت کا مقام نہین ہے کہ اردو زبان مین ناول اور ناول نویسی کی یہ بیقدری ہو رہی ہے۔ اس مین زیادہ قیل وقال کی گنجایش نہین ہے کہ ہندوستان کی دیگر زبانون کی طرح اُردو مین بھی قدیم طرز کے افسانون کا نعم البدل ناول ہی رہیگا۔ گویا ناول ادب کا وہ اہم ترین حصہ ہے جسے افسانہ کہتے ہین۔ کیا حامیان اُردو اپنے ادب کا اس بیدردی سے گلا گھوٹین گے۔ دنیاے تخیل مین مشرق ہمیشہ سے مغربی اقوام کا محسود رہا ہے۔ وہ بلند پروازیان۔ وہ وسعت خیال۔ وہ بندش کی رنگارنگی۔ جو شرقی افسانون مین نظر آتی ہے مغربی قصون مین عنقا کا حکم رکھتی ہے۔ یوروپ باوجود اسقدر ادبی مزاولت کے الف لیلہ کا ثانی نہ پیدا کرسکا قصہ حاتم طائی ایک عام کتاب ہے۔ مگر مغرب مین شاید ہی کسی نے ایسا دلآویز قصہ لکھا ہو۔ باغ وبہار بھی اپنے طرز کی بے نظیر کتاب ہے۔ کیا دلدادگان اُردو فسانہ نگاری کی بیقدری کرکے ایسے ادبی معجزات کے لئے میدان باقی نرکھین گے۔

یہان پر اس خیال کے تردید کرنے کی بھی ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ قصہ خوانی ایک فضول عادت ہے۔ بعض اصحاب فرماتے ہین کہ ناول خوانی سے مذاق بگڑتا ہے۔ اور طبیعت مین کسی ادق مسئلہ پر غور کرنے کی قابلیت نہین باقی رہتی۔ ان اصحاب سے ہم صرف یہ عرض کرینگے کہ آپ فطرت کے قواعد کلیہ نظرانداز نکرین۔ اچھی سے اچھی چیز کا بیجا استعمال بھی مضر ہوتا ہے۔ لقمۂ لطیف بھی اعتدال سے زائد ہوجاے تو معدہ کو سنگین کردیتا ہے۔ اگر کسی شخص کو خدا نے نظر تمیز نہین عطا کی تو اسمین جنس کا کیا قصور ہے۔ اچھے بُرے کی تمیز ہمیشہ مد نظر رکھنی چاہئے۔ ناول ہی پر کیا فرض ہے۔ ادنی قسم کی شاعری۔ ادنی مذاق کا فلسفہ۔ تعصب سے بھری ہوئی تاریخ سبھی اپنے اپنے دائرہ مین نقصان دہ ہوجاتے ہین۔ مگر اس خیال سے شاعری فلسفہ یا تاریخ کو عضو بیکار نہین سمجھا جاتا۔ پھر ناول نے کیا گناہ کیا ہے کہ

اُسمین اچھے بُرے کی قید ہی نرکھی جاے - اعلیٰ مذاق کا ناول انسان کی عادت پر اس سے بدرجہا زیادہ اخلاقی اثر پیدا کرتا ہے جتنا کہ کوئی فلسفیانہ - مؤرخانہ - یا شاعرانہ تصنیف کرسکتی ہے - دنیا کی تاریخ تمدن مین بعض اوقات ناول نے ایسے ایسے معرکے کے مسئلے طے کردئے ہین جنپر ملکی مدبّر فلاسفر اور مؤرخ مدتون تک سر کھپایا کئے - خلامی کی قبیح رسم کا انسداد ایک ناول ہی کی بدولت ہوا - ابھی حال ہی مین ہیگ مین پیس کنفرنس کا جلسہ ہوا جسکا مدعا یہ تھا کہ دول یوروپ مین باہمی صلح و آشتی کی کوشش کی جائے - اس کوشش مین کامیابی حاصل کرنے کے لئے کنفرنس کو سب سے زیادہ مفید یہی تجویز معلوم ہوئی کہ صلح پر ایک پُرزور ناول لکھا جاے - اسکے لئے پانچہزار پونڈ صلہ قرار پایا - یہہ ناول ہالینڈ کی ایک مصنفہ نے "آرمس ڈاؤن" کے نام سے لکھکر گران بہا عطیہ حاصل کیا - ان دو انگریزی الفاظ کے معنی ہین "تیغ در نیام" - اس کنفرنس مین دنیا کے کل سربرآوردہ اقوام کے وکیل شامل تھے اُن کے ذرائع لامحدود تھے - وہ اس موضوع پر فلسفیانہ شاعرانہ مؤرخانہ - غرض ہر ایک صنف کی تصنیف لکھوا سکتے تھے - مگر اُنھین ناول ہی سب سے زیادہ کارگر معلوم ہوا - جو لوگ سب ناولون کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہین وہ غالباً یہ فراموش کر جاتے ہین کہ تاریخ یا پالیٹکس یا فلسفہ کا مطالعہ ہر خاص و عام کے لئے ممکن نہین -

دنیا مین زندگی کی زبردست کشمکش ہو رہی ہے - انسانی آبادی کا بیشتر حصہ کسب معاش کی فکرون مین پریشان رہتا ہے - سارے دن اور کچھہ رات گئے تک ہمارے دل و دماغ کا عطر سا نکلتا رہتا ہے - ایسی حالت مین فلسفہ پالیٹکس یا تاریخ کا مطالعہ بجاے دلچسپی کے خود ایک ریاضت شاقہ ہو جائے گا جنھین فرصت ہے - جنھین ہوادار کمرون مین آرام کرسیون پر لیٹے لیٹے - یا دن بھر مین دو چار گھنٹون کی سیر سپاٹے کے بعد لقمۂ لطیف کھانے کو مل جاتا ہے اُن کے لئے تاریخ - فلسفہ - جغرافیہ - ریاضی منطق - سب کچھہ زیبا ہے - مگر ایسے لوگ فیصدی کتنے ہین - آبادی کا بہت بڑا حصہ وہی ہے جسے پوبیس گھنٹون مین بارہ گھنٹے فکر معاش کی نذر کرنا پڑتے ہین - یہ غریب یا تو ناول پڑھہ سکتے ہین - یا کچھہ نہین پڑھہ سکتے - یہی سبب ہے کہ آج یوروپین زبانون مین سائنس - فلسفہ اور تاریخ کے اکثر موضوع پر ناول لکھے جاتے ہین - تاکہ انسانی آبادی کا یہ مصروف حصہ ان مسائل سے بالکل غیر مانوس نہو جاے - اور علم کے خشک مسئلے اقل درجہ کی دماغی کاوش سے اوسکے ذہن نشین ہو جائین - اہل یوروپ نے ناول کو ادب کا سب سے ضروری صیغہ تسلیم کرلیا ہے - اور ناول نویسی کو سائینس کا رتبہ دیدیا ہے - افسوس ہے کہ اُردو پبلک یوروپین علم ادب کی اس رفتار سے بیخبر ہے -

ناول نویسون کو بھی خیال رکھنا چاہئے کہ اُردو ناول کا مستقبل اُنکے ہاتھہ مین ہے - انھین اُستاد ان فن کی تصانیف کا غور سے مطالعہ کرنا چاہئے - اُنکا فرض ہے کہ طبایع انسانی کا نظر غائر سے مشاہدہ کرین - اور سچے

جذبات کے نمونے پیش کرین۔ پبلک کا ادبی معیار روز بروز اونچا ہوتا جاتا ہے۔ اور انگریزی تعلیم یافتہ لوگ اپنی زبان مین بھی وہی خوبیان دیکھنے کے متمنی ہین جنکی اُنکی نگاہین عادی ہورہی ہین۔ بندشون مین جدت۔ خیالات مین تازگی۔ جذبات مین عمق یہ اچھے ناول کے ضروری لوازم ہین۔ بنگلہ زبان کے ناولونکا مطالعہ اُنکے لئے بہت سبق آموز ثابت ہوگا۔ ناول لکھنا آسان کام نہین ہے۔ شاید کسی صنف ادب مین اسقدر جذب خیال۔ اسقدر دماغی انہماک اور اسقدر زورتخیل کی ضرورت نہین ہوتی۔ اُنھین راتین خیال مین ڈوبکر کاٹنی ہونگی۔ انھین صبح وشام تنہائیہ فضا مقامات کی سیر کرنی ہوگی۔ انھین اساتذہ قدیم کے کلام کی خوشہ چینی کرنی ہوگی۔ تب کہین اُنکے قلم سے پرزور ناول نکلیگا۔ اب وہ زمانہ نہین رہا جب پبلک بیدلانہ کوششون سے آسودہ ہوجاتی تھی۔ پبلک کی نقادانہ نگاہ اب پختہ ہوتی جاتی ہے۔ ہمارے ناول نویس اگر زندہ رہنا چاہتے ہین تو انھین زمانہ کے ساتھ ساتھ قدم بڑھانا چاہئے۔

د۔ ر

ہرہائینس بیگم صاحبہ جنجیرہ

اے قبائے بادشاہی راست بربالائے تو
زینت تاج ونگین ازگوہر والائے تو

از رسوم شرع حکمت باہزاران اختلاف
نکتہ ہرگز نہ شد فوت از دل دانائے تو

آب حیوانش زمنقار ہما غنت می چکد
طوطی خوش لہجہ یعنی کلک شکرخائے تو

علیا حضرت بیگم صاحبہ جنجیرہ جنکا نام نامی نازلی بیگم رافیہ سلطانہ ہے مسلمانان ہند کے ایک نہایت مشہور اور روشن خیال خاندان فیضی طیبی سے تعلق رکھتی ہین۔ آپکے والد ماجد مسٹر حسن علی فیضی ایک زبردست سیاح تھے جنھون نے اپنی زندگی کے چالیس سال سیر وسیاحت مین صرف کئے اور ساری دنیا مین مشکل سے کوئی ایسا مقام ہوگا جہان وہ تشریف نہ لیگئے ہون۔ اُنھین کثیر التعداد زبانون پر عبور حاصل تھا اور ہر زبان مین نہایت صفائی سے گفتگو کرتے تھے

آنکی زندگی کا ایک معقول حصہ قسطنطنیہ مین بسر ہوا۔

آپکی والدہ ماجدہ امیر النساء صاحبہ طیبی بھی اپنے خاندان کی عورتون مین سب سے زیادہ تعلیم یافتہ اور روشن خیال خاتون تھین۔ اُنھین عربی اُردو انگریزی گجراتی اور ترکی زبانون مین کافی مہارت تھی اور فارسی زبان مین عالمانہ استعداد رکھتی تھین۔ اُنھون نے اپنی وفات سے دو تین سال پیشتر ایک انگریزی ناول کا اُردو ترجمہ کیا تھا جسکا نام "ناول ناور بیان" ہے۔ وہ ایک اعلیٰ درجہ کی شاعرہ

بھی تھین اور اُنکی تصانیف جدّت اور قدرتی جذبات سے معمور ہین۔ اُنھون نے ایسے وقت مین ایک معقول حد تک سیر و سیاحت کی جب سفر ایک امر محال خیال کیا جاتا تھا اور اسلامی مخدرات مین وہ پہلی خاتون تھین جو قسطنطنیہ اور دنیا کے مختلف دور دراز مقامات تک تشریف لیگئین۔

بیگم صاحبہ ممدوحہ کی ولادت قسطنطنیہ ہی مین حاسب پاشا کے محل مین ہوئی تھی۔ لیکن نوعمری ہی مین اپنے مکان واقع بمبئی مین لے آئی گئین اور وہین آپکو انگریزی، فارسی، اُردو زبانون اور فن موسیقی کی عمیق اور آزادانہ تعلیم دلائی جانے لگی۔ مگر آپکی تعلیم کا سلسلہ آپکی شادی کے تجویز کی مبارک تقریب کی وجہ سے کچھ عرصہ کے لئے عارضی طور پر منقطع ہوگیا جو بہت ہی

کم سنی مین بعمر تیرہ سال ہز ہائینس سر سیدی احمد خان بہادر والی جنجیرہ جبشان کے ساتھ ہوئی تھی تاہم تھوڑے ہی عرصے کے بعد آپکے درس و مطالعہ کا سلسلہ پھر جاری ہوگیا۔ آپکو ترکی زبان مین خاص مہارت ہے اور اُسے نہایت صفائی سے بولتی ہین۔

جب حضور عالیہ پہلے پہل جزیرہ جبشان مین رونق افروز ہوئین تو یہ ملک نہایت تاریک حالت مین تھا۔ لیکن جب آپنے ہز ہائینس کے ساتھ جنکا دماغ درحقیقت جدید تہذیب و تمدن کے خیالات سے مملو تھا حیثیت بیگم صاحبہ ریاست امور سلطنت مین حصہ لیا تو ترقی کے خیالات موجزن ہونے لگے اور ہز ہائینس کی توجہ نہایت سرگرمی کے ساتھ زندگی کے ہر شعبے کیطرف منعطف ہوگئی۔

حضور ممدوحہ کے بیس سالہ عہد حکومت مین بہت سی روشن اور نمایان اصلاحات عمل پذیر ہوئین۔ رعایائے جبشان پر آپکے شریفانہ برتاؤ اور اعلیٰ تعلیم و تربیت کا بیحد اثر پڑا جس نے اُنکی زندگی مین ایک عظیم تبدیلی پیدا کردی اور اُنکے اُبھرنے اور اعلیٰ خیالات کی بلندی تک پہونچنے مین بہت بڑی مدد دی۔ آپکی قابلانہ رہنمائی کی بدولت وہ لوگ تعلیمی معاملات مین عملی طور پر سرگرمی ظاہر کرنے لگے۔ حالانکہ اس سے پیشتر وہ نہ صرف ان باتون سے ناواقف ہی تھے بلکہ اسکے خیال تک سے نفرت کرتے تھے۔

سالگذشتہ مین آپنے آزادی نسوان کے لئے ایک سوسائٹی قائم کی ہے جسکا نام "بزم اتحاد" ہے اور آپکی خلقی ہمدردی نے تعصب و تنگ خیالی کے اُس تنگ و تار دریا پر ایک معبر بنایا ہے جو تفریق ذات اور سوشیل طبقون کے نام سے سارے ہندوستان مین بلکورے لے رہا ہے۔ اس سوسائٹی مین ہر طبقے کی مستورات بلا لحاظ قومیت شامل ہین اور باقاعدہ طور پر ہفتہ وار جلسے کرتی ہین جنمین حضور عالیہ بنفس نفیس میر مجلس ہوتی ہین اور حیرت انگیز سرگرمی کے ساتھ اس کی روز افزون ترقی مین مصروف ہین۔ ان جلسون مین علمی معاملات پر لکچر اور بحث و مباحثہ ہونے کے بعد دستکاری اور موسیقی کی عملی تعلیم دیجاتی ہے اور آخر مین ٹینس اور فٹ بال وغیرہ کے ذریعے سے ورزش کرائی جاتی ہے۔ اخلاقی ترقی کے لئے یہ ایک ایسا ذریعہ ہے جو کتابی اور زبانی تعلیم سے نہین حاصل ہوسکتا تھا۔ اس سے عام اطوار پر ایک مفید اثر پڑا اور عمدہ و قابل تعریف اشغال کیطرف ایک خاص رجحان پیدا ہوگیا۔ حتیٰ کہ فرصت کی جو گھڑیان فضولیات مین صرف ہوتی تھین اُنھین بنفیس دستکاریون مین صرف کرنے کی رغبت پیدا ہوگئی اور عام طور پر زندگی کے لمحے قیمتی سمجھے جانے لگے۔

تعلیم نسوان مین بھی پیشتر کی بہ نسبت بہت بڑی ترقی ہوئی اور ایک مسلمان لڑکی نارمل اسکول لاہور مین تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجی گئی کہ وہ ایک قابل معلمہ کا کام دے سکے۔

حضور عالیہ کو گل و ریاحین اور زندہ حیوانات سے بیحد دلچسپی ہے۔ آپکے یہان بعض نہایت ہی نادر جانور موجود ہین اور آپکا باغ غالباً ہندوستان مین سب سے زیادہ پُر فضا اور مینو سواد ہے۔ اسکی آراستگی ایک ترکی باغبان ناقد کے ذریعے سے ہوئی ہے جس نے اپنی اعلیٰ ذہانت سے اس باغ کو رشک ارم بنا دیا ہے اور پُر فضا میدانون مین مصنوعی پہاڑیان قایم کرکے اپنی حیرت انگیز ہنرمندی کا ثبوت دیا ہے۔ حضور ممدوحہ فن تعمیر مین بھی ایک خاص مہارت اور نہایت پاکیزہ مذاق رکھتی ہین جسکا ثبوت اُس نفیس و نادر محل سے ملتا ہے جو "قصر احمد" کے نام سے آپ نے اپنی خاص نگرانی مین تعمیر کرایا ہے۔

ہر ہائینس کو ورزشی اشغال اور سیر و شکار کا سب سے زیادہ شوق ہے۔ آپکے لئے ایک شکارگاہ مخصوص ہے جہان حال ہی مین ایک چیتے کو نشانہ بندوق بنایا گیا ہے۔

آپکو سیر و سیاحت کا بھی شوق ہے اور ہندوستان و کشمیر کے بہت بڑے حصے کی سیر کر چکی ہین۔ آپ نے ۱۹۰۸ء مین یورپ کا بھی سفر کیا تھا اور اپنے مقام پیدایش قسطنطنیہ مین بھی تشریف لیگئی تھین جہان سلطان عبدالحمید خان نے آپکو سلطنت عثمانیہ کے درجۂ اول کا نشان شفقت عطا فرمایا تھا۔ جواب معزول کر دیئے گئے ہین۔

بعض احباب کی درخواست پر جناب عالیہ اپنے سفر یورپ کو کتابی حیثیت مین بزبان اردو شائع کرنے والی ہین جو زمانۂ حال کی ایک روشن خیال اور عالی مرتبت خاتون کی تصنیف کی حیثیت سے ایک قابل دید تذکرہ ہوگا جسمین بہت ہی دلچسپ واقعات اور مختلف سبجکٹون پر نہایت بلند خیالی اور وسیع النظری سے ریمارک کئے گئے ہین۔

حضور عالیہ کا علمی شوق اسقدر بڑھا ہوا ہے کہ زمانۂ حال کی تمام تصنیفات اور ادبی رسائل کا آپ کے گرد انبار لگا رہتا ہے جنھین آپ نہایت غور سے پڑھتی ہین۔

لباس کے متعلق آپکا مذاق نہایت ہی لطیف ہے اور ہندوستان کی بلند پایہ خواتین مین آپکی پوشاک سب سے بہتر خیال کیجاتی ہے۔ آپ اپنے لباس کی وضعین خود ہی ایجاد کرتی ہین جو اس بن کے اعلیٰ نمونے ہوتے ہین۔ آپ کی پیش قیمتین جنھین آپ نے بہ نفس نفیس سینے پرونے کی تعلیم دی ہے اعلیٰ درجہ کی سوزن کاریان ہین۔ انکی دستکاریون کی بہت بڑی شہرت ہے اور ہندوستان و یورپ کی نمایش گاہون سے متعدد امتیازی تمغے حاصل ہو چکے ہین۔

آپ کی شادی کے وقت آپکے خاندان مین اس بات پر ایک زبردست بحث پیدا ہوئی تھی کہ حضور عالیہ اور اُنکے شوہر دو مختلف جماعتون سے تعلق رکھتے ہین لہذا فیضی طیبجی خاندان کے ممبر اس مناکحت کو روا نہین رکھ سکتے۔ اور اگر آپکے والد مرحوم فیضی قدیم رسم و رواج کی پابندی سے قطع نظر نہ کر لیتے اور اسقدر ولیرانہ روشن خیالی سے کام نہ لیتے تو یہ شادی ہرگز نہ ہو سکتی۔

ہر ہائینس کی خوش نصیبی مین کوئی شک نہین کہ وہ ایک نہایت عقیل، بلند خیال اور منتظم ماں کی بیٹی تھین جنکی اعلیٰ تعلیم و تربیت کی بدولت حضور ممدوحہ نے ابتدائی زمانے مین کارو بار سلطنت کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ اور نیز

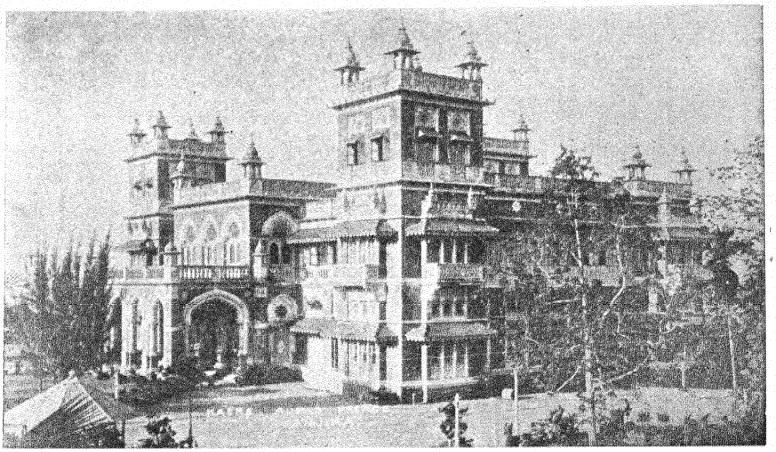

قصر احمد - جنجیرہ

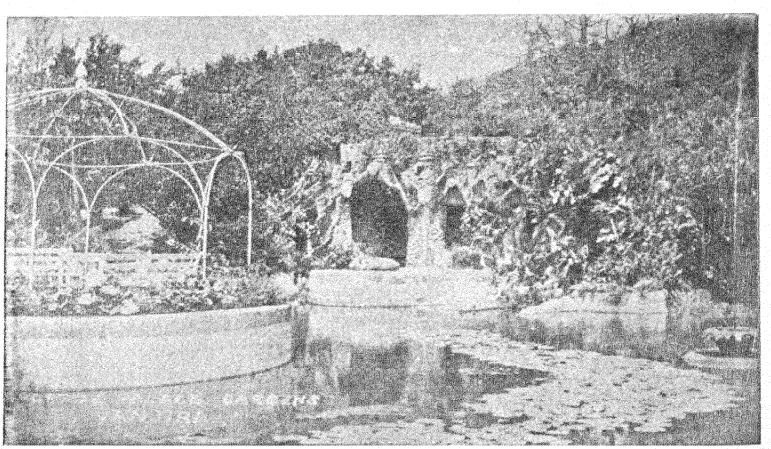

باغ - جنجیرہ

انڈین پریس الہ آباد

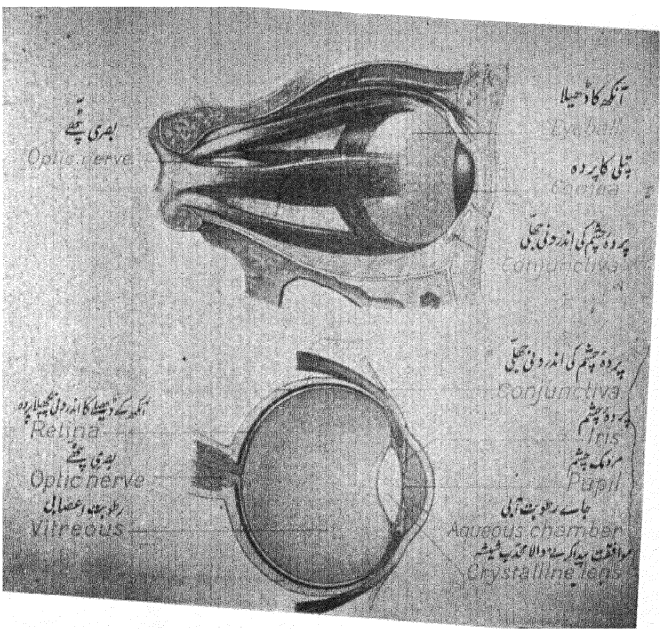

آنکھ کے ڈھیلے

یہ امر کہ آپکے حکمران شہنشاہ آپکی ہر تحریک سے دلی ہمدردی رکھتے تھے اور جان و دل سے آپکے شریک حال رہنے اور مدد کرنے مین مصروف رہتے تھے۔

یہ امر نہایت حیرت و شکرگذاری کے ساتھ دیکھا جاتا ہے کہ کیونکر ایک ذات واحد کی شریف النفسی کے اثر سے تمام ملک کی کایا پلٹ ہوگئی۔ جو لوگ چند ہی سال پیشتر جہالت کے تاریک غار مین پڑے ہوئے تھے غمازی اور ایک دوسرے کے خلاف سازش اور دیگر کمینہ حرکات کے مرتکب ہوتے، اور نیکی کی قسم سے کوئی کام کرنا جانتے ہی نہ تھے، وہی لوگ اب اپنے قومی فرمانروا کی بہ نسبت ایک غیر قوم حاکم کے سامنے اپنے تمام استغاثے کس خوشی کے ساتھ پیش کرتے ہین اور کوئی معقول درخواست حتی الامکان نامنظور نہین کی جاتی۔

ترجمہ

آنکھ

"بدن کا چراغ آنکھ ہے؛ پس اگر تیری آنکھ صاف ہوگی، تو تیرے سارے بدن مین روشنی ہوگی؛ اور اگر تیری آنکھ خراب ہوگی تو تیرے سارے بدن مین تاریکی ہوگی؛ پس اگر وہ روشنی جو تجھ مین ہے، تاریکی ہو، تو تاریکی کیسی بڑی ہوگی!" (قول المسیح)

بعض الفاظ مین اس بلا کی تاثیر ہوتی ہے کہ کانون مین پڑتے ہی دل مین گھر کر لیتے ہین۔ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ اندھا فقیر جو گلی گلی اور در در یہ صدا لگاتا پھرتا ہے کہ دنیا والو! آنکھین بڑی نعمت ہین، غلط کہتا ہے۔ ان سادہ الفاظ مین کسی قسم کی تصنع اور بناوٹ کو دخل نہین، بلکہ ان مین ایک سچی بات کا اظہار کیا گیا ہے، جو ایک روشن ضمیر شخص کے لئے کسی طرح تازیانۂ عبرت سے کم نہین۔ ان سیدھے سادے الفاظ مین وہ اثر ہے کہ فلاسفون کے براہین و دلائل بھی اس سے زیادہ کام نہین کر سکتے۔ کیا زمانۂ قدیم مین جس حکیم نے آنکھ کی ساخت اور ترکیب کو سمجھنے کے بعد خدا کی حمد و تعریف مین ایک قصیدہ تصنیف کیا تھا، وہ اس سے زیادہ کسی سچائی کا انکشاف کر سکا ہوگا! ہرگز نہین!

آنکھ جملہ حواس کی ملکہ کہلاتی ہے! کان صرف تھوڑے فاصلے سے سن سکتا ہے؛ ناک، زبان اور ہاتھ کا عمل اور بھی زیادہ محدود ہے۔ لیکن آنکھ لمحہ بھر مین سورج، چاند اور ستارون تک کی سیر کر آتی ہے۔ اور جب ان امور کے ساتھ حضرت مسیح کے قول کو ملا کر دیکھا جاتا ہے کہ آنکھ بدن کا چراغ ہے! تو ہمین بھی اس اندھے فقیر کا ہمزبان ہونا پڑتا ہے کہ دنیا والو! آنکھین بڑی نعمت ہین!

آنکھ کے بارے مین سب سے پہلے یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ صرف اسکی ساخت ہی گول واقع نہین ہوئی تاکہ بآسانی ادھر اُدھر حرکت کر سکے، بلکہ یہ ہڈیون کے ایک مضبوط اور گہرے غار مین رکھی گئی ہے تاکہ صدمات سے محفوظ رہے۔ اسکے نیچے چربی کی ایک تہ ہے جو نرم گدیلے کا کام دیتی ہے، یعنی جب کسی قسم کی چوٹ لگتی ہے تو آنکھ پیچھے کی طرف دب جاتی ہے۔

باہر کی طرف اُوپر نیچے دو پپوٹے ہین۔ جب دھوپ زیادہ تیز ہو تو ان پپوٹون کی وجہ سے آنکھ کے اندر نہین جانے پاتی۔ اسکے علاوہ بڑے بڑے تنکون کو، اور اُن ذرات کو جو ہوا مین اُڑتے رہتے ہین، پپوٹے آنکھ کے اندر داخل نہین ہونے دیتے اس کام مین پلکین بھی پپوٹون کی مدد کرتی ہین۔ یہ ایسی تیزی کے ساتھ حرکت کرتی ہین کہ پلک مارنا، وقت کی سب سے اونی تقسیم کا نام پڑ گیا ہے۔ خواب کے وقت پپوٹے اسطرح ملکر بند ہو جاتے ہین جیسے گھر کا دروازہ۔ گویا حالت خواب مین پپوٹے اور بھی زیادہ عرق کے ساتھ اپنا کام (آنکھ کی حفاظت) انجام دیتے ہین۔

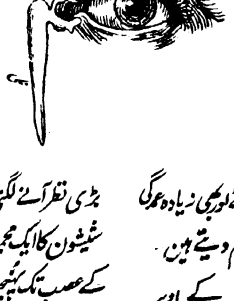

آنکھ کے ڈھیلے (Eyeball) کے اوپر آنسو کی تھیلی ہے، جو باہر کی طرف واقع ہے اس مین سے آنسو آنکھ کی سطح پر گرتے رہتے ہین۔ تاکہ اوسے تر رکھین اور اُن اشیاء کو جو بعض اوقات آنکھ مین پڑ جاتی ہین، دھو کر نکال دین اور آنکھ کو روشن رکھین۔ نیچے کے پپوٹے کے سرے پر اندر کی جانب ایک چھوٹی سی نلی ہے اور اُسی کے رستہ سے یہ سیال اپنا کام کر چکنے کے بعد نکل کر ناک کے اوپر سے بہہ جاتا ہے۔ لیکن جب چوٹ لگے یا کسی قسم کے غم کا حملہ ہو تو اسقدر سیال خارج ہوتا ہے کہ نلی کی راہ سے باہر نہین آ سکتا اور اسلیے وہ نلی کے ادھر اُدھر بہنے لگتا ہے۔ اس غیر معمولی اخراج کا نام حضرت انسان کی اصطلاح مین آنسو پڑ گیا ہے۔

اگر ہم آنکھ کے اردگرد اور پیچھے کی طرف دیکھین تو ہمین وہ عضلات نظر آئین گے، جن کے باعث آنکھ کو مختلف اطراف مین حرکت دی جا سکتی ہے۔ مزید برآن ہمین بینائی کا بڑا عصب بھی دکھائی دیگا، جو آنکھ کے دو بڑے بیرونی پردون کو پھاڑ کر آنکھ کے ڈھیلے مین آتا ہے اور جہان آکر وہ پھیل جاتا ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ روشنی بینائی کے اس بڑے عصب تک کسطرح پہنچتی ہے۔

دوربین مین کئی محدب شیشے (Lens) اسطرح لگے ہوتے ہین کہ ان سے دور کی اشیاء نزدیک معلوم ہوتی ہین اور خوردبین کے محدب شیشون کے ذریعہ چھوٹی چھوٹی چیزین بڑی نظر آنے لگتی ہین۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ آنکھ بھی ایسے ہی محدب شیشون کا ایک مجموعہ ہے اور انھین کے ایک سلسلے مین ہو کر روشنی بینائی کے عصب تک پہنچتی ہے۔ یہ محدب شیشے کرنون کو ایک نقطہ ماسکہ پر جمع کرتے ہین اور تب آنکھ کے ڈھیلے (Eyeball) کے اندرونی حصے کے پیچھے تصویر بناتے ہین۔

سامنے کی طرف ایک بہت صاف اور سفید غلاف ہے، جو اس طرح بیٹھا ہوا ہے جیسے گھڑی کا شیشہ ڈھانچے مین۔ اسکا کورنیا (Cornea) ہے اور یہی آنکھ کا لینس یا محدب شیشہ ہے اسکے ذرا پیچھے کی طرف آئرس (Iris) یا پردہ چشم ہے

اور اسکے درمیان مین وہ کالا سوراخ ہے جسکو پوپل (Pupil) یعنی مردمک چشم کہتے ہین۔ آئرس کوئی محدب شیشہ نہین ہے، بلکہ یہ ایک رنگ دار اور متحرک پردہ ہے، جو زیادہ روشنی کے وقت، آنکھ کے اوپر سایہ ڈالنے کے لئے ذرا بند ہوجاتا ہے اور جب روشنی کم ہوتی ہے تو درمیانی سوراخ (مردمک چشم) کو بڑا کردیتا ہے۔ علاوہ ازین یہ روشنی کی اُن تمام شعاعون کو کاٹ دیتا ہے جو ادھر ادھر سے آتی ہین اور جنکے آنکھ پر پڑنے سے بینائی مین ابتری واقع ہونے کا اندیشہ ہے۔ آئرس کے پیچھے کی طرف ایک اور لینس ہے جسکو کرسٹل لائین لینس (Crystalline Lens) یعنی موافقت پیدا کرنیوالا محدب شیشہ کہتے ہین۔ آنکھ کے تمام محدب شیشون مین یہ بڑا ضروری اور مشہور ہے کیونکہ اسی کے ذریعہ ہم دور و نزدیک کی اشیاء کو دیکھ سکتے ہین۔ یہی ایک ایسا لینس ہے جس کے ساتھ عضلہ لگا ہوا ہے۔ یہ چھوٹا سا عضلہ آنکھ کے اندر ہوتا ہے اور لینس کو چھوٹا بڑا کرتا رہتا ہے تاکہ وہ مختلف بعد و فاصلہ کی اشیاء کو اچھی طرح دیکھنے کے لئے گول یا چپٹا ہوجائے۔ یہ کرسٹل لائین لینس رقیق گوند کے مانند ہے اور اسکی صورت ایسی ہے جیسے گھڑی کے اوپر کے دو شیشون کو لیکر پشت کی طرف سے باہم پیوستہ کر دین۔

عصبی ریشے

کرسٹل لائین لینس اور کورنیا کے درمیان تھوڑا سا سیال ہوتا ہے، جسکو اکیوس ہیومر (Aqueous Humour) یعنی رطوبت آبی کہتے ہین۔ یہ بھی لینس کا کام دیتا ہے۔ کرسٹل لائین لینس کے پیچھے ایک اور زیادہ گاڑھی اور سیال شے ہے، جس کا نام وٹریس ہیومر (Vitreous Humour) یعنی رطوبت عصابی ہے۔ یہ مادہ انڈے کی سفیدی کی طرح ہے، جو آنکھ کے سب سے بڑے حصہ کو گھیرے ہوئے ہے، یہ بھی لینس کا کام دیتا ہے۔

یہ جملہ لینس ہر چہار طرف کی روشنی کی شعاعون کو اکٹھا کردیتے ہین اور تب روشنی پتلی مین سے گذرتی ہوئی آنکھ کے عصبی حصے مین جسکو رے ٹینا (Retina) کہتے ہین ایک تصویر بنا دیتی ہے۔ رے ٹینا ایک نہایت نازک جالی کے مانند ہے جو دماغ کے اُس مادّے سے مرکب ہے جس سے رنگین بتی مین ریٹینا کا قطر ایک چوتی سے زیادہ نہوگا مگر اسی مین اُن تمام اشیاء کی تصویر اپنے اصلی رنگ اور قد مین کھینچ جاتی ہے جنکو ہم اپنے جادہ نظر سے دیکھتے ہین اور تب یہ تصویرین بینائی کی رگ کے ذریعے سے دماغ مین پہنچ جاتی ہین جس سے ذہن انسانی انکو محسوس کرلیتا ہے۔

رے ٹینا کے نیچے بھی رنگ کا ایک پردہ ہے۔ جو رے ٹینا تک صرف خون ہی نہین لیجاتا، بلکہ زائد روشنی کو بھی جذب کرلیتا ہے۔ اگر یہ زائد روشنی منعکس ہوتی تو اس سے ہماری بینائی مین بڑی ابتری واقع ہوجاتی۔ رے ٹینا صرف ہماری آنکھ کا ہی نہین بلکہ ہمارے جسم کا ایک عجیب حصہ ہے۔ یہ تو ہم جانتے ہین کہ روشنی کی شعاعین ان محدب شیشون (Lens) کے ذریعہ ایک نقطے پر جمع ہوکر اُن اشیاء کی تصاویر کو، جنکی طرف ہم دیکھ رہے ہون، رے ٹینا پر ڈالتی ہین۔ لیکن دماغ تک وہ اُن اعصابی ریشون مین سے ہوکر جاتی ہین جنکو روڈز (Rods) یعنی سلاخین اور کونز (Cones) یعنی اشکال مخروطی کہتے ہین۔ روڈز اور کونز بچی کھاری کی طرح خانون کی ایک تہہ ہے۔ بس یہ عصبی ریشے ہمارے دیگر اعصاب حواس کے مانند ہین۔ کیونکہ جو شے انکو حرکت مین لاتی ہے، اُسکا اثر براہ راست اوپر نہین ہوتا، بلکہ وہ روڈز اور کونز کے ذریعے ہی سے روشنی کو محسوس کرتے ہین۔ اسکا عمل بعینہٖ ویسا ہی ہے، جسطرح کہ جلد کی بیرونی سطح (تہہ)

کے ذریعہ سے وہ اعصاب جو جلد کے اندر ہین، لامسہ کے اثر کو معلوم کرتے ہین۔

آنکھ کے اس تذکرۂ ساخت سے یہ تو واضح ہو گیا کہ جملہ اعضا مین آنکھ کا درجہ کیسا افضل و اعلیٰ ہے۔ اور اگرچہ قدرت نے بطور خود اسکی حفاظت کے ذرائع اسکے ساتھ رکھدے ہین۔ تاہم انسان کا فرض ہے کہ وہ بھی مناسب طریقہ سے اس کی خبرداری کرے۔ آنکھ فی الحقیقت بدن کا چراغ ہے۔ اگر یہ نہو تو زندگی بے لطف ہے۔ بعض حضرات آنکھ کے چھوٹے چھوٹے امراض کی چنداں پروا نہین کرتے اور اُنکو ناچیز سمجھتے ہین۔ مگر یاد رکھنا چاہئے کہ آنکھ ایک ایسی نازک چیز ہے کہ اگر وقت پر خبرداری نہ کی جائے، تو وہ معمولی سا مرض ہی انسان کو نرا کور کر دیتا ہے

بعض آدمی جب آنکھ مین کوئی سنگ ریزہ پڑ جاتا ہے، تو اکثر اُسکو ملنا شروع کر دیتے ہین۔ یہ بہت ہی نامناسب طریقہ ہے۔ کیونکہ اگر وہ چیز نکیلی ہو تو اس سے آنکھ مین زخم لگنے کا اندیشہ ہے، جو کچھ دنون بعد پتلی پر ایک سفید داغ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ آنکھ کو ملنے یا رگڑنے کے بجائے مناسب طریقہ یہ ہے کہ ایک پیالہ مین صاف پانی لیکر اور اُسمین آنکھین ڈبو کر بار بار اُنھین کھولے اور بند کرے۔ اٹکی ہوئی چیز فوراً باہر نکل آئے گی کبھی کبھی آنکھ مین چونہ پڑ جاتا ہے ایسی حالت مین صرف پانی سے آنکھون کو دھونا موجب نقصان ہے۔ اسکے لئے یہ طریقہ استعمال کرنا چاہئے کہ ایک چھٹانک پانی مین نصف تولہ سرکہ یا عرق لیمون ملا لیا جائے۔ اور تب آنکھون کو دھونے کے بعد دو تین قطرے میٹھا تیل یا گلیسرین (Glycerine) آنکھ مین ڈال لیجائے۔ بعض دفعہ صرف دودھ ہی سے آنکھین دھو لینا مفید ہے[1]

اکثر اوقات آنکھ مین معمولی چوٹ لگنے سے بہت ورم ہوتا ہے اور آنکھ سیاہ ہو جاتی ہے۔ اگر خدانخواستہ ایسا موقع پیش آئے تو پاؤ تولہ نمک اور اسی قدر سوڈیم بائی کارب (Sodium Bicarb) پاؤ بھر پانی مین ملا کر اور اسمین کپڑا تر کر کے آنکھ پر رکھا جائے۔ اس سے بہت جلد آرام ہو جاتا ہے +

کج نظری (Squainting) بھی ایک مرض ہے، جو عموماً زمانہ طفلی مین لاحق ہو جاتا ہے! چنانچہ اڈورڈ اوونگ صاحب کے بارے مین ایک میم صاحبہ تحریر فرماتی ہین کہ بچپن کے زمانے مین والدین اُنھین ایک ایسے جھولے مین ڈالے رکھتے تھے جسمین نیچے کی طرف ایک سوراخ تھا اور اُس سوراخ مین سے وہ ایک آنکھ سے نیچے کی طرف جھانکتا رہتا تھا اور دوسری آنکھ سے سامنے کی طرف دیکھتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک آنکھ ٹیڑھی ہو گئی اور ایک سیدھی رہی اور اس لئے وہ کسی ایک چیز کی طرف درستی کے ساتھ نظر نہین کر سکتے تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی وجوہ ہین جن سے آنکھ خراب ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت مین علاج بھی بچپن ہی مین ممکن ہے، ورنہ بڑی عمر ہونے پر یہ عیب کسی طرح دور نہین ہو سکتا۔ اسکا ایک بہترین علاج یہ ہے کہ دن مین ایک دو دفعہ دو ایک گھنٹے کے لئے بچے کی اچھی آنکھ پر پٹی باندھ دیجائے تاکہ وہ صرف خراب آنکھ سے کام لے۔ اگر باقاعدہ یہ عمل جاری

---

[1] اس مضمون مین جسقدر نسخے تحریر کئے گئے ہین، وہ جناب ڈاکٹر پی۔ وی۔ سھرلی آے۔ ایل ایم ایس کے تجربات مین سے ہین۔ بلکہ آپنے اپنے ایک مضمون حفاظت بصر The care of the Eyesight مین بیان فرمایا ہے۔ اس مضمون کا یہ حصہ زیادہ تر آپہی کے متذکرہ آرٹیکل سے ماخوذ ہے۔

رہے، تو کچھ دنوں بعد نظر ٹھیک ہو جاتی ہے۔

گوہانی (Stye) بھی زیادہ تر کم عمر بچوں کو ہوتی ہے۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ جوان آدمی اس سے محفوظ رہتے ہیں۔ نہیں آنکھ بھی اکثر یہ ہو جاتی ہے۔ گوہانی اس پھنسی کا نام ہے، جو پلک کے کسی بال کی جڑ میں نمل آتی ہے اور جب تک وہ پک کر پھوٹ نہ جائے سخت تکلیف رہتی ہے۔ اسکے لئے لوگوں نے بہت سے من مانے ٹوٹکے ایجاد کئے ہیں! لیکن اُن سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اسکا علاج یہ ہے کہ ۲۰ حصہ گرم پانی میں ایک حصہ ایسڈ بورک (Acid Boric) ملا کر اور صاف کپڑے کو اسمیں تر کر کے بار بار آنکھ کو سینکا جائے۔ اسی سے پھنسی یا جلد پک کر پھوٹ جاتی ہے اور آرام ہو جاتا ہے۔

دُنیا میں کوئی شخص ایسا نہ ہوگا، جسکو کبھی نہ کبھی اشوب چشم کا عارضہ نہوا ہو۔ اس حالت میں آنکھ کی بیحد حفاظت کرنی چاہیئے اور جہانتک جلد ممکن ہو، علاج کرنا مفید ہے۔ مندرجہ ذیل عرق اگرچہ قیمت میں کسی قدر زیادہ ہے، لیکن آنکھ کی قیمت کا اندازہ کرتے ہوئے، یہ کچھ بھی نہیں۔ اگر اس عرق کے دو دو قطرے دو دو گھنٹے بعد آنکھ میں ڈالے جائیں تو بہت جلد آرام ہو جاتا ہے اور کسی قسم کی تکلیف و درد بھی محسوس نہیں ہوتا:

℞ Protargal gr. i

Aq. Dest. gr. i

Ft. Lotio.

آشوب چشم میں جسقدر دوائیں استعمال کیجاتی ہیں، یہ عرق اُن سب سے بہتر ہے۔ مناسب ہے کہ لوگ قیمت کا خیال نہ کریں، بلکہ وقت ضرورت اسی عرق سے کام لیں جب آنکھ اُکھی ہوئی ہو تو مریض کو دھوپ یا ہوا میں نہیں نکلنا چاہیئے کیونکہ اس سے آنکھ کو اور بھی زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ آشوب چشم کا شمار بھی متعدی امراض میں کیا جاتا ہے۔ لہذا احتیاط کرنا چاہیئے کہ مریض کا رومال وغیرہ کوئی دوسرا آدمی استعمال نہ کرے۔

بعض آدمی اکثر ٹھنڈے پانی کا چھینٹا آنکھوں میں دیا کرتے ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ اس سے آنکھ صاف، مضبوط اور ٹھنڈی رہیگی اس عمل سے فائدہ تو نہیں ہوتا! البتہ کبھی کبھی آنکھ آجاتی ہے۔ ہم پیشتر ذکر کر چکے ہیں کہ آنکھ میں خدا نے خود ہی ایک ایسی چیز موجود رکھی ہے جس سے دنیا کی آنکھ دھلتی اور صاف ہوتی رہتی ہے۔ اگر آنکھوں میں کسی قسم کی تھکاوٹ یا جلن محسوس ہو، تو برداشت کے مطابق گرم پانی سے آنکھوں کو دھونا بہت ہی مفید ہے۔

آجکل نئی روشنی کا زمانہ ہے اور عینک کا استعمال روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ بعض نوجوان اسکو محض شوقیہ استعمال کرتے ہیں اور بعض یہ سمجھتے ہیں کہ اگر چھوٹی عمر میں عینک کا استعمال کیا جائے تو ضعیفی میں آنکھوں کی روشنی قائم رہتی ہے۔ یہ ایک وہم اور خام خیالی ہے، ایسا کرنے سے بجائے فائدہ کے اُلٹا نقصان ہوتا ہے۔ تاوقتیکہ ڈاکٹر رائے نہ دے عینک کے استعمال سے محترز رہنا چاہیئے۔

آنکھ کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز روشنی ہے، بلکہ ان دونوں کو لازم و ملزوم سمجھنا چاہیئے۔ مگر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جسطرح روشنی کی قلت آنکھوں کے لئے مضر ہے۔ اُسی طرح روشنی کی زیادتی بھی نقصان دہ ہے۔ اگر شب کو مطالعہ کیا جائے تو اسکا عمدہ قاعدہ یہ ہے کہ روشنی بائیں طرف ذرا اوپر کو رکھی جائے۔ تاکہ روشنی سامنے کی طرف

نہین، بلکہ پیچھے کی طرف سے اگر کتاب پر پڑے۔ جس طرح جسم کے اور اعضاء کے لئے آرام کی ضرورت ہے، اُسی طرح آنکھ کو بھی آرام کی ضرورت ہے۔ اسکا ہمیشہ خیال رکھنا چاہیے۔

خدا نے ہمین یہ خوبصورت آنکھین اسلئے عطا کی ہین، کہ ہم انکے ذریعے سے اُسکی عجیب وغریب صنعتون کو دیکھکر اُسکی حمد وستایش کرین۔ ہمین مناسب ہے کہ ہم اپنی آنکھون کو ہمیشہ مفید کامون مین استعمال کرین۔ اگر کوئی ایسی آزمایش ہمارے سامنے آجائے، جس سے گناہ مین پڑنے کا اندیشہ ہو، تو ایسے وقت مین ہمین اپنی آنکھون کو بند کرلینا چاہیئے۔

شوقِ نظارہ تھا جب تک، آنکھ تھی صورت پرست
بند جب رہنے لگی پائے حقیقت کے مزے
شاکر (میرٹھی)

وقت

وقت ایک ایسی شے ہے۔ جو ہر فرد بشر کو نہایت قلیل مقدار مین عطا ہوئی ہے۔ لیکن بالعموم اسے نہایت کثیر مقدار مین ضائع کیا جاتا ہے۔

جب ہم اس امر پر غور کرتے ہین۔ کہ ہر تنفس کے لئے وقت کا کس قدر تھوڑا حصہ مخصوص ہے تو ہمکو یہ مشاہدہ کرکے تعجب آتا ہے کہ پھر بنی نوع انسان کیون اسے بالکل لاپرواہوکر خرچ کرتے ہین۔ ہم اپنے اظہار موانست۔ سپاس گذاری اور روپیہ۔ پیسہ کے امراف مین جزو رسی ملحوظ خاطر رکھتے ہین۔ لیکن وقت کو ایسے فضول طور پر برباد کرتے ہین۔ جیسے ایک مسرف اپنے مال ومتاع کو۔

صرف معدود اشخاص ہم مین ایسے نکلین گے جن کی توجہ اس امر کی طرف منعطف ہوتی ہو کہ وہ اپنا وقت کسطرح استعمال کرتے ہین۔ یعنی کبھی وہ اپنے ضمیر سے یہ استفسار کرین کہ کسقدر وقت۔ ہم آرام مین۔ کسقدر تفریح طبع مین کسقدر بیکاری مین صرف کرتے ہین۔ اور کسقدر کم مفید کامون۔ یا مشاغل ذہنی مین خرچ کرتے ہین۔

آیا ہم نے۔ کوئی وقت مذہبی فرائض کی سرانجام دہی کے واسطے بھی مقرر کیا ہے۔ سچ پوچھئے تو ہمین اس امر کے محسوس ہونے سے ایک قسم کی تشویش پیدا ہوتی ہے کہ عاقبت الامر ہمکو خجالت اور ندامت سے مجبوب ہونا پڑیگا۔

منجملہ ان تمام کہنہ مضامین کے جن پر علم اخلاق کے جاننے والون۔ اور شاعرون نے خامہ فرسائی کی ہے سب سے عام اور معمولی مضمون کوتاہی عمر ہے۔

ہم نے سُنا ہے کہ زندگی مثل ایک حباب کے ہے۔ زندگی مانند ایک خواب کے ہے۔ زندگی ایک نمود بے بود ہے زندگی کی مثال اُس کہر کی سی ہے جو صبح کے وقت تھوڑے عرصے کے لئے درختون پر نظر آتی ہے اور بعد اذان اچانک کافور ہوجاتی ہے۔

زندگی ایک بت نوخیز کے وعدہ کے مشابہ ہے جسکا کچھ قیام نہین ہوتا۔ لیکن باایں ہمہ ہم بنی نوع انسان

اسطور پر طرح معاملہ داری ڈالتے ہین گویا کہ وہ ابدآلاباد کے لئے کوئی غیر متناہی شے ہے اس مین ایک بات نہایت عجیب اور افسوس ناک معلوم ہوتی ہے۔ جب ہم یہ دیکھتے ہین کہ ہر طرف تضیع اوقات جاری ہے تو ہمین یہ خیال کرکے بڑا تعجب ہوتا ہے کہ آیا تعلیم حکما و فقہا اور صدیون کے تجربہ کے سبق کچھ مؤثر ثابت ہوئے یا نہین آیا اب بھی بنی نوع آدم کو یہ تحقیق ہو گیا کہ وقت کیسی گرانمایہ شے ہے۔ کیسی سنجیدہ ذمہ داری اسکے ہر کاب ہے۔ اور کیسی بھاری امانت یہ ہمارے سپرد کرتا ہے۔

اب کیا اس تضیع اوقات کی وجہ یہ ہے کہ ہم مین غور و فکر کی کمی ہے۔ یا کہ ہم اپنی ذمہ داری کو محسوس نہین کرتے۔ ہان یہ دونون سبب۔ ایک دوسرے سے نسبت قریبہ رکھتے ہین۔ اور۔ اُن کا اثر بھی مشترک ہوتا ہے۔ ہمین یہ امر بسہولت یاد نہین آسکتا کہ وقت ضائع کرنیوالون کی ایک کثیر جماعت کے دلون مین خیالات لایروائی اور مایوسی جاگزین ہین اور وہ مجنونانہ جوش مین اس قیمتی خزانہ کو جو انھین تفویض کیا گیا ہے حتی الوسع بے پس و پیش اور بے دریغ خرچ کرتے ہین۔

البتہ اس امر مین کوئی اعتراض نہین کیا جا سکتا۔ کہ انکی حماقت کی وجہ یہ ہے کہ ان مین غور و فکر کی قابلیت نہین ہے۔ یا وہ ایسا کرنا پسند نہین کرتے۔ یا یہ کہ۔ بلند اغراض اور اعلیٰ مقاصد کے اوصاف انمین مفقود ہین۔

اکثر صورتین ایسی ہوتی ہین کہ وقت اور اُسکا استعمال انھین سکھایا ہی نہین جاتا۔ جاے افسوس ہے کہ ہمارے بچون کو یہ کبھی معلوم نہوگا کہ وہ وقت کا جو اُنکی واقعی دولت ہے کس طرح استعمال کرین۔

ہم اُنکے لئے انواع و اقسام کی اخلاقی تعلیم کے اسباب مہیا کرتے ہین۔ اُنکے سامنے علم و ہنر کے طبق کھولتے ہین۔ بُستانِ خوش بیانی کی روشون کا راستہ بتاتے ہین۔ انکی ہمہ تن رہبری کرتے ہین۔ لیکن کبھی اُنھین یہ نہین سکھاتے کہ اپنا وقت کس طرح بسر کرنا چاہیئے۔ "ہم لمحون کی قدر کا سکہ اُن کے قلوب پر نہین بٹھاتے"۔

مثل مشہور ہے "لمحون کی خبر گیری کرو اور دن اپنی خود خبر گیری کر لینگے"۔ یا امر بین حیرت مین ڈالتا ہے کہ کس قدر نوخیز طالبعلم باوجود عدم توجہی امر زیر بحث ہمیشہ خراب ہوتے ہین۔

ہر ایک گھنٹہ کے قیمتی چوتھائی حصے بہ نظر امکان کسی مُفید کام مین بسر ہو سکتے ہین۔ لیکن ہمارے نوجوان انھین بالکل بے اعتنائی کے ساتھ ضائع کر دیتے ہین۔ اور یون ہی وہ اپنے وقت کو۔ ایک لاپروائی اور ایک ایسے طریقہ مین جس سے اِن کی ذات کو کوئی فائدہ متصور نہین ہوتا۔ گزار دیتے ہین۔ یہی تضیع اوقات اکثر گھرون مین دیکھی جاتی ہے۔ کھانا کھانے سے پیشتر مابعد صبح کو۔ شام کو خوابگاہ مین۔ بالاخانون پر۔ کھانا کھانے کے کمرہ مین طاقات کے کمرہ مین وقت برباد کیا جاتا ہے اور بروقت اختتام روز بعد تاسف و افسوس یون گویا ہوتے ہین۔

کہ فلان کام کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن نہین کیا۔ فلان بات یاد رکھنی چاہیئے تھی۔ لیکن کیا بتائین ہم تو بھول گئے لیکن کچھ مضایقہ نہین۔ ہم ضائع شدہ وقت کی کل تلافی کر لین گے ہان کل ضرور کر لین گے۔ ہم جرأت کے ساتھ بیان کرتے ہین کہ ہماری زبان مین کل ہی ایک ایسا لفظ ہے جسکی وجہ سے اتنی وعدہ خلافیان ظہور مین آتی ہین۔ صدہا اُمید ین خاک مین ملجاتی ہین۔ ہزار ہا فرائض ترک کئے جاتے ہین اور لکھو کھا جانین

تلف ہوتی ہین - کیونکہ غضب تو یہ ہے کہ وہ "کل" ہرگز نہین آتی - وہ ہمیشہ "امروز فردا" ہوتی ہے اس کل کی تو ہمین دھن ہی فضول ہے - کیونکہ اب نہ وہ واپس آسکتی ہے اور نہ ہم اُسکا آج بنا سکتے ہین - جب وہ ایک دفعہ گذر گئی تو گذر ہی گئی - اب بجز اسکے اور کچھ بن نہین پڑتی کہ ہم اُسکی گور پر آنسو بہائین - اور آج کی طرف متوجہ ہون - بعض اشخاص اپنا بہت سا وقت ضائع شدہ وقت پر تاسف کرنے مین خرچ کر دیتے ہین - یا اگر ہم اسطرح ا سے بیان کرین تو زیادہ مناسب ہوگا کہ وہ آج کو بھی کل کے غم مین کھو بیٹھتے ہین - شہنشاہ ہاڈلسٹ کی بابت بیان کرتے ہین کہ جب وہ دن بھر کوئی کار خیر نہین کرتا تھا تو کہا کرتا - "کہ افسوس آج کا دن ضائع گیا" گویہ رنج فطرت انسانی سے کچھ بعید نہ تھا - تاہم یاد رہے کہ وہ آیندہ کل تک اسکی تلافی کا منتظر نہین رہتا تھا اور گذشتہ کل پر جو اسطرح بے لطفی سے گذر جاتا تھا اظہار تاسف کرکے آج کو اور بھی مفید مطلب کام مین صرف کرنے مین ہمیشہ کامیاب ہوتا تھا -

ہماری یہ آرزو ہے - کہ ہر شخص لمحون کی بیش بہا قدر کو ہمیشہ اپنے گوشۂ خاطر مین جگہ دے - لیکن ہمارا مقابلہ نہین ہے کہ ان لمحون کے تجسس مین جو واپس نہین آسکتے ایک بیہودہ تمنا ظاہر کیجاوے - اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض انسان وقت کا استعمال سمجھنے سے اعلیٰ مراتب پر پہنچ گئے ہین اور نیک اور پارسا بنگئے ہین -

(Gidun Lee) نامی امریکہ کے ایک سوداگر نے بستر مرگ پر اپنی اولاد کو خاص طور پر یہ ہدایت کی کہ تجربہ میرے اس بیان کا شاہد ہے کہ تم "وقت کے پیمانہ کو پُر رکھو" اُسنے کہا "اے لڑکو! تم ہمیشہ کسی مفید مشغلہ مین مصروف رہو - کار خیر کرنے مین یا عمارات تعمیر کرانے مین اور اپنی اور سوسائٹی کی بہبودی کو ترقی دینا تمہارا مقصد ہونا چاہئے - اگرچہ کوئی فرد بشر بغیر کسی ضرر رسانی کے بہت فائدہ نہین پہنچا سکتا لیکن اگر تم نیکی کی راہ مین سعی کروگے تو تم سے کتنا ہی ضرر پہنچیگا" "محنتی اور ایماندار بنو" ایک بافہم آدمی کی روشن عقل اُسکے لئے کچھ سود مند واقع نہین ہوتی - اگر وہ اپنے موقعون کے حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے اور موقعے ایک مُسرف کو کبھی دستیاب نہین ہوتے - ممکن ہے - کہ وہی گھنٹے جنکو وہ ضائع کرتا ہے اُسکی استعمال کامیابی کے لئے ایک امر ناگزیر بنجاوین -

ہماری رائے مین یہی پہلا سبق ہے - جو ایک نوجوان آدمی کو سیکھنا چاہئے - اگر اسکی ایمانیہ آرزو ہے کہ جو فرائض اسپر اپنے خالق و ہمسایہ کی طرف واجب ہین - انھین وہ ادا کرے اُسے اس بات کی کوئی فکر نہونی چاہئے کہ مجھ مین قابلیت نہین - یا مجھ مین استطاعت نہین ہے وہ کم از کم یہ تو کہہ سکتا ہے جیسا کہ اطالیہ کے ایک مشہور بادشاہ نے کہا ہے - کہ "وقت میری جاگیر ہے - اور اُسکی پہلی کوشش وقت کا مناسب استعمال سمجھنے کے لئے ہونی چاہئے"

سید محمد اسد علی جعفری

دشمن جان یہ ایک دلچسپ ناول ہے جو محمد عبدالقادر صاحب صوبہ دار وظیفہ یاب سرکار عالی حیدرآباد دکن کے دور قلم کا نتیجہ ہے - اسکی غایت شراب نوشی کے نقصانات کی وضاحت ہے جو نہایت کامیابی سے دکھائے گئے ہین - عالی دماغ مصنف نے دکھایا ہے کہ شراب کا اثر مثلاً بعد نسل قائم رہتا ہے اور یہی بادہ نوشون کی اولاد کو بھی شراب نوشی کیطرف مائل کرتا ہے - ایک انگریزی خاندان کا اس ام الخبائث کے زہریلے اثر سے تباہ ہونا نہایت حیرت ناک ہے - قیمت فی جلد ایک روپیہ - مطبع شمس حیدرآباد دکن سے دستیاب ہوسکتا ہے -

از دیار رفتہ سلطنت

بیجانگر

دوسرا باب

سلطنت بیجانگر

سلطنت بیجانگر کا قیام - سری مہاتما ودیار نیا کی خفیہ امداد - شہر بیجانگر کا آباد ہونا اور اُسکا موقع - بیجانگر کا پہلا راجہ ہری ہر - اہل دکن کی بغاوت - سلطنت بہمنی کا قیام سلطان علاء الدین حسن بہمنی سلطان علاء الدین کی فوج کشی راجگان بیجانگر و تلنگانہ پر +

۱۳۲۳ء مین جب محمد تغلق نے ورنگل کو فتح کرلیا - اور وہان کے راجہ پرتاب رودر کو اسیر کرکے دہلی بھیجدیا تو تلنگانہ کے ملک مین ہر طرف ابتری اور بدامنی پھیل گئی - امرا و اعیان سلطنت پریشان و پراگندہ ہوکر مختلف ملکون مین چلے گئے - دو بھائی ہری ہر اور بھاکھارائے جو راجہ کی فوج مین معتمد سردار تھے - اُنھون نے بھی ورنگل کو خیرباد کہا اور کرناٹک کے اُس علاقہ مین پہونچکر جہان کرشنا اور تنگ بھدرا کا اتصال ہوا ہے کچھ زمین پر قابض ہوگئے اور وہان ایک چھوٹی سی حکومت قائم کرلی -

محمد تغلق کی بدنظمی سے جب ملک مین فتنہ و فساد کا بازار گرم ہوگیا اور مسلمان باہمی لڑائی جھگڑون مین مصروف ہوگئے تو اس موقع کو غنیمت سمجھ کر دونون بھائیون نے فائدہ اُٹھانے کی کوشش شروع کی - اس زمانہ مین دیوگڈھ اور ورنگل کے راج تباہ و برباد ہوگئے تھے - کرناٹک کا ملک مسلمانون کے تحت تسلط مین آگیا تھا - ملیبار اور دوار سمندر کے راجاؤن نے اطاعت قبول کرلی تھی - جدید فتوحات سے اسلامی مقبوضات روز بروز وسیع ہوتے جاتے تھے - جسکی وجہ سے دکن کے ہندؤن کی حالت بالکل بے پناہ ہوگئی تھی -

ہند و مذہب کے مشہور ریفارمر شنکر آچاریہ کا گیارھوان خلیفہ سری مہاتما ودیار نیا میسور کے علاقہ مین بمقام شرن گری رہتا تھا - دونون بھائی بزرگ مہاتما کے پاس گئے اور اُس سے اپنی قوم کی تباہی اور بے پناہی کا ذکر کیا اور مسلمانون کی روک تھام کے لئے ایک نیا مورچہ قائم کرنے کی خواہش ظاہر کی اور اُس سے اس بارے مین امداد چاہی - بزرگ مہاتما نے اُنھین ایک خفیہ خزانہ دیا جس کی مدد سے اُنھون نے ۱۳۳۶ء مین تنگ بھدرا کے کنارے ایک شہر کی بنیاد ڈالی اور اپنے مربی و سرپرست ودیار نیا کے نام پر اس کا نام ودیانگر رکھا جو فارسی مین بگڑکر

بیجانگر ہوگیا۔[1]

دریائے تنگ بھدرا کے جنوبی کنارے پر ایک کوہستانی سلسلہ پھیلا ہوا ہے جسکے ایک دشوار گذار مقام مین دونون بھائیون نے بیجانگر کو آباد کیا تھا تاکہ دشمن کے حملون سے محفوظ رہے۔ شہر کے تین طرف پہاڑیان واقع تھین جنکے چوٹیون کی بلندی ایک سو سے لیکر ایک ہزار فیٹ تک تھی۔ چوتھی طرف ایک عظیم الشان تالاب بنا دیا تھا جسکا بند ایک میل وسیع تھا۔ پہاڑیون مین جہان جہان شگاف تھے وہان سنگین دیوارین بنا دی گئی تھین اور اسطرح پر شہر کی حفاظت کئی ایک دیوارون کے سلسلہ سے کی گئی تھی۔ ان مین سب سے بیرونی دیوار کا قطر آٹھ میل لمبا تھا۔ بند کے پاس ایک بہت بڑی دیوار بنائی گئی تھی۔ جسکو لے جاکر پہاڑیون کے اُسی سلسلہ سے ملا دیا تھا جسکا اوپر ذکر ہوچکا ہے اور اسمین جا بجا برج اور دمدمے بنائے تھے اور اسکے نیچے ایک عمین خندق تھی جسمین تالاب سے پانی آتا تھا۔ دیوار کے اندر کھیت اور باغ تھے اور ان کی آبیاری کے لئے تالاب سے نہر لائی گئی تھی۔ ان کے بعد بستی تھی جسمین ہر محلہ کی حفاظت کے واسطے الگ الگ دیوارین بنی ہوئی تھین۔ شہر کے وسط مین ایک سنگین حصار کے اندر راجہ کے محلات، ٹکسال کا کارخانہ اور سیناپتی کے مکانات تھے۔

شہر کے آباد ہونے پر ہری ہر راجہ قرار پایا۔ یہ راجہ ۱۳۳۶ء/۷۳۷ھ سے لیکر ۱۴۵۰ء/۸۵۴ھ تک برسر حکومت رہا۔ اس زمانہ مین بیس سال تک مسلمان اپنی خانگی جھگڑون مین معروف رہے جسکی وجہ سے اُنھون نے اُسکے سانحہ پر خاش نہ کی اور اُسکی حکومت بہت جلد قایم ہوگئی اور تھوڑے ہی عرصہ مین تمام جنوبی ہند مین پھیل گئی۔ ملیبار اور مدورا کے چھوٹے چھوٹے راجہ بھی اسکی حمایت و حفاظت مین شامل ہوگئے۔ اور نہایت تیزی سے اسکی قوت و سطوت بڑھنے لگی۔ مشہور مسلمان سیاح ابن بطوطہ ۱۳۴۲ء/۷۴۳ھ ساحل کنارا پر آیا تھا۔ اُسکے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام ہنا ور مین جسے آجکل ہونور کہتے ہین ایک مسلمان سردار جمال الدین کی حکومت تھی اور وہ بیجانگر کے راجہ ہری ہر کا خراجگذار تھا۔

راجہ ہری ہر جس زمانہ مین اپنی سلطنت کے استحکام

[1] یہ بیان حال کی اُن تحقیقات کے موافق ہے جو ملکی روایتون عمارت کے کتبون اور دیگر آثار قدیمہ سے ثابت ہوئے ہین۔ لیکن مورخ فرشتہ لکھتا ہے کہ محمد تغلق کے زمانہ مین ورنگل کی تباہی کے بعد کشنا نائک جو لدر دیو راجہ ورنگل کا بیٹا تھا کرناٹک کے راجہ بلال دیو کے پاس چلا گیا اور اس کو مسلمان تلنگانہ اور کرناٹک سے ہندوؤن کو نکالنا چاہتے ہین اسلئے ان کا ابھی سے بندوبست کرنا چاہئے۔ بلال دیو اور تمام اعیان سلطنت کی یہ صلاح ٹھیری کہ کرناٹک کی شمالی سرحد پر مسلمانون کی روک تھام کے واسطے ایک شہر بسا کر راجہ اُسے اپنا تخت گاہ بنائے۔ معبر اور دوار سمندر کے علاقجات اسلامی قبضے سے نکالے جائین۔ کشنا نائک بھی اس موقع سے فایدہ اُٹھا کر ورنگل پر قبضہ کرلے۔ بلال دیو نے اس غرض سے تنگ بھدرا کے کنارے ایک شہر بسا کر اُسکا نام اپنے بیٹے بیجن رائے کے نام پر بیجن نگر رکھا جو رفتہ رفتہ بیجانگر مشہور ہوگیا۔ پھر کشنا نائک کو سوار اور پیادے دے جنکی مدد سے اُسنے ورنگل پر قبضہ کرلیا۔ اسکے بعد بلال دیو اور کشنا نائک نے معبر اور دوار سمندر کے راجاؤن کو امداد دی اور اُنھون نے اپنے اپنے ملک مسلمانون کے قبضہ و تصرف سے نکال لئے۔

قدیم کتبون اور تلنگی نوشتون مین بیجانگر کے راجاؤن کے جو نام ہین اُن مین اور اُن ناموں مین جو فارسی تاریخون مین ملتے ہین بہت بڑا اختلاف ہے۔ تاریخی واقعات اور دیگر سوانحات کا مقابلہ کرکے ان مین مطابقت کرنے کی ہم نے بہت کوشش کی ہے۔ پھر بھی غلطی کا بہت احتمال باقی ہے۔ (حکیم سید شمس اللہ قادری)

مین مصروف تھا قریب قریب اُسی زمانہ مین دریاے کرشنا کے شمال مین ایک عظیم الشان اسلامی سلطنت کی بنیاد پڑنی شروع ہوئی تھی۔

۷۴۵ھ/۱۳۴۴ء مین محمد تغلق تلنگانہ سے واپس ہوکر دہلی کو روانہ ہوا تو نصرت خان کو بیدر اور قتلغ خان کو دولت آباد سپرد کیا۔ نصرت خان نے ہزار ہا تلنگ عبن کرلئے اور علانیہ طور سے بغاوت بھی برپا کردی۔ بادشاہ کے حکم سے قتلغ خان نے اس بغاوت کو رفع دفع کرکے تمام دکن کا انتظام اپنے ذمہ لے لیا۔ اسکے کچھ مدّت بعد لوگون نے بادشاہ سے قتلغ خان کی شکایتین شروع کین جسکی بنا پر بادشاہ نے یہ حکم دیا کہ وہ اپنے بھائی عالم الملک کو دیوگڈھ مین اپنی جگہ مقرر کرکے دہلی چلا آئے۔ قتلغ خان جب دہلی پہونچا تو بادشاہ نے انتظام کے لئے دکن کی چار شقین قرار دین۔ عماد الملک کو سپہ سالار کیا۔ سرور الملک اور یوسف بغرا کو خالصات کی نگرانی تفویض ہوئی اور عالم الملک ان سب کا صدر بنایا گیا۔ اسی زمانہ مین بادشاہ نے عزیز خمار کو مالوہ کا حاکم مقرر کیا اور جاتے وقت اُس سے کہا کہ امیران صدہ کے سبب سے چونکہ ملک مین ہمیشہ فتنہ و فساد برپا ہوا کرتے ہین۔ اسلئے ان کی نگرانی اور مدافعت ہوتی رہے۔ عزیز خمار جب مالوہ پہونچا تو امیران صدہ کو دعوت کے بہانہ سے بلوا کر ستّر آدمیون کو قتل کردیا۔ اس واقعہ کو سُنکر بادشاہ نے اپنی خوشنودی ظاہر کی۔ عزیز خمار کے لئے انعام واکرام بھیجے۔ اس خبر کے منتشر ہوتے ہی امیران صدہ نے ہر طرف بغاوت برپا کردی اور لوٹ مار کرتے ہوئے دکن مین آکر پناہ گیر ہوئے۔ اسوقت محمد تغلق گجرات مین تھا۔ اس خبر کے سنتے ہی احمد لاچین اور علی جامدار کو امیران صدہ کی گرفتاری کے لئے دکن مین روانہ کیا۔ پھر سلطانی کو سُنکر امرا و دربار شاہی مین جانے سے تساہل کرنے لگے تو عالم الملک نے جبراً طلب کرکے احمد لاچین اور علی جامدار کے ہمراہ کردیا۔ احمد لاچین حریص آدمی تھا اُس نے ان لوگون سے رشوت لینا چاہی اور جب اُسے کچھ بھی وصول نہوا تو اکثر روز ذکر کرنے لگا کہ ان لوگون نے چونکہ حکم شاہی کی تعمیل مین تساہل کیا ہے اور باغیون کو پناہ دی ہے اسلئے ان کا قتل لازمی ہے۔ یہ جان خراش خبر کے سنتے ہی سبھون نے مل کر مشورہ کیا اور احمد لاچین کو قتل کرکے دکن مین واپس چلے آئے۔

یہ لوگ جب دکن مین پہونچے تو وہ لوگ بھی جو بادشاہ سے ناراض ہورہے تھے ان سے آکر مل گئے اور ان سب نے اتفاق کرکے دولت آباد کا محاصرہ کیا۔ اہل قلعہ نے جب محاصرین کی قوت و سطوت کو دیکھا تو وہ بھی ان مین شامل ہوگئے۔ اسی اثنا مین گجرات و مالوہ کے بھاگے ہوئے امرا بھی چلے آئے۔ الغرض باغیون کی کثیر جماعت ہوگئی اور تمام دکن محمد تغلق کے مقابلے مین باغی ہوگیا۔ اسوقت تمام امیر خود مختار اور مطلق العنان تھے اس لئے سبھون نے مل کر مشورہ کیا کہ کسی ایک امیر کو سرگروہ بنایا جائے تاکہ تمام کاروبار اُسکے رائے سے انجام پائین اور آپسمین اتفاق قائم رہے۔ جب یہ امر منظور ہوگیا تو اسمٰعیل مخ کو ناصر الدین شاہ کا خطاب دیکر بادشاہ بنایا اور محمد تغلق کے مقابلہ کی تیاریان شروع کین۔

محمد تغلق اس بغاوت کے فرو کرنے کے لئے گجرات سے دولت آباد آیا۔ ناصر الدین شاہ بھی تیس ہزار سپاہی لیکر مقابلہ کے لئے قلعے سے نکلا۔ آپسمین خوب لڑائی ہوئی۔ باغیون نے شکست پائی۔ حسن کانگو کی گلبرگہ کی طرف بھاگ گیا۔ ناصر الدین شاہ دولت آباد کے پاس دھارا گڈھ کے قلعہ مین متحصن ہوگیا۔ بادشاہ

نے عماد الملک کو حسن کے تعاقب مین روانہ کیا اور خود اگرقلعہ کا محاصرہ کیا۔ تین مہینے تک لڑائی ہوتی رہی اسی اثنا مین گجرات سے خبر آئی کہ ملک طغی نے امیران صدہ کے اتفاق سے گجرات کے حاکم شیخ معزالدین کو گرفتار کرلیا ہے اور ملک مین لوٹ مار مچادی ہے۔ اسکے سنتے ہی بادشاہ بہت گھبرایا اور قوام الدین کو دولت آباد کے محاصرے پر چھوڑ کر خود گجرات کیطرف چلاگیا۔ دولت آباد سے محمد تغلق کے جانے کی کیفیت جب حسن کانگوی کو پہونچی تو اطراف وجوانب کے امرا کو بلاکر بیس ہزار سوار کے ساتھ گلبرگہ سے نکلا۔ تلنگانہ کا راجہ بھی محمد تغلق سے ناراض تھا۔ اُس نے بھی پندرہ ہزار آدمی مدد کے لئے حسن کے پاس بھیجے۔ تمام فوج کو لیکر بیدر مین پہونچا اور یہان عماد الملک کے ساتھ جنگ عظیم ہوئی۔ عماد الملک مارا گیا۔ شاہی فوج بھاگ گئی۔ حسن بیدر سے نکل کر دولت آباد کیطرف نامرالدین شاہ کی امداد کے لئے روانہ ہوا۔ محامرین نے جب حسن کے آنے کی خبر سنی تو محاصرہ اُٹھاکر دہلی اور گجرات کی طرف بھاگ گئے اور دکن محمد تغلق کے ہواخواہون سے بالکل خالی ہوگیا۔ جب محاصرہ اُٹھ گیا تو نامرالدین شاہ حسن کے استقبال کے لئے قلعہ سے نکلا۔ نظام پور مین دونون نے ملاقات کی اور وہان چودہ روز تک خوب جشن منائے۔

نامرالدین شاہ معمر اور ضعیف آدمی تھا اسلئے سلطنت کے کاروبار سے سبکدوش ہونا چاہا تو اس کام کے لئے تمام امرا نے ملکر حسن کانگوی کو منتخب کیا اور ۴ ربیع الثانی ۷۴۸ھ/۱۳۴۷ء کو اُسکے سر پر تاج شاہی رکھا۔ حسن محمد تغلق کے منجم کانگوی برہمن کا ملازم تھا اور اُسکی زمین کاشت کیا کرتا تھا۔ ایکدن کا ذکر ہے کہ ہل زمین مین اٹک گیا جب اُسنے زمین کھودی تو اشرفیون کا دفینہ نکلا۔ حسن نے دفینے کو لیجاکر اپنے آقا کانگو برہمن کی خدمت مین پہونچادیا۔ برہمن اس غیر معمولی دیانت سے بہت خوش ہوا دوسرے روز جب دربار مین گیا تو محمد تغلق سے ساری داستان کہہ سنائی۔ بادشاہ نے اس واقعہ کو تعجب سے سُنا اور حسن کو بُلاکر امیران صدہ مین شامل کرلیا۔ ۷۴۴ھ/۱۳۴۳ء مین بادشاہ کے ساتھ دکن مین آیا۔ بادشاہ نے اُسے کنبی اور رائے باغ کے چند پرگنات جاگیر مین دیدیئے اور وہ یہین رہنے لگا۔ حسن جب بادشاہ ہوا تو اپنے قدیم آقا کانگو برہمن کے نام پر اپنا لقب سلطان علاالدین حسن کانگوی بہمنی رکھا اور گلبرگہ کو حسن آباد کے نام سے نامزد کرکے اپنا پایۂ تخت قرار دیا۔

حسن کانگوی نے جب اپنی سلطنت کا خوب استحکام کرلیا اور تمام ملک مین امن امان ہوگیا تو مملکت کو وسیع کرنیکی فکر ہوئی۔ تلنگانہ اور کرناٹک کی تسخیر کے لئے بادشاہ کے حکم سے عمادالدین تاشقندی اور مبارک خان لودہی روانہ ہوئے۔ انھون نے ادھونی سے بیجانگر ہوتے ہوئے دریائے تالی اور بکری تک خوب تاخت وتاراج کی اور وہان کے راجاؤن کو مطیع کیا۔ دو لاکھ اشرفی پیشکش اور جواہرات دوسو ہاتھی ایک ہزار رقاص کنیزین خراج مین وصول کرکے لائے۔

اس مہم سے فراغت پاکر حسن نے ہندوستان کی فتح کا ارادہ کیا۔ ۷۵۵ھ/۱۳۵۴ء مین پچاس ہزار سوار لیکر دار الحکومت سے نکلا۔ بالاگھاٹ تک پہونچا تھا کہ دفعتاً بیمار ہوگیا۔ جب دیکھا کہ مرض روز بروز ترقی کررہا ہے تو گلبرگہ کو مراجعت کی یکم ربیع الاول ۷۵۹ھ/۱۳۵۸ء کو فوت ہوگیا۔ اسکے بعد اسکا بیٹا سلطان محمد شاہ مالک تاج تخت قرار پایا۔ حسن کے خاندان مین یکے بعد دیگرے اٹھارہ بادشاہ ہوئے اور تقریباً دو صدیون تک تمام شمالی دکن پر فرمان روا

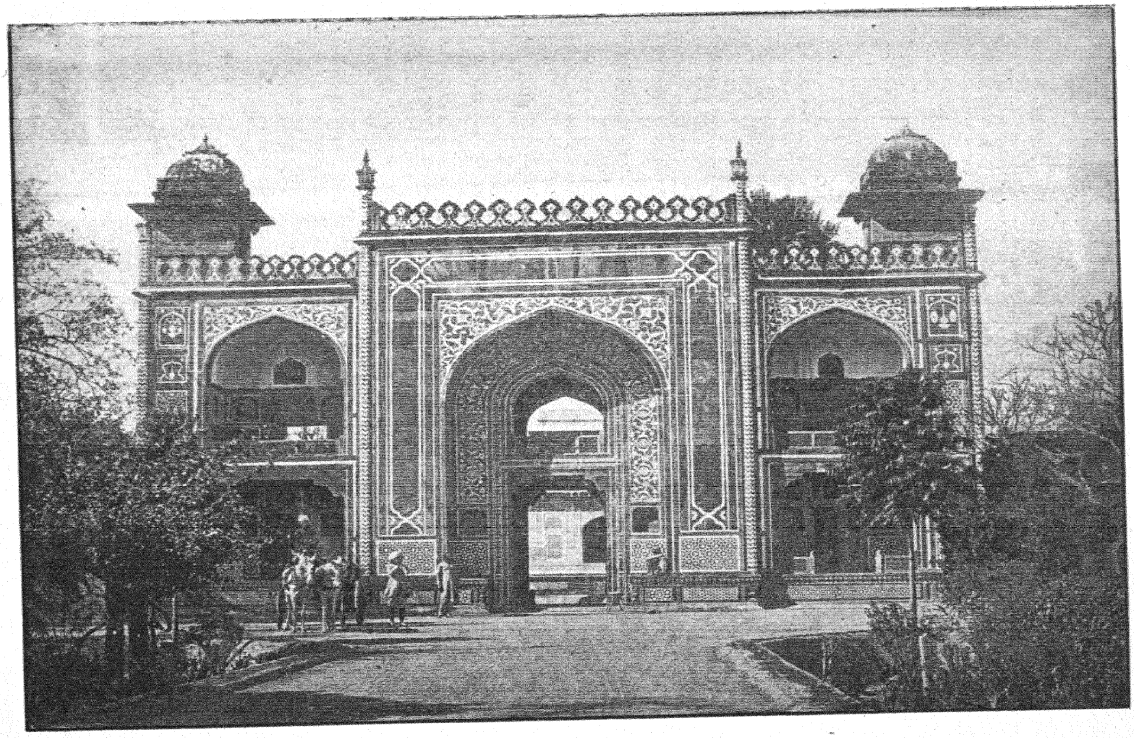

دروازة مقبرة اعتماد الدوله

انتقين پريس الهآباد

انکی سلطنت برار سے لیکر دریاے کرشنا تک پھیلی ہوئی تھی۔ یا موجودہ جغرافیہ کے لحاظ سے بمبئی پریزیڈنسی کے جنوبی علاقہ اور ممالک محروسہ نظام کے بہت سے حصوں پر مشتمل تھی۔ راجگان بیجانگر شاہان بہمنیہ سے بارہا لڑائیاں ہوتی رہی ہین۔ ان لڑائیون مین بہمنیون کو بھی بعض اوقات شکستین اُٹھانی پڑی ہین مگر عموماً یہی لوگ فتحیاب رہے ہین اور اہل بیجانگر کو مجبور ہوکر خراج ادا کرنا پڑا ہے۔

حکیم سید شمس اللہ قادری

جیسی نیت ویسا پھل

(۱)

صبح کا سہانا سماں تھا اور شہر لاہور مین رومن کیتھولک گرجا کے قریب ایک چھوٹی سی کوٹھی کے دروازہ کے آگے ایک نوجوان لڑکی جسکی عمر اسوقت ۱۸ سال کے قریب تھی کھڑی ہوئی جرنیلی سڑک کیطرف دیکھ رہی تھی۔ اسکا نام سبزہ بیگم تھا اور مسٹر نظام مسیح دیسی عیسائی کی اکلوتی بیٹی تھی۔ نظام مسیح ابتدا مین مسلمان تھے۔ مگر اس لڑکی کی پیدایش سے کئی سال پہلے عیسائی ہوگئے۔ ایک معزز عیسائی کی دختر سے شادی کی اور اس شادی کا پھل صرف یہ لڑکی تھی۔ نظام مسیح پولیس مین انسپکٹر تھے لیکن انتہا کے دیانت دار اور خدا ترس اسلئے دولت جمع نہ کرسکے۔ پنشن کے وقت مسکونہ کوٹھی کے علاوہ انکے صرف پانچ ہزار روپے جمع تھے۔ اسکے سود اور پنشن سے جسکی مقدار ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار تھی اپنا اور اپنی بیٹی کا گذارہ کرتے تھے۔ سبزہ بیگم کی عمر ۱۰ سال کی تھی کہ بیوی کا انتقال ہوگیا اور جب یہ لڑکی ۱۴ سال کی ہوئی تو دفعتاً اِن کو بھی پیغام اجل آگیا۔

رومن کیتھولک گرجا کے قریب ایک عالیشان کوٹھی ہے جسمین مشن کی وہ پارسا اور تارک الدنیا لیڈیان رہتی ہین جو تمام عمر کنواری رہتی ہین اور اپنی عمر یسوع اور اُسکے گلے کی خدمت کے لئے وقف کردیتی ہین اور جنکو انگریزی زبان مین خواہران خیرات کہتے ہین۔ ان لیڈیون کی افسر اور اس جگہ کی ناظمہ ایک امریکن لیڈی مس شارپ تھی جو اخلاق مجسم اور ہمدردی کا اوتار تھی اور سبزہ بیگم کے والد کی وفات کے بعد اُسکی ولیہ اور رہنما مقرر ہوئی۔ مس شارپ کے سایۂ عاطفت مین سبزہ نے تربیت پائی اور ۱۸ سال کی عمر مین پنجاب یونیورسٹی کا امتحان فرسٹ آرٹس پاس کرلیا۔ گو یہ دیسی عیسائن تھی مگر حسن و جمال مین لبنان فرنگ پر سبقت لے گئی تھی۔ اسکا درمیانہ قد۔ بڑی بڑی سیاہ آنکھین۔ پیوستہ ابرو۔ شفاف اور سڈول دانت پیازی ہونٹ۔ سُرخ و سپید رنگ۔ لمبے لمبے سُنہرے بال جو کمر سے نیچے لٹکے رہتے تھے، دیکھ کر قدرت خدا یاد آتی تھی۔ یہ مذہب عیسوی کی پیرو تھی مگر لباس پارسیون کا زیب بدن کیا کرتی تھی۔ اسوقت دھانی ساری پہنے کوٹھی کے دروازہ پر کھڑی تھی کہ مغرب کیطرف سے ایک نوجوان یوسف جمال سمند سیاہ پر سوار نمودار ہوا،

اور سبزہ کے پاس آکر ٹھہر گیا۔ سبزہ بھی اُسے دیکھ کر مسکرائی۔

سبزہ "خیر ہے۔ اسوقت کدھر کا ارادہ ہے؟"

جوان "ریل کے اسٹیشن پر جاتا ہوں ایک مہمان کو لے آنا ہے"

سبزہ "مہمان؟ کہاں سے؟ کدھر سے"

جوان "میرے چچا جان کے ایک ماموں ہوتے تھے اُنکا انتقال ہوگیا ہے۔ اُنکی صرف ایک لڑکی مس صافی ہے جب تک اُسکے رہنے سہنے کا کمین انتظام ہو وہ ہمارے گھر میں رہیگی۔ اسلئے ڈاک سے آتی ہے۔ اُسکے استقبال کے لئے اسٹیشن تک جاتا ہوں"

سبزہ "تعجب ہے تم استقبال کے لئے جاتے ہو۔ کامران اور فرمان کہاں ہیں؟"

جوان "تعجب کی کون سی بات ہے۔ چچا نے مجھی سے فرمایا ہے۔ کامران اور فرمان بھی یہیں ہیں"

سبزہ "کیا مس صافی تمہارے پیچھے گھوڑے پر سوار ہو کر آئینگی"

جوان (ہنسکر) نہیں فٹن کو جوان لیکر اسٹیشن پر گیا ہے۔ میں اور مس صافی فٹن میں واپس آئینگے سائیس اسٹیشن پر پہلے سے موجود ہے۔ گھوڑا اُسکو دیدوں گا"

سبزہ (مسکراکر) بہتر ہے تشریف لیجایئے آپ کو دیر ہوتی ہے"

یہ سُنکر جوان نے اپنے صبا رفتار گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ہوا ہوگیا۔ سبزہ دیر تک گرد و غبار کیطرف جو گھوڑے کے ٹاپوں سے اُٹھا تھا دیکھتی رہی اور اُسکی بانکی چتون پر کئی بل پڑ گئے۔ مگر یہ حالت صرف چند سکنڈ کے لئے طاری ہوئی۔

(۴)

یہ نوجوان کون تھا؟ یہ پشاور کے ایک رئیس اعظم کی اولاد سے تھا اسکے جد امجد نے پادری جیوک کی تلقین سے مذہب عیسائی اختیار کیا تھا اور پشاور سے ہجرت کرکے لاہور کو جاسے سکونت مقرر کیا تھا۔ اسکے دادا جان مسٹر ملایم دین عجیب قسم کے یکرخے انسان تھے۔ ان کے دو بیٹے تھے ایک عماد الدین اور دوسرا فہیم الدین۔ عماد الدین ہمارے ہیرو نسیم الدین کا والد تھا۔ نسیم کے والد سے مسٹر ملایم الدین ایسے ناراض ہوے کہ اُسے گھر سے نکالدیا اور فرزندی سے عاق کردیا۔ عماد الدین اپنے والد کی زندگی ہی میں وفات پاگیا۔ اُسکے مرنے کے بعد فہیم الدین کے کہنے سُننے سے نسیم کو اُنھوں نے اپنے گھر میں بُلالیا۔ مگر جب اُسکو دیکھتے تھے کبیدہ خاطر ہوجاتے تھے۔ کبھی نسیم سے محبت پیار یا اخلاص سے پیش نہ آتے تھے۔ فہیم الدین نے جو اس نوجوان کا چچا تھا عہد کرلیا تھا کہ شادی نہیں کرونگا اُسکو مطالعہ اور تصنیف و تالیف کا شوق تھا۔ دن رات کتابوں میں غرق رہتا تھا اور نسیم کو فرزند حقیقی کیطرح چاہتا تھا۔ مسٹر ملایم دین کی تمام جائداد خود اُنکی پیدا کردہ تھی۔ جب وہ مرگئے تو وصیت کرگئے تھے کہ میری تمام جائداد کا مالک بلا شرکت غیرے فہیم الدین ہوگا۔ اگر فہیم الدین شادی نکرے تو اُسکے بعد نسیم وارث ہو۔ فہیم الدین کو اختیار ہے کہ جس عمر و زید کو چاہے جائداد دیدے مگر نسیم کو نہ دے۔ فہیم نے جب اس عجیب وصیت کے مضمون سے آگہی حاصل کی تو اُسکو بہت صدمہ ہوا وہ نسیم کو اپنا متبنیٰ سمجھتا تھا اور آنکھ کا تارا جانتا تھا۔ اُسکے اسطرح محروم رہ جانے سے بہت ملال ہوا۔ مشہور قانون دانوں سے مشورہ کیا مگر کوئی بات قابل

اطمینان اُسکے یا اُسکے قانونی مشیرون کو نہ سوجھی۔ ناچار اُسنے اپنے ہتھال کے رشتہ دارون کا مران اور فرمان کو اپنے پاس بُلا لیا۔ اور اُسکا ارادہ تھا کہ تمام جائداد انھین سے ایک کو جو قابل ہو دیدے۔ نسیم الدین نے جسکی عمر اسوقت بیس سال کی تھی۔ بی۔ اے کا امتحان پاس کر لیا تھا اور قانونی کلاس مین ایل۔ ایل۔ بی۔ کے امتحان کی تیاری کر رہا تھا۔ اسکو اپنی ناداری کا حال معلوم تھا۔ سبزہ سے اسکی مس شارپ کے ہان ملاقات ہوئی تھی۔ اگر اسکی مالی حالت اچھی ہوتی تو شاید سبزہ سے شادی کی درخواست کرتا۔ مگر اپنی ناداری کی وجہ سے خاموش تھا۔ سبزہ کا یہ عالم تھا کہ وہ نسیم کو جان سے بڑھکر چاہتی تھی اور اُسنے اپنے دلمین عہد کر لیا تھا کہ اگر شادی کرونگی تو نسیم سے ورنہ تارک الدنیا ہو جاونگی۔ اور مس شارپ کیطرح نقاب تجرید رُخ پر ڈال کر پرستارۂ خیرات خواص لیسوع ہو جاونگی۔

مسٹر نسیم سرپٹ گھوڑا دوڑاتے ہوئے ریلوے اسٹیشن پر عین اسوقت پہنچے جسوقت ڈاک گاڑی گڑگڑاتی ہوئی اسٹیشن مین داخل ہوئی۔ گھوڑا سائیس کے حوالہ کرکے کھٹ پٹ کرتے پلیٹ فارم پر پہنچے اور اِدھر اُدھر نگاہین دوڑانے لگے۔

اِنکے دیکھتے دیکھتے سکنڈ کلاس کے ایک کمرہ سے ایک اکیس سالہ عورت اُتری جو سیاہ مائتی گون پہنے ہوئی تھی۔ یہ مس صافی تھی۔ میانہ قد تھا۔ دُبلا پتلا جسم تھا گندمی رنگ تھا۔ آنکھین اخروٹ کے رنگ کی تھین دانت سفید اور برابر تھے ہونٹ اس قسم کے تھے جیسے پان کھایا ہے۔ آنکھین جو اخروٹ کے رنگ کی تھین ان مین کچھ ایسی کہربائی طاقت موجود تھی کہ جو اُسکی طرف دیکھتا تھا اُسکے بدن مین سنسنی سی پیدا ہو جاتی تھی۔ نسیم نے آگے بڑھکر نام وریافت کیا اور صافی کو فٹن مین سوار کرکے اُسی کوٹھی کی طرف روانہ ہوا۔ یہ فٹن مس سبزہ کے مکان کے آگے سے گذری مس سبزہ وہین کھڑی تھی لیکن نسیم اس جادو بھری آنکھون والی مس صافی سے کچھ ایسا گفتگو مین مشغول اور محو تھا کہ اُسنے سبزہ کے مکان کیطرف نہ دیکھا اور بجلی کیطرح فٹن سبزہ کے مکان کے آگے سے گذر گئی

(۳)

مسٹر ملایم دین مرحوم بہت متمول آدمی تھے۔ اِن کی عظیم الشان کوٹھی بجاے خود ایک قلعہ تھی ازروے وصیت یہ کوٹھی آج کل نسیم الدین کے قبضہ مین تھی مگر چچا کو یہ اختیار نہ تھا کہ اپنے حقیقی بھتیجے نسیم کو اس بیشمار دولت سے ایک حصہ بھی دیسکے۔ اس سپہر تو آمان کوٹھی مین فٹن نسیم اور مس صافی کو لے گئی۔ ڈرائنگ روم مین مسٹر فہیم الدین اور اُنکے قرابتی کامران اور فرمان اسوقت موجود تھے۔ قاعدہ ہے کہ جب کوئی نیا آدمی گھر مین آتا ہے تو ہر ایک نگاہ شوق سے اُسی طرف دیکھتا ہے۔ تینون نے مس صافی کیطرف دیکھا اور تینون پر وہی حالت طاری ہوئی جو نسیم پر ریلوے اسٹیشن پر ہوئی تھی اور تینون کو یہ مجال نہ ہوئی کہ دیر تک مس صافی کی آنکھون کی طرف دیکھ سکین مسٹر فہیم الدین نے اُٹھکر مس صافی سے ہاتھ ملایا اور اسکو کامران اور فرمان سے انٹروڈیوس کیا پھر کہا کہ تمہارا کمرہ آراستہ ہے تم لکھنؤ سے آتی ہو تکلف سفر کا گمان ضرور ہوگا۔ منہ ہاتھ دھولو۔ کپڑے بدلو نصف گھنٹہ تک چاے تیار ہو جاوے گی مس صافی نے بہ لب تبسم ریز شکریہ

اوا کیا اور خادمہ کے ساتھ اپنے کمرہ مین چلی گئی۔ خدام باب نے مس صافی کا ٹرنک پہلے ہی سے اُسکے کمرے مین پہونچا دیا تھا۔ مس صاحبہ نے مُنہہ ہاتھ دھویا بال کھولے اور سُلجھائے اور اس اثنا مین خادمہ سے جسکی زبان مقراض کیطرح چلتی تھی گھر بھر کا کچا چٹھا معلوم کرلیا۔ خادمہ کی زبانی اسکو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ نسیم گو غزال رعنا ہے مگر تلاش ہے اور فہیم الدین کی وفات کے بعد اس عالیشان کوٹھی سے اُسکا کچھ تعلق نہین رہیگا۔ اسوقت صافی کے دلمین یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کوئی صورت مستقل سکونت کی اس کوٹھی مین نکالنا چاہئے۔ اور کوئی ایسی چال چلنا چاہئے کہ یہ کوٹھی اور کوٹھی والے کی تمام جائداد اور نقدی میری ملکیت ہوجاے۔

نصف گھنٹے کے بعد چاے کی گھنٹی ہوئی اور صافی اس کمرے مین گئی جہان تمام اہل خانہ اُسکے انتظار مین بیٹھے تھے۔ صافی کی گفتگو نے جو نہایت پاکیزہ۔ دلچسپ اور دلاویز تھی سبکو گرویدہ بنالیا مگر فہیم الدین کا پھر بھی یہ ہی ارادہ رہا کہ یہ عورت اس مکان مین نہ رہے چنانچہ اُسنے دوران گفتگو مین اپنے ارادے کا اظہار کردیا۔

فہیم الدین۔ مجھے آپ سے دلی ہمدردی ہے۔ مین نے آپ کے متعلق مس شارپ سے گفتگو کی ہے وہ آپکے لئے کوئی تجویز نکالینگی۔ وکٹوریہ زنانہ مدرسہ مین ایک معلمہ کی جگہ خالی ہے۔

صافی۔ مین آپکا شکریہ ادا کرتی ہون۔

فہیم۔ جب تک کوئی سبیل نہ نکلے یہ تمہارا گھر ہے۔

صافی۔ یہ ہی سمجھ کر مین یہان آئی ہون۔

فہیم۔ اُمید ہے مس شارپ بہت جلد انتظام کرونگی۔

صافی۔ (آنکھون مین آنسو بھر کر) مجھے اُمید ہے کہ آپ لوگ مجھ سے ہرگز بیزار نہ ہونگے مین آپ لوگون کی خدمت کرونگی۔ اسقدر جلدی مجھے یہان سے نہ نکالنے مین کوشش کرونگی کہ آپ کے لئے بار خاطر نہ ہون۔

فہیم۔ نہین نہین میرا یہ مطلب نہین ہے جب تک دل چاہے تم یہان رہو۔

(۴)

مس صافی نے دس ہی دن مین اپنا سکہ اس گھر پر بٹھالیا۔ شیرین زبانی اور خدمتگزاری کی بدولت تمام گھر اُسکو دل سے چاہنے لگا۔ مسٹر فہیم الدین کے کاغذات وہ مرتب کرتی تھی۔ صفائی کا انتظام۔ کھانے کا اہتمام۔ خرید و فروخت کا کام سب وہ خود کرتی تھی۔ ہر وقت ہر گھڑی مالک مکان کی خدمت کے لئے کمربستہ رہتی تھی اور کوئی بات ایسی نہ کرتی تھی جس سے خود پسندی یا خود مطلبی مترشح ہو۔

ایک دن مس شارپ وہان آئی اور کہنے لگی کہ لیڈی سپرنٹنڈنٹ نے منظور کرلیا ہے میرو دست پچاس روپے کی اسامی خالی ہے۔ صافی کو میرے ہمراہ کردیجئے۔ فہیم الدین نے کہا کہ اس سے بہتر اور کیا ہوسکتا ہے اور صافی کو مس شارپ کے ہمراہ جانے کے لئے بلایا۔ صافی یہ تجویز سُنکر سُن ہوگئی۔ اُسکا یہ عالم ہوا کہ جیسے کاٹو تو لہو نہین بدن مین۔ ناچار با دل ناخواستہ مس شارپ کے ہمراہ لیڈی سپرنٹنڈنٹ کے ہان گئی راہ مین مس شارپ سے جو گفتگو روکھی پھیکی اُسنے کی اُس سے مس شارپ نے جو بڑی زیرک اور جہان دیدہ عورت تھی بھانپ لیا کہ صافی زمانہ ساز۔ حیلہ جو اور خود مطلب عورت ہے لیڈی سپرنٹنڈنٹ نے صافی کو پسند کیا اور کہا کہ یکم مارچ سے جسمین چھ دن باقی

ہین تم مدرسہ مین شامل ہو جاؤ بورڈنگ ہوس مین تم کو رہنا ہوگا۔ صافی نے بے اعتنائی سے رو کھے پھیکے جواب دئے لیڈی سپرنٹنڈنٹ نے علیحدگی مین مس شارپ سے پوچھا کہ یہ عورت بیدل ہے کیا تم سفارش کرتی ہو کہ اسکو یہ جگہ دی جاوے۔ مس شارپ نے کہا کہ مین اپنے تجربے کے زور سے کہتی ہون کہ یہ عورت ریاکار معلوم ہوتی ہے اور میرا دل گواہی نہین دیتا کہ اسکی سفارش کرون۔ تم خود دیکھ لو۔ لیڈی سپرنٹنڈنٹ نے کہا آج کل استانیون کا کال ہے سردست غنیمت سمجھنا چاہئے آخر کار یہی طے پایا کہ صافی یکم مارچ سے بورڈنگ ہوس مین آجائے۔

سہ پہر کو جب صافی واپس کوٹھی مین آئی تو اسکی آنکھون مین آنسو بھرے ہوئے تھے اور وہ اپنے کمرے مین جاکر خوب روئی۔ تھوڑی دیر کے بعد فہیم الدین باہر سے واپس آئے اور صافی کو بلایا۔ جب صافی آئی تو اسکی آنکھین شدت گریہ سے سوجی ہوئی تھین فہیم الدین حیران ہوئے اور رونے کا باعث پوچھا۔ اس موقع کو صافی نے غنیمت سمجھا۔ دونون باہین فہیم الدین کے گلے مین ڈالدین اور کہا کہ آپ میرے مربی ہین میرے محسن ہین۔ میرے خداوند نعمت ہین۔ آپکے سوا اب میرا کوئی رشتہ دار زندہ نہین ہے۔ اس قلیل عرصہ مین جو مین آپکے یہان رہی ہون مجھے آپ سے اسقدر محبت ہوگئی ہے کہ بیان نہین کرسکتی۔ میرا دل نہین چاہتا کہ جب تک زندگی ہے آپکے قدمون سے جدا ہون۔ آپکی مہربانیون نے آپکے احسانات نے مجھے کنیز بنالیا ہے۔ مین آپکی لونڈی ہون۔ مجھے اس گھر سے نکالئے اور اس لیڈی سپرنٹنڈنٹ کے پاس مجھے نہ بھیجیے مجھے اس عورت کی صورت سے ڈر لگتا ہے۔ وہ مجھے بیرحم اور ظالم معلوم ہوتی ہے۔

یہ کہکر صافی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

فہیم الدین یہ حالت دیکھ کر گھبرا گئے۔ آخر انسان تھے اور انسان بھی رقیق القلب۔ صافی کو اس حالت مین دیکھ کر انکو گوارا نہوا کہ اُسکو جواب دین یا اُسکی دل شکنی کرین۔ گو اُنکا دل تو یہی چاہتا تھا کہ یہ اس گھر مین نہ رہے مگر اسوقت اُنسے انکار بھی نہ ہوسکا۔ اُنھون نے گرم جوشی سے صافی کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ دیکھو صافی تم رو رو کر سر نہ کھپاؤ۔ اتنا رونا اچھا نہین ہے۔ ناحق بیمار ہو جاؤ گی اگر تم یہان سے جانا نہین چاہتی ہو تو مین بھی اصرار نہین کرتا تم بیشک رہو اور مدرسہ کی نوکری نہ کرو۔

یہ کہکر فہیم الدین اپنے کتب خانہ مین چلا گیا۔

نسیم۔ فرمان اور کامران کو جب معلوم ہوا کہ اب صافی نہین جائیگی تو تینون کی دزدانہ نشاط سے باچھین کھل گئین تینون پر اُس عورت کی جادو بھری آنکھون نے مسمریزم کا اثر کیا تھا اور تینون مین سے ہر ایک اُس سے نکاح کرنا چاہتا تھا۔ اس واقعہ سے تین چار دن بعد جب فہیم الدین۔ نسیم اور فرمان باہر گئے ہوئے تھے اور صافی ڈرائنگ روم مین بیٹھی ہوئی فہیم الدین کے لئے نکٹائی بُن رہی تھی کامران صافی کے روبرو ایک کرسی پر آبیٹھا۔

صافی (ہنسکر) آپ باہر نہین گئے؟

کامران۔ نہین صافی! مین تمہاری خدمت مین ایک التجا لیکر آیا ہون۔

صافی (تجاہل عارفانہ کرکے) خیریت تو ہے۔

کامران۔ صافی میری زندگی تجھ سے ہے۔ تو شمع ہے تو مین پروانہ ہون۔ یہ تجھکو معلوم ہے کہ مین فہیم الدین کا وارث

ہون۔ مجھے اسی مطلب کے لئے اُنھون نے بُلایا ہے اور پاس رکھا ہے اگر تو نے مجھ سے شادی نہ کی تو مین سنکھیا کھالونگا۔

صافی۔ تم مجھ سے مذاق کرتے ہو۔ مین ایک یتیم ہون بیکس ہون مین تمہارے لائق نہین ہون۔

کامران۔ مین اسوقت از روے ایمان اظہار مطلب کر رہا ہون۔

صافی۔ اگر یہ بات ہے تو مین بھی تمہاری کنیز ہون اور تم سے ضرور شادی کرونگی لیکن فی الحال مصلحت یہ ہے کہ تم یہ راز کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ نسیم اور فرمان تم سے دشمنی کرین۔

کامران۔ یہ مجھے منظور ہے۔

صافی۔ تو وعدہ ہوا، قول مردان جان دارد۔

کامران۔ ہان وعدہ ہوا۔

اس قول و قرار کے بعد کامران وہان سے رخصت ہوا مگر اسقدر خوش تھا کہ جیسے دولت ہفت اقلیم ملگئی۔

اب لطف دیکھئے اس اقرار کے دو دن بعد فرمان نے تخلیہ دیکھکر صافی سے اظہار محبت اور درخواست نکاح کی اور اس سے بھی صافی نے اقرار کرکے اس سے بھی وعدہ لے لیا کہ اُسکی منظوری کسی پر آشکارا نہ ہو اور یہ اقرار فی الحال مخفی رہے۔

(۵)

شام کا وقت تھا آسمان پر تھوڑا تھوڑا ابر چھایا ہوا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور سبزہ بیگم گول باغ مین نسیم کے ساتھ ٹہل رہی تھی۔

سبزہ۔ تم آج کل کچھ پریشان نظر آتے ہو۔

نسیم۔ کیا عرض کرون حیرانی سی حیرانی ہے وحشت سی وحشت ہے۔

سبزہ۔ کچھ مین بھی سنون۔

نسیم۔ شرم دامنگیر ہے لیکن تم کو مین بہن کیطرح سمجھتا ہون اسلئے عرض کرتا ہون کہ صافی نے مجھ پر عجیب قسم کا جادو کیا ہے۔ مین اُسکے بغیر زندہ نہین رہ سکتا۔ اگر اُس سے میری شادی نہ ہوئی تو میرا جینا دشوار ہے۔

سبزہ نے جب یہ کلمات نسیم کی زبان سے سُنے تو اُسکا رنگ زرد ہوگیا مگر صاحب عصمت بااستقلال نازنین تھی کچھ دیر تک خاموش رہی پھر کہنے لگی کہ اگر یہ حالت ہے تو تم کیون اُس سے درخواست نہین کرتے۔ نسیم نے کہا کہ مجھے اپنی کمزوریان معلوم ہین کس برتے پر تتا پانی مین مفلس ہون قلاش ہون۔ وہ مجھے کہ طرح قبول کرے گی۔ سبزہ نے کہا مفلسی محبت کو روک نہین سکتی۔ تمہاری مفلسی صافی کی محبت کا امتحان کرے گی منعم اور امیر کو تو ہر ایک چاہتا ہے اگر صافی کو آپ سے کچھ بھی الفت ہوگی تو وہ آپ کو غریبی کی حالت مین منظور اور قبول کرلے گی۔ نسیم نے وعدہ کیا کہ موقع دیکھ کر ضرور تمہارے مشورے پر کاربند ہونگا اور چلا گیا۔ سبزہ اپنے گھر آئی اور دم بخود چارپائی پر لیٹ کر کچھ سوچتی رہی۔ اس رات اُسنے کھانا بھی نہین کھایا اور آدھی رات تک اُسے نیند بھی نہ آئی۔

ہم ظاہر کرچکے ہین کہ سبزہ کو نسیم سے دلی محبت تھی۔ محبت اسد رحیمہ تھی کہ یہ چاہتی تھی کہ وہ خوش و خرم رہے اور اُسکے شیشۂ دل کو کسی طرح غم کی ٹھیس نہ لگے۔ آدھی رات کے وقت سوچتے سوچتے اُسنے نسیم کی بہبودی کی ایک تجویز نکالی اور علی الصباح فہیم الدین کے مکان پر پہونچی۔ برامدے مین

صافی کھڑی تھی اُسکو سبزہ سے قدرتی نفرت تھی اور یہہ نیک بخت نازنین اُسکو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی جسوقت سبزہ نے اُس سے دریافت کیا کہ فہیم الدین کہان ہین تو صافی کا ماتھا ٹھنکا۔ سبزہ کو بتا کر کہ کتب خانہ مین ہین آپ وہان سے رفو چکر ہوئی اور کتب خانہ مین سبزہ سے پہلے دوسرے راستہ سے جاکر ایک الماری کے پیچھے چھپ گئی سبزہ سے فہیم الدین کو بہت الفت تھی۔ وہ اُسے بیٹون کیطرح سمجھتے تھے۔ اُسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اپنے قریب ایک آرام کرسی پر بٹھالیا۔ ادھر اُدھر کی گفتگو کے بعد سبزہ نے کہا کہ مین نسیم کی بہتری کے متعلق آپ سے کچھ کہنے آئی ہون۔ وصیت اور قانون آپ کو کچھ کرنے نہین دیتا اور آپ نسیم کی امداد کرنے سے مجبور ہین مگر وصیت مین آپکو اختیار ہے کہ سوائے نسیم کے آپ جسکو چاہین یہ تمام جایداد دیدین۔ کیون نہین صافی کے نام وصیت کردیتے تاکہ نسیم صافی سے نکاح کرلے اور مالک جایداد ہوجاے فہیم الدین نے جواب دیا کہ واقعی تجویز تو بہت ہی اچھی ہے مگر خدا جانے صافی اور نسیم ایک دوسرے کو پسند بھی کرتے ہین یا نہین نسیم کے لئے میرا کچھ منشا اور تھا اور میری دلی خواہش تھی کہ اُسکی دُلہن صافی سے بدرجہا بہتر ہو۔ سبزہ نے شرما کر کہا کہ مین آپ کو یقین دلاتی ہون کہ مسٹر نسیم صافی کو بہت چاہتا ہے اور یقین ہے کہ صافی بھی ویسا ہی خیال رکھتی ہے۔ فہیم الدین نے وعدہ کیا کہ صافی سے دریافت کرنے کے بعد ایسا ہی کرونگا۔ خدا کرے کہ یہ راست آئے۔ فہیم الدین سے رخصت ہوکر سبزہ گھر آئی مگر اسمین شک نہین کہ وہ بہت اُداس اور بیچین تھی رات کو جب مس شارپ سے ملی اور اس سے گفتگو کی تو وہ سخت حیران ہوئی اور کہنے لگی لڑکی تو نے قہر کیا۔ تو دیوانی ہے۔ صافی زمانہ ساز ریاکار عورت ہے۔ یہ تو نے کیا مشورہ دیا۔ تو نے نسیم کے حق مین کانٹے بودئے تو ناتجربہ کار ہے۔ زمانے کی چال بازیان تجھے معلوم نہین۔ خدا ہم سب کو صافی کے شر سے محفوظ رکھے۔

(۶)

اس واقعہ کو دو ماہ گذر گئے۔ ہم یہ کہنا بھول گئے کہ جس دن گول باغ مین سبزہ اور نسیم سے ملاقات ہوئی تھی اُس روز رات کو نسیم کو موقع مل گیا اور اسنے صافی سے حال دل بیان کیا۔ صافی نے کہا کہ دیکھو صاحب تم امیر کبیر فہیم الدین کے متبنیٰ۔ لاکھون کے مالک تم ایک بیکس نادار عورت سے کیون شادی کی خواہش رکھتے ہو۔ نسیم نے جب اُس سے کہا کہ مین بھی تمہاری طرح نادار ہون تو وہ بظاہر بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی کہ مجھے تم سے عشق ہے مین اس گھڑی تمہارے ہی لئے آئی ہون مگر مصلحت یہ ہے کہ سردست اس معاملہ کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دو یہ میرا اور تمہارا راز ہے مین ایمان سے وعدہ کرتی ہون کہ تمھین سے شادی کرونگی ہم کہہ چکے ہین کہ اس واقعہ کو دو ماہ گذر گئے۔ ایک دن علی الصباح فہیم الدین حسب معمول ہوا خوری کرکے گھوڑے پر سوار گھر کو واپس آرہے تھے کہ یکایک گھوڑے نے سکندری کھائی اور فہیم الدین گھوڑے سے گردن کے بل گرے اور گرتے ہی بیہوش ہوگئے۔ خدام انھین اُٹھاکر کوٹھی مین لے گئے۔ ڈاکٹر صاحب بلوائے گئے لاکھ کوشش ہوئی مگر انکو ہوش نہ آیا۔ خدا جانے دماغ پر کیا صدمہ پہونچا کہ صبح بیہوش ہوئے اور شام کو جان بحق تسلیم ہوگئے۔ تیسرے دن آپ کے مشیر قانونی وصیت لے کر آئے اور مجمع عام مین وصیت پڑھی گئی۔ نسیم کو پہلے ہی معلوم تھا کہ کیا وصیت ہے۔

کامران کو خیال تھا کہ وہ وارث ہوگا فرمان کو حوصلہ تھا کہ وہ جانشین ہوگا مگر جب وصیت پڑھی گئی تو سب غرق حیرت ہوگئے۔ اس وصیت کی رو سے صرف پانچ پانچ ہزار روپے کامران اور فرمان کو ملے۔ اور باقی تمام جائداد منقولہ اور غیر منقولہ صافی کو دی گئی۔ وصیت سُنکر کامران اور فرمان حیران ضرور ہوئے مگر ان دونوں کو فرداً فرداً یقین تھا کہ صافی انھین کی بیوی ہوگی۔ اور جایداد کا مالک بھی اُسکا شوہر ہوگا اسلئے دونوں بیساختہ پکار اُٹھے کہ عین انصاف ہوا ہے۔ نسیم بھی دل مین خوش تھا کہ اُسکی خاطر صافی نے یہ ورثہ پایا ہے۔ اسلئے اُسکی بھی باچھین کھلی جاتی تھین۔ جوہین وصیت سُنائی گئی دروازہ پر ایک گاڑی ٹھہری اور اُسمین سے مس شارپ اور سنیرہ برآمد ہوئین۔

مس شارپ۔ پیاری صافی مین تمکو لینے آئی ہون۔

صافی۔ کیون کس لئے۔

مس شارپ۔ تم کنواری ہو اس مکان مین تین جوان رہتے ہین تمہارا یہان رہنا مناسب نہین ہے۔

صافی۔ معقول مین اس مکان کی مالک ہون یہہ میری جایداد ہے مین یہین رہونگی۔ یہہ جوان اب یہان سے چلے جائینگے۔

یہ سُنکر تینون جوان اُٹھ کھڑے ہوئے مگر ہر ایک ان مین سے اپنے دل مین خوش تھا کہ ضرور چند دن کے بعد صافی اُسے بلائیگی۔ مس شارپ بھی اپنا سا مُنہ لیکر چلی آئی۔

ان جوانون کے چلے جانے کے بعد صافی نے تمام گھر پہ تسلط جمالیا اور نوکرون کو معلوم ہوگیا کہ وہی صافی جو نہایت سلیم الطبع اور حلیم عورت تھی اب بھیڑ کے کیطرح خونخوار اور سخت گیر ہے۔ چالیس دن گذر گئے اور جب تینون جوانون کو صافی نے یاد تک نہ کیا تو ایکدن کامران اُسکے پاس گیا اور شکوے کرنے لگا۔ صافی نے حکمت عملی سے اُسکو سمجھایا کہ نادان دین اگر تجھہ سے شادی ابھی کرونگی تو نسیم اور فرمان شور و غوغا کرینگے جو بات کرنا چاہیئے حکمت سے کرنا چاہیئے۔ اسی طرح فرمان اور نسیم کو الو بنایا اور اُنکو چھہ چھہ ماہ کے لئے لاہور سے باہر بھیجدیا۔

چھہ ماہ گذر گئے اور مشہور ہوگیا کہ صافی کی شادی کسی نواب سے جو لکھنؤ سے آیا ہے دھوم دھام سے ہونیوالی ہے گو نواب ضعیف العمر ہے مگر بڑا آدمی ہے اور واقعی ایک نواب صاحب جو صافی کے والد کے دوست تھے اور بڑے تعلقہ دار تھے لاہور مین وارد ہوئے۔ ایک دن جبکہ کوٹھی کے پاس باغ مین نواب صاحب اور صافی بیٹھے ہوئے باتین کر رہے تھے کامران بیدھڑک اندر آگیا۔

کامران۔ صافی پیاری صافی یہ کیا؟

صافی۔ کوئی ہے اس دیوانے کو یہان سے نکال دو۔

خدام دوڑے کہ اُسے باہر نکالین کہ فرمان بھی آموجود ہو

فرمان۔ صافی تم نے اچھا کیا کہ اس بے ادب کو گردنی دلوانے لگی ہو تمہارا شوہر مین ہون۔

صافی۔ یہ مُنہہ اور مسور کی دال اس وحشی کو بھی بدر کرو۔

اتفاق سے نسیم بھی عین اسوقت وہان آپہونچا اور نواب کو کرسی نشین اور فرمان اور کامران کو ذلیل ہوتے ہوئے دیکھکر حیران ہوا۔

نسیم۔ پیاری صافی یہ کیا معاملہ ہے۔

صافی۔ انکو انکی حماقت کی سزا مل رہی ہے۔

نسیم۔ یہ کون بزرگ ہین۔

صافی۔ یہ میرے خاوند ہونے والے ہیں۔ اختلاف مذہب سے نکاح میں فرق نہیں آتا۔

نسیم۔ صافی کیا کہہ رہی ہو۔ تمکو یہ تمام جائداد چچا جان نے محض میرے لئے دی ہے اور تم اُس مرنے والے کے سامنے انجیل مقدس اُٹھا کر وعدہ کر چکی ہو کہ تم مجھ سے شادی کروگی۔

صافی۔ تم غلط کہتے ہو میں نے کوئی وعدہ نہیں کیا۔

نسیم۔ خدا کا خوف کرو۔ خدا سے ڈرو۔

صافی۔ بہتر ہے کہ یہاں سے نکل جاؤ ورنہ تم بھی ان دونوں کی طرح ذلیل ہوگے۔

نسیم ایک چبوترے پر کھڑا تھا۔ چبوترہ زمین سے بہت بلند تھا اور سیڑھیوں سے چڑھکر اس پر آتے تھے۔ اس چبوترے پر کرسیاں بچھی تھیں جن پر نواب صاحب اور صافی جلوہ افروز تھے اور ایک طرف بھیگی بلی کی طرح کامران اور فرمان کھڑے تھے اور ملازمین لٹھ لئے اُن کے سر پر سوار تھے۔ نسیم نے جب دیکھا کہ اُسکی تمام اُمیدوں پر پانی پھر گیا تو اُسکی آنکھوں کے آگے اندھیرا آگیا۔ وہ اُٹھکر چبوترے سے نیچے اُترنے لگا مگر پاؤں پھسلا اور آخری سیڑھی سے سر میں ضرب لگی سر بیطرح پھٹ گیا۔ خون جاری ہوگیا اور وہ بالکل بیہوش ہوگیا۔

عین اُسوقت جبکہ یہ ناٹک یہاں ہو رہا تھا مس شارپ اور سبزہ وہاں پہونچیں۔ سبزہ نے نسیم کا یہ حال دیکھ کر دیوانہ وار صافی سے کہا کہ خدا کے واسطے نسیم کے لئے کوئی ڈاکٹر بلاؤ۔ اور اسکو کوٹھی میں پہونچاؤ۔ صافی نے ٹکا سا جواب دیا کہ میرا مکان ہسپتال نہیں ہے۔ یہاں سے اس مردے کو اُٹھاؤ۔ اگر مرتا ہے تو بلا سے۔ یہ سُنکر مس شارپ نے جیب سے ایک کاغذ نکالا اور کہا کہ بی صافی ذرا آنکھیں کھولو یہ نئی وصیت اور آخری وصیت فہیم الدین کی ہے پہلی وصیت کو جسکے رو سے تم وارث ہوئی ہو یہ منسوخ کرتی ہے میرے سمجھانے پر فہیم الدین نے یہ انتظام کیا تھا کہ وصیت لکھکر میرے حوالہ کی تھی اور مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ اگر صافی نسیم سے شادی کرلے تو پہلی وصیت قائم رہے اور شادی کے دن میں اس وصیت کو آگ میں ڈالدوں ورنہ اس وصیت کو پیش کردوں۔ چونکہ تم نے نسیم سے یہ سلوک کیا ہے اسلئے میں آخری وصیت پیش کرتی ہوں۔ دیکھ لو بالضابطہ ہے اس آخری وصیت کی رو سے سبزہ وارث جائداد ہے اور جب تک وہ اکیس سال کی نہو جائے میں اسکی سرپرست ہوں۔ یہ حال معلوم کرکے صافی کے اوسان خطا ہوگئے۔ نواب صاحب جنکو اس سن و سال میں شادی کا شوق چرایا تھا لاحول پڑھتے ہوئے وہاں سے روانہ ہوئے اور صافی بھی بریک بینی و دوگوش جسطرح اس کوٹھی میں آئی تھی اُسی طرح بدر کی گئی۔

× × × × × × ×

× × × × × × ×

پانچ سال اور گذر گئے۔ فہیم الدین کی کوٹھی کے باہر ایک بورڈ لگا ہے جسپر یہ الفاظ درج ہیں۔

مسٹر نسیم الدین بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی

بیرسٹر ایٹ لا

وہ دیکھو ایک فٹن آئی اسپر نسیم الدین اور اُنکی حولقلبی سوار ہیں اور سامنے ایک آیا ایک بچہ گود میں لئے بیٹھی ہے۔ اہا ہا کیا خوبصورت بچہ ہے۔ نسیم الدین سے بالکل صورت ملتی ہے۔ ذرا غور سے دیکھئے نسیم الدین کی بیوی کون ہے۔ وہی سبزہ بیگم ذرا متوجہ ہوکر سنئے میاں بیوی میں کیا باتیں ہو رہی ہیں۔

"پیارے شوہر تم نے کچھ سُنا۔

"نہیں خیریت تو ہے"

"خدا خیریت رکھے۔ مس صافی نے آج گرجا میں داخل ہوکر نقاب پوشی کی رسم ادا کی ہے اور وہ مس شارپ کی طرح حضرت مسیح کی خواصوں میں داخل ہوکر خواہر خیرات بن گئی ہے اور تارک الدنیا ہوگئی ہے۔

احمد حسین خان

مولانا سید علی حیدر صاحب طباطبائی

میں ایسے علامۂ وحید العصر کے حالات قلمبند کرنے کی جرأت کر رہا ہوں جس کے فضائل کی شان کے موافق الفاظ صرف کرنے کی لیاقت مجھ میں نہیں ہے۔ لیکن بمجوائے المأمور معذور اپنے معلومات کو اختصاراً حوالۂ قرطاس کرتا ہوں:۔

عالی جناب مولانا فخم طباطبائی لکھنوی مدمجہ ہم ہی نہیں کہ زبان اردو کے مستند شاعر ہیں بلکہ مختلف علوم و فنون کے عالم و فاضل ہیں شعرا آپ کی قادر کلامی کے معترف اور علما آپکے فضائل علیہ کے قائل ہیں۔ آپ خاندان سادات طباطبائی میں سے ہیں۔ حضرت ابراہیم نام حضرت امام حسن کے پوتے پر پوتے تھے جنکی اولاد میں طباطبائی کہلاتی ہے (قاموس میں اسکی تصریح موجود ہے) لکھنؤ میں نواب یوسف حسین خان یوسف طباطبائی مرحوم اور محمد نواب صاحب طباطبائی۔ مولانا فخم مدمجہ ہم کے عزیز قریب ہیں۔

کلکتہ میں پہلے آپ بسلسلہ ملازمت واجد علی شاہ کی سرکار میں شاہزادوں کی عربی تعلیم کے لئے مقرر ہوئے۔ بادشاہ کے انتقال کے بعد کلکتہ سے حیدرآباد تشریف لائے جہاں آپ کو نظام کالج کی اعلیٰ پروفیسری کی جگہ عطا کی گئی۔ اس کے تھوڑے دنوں بعد کتب خانۂ آصفیہ قائم ہوا تو مہتمی کی خدمت جلیلہ پر آپ منتخب و مامور ہوئے۔ لیکن کچھ مدت کے بعد بوجہ ضرورت پھر آپ کو نظام کالج میں خدمت مذکورہ پر واپس طلب کر لیا گیا جس پر اب تک آپ مقرر ہیں۔ گو آپ کی طبیعت شعر و سخن اور تصنیف و تالیف کی طرف بہت کم راغب ہے (جس کا اظہار بذریعہ تحریر رسالوں میں آپ نے کئی بار فرمایا ہے) پھر بھی آپکے چند تصانیف ہیں جن میں بعض مطبوعہ ہیں جو مفید و مطبوع خاص و عام ہیں۔

جب آپ کا ایک مشہور انگریزی نظم کا ترجمہ "گورِ غریباں" کے نام سے دلگداز میں چھپا تو اسکی عالمگیر شہرت ہوگئی اور ہر ایک ناظر نے عموماً اور خصوصاً انگریزی دان اصحاب نے آپ کی سخن فہمی اور سخن گوئی کی بے حد داد دی اور ترجمہ کرنے کے اصول اُس سے استنباط کئے۔ اس نظم میں قابل تعریف یہ امر ہے کہ اصل کا لطف ترجمہ میں بھی باقی ہے۔

"ساقی نامۂ شفقیہ" (شراب کی مذمت میں) آپ کی مثنوی مشہور ہے۔ ہندوستان بھر کے اخباروں اور رسالوں نے اس کے عمدہ ریویو لکھے اور کالم کے کالم اس کی تعریف میں سیاہ کئے۔ اور ہر ایک نے آپ کی جرأت کی تحسین کی کہ حیدرآباد سے شہر میں ایسی مثنوی شائع کی۔

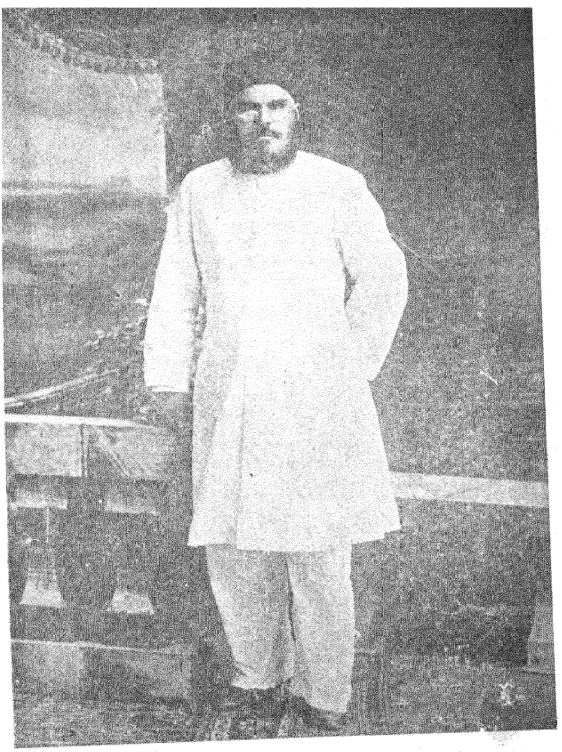

مولانا سید علی حیدر صاحب طبا طبائی

انڈین پریس الہ آباد

نوآب عماد الملک بہادر مولوی سید حسین صاحب بلگرامی کی فرمایش سے "دیوان اردوے غالب" کی آپ نے شرح لکھی ہے۔ شرح کیا لکھی ہے اردو میں جدید و مفید بہترین معلومات کا اضافہ فرمایا ہے۔ فن سخن کے رموز و نکات بیان فرمائے ہیں اور بتایا ہے کہ شاعری کس طرح کرنا چاہیئے۔ شعر میں کیا کیا باتیں ہونا چاہئیں۔ ہمکو کوئی سمجھ کر پڑھے تو شاعر بن جائے اور فن شاعری سے واقف و ماہر۔

ایک مضمون بعنوان "حقیقت شعر" دکن ریویو میں چھپا ہے اور ایک اور مضمون "ادب الکاتب والشاعر" غنچۂ جاوید" (بمبئی) کے تین نمبروں میں۔

یہ مضامین بھی جدت و ندرت کے سانچے میں ڈھالے گئے ہیں دقایق و حقایق ادب اردو کے معلوم کرنے کے لئے ان مضامین سے بڑھکر مفید کوئی مضمون نہ ہوگا۔

کلیلہ کا تاریخی مضمون جو حال میں بتدریج مخزن کے کئی نمبروں میں نکلا ہے داد تحسین طلب کرتا ہے جس قدر اس میں تعجب خیز باتیں بیان ہوئی ہیں سب بالکل سچی اور لطف یہ کہ نہایت دلچسپ و دلاویز بھی ہیں۔

"تقریب الاطفال" لکھ کر تعلیم صرف و نحو بطرز جدید کی ایسی راہ نکال دی کہ جب سے سیکڑوں اہل علم اسی روش پر چل نکلے۔ برسوں میں چلکر جو باتیں معلوم ہوتی ہیں وہ اس کے پڑھنے سے مہینوں میں بلکہ دنوں میں آجاتی ہیں بچے اسکے ذریعہ سے بہت جلد عربی صرف و نحو جاننے اور عربی جملے بنانے لگتے ہیں۔ اسکے علاوہ اور دو رسالے پڑھانے کے قابل ہیں۔ مبنیات۔ معربات۔

"شرح مسائل غریبہ" عربی عبارت میں تیس برس پہلے کی تصنیف ہے اور فی الواقع نادر معلومات کا گنجینہ ہے۔

آپ کے کئی قصائد میں اعلےٰ" قصائد غرا" چوٹی کی غزلیں، اخلاقی نظمیں، دیباچے، آصفی محبوب الکلام غنچہ جاوید تنویر الشرق مخزن دکن ریویو وغیرہ میں چھپی ہیں جن میں فصاحت و بلاغت کی داد دی گئی ہے۔

اب زمانہ پیرانہ سری کا ہے مگر خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ابھی تک ہمارے زمانہ میں ایک ایسا علامہ موجود ہے جس پر قوم کو فخر و ناز کرنا چاہیئے۔

ذہین

سرسوتی بھنڈار ۔ اس نام کا ایک ماہوار رسالہ زیر ایڈیٹری بابو شیو برت لال صاحب ورمن ایم اے لاہور سے شائع ہونا شروع ہوا ہے جس کا مقصد ہند و فلسفہ کی اشاعت اور علوم سنسکرت کا احیا ہے، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ اس رسالہ کے ہر نمبر میں کسی خاص بحث پر ایک مکمل کتاب پیش کی جاتی ہے چنانچہ جون کے پرچے میں "دچار کلپ درم" کے نام سے ایک مکمل کتاب پیش کی گئی ہے جو ویدانت کے اہم اصول پر مبنی ہے۔ بابو شیو برت لال صاحب ورمن ملک کے اُن نامور اہل قلم میں ہیں۔ جن کی ایڈیٹری میں اردو اور ہندی کے پانچ چھ رسالے شائع ہوتے ہیں۔ سرسوتی بھنڈار انکے زور قلم کا تازہ نمونہ ہے اور نہایت اہم مقصد پر مبنی ہے۔ خریداری کے لئے دفتر مارتنڈ لاہور سے خط و کتابت کی جائے۔

بیربہوٹی

آہ! اونٹنی سے کہیے بازش صحرا ہے تو — دشت میں اک سُرخ چھوٹا سا گل عنا ہے تو
صفحۂ ہستی پہ اک نقشِ تحیر زا ہے تو — شعلۂ زاہ حسن کی چھوٹی سی اک ذیلیہ ہے تو

برقِ عالم سوز کی ننھی سی ہمشکل ہے کوئی
آتشِ یاقوت کی چھوٹی سی منقل ہے کوئی

کچھ عجب عالم ہے تیرے حسن کے انداز کا — سُرخ ڈورا ہے کسی چشمِ فسوں پرداز کا
قطرۂ مضطر ہے خونِ کشتگانِ ناز کا — قلبِ خونگشتہ ہے مژگانِ پرکسی جانباز کا

یا شفق کا کوئی ٹکڑا ہے زمیں پر جلوہ گر
جامِ زرّیں میں ہے یا مہیائے احمر جلوہ گر

گُل بدامان ہے شفق میں شعلۂ تنویرِ حسن — خونِ عاشق یا ہے میں برہے گریبانگیرِ حسن
یا عقیقِ سُرخ کی چھوٹی سی ہے تعمیرِ حسن — نقشِ نیرنگِ فسوں ہے یا کوئی تصویرِ حسن

جلوۂ گل ہے فضائے وادیِ پُرخار میں
سُرخ تکمہ ہے قبائے سبزۂ کہسار میں

مصحفِ خونِ شہیدانِ ہے تراوانِ سُرخ — یا ہے خونِ کشتگانِ عشق کا عنوانِ سُرخ
یا کسی کے ناوکِ پُرخون کا ہے پیکانِ سُرخ — اشکِ گلگوں یا ہے زیبِ پیرہنِ مژگانِ سُرخ

رنگ آمیزی ہے قدرت کی تری تصویر میں
اک دلآویزی ہے قدرت کی تری تصویر میں

حُسن میں تیرے ہے اے ناظورۂ نازآفرین — فتنۂ بائے حسینانِ کی ادائے دلنشین
جلوۂ سُرخ سے تیرے گلگوں ہے دامانِ زمیں — بزمِ محرابیں ہے تو جامِ شرابِ آتشیں

بادۂ گلگوں ترے چھوٹے سے پیمانے میں ہے
عالمِ نیرنگِ افسوں تیرے میخانے میں ہے

وادیِ پُرخار میں اک مجمرِ سوزان ہے تو — دامنِ کہسار میں اک شعلۂ ہریان ہے تو
کشتِ زارِ حسن میں اک دانۂ مرجان ہے تو — یا کسی گلگوں قبا کا گوشۂ دامان ہے تو

نادہے صحرا کو تیرے شوخیٔ رفتار پر
دوڑتا ہے خون کا قطرہ سبزۂ کہسار پر

گُل بدامان ہے کوئی دوشیزۂ گلرخ مگر — ہلکی پھلکی سُرخ پھولوں کی ہے چادر دور تک
وقتِ حنائی ہے کوئی عروسِ سیمبر — روئے زیبا پر ہے غازہ سُرخ جوڑا سبز پر

لوٹتا ہے کوئی لہلہاتے سبزۂ بیگانہ پر
یا مئے گلگوں کا قطرہ ہے لبِ پیمانہ پر

جلوۂ گُل سے ہے رنگین و زیبا سبزہ زار — نازشیں ہے یا کوئی محوِ تماشائے بہار
یا مئے گلرنگ سے گلگوں ہے مینائے بہار — یا ہے آغوشۂ پُرخون داغِ سودائے بہار

سبزۂ کہسار نے یا گل ہے اُگلا کوئی
چُن رہی ہے پھول یا دوشیزۂ رعنا کوئی

سرور جہان آبادی

غزل

(از افکار تازہ خان بہادر مولانا سید علی محمد صاحب شاد عظیم آبادی)

نہ آئینے کا قصہ اور نہ حال شانہ کہتے ہیں — حقیقت میں جمالِ یار کا افسانہ کہتے ہیں
ازل سے اپنی گردن پر ہے احسان اپنے چرکا — خدا جانے کسے ساغر کسے پیمانہ کہتے ہیں
ہنسانا اور رُلانا ہو دنیا کی خصلت ہے — ہم اس انداز کو انداز معشوقانہ کہتے ہیں
ہمارا واعظ کا کبھی چاک جائے گا قصہ — وہ دیوانہ ہمیں اور ہم انھیں دیوانہ کہتے ہیں
جگہ پائی ہے جن احباب نے بزمِ حقیقت میں — تجھے شمعِ تجلی اور مجھے پروانہ کہتے ہیں
چھپاؤ لاکھ پیرایہ رسمی سے نہیں خالی — جو ہیں اہلِ نظر کیونکر بھی بیگانہ کہتے ہیں
انھیں غزلوں پہ حال آتے ہیں رسمی خانہ ویرانوں کو — انھیں شعروں کو مکشِ نغمۂ مستانہ کہتے ہیں
یہ ہیں کیسے کیسے ذی شرف گوہر غریبان میں — بڑے بیدرد ہیں اس بستی کو جو ویرانہ کہتے ہیں
تعلق الگ ہو پھر بھی جہان سے بے تعلق ہو — اسی کو تیرے عاشق ہمتِ مردانہ کہتے ہیں
ریائی بزم میں اے محتسب گو شیخ بیٹھے ہیں — انھیں گر شوں کو شاید شیخِ خلوت خانہ کہتے ہیں

تڑپتا ہے تو جا کے تڑپ شادؔ خلوت میں
بہت دن پر ہم اتنی بات گستاخانہ کہتے ہیں

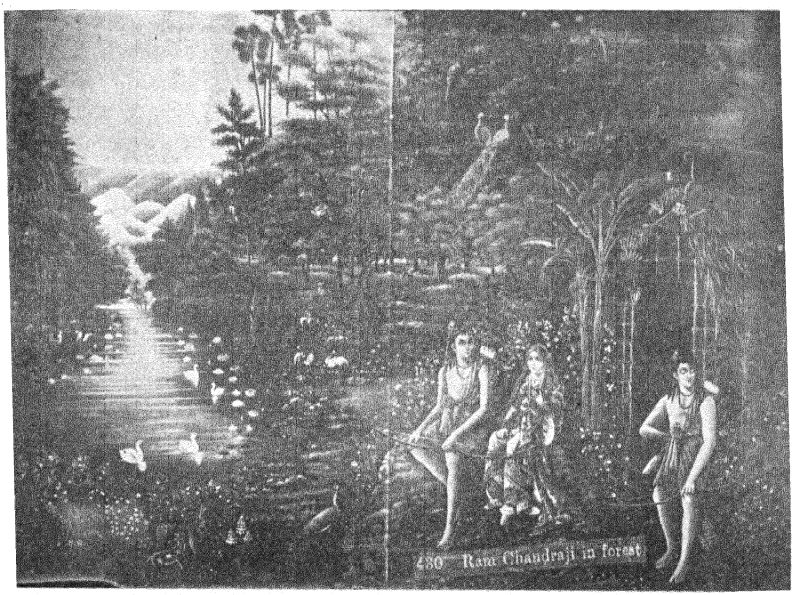

بن باس اور برکھا رت

انتخبن پریس الہ آباد

جنگل کی برسات

یہ نظر فریب منظر یہ فضائے برشگالی
یہ نسیم روح پرور یہ گھٹائیں کالی کالی
لب جو برسنے والی

یہ بہار سبزہ و گل یہ ادائے سرو ریحان
یہ صدائے بانگ بلبل یہ طیور زمزمہ خوان
یہ ہرے بھرے خیابان

یہ گلون کی جامہ زیبی یہ قبائے سرخ و گلگون
یہ چمن کی دلفریبی یہ فضائے کوہ و ہامون
یہ بہار رنگ افسون

یہ پپیہے کی صدائیں یہ ترانہ ہائے قمری
یہ خنک خنک ہوائیں یہ نسیم بھینی بھینی
یہ پھوار ٹھنڈی ٹھنڈی

یہ چمکنے والے جگنو یہ سواد شب کا عالم
یہ گھٹا کے بکھرے گیسو یہ خروش رعد پیہم
یہ نمود برق ہر دم

کہیں مینہ کے ہیں اجالے کہیں بادلون کے ہیں نالے
کہیں برسے ہیں ناسے کہیں روپ پر ہیں جنگل
کہیں کوکتی ہے کوئل

کہیں قمریون کی کو کو کہیں مور کی صدائیں
کہیں پھر رہے ہیں آہو کہیں چر رہی ہیں گائیں
کبھی اٹھتی ہیں گھٹائیں

کہیں بگلون کی قطاریں ہیں ہوا میں اونچی اونچی
کہیں مینہ کی پھواریں لب جو ہے ٹھنڈی ٹھنڈی
کہیں بہ رہی ہے کشتی

کبھی برق کا تبسم کبھی رعد ہے خروشان
کبھی موجون کا تلاطم کبھی جوش پہ ہے طوفان
کبھی سیل ابر باران

کبھی قوس ہے نمایان یہ ہزار دلربائی
کبھی آفتاب تابان کبھی تیرگی ہے چھائی
کہ گھٹا ہے گھر کے آئی

کبھی جھینگرون کے نغمے کبھی مینڈکون کی ٹرٹر
کبھی گونجتے ہیں بھونرے کبھی مرغ ہیں نوا گر
کہ سرود خوان ہے ہر سو

جو ابل رہے ہیں چشمے تو چڑھی ہوئی ہیں ندیاں
جو برس گئے ہیں بھالے تو ہرا بھرا ہے میدان
ہے زمیں کا سبزہ داماں

جو چمک رہی ہیں کلیاں تو لہک رہا ہے سبزا
جو ہوا ہے عنبر افشاں تو مہک رہا ہے صحرا
کہ یہ رت ہے روح افزا

یہ سرور بخش موسم یہ ہجوم رنج و غربت
یہ مسافرت کا عالم یہ وفور درد فرقت
ہے وطن کی یاد آفت

یہ جلاوطن مسافر جو میان دشت و صحرا
ہوئے گوشہ گیر آخر کہ چڑھے ہوئے ہیں دریا
یہ ہیں رام اور سیتا

شاکر میرٹھی

کلامِ اکبر

فنا اُسی رنگ پر ہے قائم، فلک وہی چال چل رہا ہے
شکستہ و منتشر ہے وہ کل، جو آج سانچے میں ڈھل رہا ہے
یہ دیکھتے ہو جو کاسۂ سر، غرور و غفلت سے کل تھا مملو
یہی بدن ناز سے پلا تھا، جو آج مٹی میں گل رہا ہے
سمجھ ہو جسکی بلیغ سمجھے، نظر ہو جس کی وسیع دیکھے
کبھی یہاں خاک بھی اُڑے گی جہاں یہ قلزم اُبل رہا ہے
کمان کے شرقی، کمان کے غربی، تمام دکھ سکھ میں برسا وی
یہاں بھی اک بامراد خوش ہے، وہاں بھی اک غم سے جل رہا ہے
ہوس پرستوں کو کیوں یہ کد ہے، ان انقلابوں کی کیا سند ہے
اگر زمانہ بدل رہا ہے، بدلنے ہی کو بدل رہا ہے
جنھوں نے طاعت میں جان دی ہے انھیں کے حصے میں زندگی ہے
مقدموں کی ہوں لاکھ شکلیں یہی نتیجہ نکل رہا ہے
خدا سے تم دل ملاؤ اپنا، زبان کو پھر ملاؤ دل سے
تو دیکھ لوگے کہ پیر اثر ہے زبان سے جو نکل رہا ہے

شکلیں جو بنگی ہیں یہ ذرّوں کا میل ہے جھگڑے جو ہو رہے ہیں یہ فطرت کا کھیل ہے

اب کہاں نشو و نما پائے نہالِ معنی کس زمیں پر دلِ پُرجوش کی ہدایت ہے
بزم حافظ ہے نہ میدان ہے فردوسی کا قوم کو کام ہے باضابطہ لٹریچر سے

مجھکو شبِ فرقت میں قضا نے بھی نہ پوچھا تھا حال کچھ ایسا کہ خدا نے بھی نہ پوچھا
واعظ کا دل بھی سوز محبت سے گرم ہے چپ رہنے پر نہ جاؤ، دنیا کی شرم ہے

پپیہا

وہی تان پھر سنا دے مرے خوشنوا پپیہے! مرے دل رُبا پپیہے! مرے خوش ادا پپیہے!
اُسی درد مند دل سے، اُسی صوتِ مضمحل سے ترے عشق کے تصدق، وہی راگ گا پپیہے!
میری نیند اُچٹ گئی ہے، تری صوت جانفزا سے دل مضطرب ہے بیکل اسے تو سُلا پپیہے!
یہ گھٹائیں کالی کالی، یہ ہوا کے سرد جھونکے! کوئی تان اُونچے سُر میں وہی پھر لگا پپیہے!
تجھے جسطرح ہے حاصل یہ کمالِ عشق نسیان! وہی راہ و رسم اُلفت مجھے بھی سکھا پپیہے!
یہ دھرا ہے نسخۂ دل یہ کھلا ہے بابِ وصلت! جسے پھر کبھی نہ بھولوں وہ سبق پڑھا پپیہے!
تجھے روئے گل دکھا دوں کسی سرو سے ملا دوں! تری بیکلی کا آخر ہے علاج کیا پپیہے!
تو اصیر اور بلبل! تو مضیر اور قناعت! تجھے آفریں پپیہے، تجھے مرحبا پپیہے!

یہ غضب کی آہ و زاری یہ بلا کی بیقراری
تجھے کس کا ہے تصور، ہمیں کچھ بتا پپیہے!

جگت موہن لال رواں

غزل

راز جسکو فلسفی کہتے ہیں ہفت افلاک کا ہے وہ اک جوہر مرے آئینۂ ادراک کا
ناتوان رکھتے ہیں قدرت اہل طاقت سے سوا زور دیکھا بدل بگولوں میں خس و خاشاک کا
کچھ نہ سمجھے اصلیت انسان کی گر سمجھے یہ ہم ہے طلسم اک آب و آتش اور باد و خاک کا
وے نہ ہمدم مجھکو تکلیفِ بیانِ درد دل دشمنی ہے پوچھنا احوال مجھ غمناک کا
صورت غنچۂ طبیعت اپنی دشت خیز ہے خندہ عالموں سے زر رکھا امید پیرہن نا ادراک کا
وامن دل سے عیاں ہے رنگ دلکے چاک کا نازاں انسان کیا کرے اس ہستیٔ موہوم پر
شعلۂ روشن ہے، حاصل خرمن خاشاک کا خاک میں ملجائیگا اکدن یہ پیوستہ خاک کا
بند کیں آنکھیں یہ کہکر جنے وقت واپسیں کیا تماشا دیکھے دنیا سے عبرتناک کا
دیدہ کے قابل ہے رندوں کی سیہ مستی نظر پاؤں پھیلائے جہان کچھ سایہ دیکھا تاک کا

ایڈیٹر

برسات کی رات

اُف رے کالی کالی گھٹائیں ہائے رے یہ متوالی گھٹائیں
مستانہ ہیں انکی ادائیں نشے میں ہیں چوگھٹائیں
بادل مغرب سے اُٹھا ہے پانی ہے یا تتا ہوا ہے
کیسی ہیں برسات کی راتیں اُف اُن یہ ظلمات کی راتیں
لیلیٰ شب نے گیسو مشکیں کھول دئے ہیں ہر سو حسیں
بخت عدو کی طرح سیاہی ہر سو چھائی لا متناہی
برق فلک پر کوندرہی ہے جان حزیں اُلجھن میں پھنسی ہے
آتے نظر ہیں چاند نہ تارے ابر میں پنہاں ہیں سیارے

اے مرے کالے کالے بادل اے میرے متوالے بادل
کھل کر خوب برس جا بادل کردے دل کو ٹھنڈا بادل
تیر ہیں نیچی نیچی پھوار ہیں قہر ہیں پانی کی بوچھار ہیں
چھائیں گھٹائیں اودی اودی اسپر طرہ رات اندھیری
دیکھ بھیانک رات اندھیری ڈسے تن میں روح ہے چھپتی
کیسی ہے یہ رات الٰہی چھائی ہے ہر سمت سیاہی
جان بھی کھنچی ہوتی ہے پیاری سارے جہان پر خوف ہے طاری

ساقی میرے غم کو غلط کر جلد پلا تو بادۂ احمر
بھر کر جام بلورین لانا مستوں کو جی بھر کے پلانا
پیکر مست جو میں ہو جاؤں میخانے کی سیر منواؤں
لطف و کرم کی مجھ پہ نظر کر بھر دے بادۂ ناب سے ساغر
رات رہی ہے تھوڑی باقی کہنا میرا مان لے ساقی
کالے بادل سر پہ ہیں چھائے حوصلہ کچھ بھی رہنے نہ پائے

دیکھو دیکھو چاند وہ نکلا کیسا روشن۔ صاف اور ستھرا
ابر کا بالکل نام نہیں ہے نور کا بجتا چرخ بریں ہے
کیسا اچھا یہ منظر ہے کتنا دلکش بچھلا پہر ہے
واہ۔ دیکھ سہانا منظر روح فزا ہے پیارا منظر
چاندنی کرتی ہے یہ اشارے دیکھ فلک پر چھٹکے ہیں تارے
نیند کے ماتے اب بھی چونکو آنکھیں کھولو! آنکھیں کھولو!!

چند نفس یہ لطف ہے باقی
اوج کہاں پر یہ دیکھیں

حافظ محمد یعقوب اوج

کلام چکبست

دل کے تسخیر بخشا فیض روحانی مجھے حُب قومی ہو گیا نقش سلیمانی مجھے
منزل عبرت ہے دنیا اہل دنیا ہیں دنیا ہیں ایسی دلچسپی سے ہوتی ہے پریشانی مجھے
جانچتا ہوں وسعت دل حملۂ غم کے لئے امتحان ہے باغ وحرمان کی فراوانی مجھے
حق پرستی کی جو میں نے بت پرستی چھوڑ کر برہمن کہنے لگا الحاد کا بانی مجھے
کلفت دنیا مٹے بھی تو سخی کے فیض سے ہاتھ دھونے کو ملے بہتا ہوا پانی مجھے
خود پرستی مٹ گئی قدر محبت بڑھ گئی ماتم احباب ہے تعلیم روحانی مجھے
قوم کا غم مول لیکر دل کا یہ عالم ہوا یاد بھی آتی نہیں اپنی پریشانی مجھے
ذرہ ذرہ ہے میرے کشمیر کا مہمان نواز راہ میں پتھر کے ٹکڑوں نے دیا پانی مجھے
لکھنؤ میں پھر ہوا آراستہ بزم سخن بعد مدت پھر ہوا شوق غزلخوانی مجھے

کس کو غم ہے جو کرے مرثیہ خوانی میری رہ رہی ہے مرے مرقد پہ جوانی میری
کوئی مونس نہ یہاں میری شب تنہائی کا دل ناشاد ہی سنتا ہے کہانی میری
دل پہ احباب کے ہے داغ محبت باقی رہ گئی اک یہی دنیا میں نشانی میری

دوستی

دوستی کا ہے اگر جویا تو پڑھ غافل یہ نظم
گوزبانِ عام میں جو آشنا ہے دوست ہے
وسعتِ اطلاق سے کہہ سکتے ہیں عالم کو دوست
بارہا آئینہ ہستی کو دیکھا ہو نے ماند
تذکرہ کیا عکس اصلی کا کرے خوابِ خیال
دوست جو ہے اے مرے پیارو وہ آتا ہے
درمیان میں رہتے ہیں جبتک کہ جذباتِ غرض
ہوگئی مطلب براری جب تو پھر کچھ اور ہیں
آشنا خوان اُنکے ہیں جیسے پھر اُنکا کوئی نام
مقتضائے دوستی اس عہد میں یہ رہ گیا
دوستی اہلِ صفا میں رابطہ قلبی کا ہے نام
بھول جائے عالم ہستی کے جب تعلق و نگار
دوستی کو گو کہہ سکتے نہیں کارِ محال
ادعائے دوستی کرتے نہیں اہلِ تمیز
دوستی ہے جوہر انسانیت پر سرسری
دوستی ہی سے ہے پائدار ملک و ملت میں بہار
منعموں میں دین و دنیا کے نہ تھا امتیاز
بے ستون باد و امی ایمن ہو لا سہارے بغیر
عرش سے تا فرش پل بھر میں ملا ہیں کھینچ کے
جانتے ہیں جو کہ محشر سچی اخلاق کو
مختصر یہ مصرعِ آخر ہے شروحِ دوستی

جسکے اک اک شعر سے پیدا ہے حالت دوستی کی
جانتے ہیں لیکن اہلِ دل حقیقت دوستی کی
ہے مگر چند اور ہی اجزاسے ملفوظ دوستی کی
پھر بھی آنکھوں کو نظر آئی نہ صورت دوستی کی
وہ جگہ آنکھوں میں گر دیکھو شباہت دوستی کی
کچھ ضرورت کے لئے ہوتی ہے چاہت دوستی کی
رہتی ہے محو دو اُسی دن تک ضرورت دوستی کی
وہ تعلق ہے نہ وہ خالص محبت دوست کی
خانے سے گو ہے محروم تربت دوست کی
دلیں خوش ہوتے ہیں سن کر مصیبت دوستی کی
پاک ہو اغراض دنیاوی سے الفت دوست کی
پھر یہ ممکن ہے نظر آئے خلوت دوست کی
پھر بھی ناممکن ہے نا امکان صحبت دوستی کی
رکھتے ہیں پرشیدہ دلیں فکر راحت دوستی کی
آدمیت ہے تو پیدا کر طبیعت دوست کی
پوچھے اہل الرائے سے کوئی حقیقت دوستی کی
کام اگر صبح ازل آتی نہ حکمت دوست کی
جلوہ گاہیں مختلف اور ایک طلعت دوستی کی
جذب روحانی یہ ہے اور یہ ہے قدرت دوستی کی
کوئی اُنکے قلب سے پوچھے حقیقت دوستی کی
ہو مقدم اپنی ہر راحت پہ راحت دوستی کی

محشر

غزل

(از انکار تازہ پنڈت لبھن نرائن صاحب دبیر پلیڈر لاکھنؤ)

کہیں کیا ہم ہوئی واعظ کی جو گت بادہ خواروں میں
بہت شیخی بگھارا کرتے تھے پرہیزگاروں میں
فقط باتیں بنانے کو تو سب میں جاں نثار نہیں
مریجاں مرنیوالا ایک ہوتا ہے ہزاروں میں
تلاشِ یار کی ہے مجھے کن کن، بگزارو نہیں
اُڑاتی خاک صحرا ہے پھرے ہیں کوہساروں میں
نہیں ملتے ہیں جو جو میکشِ مستانہ خواروں میں
اُنھیں ٹھہرا ہے مدھوشی تو جا کر ایک دن پیرِ مغاں ہوں گے
بظاہر سخت ہیں چوٹیں بھی لطف و کرم کا کھلا
شجر سرسبز ہیں چشمے رواں ہیں کوہساروں میں
چمن میں پھر کوئی تازہ شگوفہ کھلنے والا ہے
گل و بلبل ہیں باتیں ہو رہی ہیں کچھ اشارے ہیں
کمالِ عیش ہے تکلیف میں تھوڑی سی راحت بھی
کہ جیسے ماہ عید آتا ہے ابرِ رحمت کا ہو رخنہ دار نہیں
انہیں تو پیتی ہے جیتے ہی جی گردش دوراں
نجانے کیا گزرتی ہوگی مُردوں پر مزاروں میں
کرم سے تیرے ہوتے خاک سے ہیں پیدا سب بندے
ادھر بھی ابر رحمت ہم بھی ہیں امیدوار نہیں
بنایا نقش کس کاشانہ کی صنعت نے پتھر پر
کہ رنگِ لالہ و گل بولتے ہیں پیارا کہ ہمارو نہیں
کھلے بندوں تو پی لی اب چھپکے پینے کا مزہ کیا ہیں
ارادہ ہے کہ ہم بھی جا ملیں پرہیزگاروں میں
اُسیکا جلوہ ہے جو ذرہ ذرہ میں چمکتا ہے
اُسیکی روشنی ہے چاند میں سورج میں تاروں میں
اُسیکے بادۂ الفت سے رنگیں ساغرِ گل ہے
اُسیکا نشہ ہے جسکی ہیں لہریں آبشاروں میں
بلند و پست عالم میں اُسیکی شان قدرت ہے
وہی ہے دشت و صحرا میں وہی ہے کوہساروں میں
وہی رزاق منہ چیونٹی کا بھی شکر سے بھرتا ہے
وہی لاتا ہے جوئے شیر مادر شیر خواروں میں
نیاز عشق و ناز حسن اُسیکی دو فنون خلقت ہیں
وہی ہے جانِ جاں سب کا وہی ہے جانِ جانانہ میں
گل خورشید اُسیکے حکم سے ہر صبح کھلتا ہے
اُسیکے باغ میں شبنم بھی ہے آئینہ داروں میں
اُسی سے ہے یہ سب حسنِ بتاں کی گرم بازاری
اُسیکی آتش افروزی ہے پتھر کے شراروں میں
گل و نسرین و سوسن نرگس و ریحان و فاغر ان
ثمری قدرت نے کیا کیا رنگ دکھلائے ہیں بہاروں میں
حقیقی دلبر کیا کیا جلوے سورج کی کرن کے ہیں
جمی جس جس جگہ پر برف وہ کیسی کوہساروں میں
طلوعِ شمس برفستان میں دیکھو چشمِ موسیٰ سے
تجلی طور کی اب بھی ہے پیدا کوہساروں میں
چھڑا ہے ساز کسکا ابر پر دیوں پہاڑوں کے
صدائے نغمہ و الحمد بھری ہے آبشاروں میں

تامل

مرد و عورت سے مرکب نوع ہے انسان کی — جسطرح اسمی ہیں ہنر کیمیا و کان کی
لازم و ملزوم ہیں جیسے کہ نور و آفتاب — یا یہ کہیے بوئے خوش گلشن مہ ہے جان گلاب
اقتضا فطرت کا ہے دونوں میں شان اتحاد — ہے یہی قانون ہستی کی عبارت سے مراد
کہہ رہا ہے تجربہ باہم رہو شکر و شکر — کر دیا ہے مطلع۔ ماضی نے استقبال پر
ارتقا کا مسئلہ بھی ڈالتا ہے روشنی — ہے تمدن کی ترقی کا سبب یہ زندگی
گو فراغض میں نظر آتا ہے چند اں امتیاز — متحد لیکن مقاصد میں ہیں دونوں یہ بفضا

جبکہ نیچر کا "کانو منشا ہو جذب و اتصال
پھر تعجب ہے کہ ہو تعلیل وجہ انفصال

ہاں مگر بے احتیاطی کا نتیجہ ہے خراب — یعنی تحلیلیں بڑھا دیتا ہے "نقص انتخاب"
اشتراکی زندگی میں یہ ضروری ہیں صفات — ہم "خیالی" پہلے اسکے بعد "حسن النفات"
ہو نہیں سکتی کبھی پیدا بہم بیگانگی — سعی کی جائے اگر اسمیں قرار واقعی
جب طبایع ہونگے کیسان لازمی ہے اتفاق — ورنہ نامانوسیت کا خاصہ ہے افتراق
صحبت ناجنس سے سو بار "ارشد" الحذر — زندگی بھی تلخ اس سے عاقبت بھی پُرخطر

با مخالف مشربان چیکار نشستن خوب نیست
این غلط مجموعہ را شیراز بستن خوب نیست

ارشد تھانوی

رباعیات مولانا صفی لکھنوی

قدر شباب و عمر فانی کیا تھی — یہ بھی نہیں یاد وہ کہانی کیا تھی
غفلت سے کھلی آنکھ تو معلوم ہوا — اک نیند کا جھونکا تھا جوانی کیا تھی

دلمیں ہوس درہم و دینار نہ رکھ — غم پشت ہے عصیاں کا بہت بار نہ رکھ
یہ ہری ہیں سراس غرض سے ہتا ہے صفی — یعنی دنیا سے اب سروکار نہ رکھ

ایڈیٹوریل

ہندوستان کی ایک مشترکہ زبان کے متعلق عرصے سے ایک بحث چھڑی ہوئی ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ ملک کی مختلف زبانیں ملکی ترقی میں ایک حد تک سنگ راہ ہیں یہ بحث ابتک اُردو ہندی تک محدود تھی کہ دونوں میں کون زبان ملک کی مشترکہ زبان ہونیکی صلاحیت رکھتی ہے۔ لیکن گزشتہ ماہ کے ماڈرن ریویو کلکتہ میں ایک نامہ نگار نے بنگالی زبان کو بھی اسی دعوے کے ساتھ پیش کیا ہے اور زبردست دلائل سے اپنے دعوے کو پایۂ ثبوت تک پہونچایا ہے۔ بنگالی زبان کا مقابلہ زیادہ تر دیوناگری سے کیا گیا ہے مگر ضمناً اُردو یا ہندوستانی کا بھی ذکر آیا ہے جو حامیان اُردو کی خاص توجہ کے قابل ہے مضمون نگار کا یہ دعویٰ کہ بنگالی علم ادب سے زیادہ وسیع اور کارآمد ہے ایک حد تک صحیح ہے جس سے ہر زبان کے حامیوں کو سبق لینا چاہیئے۔

فضیلت پناہ فخر العلما مولانا شبلی صاحب نعمانی اپنے ایک نوازشنامہ میں ادیب اور اُسکے ذریعہ سے اُردو علم ادب کی ترقی کے متعلق حسب ذیل تحریر فرماتے ہیں جو اُردو اہل قلم کی خاص توجہ کے قابل ہے:-

"ادیب کے محسن ظاہری میں کیا شک اور حسن معنوی میں بھی اُردو کے کسی رسالہ سے کم نہیں۔ یا یوں کہئے کہ کوئی رسالہ اس سے بڑھکر نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اب ایک محدود دائرہ سے قدم آگے بڑھانا چاہیئے۔ ابتک جو کچھ ہو رہا ہے یا اپنی داستانیں ہیں یا یورپ کی نہایت سرسری معلومات۔ اس سے زبان کی ترقی کا قدم آگے نہیں بڑھتا۔ کوشش کیجائے کہ ہربرٹ اسپنسر اور کمسلے وغیرہ کا فلسفہ اُردو زبان میں آئے۔ انگریزی سے اُردو میں جو کچھ منتقل ہو رہا ہے اوچھے اور ادنیٰ درجہ کے معلومات ہیں۔ انکو کہاں تک بار بار پڑھئے۔ یورپین معلومات کے لحاظ سے آج سے ۱۰۰ برس پہلے ہم لوگ جہاں تھے اب بھی وہیں ہیں"۔

تقریح تصاویر

(۱)

اس ماہ کی رنگین تصویر بھی اُسی مصوّر کے ہاتھ کی بنی ہوئی معلوم ہوتی ہے جسکی ایک تصوّر "شاہجہان کا محل" کے عنوان سے گذشتہ مارچ کے ادیب مین شائع ہو چکی ہے۔ یہ دونون تصویرین ایک ہی سائز پر بنائی ہوئی تھین۔ جو دیسی صناعی کا نہایت قدیم نمونہ ہین۔ اس تصویر مین شیخ سعدی کو ایک صوفی منش بزرگ کی حیثیت سے دکھایا گیا ہے جنکے گرد مُریدان عقیدت کیش حلقہ زن ہین۔ یورپ مین شیخ سعدی کی جسقدر خیالی تصویرین شائع ہوئی ہین اُنمین انھین قلندرانہ وضع سے دکھایا گیا ہے اور یہ تصویر یورپین مصوّرون کے نقطۂ خیال سے بالکل علٰحدہ ہے۔ ہمین بھی اصل تصویر کو شیخ موصوف کی تصویر قبول کرنے مین پس و پیش تھا اور اگر تصویر کے حصّۂ زیرین مین خود مصوّر نے اپنے قلم سے "تصویر شیخ سعدی شیرازی" نہ لکھدیا ہوتا تو مشکل سے یقین آسکتا تھا کہ یہ وہی بزرگ ہین جنکی آزاد منشی تمام تقریح انہین۔ بہرحال یہ تصویر شیخ سعدی کی صوفیانہ زندگی کا مرقع پیش کرتی ہے اور اپنی قدامت کے اعتبار سے بہت کچھ قابل قدر ہے۔

(۲)

شاہ عالم ثانی کے دربار پر تصویر کے مقابل ایک مفصل نوٹ درج ہے۔ یہ بھی ایک قلمی تصویر کا عکس ہے جس سے ایک حد تک ملکی صناعی پر روشنی پڑتی ہے۔

(۳)

پارسی حُسن کی تصویر دیکھ کر گمان ہو سکتا ہے کہ کسی پارسی اپٹی کا فوٹو ہے۔ لیکن یہ مشکل حیرت ہوگی کہ یہ ہندوستان کے زندہ جاوید مصوّر راجہ راوی ورما کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔

(۴)

قمر احمد دباغ جنیرہ کے فوٹو کے لئے ہم مرہائین ہگیا حیدرآباد کے وارد محل اور پراتھیا سکر ٹری صاحب کے ممنون ہین جنھون نے حضور صدر دکھ کے مختصر حالات اور عمارات جنیرہ کے مناسب لیچپ فوٹو ارسال فرماکر ادیب کو سرفرازی کا موقع دیا۔ وارد فوٹو صاحب نے یہ حالات انگریزی زبان مین ارسال فرمائے تھے جنکا اُردو مین ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

(۵)

آنکھ کے ڈھیلون پر ایک مفصل مضمون درج ہے جو اپنی نوعیت مین کچھ کم دلچسپ نہین ہے۔ اسیطرح اُنکی علمی تصاویر بھی دلچسپ اور نتیجہ خیز ہین۔

(۶)

دروازۂ مقبرۂ اعتماد الدولہ کی تصویر گذشتہ ماہ کی تصویر "مقبرۂ اعتماد الدولہ" سے تعلق رکھتی ہے جس کے مفصل حالات گذشتہ نمبر مین درج ہو چکے ہین۔

(۷)

مولانا سید علی حیدر صاحب طباطبائی لکھنوی ایک بلند پایہ عالم اور زبان اُردو کے زبردست مصنف ہین۔ جن حضرات نے آپکی شرح غالب اور ساقی نامہ شفشقیہ کا مطالعہ کیا ہے وہ آپکے تبحّر علمی اور زور طبع کا اندازہ کر سکتے ہین۔ آپکا فوٹو اُس فکر گذاری کے طور پر شائع کیا جاتا ہے جو اپکی قلمی اعانت سے ادیب پر فرض ہے اور جسمین آپ نے ابتدا ہی سے غیر معمولی دلچسپی ظاہر فرمائی ہے۔ قلمی معاونین کے کئی فوٹو گذشتہ نمبرون مین شائع ہو چکے ہین اور آیندہ بھی یہ سلسلہ جاری رہیگا۔

(۸)

بن پاس کی تصویر بھی ایک قلمی تصویر کا فوٹو ہے جو کلکتہ کے ایک مشہور مصوّر کی صناعی اور زمانہ حال کی دیسی مصوّری کا ایک قابل قدر نمونہ ہے۔ اس تصویر مین سری رامچندر، سیتا جی اور لچھمن بزمانہ جلاوطنی برسات کے موسم مین چترکوٹ اور اُسکے گرد نواح مین سیر کرتے پھرتے ہین۔ سر شاکر نے اسپر ایک دلکش تعلم لکھی ہے جو تصویر کے مقابل درج ہے۔

نوٹ۔ اس نمبر کے ساتھ ادیب کی پہلی جلد اجنری نہایت جون کا انڈکس ارسال ہے۔ جو حضرات جلد بندھوانا چاہین وہ اس فہرست کو جلد کے شروع مین چسپان کرالین۔

مرکب الکتالیس فوائد

جسکی تصدیق حکیموں ڈاکٹروں اور دیگر علم اصحاب نے کی ہے

فائدہ ۱ جس کی تصدیق پینتالیس مختلف ملکوں اور مختلف عمر کے لوگوں نے کی ہے۔ وہ یہ چیز ہے کہ معدہ و جگر جو کمزور ہو جانے سے دن بدن لاغر ہوتے جاتے تھے۔ چہرہ پر بے رونقی اور مردہ پن پیدا ہو جاتا تھا۔ ہاتھ پاؤں جلتے تھے۔ معدہ پر بوجھ کبھی دست کبھی قے کبھی قبض ہو جاتی تھی۔ وہ سب اس کے استعمال سے دور ہو گئے۔

فائدہ ۲ جسکی تصدیق دو سو رعیں آزما کرتے ہیں۔ خون گندہ ہونے سے چہرہ پر چھائیاں یعنی پرانے۔ چھوٹے۔ بھینگاں کثرت سے مختلف جگہ میں پیدا ہو کر ان سے لیسدار پانی بہ کر جہاں وہ پانی لگتا تھا۔ زخم ہو جاتے تھے۔

فائدہ ۳ جسکی تصدیق پینتالیس آدمی کرتے ہیں۔ ان کی رانوں کا چمڑہ سیاہ اور موٹا ہو گیا تھا۔ اور پسینہ آنے سے سخت خارش ہوتی تھی۔ ہر وقت ہاتھ چلوں میں رہتا تھا۔ اور ان سے بدبو آتی تھی۔

فائدہ ۴ جسکی تصدیق گیارہ رعیں کرتے ہیں۔ خنازیر مختلف حصہ جسم میں بغل اور گردن میں ان کی بدن گلٹیاں بڑھتی جاتی تھیں۔ اس کے استعمال سے بڑی گلٹیاں بیٹھ گئیں۔ اور آگے پیدا ہونی بند ہو گئیں۔

فائدہ ۵ جسکی تصدیق بتیس مرد مریض کرتے ہیں۔ عرصہ سے ناسور اور بھگندر سے پیپ جاری تھی۔ اس کے استعمال سے ناسور سوکھ گیا۔

فائدہ ۶ جس کی تصدیق بتیالیس مریض کرتے ہیں۔ ان کو چوتھے سے اٹھکر درد تمام بدن اور سر پیدا ہوتا تھا۔ جس سے ٹانگ دن بدن سوکھتی جاتی تھی۔ اس کی ایک شیشی سے درد اور سر بگن بادصحا رہا۔

الغرض یہ مرکب چوب چینی اور عشبہ وغیرہ کا سب سے بہتر اور سب سے عمدہ مصفی خون ہے جہاں تک ہمارے ناچیز کی ناکارہ اور ناقصان رسائی ثابت ہوئے ہیں اور کیونکہ وہ بلا لحاظ اس ملک کے شراب وغیرہ میں بنائے جاتے ہیں۔ جس سے خون زیادہ غلیظ اور تیز ہو جاتا ہے) اس سے سریع الحصول نائسے کہلائے ہیں اس چوبہ کا اضافہ مثانہ اندرونی پر بہت اچھا اثر رکھتا ہے۔ جس سے تمام چھوٹے کی بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔ یہ مرکب ہفتہ ۵ سال سے تمام مختلف حصوں ملک میں تجربہ کیا گیا ہے۔ اگر آپ کو کوئی شکایت ہو۔ تو آپ تجربہ کرکے ہمارے بیانات کی تصدیق کیجئے۔ ہدایت کے لئے اس چوبہ کے استعمال سے پہلے بدن کو وزن کرکے رکھ لو۔ اور ایک ماہ بعد وزن کرو۔ آپ کا وزن بڑھا ہوا پاؤ گے۔ قیمت بیشیشی کلاں ۱۲ روپے بیشیشی خورد ۶ روپے

پتہ: مینیجر شفاخانہ حاج الحرمین حکیم۔ ڈاکٹر غلام نبی زبدۃ الحکماء لاہور

عالم ہمہ افسانۂ ماد اروما ہیچ

معزز ہمعصر مخزن کا وہ ریویو جس کا ذکر جون کے ادب میں ہو چکا ہے مزید شکر گزاری کے ساتھ درج ذیل ہے۔ دیگر معاصرین کے حوصلہ افزا ریویو کے لئے اس مرتبہ گنجائش نہیں نکل سکی۔ آئندہ کوشش کی جائیگی کہ تمام بقیہ ریویو اکٹھا بطور ضمیمہ شائع کر دئے جائیں۔ منیجر

رسالہ مخزن لاہور۔ "ادیب" نامی الٰہ آباد سے اردو کا ایک ماہوار باتصویر رسالہ جنوری سنہ حال سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ جسکے ایڈیٹر ہمارے قدیم کرمفرما منشی نوبت رائے نظر لکھنوی ہیں منشی صاحب موصوف پہلے خدنگ نظر لکھنؤ کے ایڈیٹر تھے جو اپنے رنگ میں ایک پر لطف گلدستہ تھا اس کے بعد رسالہ زمانہ کی ایڈیٹری اور اہتمام میں منشی دیا نرائن نگم صاحب کے شریک رہے۔ اب کچھ عرصہ سے اخباری دنیا سے الگ تھے۔ ہم نہایت خوش ہیں کہ وہ پھر اس حلقہ میں تشریف لائے ہیں اور "ادیب" رسالہ ہمراہ لائے ہیں۔ دکن میں ایک مدت ہوئی ایک رسالہ اسی نام سے شہرت پا چکا ہے۔ مگر عرصہ ہوا کہ وہ مٹ گیا۔ اسنے حیدرآباد میں اپنی زندگی بہت اچھی طرح گزاری ہوگی۔ کہ موجودہ تناسخ میں اسکا رنگ روپ ہی کچھ ہے۔ کوئی دس سال ہوئے جب ہم نے مخزن ادب اردو کی خدمت کے لئے جاری کیا۔ اسوقت میدان خالی تھا اور مخزن اپنے رنگ کا موجد قرار دیا گیا۔ اسکے بعد یہ رنگ اسقدر مقبول ہوا کہ اطراف و جوانب سے اسکے مقلد پیدا ہو گئے۔ اُن میں سے بعض کامیاب ہوئے اور بعض ناکام رہے۔ بعض زندہ رہے اور بعض مر گئے۔ ہمیں اُن سب کے وجود میں آنے سے خوشی ہوتی رہی۔ کیونکہ ہم سمجھتے تھے کہ سب وہی مقصد رکھتے ہیں جو ہمارے پیش نظر ہے اور اُن میں سے بعض کے قبل از وقت راہی عدم ہونے پر افسوس ہوتا رہا۔ لیکن ایک شکایت اُن سب سے رہی اور وہ یہ تھی کہ کسی نے کوئی نئی بات ایسی نہ نکالی۔ جس سے ملک کو ایسا فائدہ پہنچتا جو پہلے نہیں پہنچ رہا تھا۔ کہیں کہیں صرف رنگ بدلا دکھانے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی گئی کہ تھوڑی سی چاشنی پولیٹیکل مضامین کی لگا دی۔ مگر یہ تدبیر حقیقت میں کچھ مفید نہ تھی اور زیادہ کارگر نہ ہو سکی۔ علم و ادب کی ترقی کوئی چھوٹا سا کام نہیں ہے۔ اگر ادبی رسالے ایسی طرف دل و جان سے متوجہ ہو تو ملک کی اعلیٰ درجہ کی خدمت تھی۔ ہاں جنمیں سیاسی مضامین سے خاص دلچسپی ہوتی اور جو سیاسی خیالات کی ترقی کے دلدادہ ہوتے انھیں لازم تھا کہ سیاسیات کیلئے جداگانہ رسالے نکالتے جنمیں منجملہ اور ضروری چیزوں کے پولیٹیکل مضامین سیاہ دی کے ساتھ لکھے جاتے۔ سیاسی مضمونوں کے پہلو بہلو شاعری کے نمونے اور شاعرانہ نازک خیالیوں کے ساتھ پولیٹیکل ملہار پڑھنا ایک بیجوڑ بات تھی جس سے بعض ہمعصروں کو بہت سی تکالیف پیش آئیں جس سے بعض کے رسالے اہل نظر کے نزدیک بے لطف ہو گئے۔ ہمیں یہ دیکھکر مسرت ہوئی ہے۔ کہ "ادیب" کے ایڈیٹر صاحب اس پر چہ کو پولیٹیکل سبا جسکے علیحدہ دیکھکر خالص ادبی پرچہ بنانا چاہتے ہیں۔ اس ارادہ کے ساتھ جس بلند ہمتی سے انھوں نے کئی تصویر سے ایک رنگین تصویر کے دینے۔ بڑی تقطیع پر چھاپنے اور اہتمام سے چھاپنے کا تہیہ کیا ہے۔ وہ قابل تعریف ہے اور ہم "ادیب" کو شوق مخزن کا ایک خوش رنگ خمر سمجھتے ہیں اور اس کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ اگر وہ امید ہیں جو اس رسالہ کے متعلق پہلے نمبر کو دیکھکر پیدا ہوئی ہیں پوری ہوئیں اور دوسرے نمبر بھی اسی انداز کے نکلے تو یقیناً "ادیب" ہمارے اردو کے رسالوں میں ایک مفید اضافہ ہوگا۔ اکثر ارباب سخن جن کے کلام نظم و نثر سے یہ پرچہ مزین ہے۔ ہمارے اور جملہ ناظرین مخزن کے دیرینہ احباب میں سے ہیں سوا ایک آدھ نام کے سوا شاید ایسا تو کوئی بھی نہیں جس سے ہمارے ناظرین آشنا نہ ہوں۔ لیکن ہمیں امید ہے کہ حضرت نظر کی نظر غائر کچھ نئے اہل قلم بھی ڈھونڈھ نکالیگی۔ جو اُن لوگوں کا ہاتھ بٹائیں جو پہلے سے اس میدان میں موجود ہیں اور مدتوں سے ہمارے ماہوار رسالوں کی بلا معاوضہ خدمت کر رہے ہیں۔

ہم اپنے لائق ہمعصر کے منون ہیں کہ انھوں نے پہلے نمبر میں مخزن کی خدمت کا خصوصیت سے اعتراف کیا ہے اور ہم دل سے "ادیب" کی کامیابی کے لئے دعا مانگتے ہیں۔

ع ابھی تک جاری ہے۔

جلد ۲ ستمبر ۱۹۱۰ء نمبر ۳

ادیب

ادب اُردو کا باتصویر ماہوار رسالہ ——— ایڈیٹر نوبت رائے نظر لکھنوی

فہرست تصاویر

(۱) پہلا داور اگن کُنڈ (رنگین) (۲) دُمدار ستارہ (۳) سیّد راحت حسین صاحب بی۔ اے (۴) تاج محل کی سنگتراشی
(۵) اولا ڈکش ملک (۶) حضرت ریاض (۷) چار مینار

فہرست مضامین

۱ — دُمدار ستارے کا طلوع وغروب۔ از سیّد راحت حسین صاحب صفحہ
بی۔ اے۔ بی۔ ایل ... ۹۹
۲ — تبادلۂ اشیاء۔ از خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب وزیر مال
ریاست بہاولپور ... ۱۰۴
۳ — عورتوں کی شجاعت۔ از سیّد غوث رشید علی صاحب
(حیدر آباد دکن) ... ۱۰۸
۴ — لٹریچر میں انقلاب۔ از منشی محمد یحییٰ صاحب۔ تنہا ۱۱۲
۵ — اخبار نویسی کی ابتدا۔ از منشی تیرتھ رام صاحب فیروز پوری ... ۱۲۰
۶ — بیغرض محسن (مختصر قصہ) از "دل" ... ۱۲۷
۷ — حضرت ریاض۔ از خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی ... ۱۳۳
۸ — چار مینار۔ از حکیم سیّد شمس اللہ صاحب قادری ... ۱۳۵
۹ — مالوہ (نظم) از مولوی سیّد محمد فاروق صاحب شاہجہانپوری ... صفحہ ۱۳۷
۱۰ — سودائے عشق۔ از منشی درگا سہائے صاحب سرور جہان آبادی ″
۱۱ — کنول کا پھول۔ از مسٹر شاکر بریلوی ... ۱۳۸
۱۲ — مان کی تصویر۔ از سیّد تصوف حسین صاحب واصف اکبر آبادی۔ ۱۳۹
۱۳ — یاد احباب۔ از مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی ... ۱۴۱
۱۴ شاعری۔ از بابو جگت موہن لال صاحب رواں ... ۱۴۲
۱۵ — موت اور زندگی۔ از مولوی محمد سیف الدین صاحب شباب ″
۱۶ — صحرا۔ از مولوی بدر الزماں صاحب بدر (کلکتہ) ... ۱۴۳
۱۷ — ادب آموز۔ از سیّد غلام مصطفےٰ صاحب ذہین ... ″
۱۸ — زندگی۔ از منشی برج سہوکن لال صاحب محب دریا آبادی ... ۱۴۴
۱۹ ایڈیٹوریل ... ۱۴۵

قیمت سالانہ چہار روپیہ
پنچکوڑی متراپنٹر و پبلشر نے انڈین پریس الٰہ آباد میں چھاپکر شائع کیا
فی پرچہ چھ آنہ

لڑکیون کا تعلیمی کورس

خوشی کا مقام ہے کہ ہندوستان مین لڑکیون کی تعلیم ترقی کر رہی ہے اور ہر شہر اور ہر قصبہ اور ہر گانون مین لڑکیون کے مدرسے جاری ہو رہے ہین اس ترقی تعلیم کا نتیجہ جسقدر مفید ثابت ہوا ہے وہ محتاج تصریح نہین تاہم عام طور پر یہ شکایت بھی سنی جاتی تھی کہ لڑکیون کی تعلیم کے لئے ابھی تک کوئی ایسا نصاب نہین تیار ہوا ہے جو انکی دماغی اور اخلاقی حالت کے مناسب حال ہو اور انھین خاطر خواہ فائدہ پہونچا سکے۔ اسی شکایت کی بنا پر ہمنے لڑکیون کے لئے ایک ایسا نصاب بعرف کثیر تیار کرایا ہے جو ہر طرح اور ہر حیثیت سے مکمل ہے اور جسے صوبہ ہذا کی تعلیمی کمیٹی نے نہ صرف پسند کرکے بلکہ تمام دیگر ریڈروں پر ترجیح دیکر مدارس نسوان مین جاری کر دیا ہے۔ ان ریڈرون کی زبان کی نسبت اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ اپٹیڑ صاحب ادیب کی اصلاح و نظر ثانی سے مزین ہین۔ انمین اخلاقی اور نصیحت آمیز کہانیون اور سبقون کے علاوہ تیمارداری۔ معاشرت۔ امور خانہ داری۔ بچون کی پرورش۔ مریضون کی تیمارداری۔ خاوند کی اطاعت۔ شرم و حیا۔ عفت و عصمت اور دیندار کارآمد باتین لکھی گئی ہین۔ علاوہ برین ریڈرون مین حیاتیات۔ دستیتی سکنتلا۔ ساوتری لیلاوتی۔ اہلیا بائی وغیرہ کی سوانح عمریان اور چرخہ چاہات کی لڑکیون کے حالات نہایت سلیس اور بچون کی سمجھ مین آنیوالی زبان مین درج ہین۔ کاغذ لکھائی چھپائی وغیرہ سب اعلیٰ درجے کی ہین جو انڈین پریس کا حصہ ہے۔ ان ریڈرون مین ۱۱۸ تصاویر بھی ہین جنمین ۳۲ تصاویر پورے صفحون پر علیحدہ چھاپکر شامل کیگئی ہین۔ پورا نصاب حسب ذیل ہے

۱۔ اردو کا نیا قاعدہ .... قیمت ۹ پائی

۲۔ لور پرائمری ریڈر (پہلی اور دوسری جماعت کا نصاب) ۶ر

۳۔ اپر پرائمری ریڈر (تیسری اور چوتھی جماعت کا نصاب) ۷ر

۴۔ لور مڈل ریڈر (پانچوین اور چھٹی جماعت کا نصاب) ۸ر

منیجر انڈین پریس الہ آباد

ممیرے کا سرمہ

(معتمد قدیم جناب اسسٹنٹ سرجن صاحب اگزمینر سابق گورنمنٹ پنجاب)

معزز انگریزون مڈیکل کالج کے پروفیسرون نامور ڈاکٹرون والیان ریاست اور ولایت کی یونیورسٹی کے سند یافتہ پورپین ڈاکٹرون نے بعد تجربہ اس سرمہ کی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ سرمہ امراض ذیل کے لئے اکسیر ہے ضعف بصارت۔ تاریکی چشم۔ جالا۔ پردہ ال عنابا۔ پھولا میل سرخی۔ ابتدائی موتیا بند۔ پانی جانا خارش وغیرہ معزز ڈاکٹر و حکیم بہاے اور ادویہ کے آنکھون کے مریضون پر اب اس سرمہ کا استعمال کرتے ہین۔ چند روز کے استعمال سے بینائی بہت بڑھ جاتی ہے اور عینک کی بھی ضرورت نہین رہتی۔ بچے سے بوڑھے تک کو یہ سرمہ یکسان مفید ہے قیمت اسلئے کم رکھی گئی ہے کہ خاص و عام اس سے فائدہ اٹھائین قیمت فی تولہ (جو سال بھر کے لئے کافی ہے) مبلغ (۱۶) ممیرے کا سفید سرمہ اعلیٰ قسم فی تولہ (تے ۴) خالص میرو فی ماشہ تین روپیہ خرچ ڈاک بذمہ خریدار درخواست کرتے وقت اخبار کا حوالہ مرقوم دین۔

المشتہر پروفیسر سیانگہ الہ آباد مقام بالا ضلع گورداس پور پنجاب (اسے بڑھکر معتبر شہادت کیا ہو سکتی ہے) جناب پروفیسر سیانگہ صاحب تعلیم مین نے آپ کے یہان سے سفید سرمہ میرے کا منگوا کر استعمال کیا بعد درجہ کا فائدہ ہوا۔ بالکل صحت حاصل ہو گئی پہ کا سرمہ جملہ امراض چشم کو مفید ہے۔ بصارت کو طاقت بخشتا ہے تیرے دن فائدہ معلوم ہو جاتا ہے واقعی یہ سرمہ اکسیر کا حکم رکھتا ہے اسلئے مین بڑی خوشی تصدیق کرتا ہون کہ اس سے بڑھکر آنکھ کے لئے اور کوئی دوائی نہین ہے الراقم کنور چھتر پال سنگھ صاحب بہادر ریاست پھگوان اودھ (۲) مین نے میرے کا سرمہ کا سرمہ سیانگہ سے تیار کیا ہے۔ ان مریضون پر جنکی آنکھین بہت کمزور اور بیمار تھین استعمال کرکے مفید پایا میری رائے مین خاصکر مریضون کے واسطے جنکی آنکھون سے پانی رہتا ہے اور دھندلا نظر آتا ہے یہ سرمہ نہایت ہی مفید ہے۔ الراقم ڈاکٹر پرچ ال ہوشر بہادر۔ ایل۔ ایم۔ اسسٹنٹ سرجن و پروفیسر میڈیکل کالج "ہو حال آنریری سرجن گو

پہلاد اور اگن کند

ستمبر ۱۹۱۰ء

ادیب

جلد ۲ نمبر ۳

دُمدار ستارے کا طلوع وغروب

جس دُمدار ستارے کے طالع ہونے کی خبر ہمارے منجم سالہا سال سے دے رہے تھے اُسکو لوگ خوب جی بھر کر دیکھ چکے اور یہ بھی سمجھ لیا کہ اُسکے طالع ہونیکی نحوست کا جو بھرم دل میں بیٹھا ہوا تھا وہ توہمات قدیم کی ایک یادگار تھا۔ اس ستارے کا تاریخی بیان اور اُسکی تمام حالات کا ذکر ادیب کے اپریل نمبر میں شائع ہوچکا ہے۔ مجھے اس جگہ اُن باتوں کو دُہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو کچھ پیشتر لکھا گیا ہے وہ اصول علم ہیئت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس مضمون میں محض دُمدار ستارے کے مشاہدات کا ذکر کیا جاتا ہے جنکی طرف ہیئت دانوں نے ہمکو توجہ دلائی ہے۔

یہ عام طور پر معلوم ہے کہ یہ تارا عہد تاریخی میں ہمارے نظام شمسی کے اندر بارہا آچکا ہے۔ آخری مرتبہ یہ ۱۹۳۵ء میں طالع ہوا تھا اور اس مرتبہ اٹھارھویں بار اُسنے دور کیا۔ یوں تو بڑی دُور مہینوں سے کئی ماہ قبل اسکو ہیئت دانوں نے دیکھ لیا تھا درجون جون وہ زمین کے قریب آتا تھا اُسکی خبر برابر دے رہے تھے۔ لیکن ۱۹۔ اپریل ۱۹۱۰ء کو دُمدار تارا مدراس میں خالی آنکھ سے دکھائی دیا۔ اسکے نظر آنے سے دُنیا میں ایک ہلچل پڑگئی اور فوراً تمام دُنیا میں تار نبرین دوڑ گئیں۔ اسکے بعد لوگوں نے اُسکو مختلف مقامات پر دیکھا اور شدہ شدہ ۲۵۔ اپریل ۱۹۱۰ء سے صبح کاذبین بجے کے بعد وہ اُفق مشرقی میں اچھی طرح نظر آنے لگا۔

ہیئت دانوں کی مُنہ مانگی مراد برآئی اور وہ سرگرمی سے مشاہدات کی جانچ میں مشغول ہوگئے۔ اس نیلی فضا میں جسکو آسمان کہتے ہیں ایک نیا تارا جسکو ہم پہلے نہیں دیکھتے تھے۔ عالم لاہوت سے سیر کرتا ہوا زمین کی جانب نکل آیا جسکی انوکھی شکل کو دیکھکر ہم محو حیرت ہوگئے۔ اسکے خوشنما منظر کی دلچسپی کو کسی منجم کے دل سے پوچھیے۔ چار بجے صبح کے قبل افق مشرقی کی بہار قابل دید ہوتی تھی۔ دائیں طرف تو چاند نظر آتا تھا، بیچ میں صبح کا روشن تارا چمکتا دکھائی دیتا تھا، اور اُس سے قریب ۲۰ درجہ کی دُوری پر بائیں جانب دُمدار ستارہ طالع ہوتا تھا، جسکے نور کی چھوٹ زہرہ تک

جاتی تھی اور اک عجیب غریب سمان نظر آتا تھا۔ جب تک چاند صبح کو دکھائی دیا اُسکی روشنی سے دُمدار ستارے کے نور کی دمک ماند رہی۔ لیکن جب ۲۸۔ ربیع الثانی مطابق ۹۔ مئی ۱۹۱۰ء کو چاند کے چھپ جانے سے میدان خالی ہوگیا تو دُمدار ستارہ جو پہلے دھیما دھیما نظر آتا تھا اک بقعۂ نور بنگیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ آسمان پر اک مہتاب چھوٹ رہی ہے جسکی ضو ہلکی ہوتی ہوئی دُور تک جاتی ہے۔

یہ دُمدار ستارہ جو نظام شمسی مین ۷۴ برس کے بعد پھر لوٹ کر آیا تھا واقعات عالم کی اک زندہ تاریخ تھا جو زبان حال سے انسان کی پُر درد داستان اور زمین کی حسرتناک کہانیون کو بیان کرتا تھا۔ اُسکی خاموش ہستی زمانۂ ماضیہ کی تاریکی پر روشنی ڈالتی تھی اور اُسکا دیکھنے والا جس پر اک خود فراموشی کی حالت طاری ہوتی تھی عالم حیرت مین یہ خیال کرتا تھا کہ یہی وہ تارا ہے جس نے ۲۴۰۰ ۔ ۱۶۳ ۔ ۱۰۵ ۔ سال قبل مسیح مین ممالک روم اور شام کی ہولناک لڑائیون مین بڑے بڑے جانباز بہادرون کو جو ملک و زر کیلئے لڑکر مرگئے خاک پر دم توڑتے دیکھا تھا۔ یہی وہ تارا ہے جو ۶۶ء ۱۰۵ء ۱۴۵۲ء مین مملکت روم اور ایران کی افسوسناک بربادیون پر خون رویا ہے۔ یہی وہ تارا ہے جو ۶۱۰ء مین جسوقت پیغمبر اسلام مبعوث بہ رسالت ہوئے آسمان پر طالع ہوا اور جس نے اسلام کی پُر جوش ابتدا کا خیر مقدم کیا تھا۔ یہی وہ تارا ہے جو ۱۰۶۶ء مین ولیم فاتح کے تاج زرین پر چمکا اور جزیرہ برطانیہ کی فتح کا نشان مظفر بنکر آسمان پر لہرایا۔ یہی وہ تارا ہے جس نے ۱۳۴۶ء مین دوسری جنگ مقدس کی ابتدا کو مشاہدہ کیا اور ۱۴۵۶ء مین قسطنطنیہ کی تاراجی کے خوفناک منظر پر سایہ فگن ہوا۔ یہی وہ تارا ہے جس نے ۱۵۳۱ء مین چالیس ہزار بندگان خدا کو ڈوب کر مرتے دیکھا اور لسبن کے ہولناک بھوچال مین تیس ہزار زندہ آدمی کو جو خاک مین گر کر مرگئے زمین پر تڑپتے دیکھا تھا۔ یہی وہ تارا ہے جو ۱۶۰۶ء، ۱۶۸۲ء، ۱۷۵۸ء، ۱۸۳۵ء مین زمین پر عبرتناک خونریزیون اور ہولناک حادثون کا باعث خیال کیا گیا تھا۔ یہی وہ تارا ہے جو ہمارے ملک معظم شاہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کی افسوسناک وفات پر ۱۹۱۰ء مین آسمان پر نشان ماتم بنکر لہرایا اور قوم کی قوم کو اپنے بادشاہ کے سوگ مین مغموم و اشکبار دیکھا۔ یہی وہ تارا ہے جو آیندہ ۱۹۸۵ء مین جب پھر طالع ہوگا تو اسوقت ہم مین سے کسی کو زندہ نہ پائیگا۔ تمام حیوانات جو اسوقت زمین پر زندہ ہین مرچکے ہونگے۔ دُنیا کا اک بڑا حصہ جو اسوقت اپنے کامون مین سرگرم ہے موت کی گہری نیند سوتا ہوگا اور ہماری قبرون کے نشان تک باقی نہ ہونگے۔ غرضکہ اسطرح کے خیالات کا ہجوم دُمدار ستارے کے دیکھنے والے کو محو حیرت بنا دیتا تھا اور وہ عالم تصور مین زمین کے پُر درد حادثات کو یاد کر کے جنکے تذکرون سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہین اک دوسری دُنیا مین پہونچ جاتا تھا۔

ہیئت دانون نے حساب کیا ہے کہ جسوقت دُمدار ستارہ مئی کی ابتدائی تاریخون مین صبح کو اُفق مشرقی مین دکھائی دیتا تھا تو زمین سے وہ ۷ کرور ۴۰ لاکھ میل کی دُوری پر تھا لیکن روز بروز وہ زمین کی جانب نہایت سرعت سے بڑھتا چلا آتا تھا۔ چنانچہ ۱۰۔ مئی ۱۹۱۰ء کو اُسکا بُعد گھٹ کر ۴ کرور ۱۰ لاکھ میل رہگیا یہانتک کہ ۱۹ اسی کو وہ زمین سے صرف ۲ کرور ۷۰ لاکھ میل کی دُوری پر تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جسوقت دُمدار ستارہ زہرہ سے اک ذرا بائین جانب کو دبا ہوا اُسکے برابر مین طالع ہوتا تھا لیکن دو دن کی مدت مین وہ زہرہ سے نیچا ہوگیا اور قریب ۲۰ جون کے بائین جانب کو ہٹ گیا۔ تمنے خیال کیا ہوگا کہ دُمدار ستارہ ہر روز بڑا ہوتا جاتا تھا

ادیب

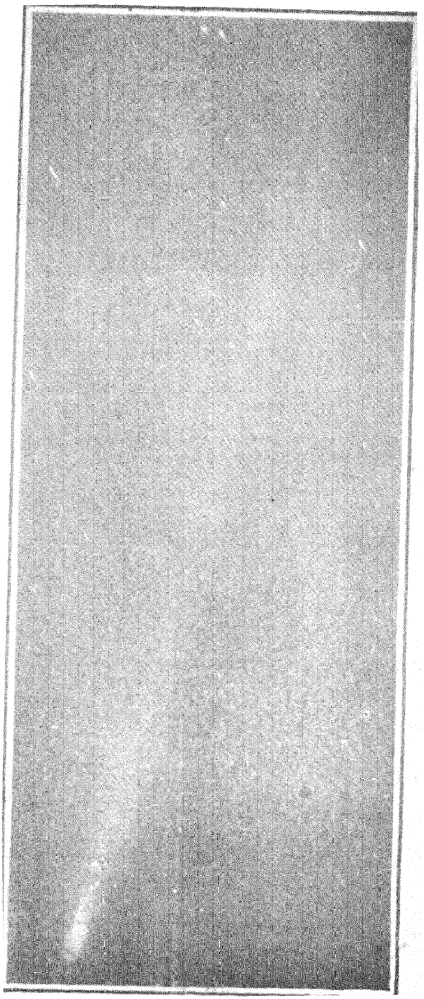

ہیلی کا دمدار ستارہ

انڈین پریس الہ آباد

یہان تک کہ اُسکی دُم جو اک اُجلے بادل کے ٹکڑے کی سی نظر آتی تھی۔ اُفق شرقی سے اوپر کو ۷۰ درجہ تک پہونچ گئی غرض ۱۷ تاریخ تک یہ تارا آسمان مین اسطرح بھر گیا کہ وہ اک دوسری کہکشان معلوم ہوتا تھا۔ اسکے بعد دُمدار ستارے کا صبح کو دیکھنا دشوار ہوگیا۔ سرجو آفتاب کے بالکل محازی پہونچ گیا تھا اُفق شرقی کے نیچے رہتا تھا لیکن دُم جو سورج کی کرن سے بالکل دھیمی دکھائی دیتی تھی ایک سفید نکھی سی آسمان مین بکھری ہوئی نظر آتی تھی۔

یہ سنکر حیرت ہوگی کہ ۲۵ اپریل کو جب دُمدار ستارے کا فوٹو لیا گیا تو اُسکی دُم مین اک زالی تبدیلی نظر آئی سر سے آگے بڑھکر دُم کے تین حصے نظر آئے۔ بیچ مین تو کرنون کا اک جُھرمٹ تھا اور اُسکے دونون جانب نہایت ہلکی شعاعین بکھری ہوئی دکھائی دین لیکن دوسری بار جب ۳۰۔ اپریل کو تصویر کھینچی گئی تو دُم کی ہیئت بالکل بدلی ہوئی نظر آئی۔ دونون جانب جو ہلکی شعاعون کی گچھٹ سی معلوم ہوتی تھی وہ غائب ہوگئی اور دُم پھر اپنی اصلی حالت پر آگئی۔ پانچوین مئی کو جو فوٹو لیا گیا وہ اس جگہ درج کیا جاتا ہے جسے دیکھکر کہا جا سکتا ہے کہ جن تبدیلیون کا ذکر اوپر کیا گیا ہے وہ اسمین نظر نہین آتی ہین۔ جس تاریخ کے فوٹو مین دُمدار ستارے کی دُم تین ٹکڑون مین نظر آئی اُسوقت تک وہ زہرہ کے قریب آچکا تھا۔ ہیئت دانون کی یہ رائے ہے کہ یہ حیرت خیز تبدیلی جو دُمدار ستارے مین دیکھی گئی وہ زہرہ کے اثر ڈالنے سے پیدا ہوئی۔ لیکن سچ پوچھو تو خدا کی باتین خدا ہی جانتا ہے۔ کوئی نہین بتا سکتا کہ اس تغیر کا باعث کیا ہوا اور کیونکر ہوا۔

یہ عام طور پر معلوم ہے کہ جسوقت چاند کا تاریک کرہ زمین اور آفتاب کی سیدھ مین حائل ہوجاتا ہے تو اُتنا حصہ آفتاب ہماری نظرون سے چھپ جاتا ہے اور اصطلاح مین اسکو سورج گہن کہتے ہین۔ یہ تو ہمیشہ چاند کی ۲۹ تاریخ کو ہوا کرتا ہے لیکن دُمدار ستارے کے حائل ہونے سے سورج کا گہنا جانا اک ایسا واقعہ ہے جسکی مثال تاریخ علم ہیئت مین مشکل سے مل سکتی ہے۔ ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا کہ ۱۸۸۲ء مین اک دُمدار ستارہ طالع ہوا تھا جسکی ضیا اتنی تیز تھی کہ وہ دن کو دکھائی دیتا تھا۔ یہ تارا زمین اور سورج کے بیچون بیچ مین ہوکر گذرا لیکن اسکی وجہ سے آفتاب مین گہن نہین لگا جس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اُسکا جسم اسقدر لطیف اور شفاف تھا کہ ہم اُسکے جسم کے وار پار سورج کو دیکھتے رہے۔ اس دلچسپ واقعہ کی دوسری مثال ہمارے نظرون کے سامنے گذری ہے۔ ہیلیز کامٹ جسکو ابھی دیکھ چکے ہو ۱۹ مئی ۱۹۱۰ء کو نو بجے صبح کے وقت زمین اور سورج کے بیچ مین ہوکر گذرا۔ اسکے سر کی جانب کو تو آفتاب تھا۔ دُم کی طرف زمین تھی۔ اور ان دونون کے بیچ مین دُمدار ستارہ اسطرح حائل ہوا کہ اُسکی دم کے درمیان سے سورج کو دیکھ رہے تھے۔ اگرچہ منجمون نے اس واقعہ کی قبل سے خبر دیدی تھی اور یہ بتا دیا تھا کہ زمین دُمدار ستارے کی دُم سے ہوکر گذرے گی۔ فضاے آسمانی مین ایک ڈرانی روشنی دکھائی دیگی۔ کالی آندھی آئے گی اور دُنیا غارت ہوجائیگی لیکن کوئی غیر معمولی بات محسوس نہین ہوئی اور نہ سورج مین سیاہ داغ نظر آیا۔ اس سے دو باتین سمجھ مین آتی ہین۔ اوّل یہ کہ تارے کی دُم زمین تک نہین پہونچی اور منجمون نے حساب مین غلطی کھائی۔ دوسری بات یہ کہ ہیلیز کامٹ کے جسم مین نہایت ہلکے اور شفاف بخارات بھرے ہین جسمین سے ہم اُس پار کے تارون کو دیکھ سکتے ہین۔ کسی منجم کی رائے ہے کہ زمین ہیلیز کامٹ کے دُم مین ہوکر گذری لیکن دُم کا وہ حصہ جسمین زمین نے غوطہ کھایا اس درجہ ہلکا تھا کہ کوئی اثر پیدا نہین ہوا۔ لیکن یہ رائے

غلط معلوم ہوتی ہے۔ اسلئے کہ جسوقت زمین دُمدار ستارے کے جسم سے ہوکر گذرنے والی تھی اُسوقت اونچے اونچے مینار دن پر خالی بوتلین لگادی گئی تھین اور یہ خیال تھا کہ اگر یہ واقعہ ہوا تو تارے کی دُم کا ایک جز خالی بوتلون مین بند ہوکر رہجائیگا چنانچہ جب وقت آیا تو بوتلون مین کاک لگادئے گئے اور اصول علم کیمیائی سے بوتلون کی جانچ کی گئی۔ لیکن سوائے معمولی ہوا کے جو ہماری زمین پر موجود ہے کوئی دوسری چیز نہین پائی گئی۔ سائنس دانون نے ہوا کی زیادہ مقدار کو منجمد کرکے جانچا ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ ایک نیا گیس جسکو آرگن کہتے ہین ہوا مین مخلوط ہے۔ ممکن ہے کہ یہ گیس دُمدار ستارے کا جز ہو جسکو وہ اپنی نشانی چھوڑ گیا ہے۔

امریکہ مین جو زمین کے دوسری جانب کو آباد ہے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ۱۸۔ مئی ۱۹۱۰ء کو ۹ بجکے ۲۲ منٹ پر شام کو جسوقت دُمدار ستارہ قرص آفتاب سے ہوکر گذرے گا، تمام فضائے آسمانی مین اک خیر معمولی روشنی چھا جائیگی اور اک قسم کی ایسی بدبو پیدا ہوگی کہ سانس لینا دشوار ہوجائیگا۔ ایشیا مین دوسرے دن صبح کو سورج مین گہن لگ جائیگا جو بڑی دُوربینون سے نظر آئیگا اور مراۃ العکس سے اس بات کا پتہ چل جائیگا کہ دُمدار ستارہ کس کس طرح کے گیسون سے مملو ہے لیکن باوجود یکہ ایک کروڑ پچاس لاکھ میل کا لمبا تارا زمین اور سورج کے بیچ مین ہوکر گذرتا ہے کوئی اسکی مطلق خبر نہوئی۔ ہان ۱۹ تاریخ کو ۹ بجے دن کو آفتاب پر اک غبار سا چھا گیا تھا۔ اب اسکو جو جی چاہے کہو۔ لیکن کوئی ایسی بات ظہور مین نہین آئی جس سے ہمکو دُمدار ستارے کے زمین اور سورج کے درمیان حائل ہونے کی تمیز ہوتی۔ یہ سب کچھ سہی لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ اگر زمین ہیلیز کامٹ کے دُم سے ہوکر گذرتی اور وہ بھی اُس حصہ سے جو سر کے قریب ہے تو ہم پر

قیامت آجاتی اور ایسی خوفناک بلا نازل ہوتی جسکے تصور سے دل کو ہول آتا ہے۔

یہ دیکھکر حیرت ہوئی ہوگی کہ ایک دن مین دُمدار ستارہ آفتاب سے گذر کر اُفق مشرقی سے اُفق مغربی میں چلا آیا اور ۲۰ منٹ کو شام کے وقت مغرب مین طالع ہوا۔ عام لوگون نے اس واقعہ کو نہایت حیرت سے دیکھا اور اُنکو یہ خیال ہوا کہ یہ کوئی دوسرا دُمدار ستارہ ہے جو یک بیک مغربی آسمان مین نمایان ہوگیا۔ لیکن بعد کو وہ جان گئے کہ یہ دُمدار ستارہ وہی ہے جو دو روز قبل صبح کو اُفق مشرقی سے طالع ہوتا تھا۔ لیکن اس قلابازی کی وجہ اُنکے سمجھ مین نہین آئی اور نہ اس چھوٹے سے مضمون مین مین اسکو سمجھا سکتا ہون۔ اتنا سمجھ لو کہ جب تک دُمدار ستارہ آفتاب کی بائین جانب کو رہا اسوقت صبح کو نظر آتا رہا لیکن جب وہ آفتاب سے گذر کر اُسکے دائین جانب کو چلا آیا تو اُفق مغربی مین نمودار ہوا لیکن ان دونون صورتون مین رُخ اُسکا ہمیشہ آفتاب کی طرف رہا اور دُم اُسکے جانب سے مڑی رہی۔

یہ بات خیال کی گئی تھی کہ اب دُنیا اتنی ترقی کرگئی ہے کہ دُمدار ستارون کی نسبت جو توہمات پُرانے لوگون نے مان لئے تھے وہ بالکل بے اصل ثابت ہونگے۔ لیکن واقعہ اسکے خلاف ظہور مین آیا۔ چین سے یہ خبر آئی کہ وہان کے اضلاع مین باغی رعایا نے ہیلیز کامٹ کی نحوست کو ملک کے لئے ایک بُرا شگون خیال کرکے شورش مچانا شروع کردی جسکے دفع کرنے مین حکام کو سخت مشکل پیش آئی۔ دمدار ستارہ کا مرقع اُتار کر باغی رعایا کو دکھا دکھا کے اس تارے کا تاریخی بیان سُنایا گیا اور یہ بات دلنشین کرائی گئی کہ وہ ایک ستارہ ہے جو اجرام فلکی مین داخل ہے۔ اُسمین ایسی قدرت نہین ہے جو ہم پر کوئی بُرا اثر ڈال سکے۔

آسمان پر اسکا طالع ہونا ایسا ہے جسطرح سورج چاند نکلا کرتے ہین مشرق کا حال تو سُن چکے اب مغرب کی روداد سُنو۔ کسی اخبار نے یہ خبر شائع کی کہ جرمن کے ایک خوش عقیدہ کسان نے بنی نوع انسان کو دُمدار ستارے کی پیآشوب نحوست سے بچانے کے لئے خودکشی کرلی۔ اسلئے کہ وہ سے پناہ دے۔ چنانچہ بدمعاشون نے خاص نمازون کے قائم کرنے کے لئے مغریب کسانون کو دھوکا دیکر خوب لوٹا۔

لوگونکو یہ خیال ہوگا کہ جس روز سے دُمدار ستارہ اُفق مغربی مین طالع ہوا اُس روز سے اُسکی ظاہری چال جو ذیل مین دکھائی گئی ہے

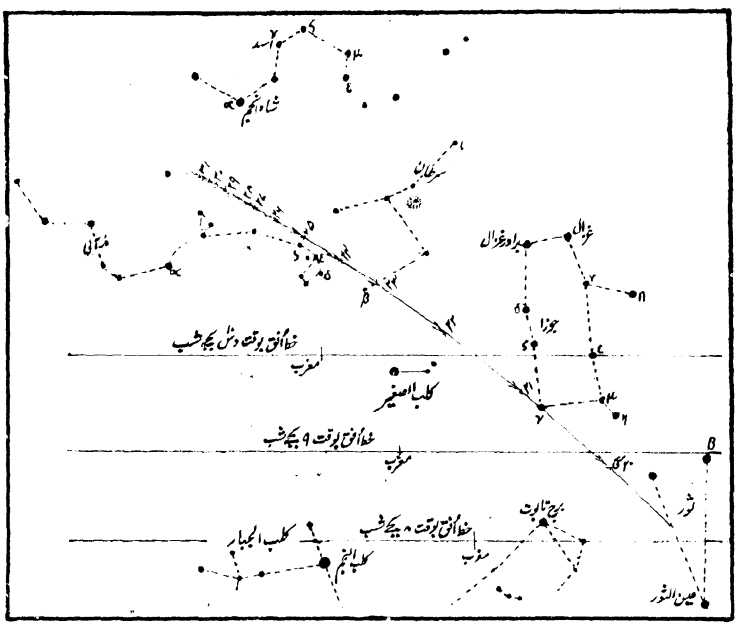

۲۰-۳۱ مئی تک دُمدار ستارے کی چال اور اُسکے آس پاس کے ستارے

اس بات کو مانے ہوئے تھا کہ جبتک کوئی آدمی قربانی نہ دیا جاے اس تارے کے طالع ہونیکی وجہ سے دُنیا مین جو آفت برپا ہونیوالی ہے وہ کسی طرح ٹل نہین سکتی۔ دس کسانون مین بلا کا تلاطم تھا۔ گرجا کی نمازون مین دعائین کیجاتی تھین کہ خدایا تو اس تارے کی نحوست

نہایت تیز محسوس ہوئی۔ ۲۰ مئی کو وہ برج ثور کے پاس تھا لیکن ۲۴ تاریخ کو صرف دو روز کی مدت مین برج جوزا سے گذر کر کلب کبیر کے مقابل آیا۔

اوپر کے مرقع مین ۲۰ سے ۳۱ مئی ۱۹۱۰ء تک کی چال دکھائی گئی ہے۔ اسکو دیکھکر معلوم ہو سکتا ہے کہ پانچ دن تک وہ کس

بلاکی چال سے بھاگتا نظر آیا۔ آج یہاں تھا تو کل وہاں۔ غرض چند روز مین قطع منازل کرتا ہوا ۲۵ مئی کو وہ بُرج سرطان کے سامنے پہونچ گیا۔ بعدازان اگرچہ اُسکی سرعت رفتار مین کوئی فرق نہین تھا لیکن ہمکو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ٹھہرا ہوا جاتا ہے۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ ۲۰ مئی کو وہ ہم سے نہایت نزدیک تھا۔ اس تاریخ کو اُسکی دوری صرف ایک کرور چالیس لاکھ میل تھی۔ اسکی رفتار کی سرعت زیادہ متغیّر تھی۔ بعد کو جُون جُون دُور ہوتا گیا ہماری نگاہ نے دھوکھا کھایا اور وہ ہمکو ٹھہرا ہوا محسوس ہوا۔ حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ۱۹۱۰ء کو وہ ہم سے چار کرور پچاس لاکھ میل کی دُوری پر نکل گیا تھا۔ یہ یاد ہوگا کہ اُسکی روشنی شب بہ شب گھٹتی جاتی تھی پہلے اُسکی لمبی دُم جو نہایت دھیمی نظر آتی تھی نظرون سے غائب ہونے لگی اور وہ چھوٹا ہوتا گیا یہان تک کہ ۴ جون ۱۹۱۰ء کو دُمدار ستارہ چھوٹا ہوتے ہوتے ہم سے رخصت ہوکر فضاے آسمانی میں ڈوب گیا اور اپنی انوکھی صورت کا ہمکو دلدادہ چھوڑ گیا جسکی یاد دل کو اب تک تراش دے رہی ہے۔

سید راحت حسین۔ بی اے

تبادلۂ اشیاء

فلسفۂ اخلاق اور فلسفۂ ذہنی مین یہ بات مان لی گئی ہے کہ اخلاق اور ذہن کی تکمیل اُس صورت مین ہوسکتی ہے جب تبادلۂ خیالات کا سلسلہ کسی حد تک مکمل ہو اور لوگ اس سلسلہ سے واقفیت رکھین اور اُسکی ضرورت کا احساس کرین۔ خیالات اور اذہان مین ترقی کیون ہوتی ہے اور دن بدن اُنمین وسعت کیون آتی جاتی ہے؟ اسلئے کہ سلسلۂ تبادلۂ خیالات اور تبادلۂ اذہان ہورہا ہے۔ یہانتک اسکی ضرورت کا احساس کیا گیا ہے کہ اب اکثر لوگون کو یہ علم ہی نہین کہ وہ اپنی زندگی مین ہر ساعت اسکے پابند ہین اور اسکے سوائے اُنکی زندگی نکمی ہے۔ گویا یہ امر اُنکی زندگیون کا ایک ایسا جزو لاینفک بن گیا ہے کہ اُسے کوئی بیرونی عمل سمجھا ہی نہین جاتا۔

جسطرح فلسفۂ اخلاق اور فلسفۂ اذہان مین اسکی ضرورت ثابت کی گئی ہے اسیطرح فلسفۂ اقتصاد مین تبادلۂ اشیاء کی ضرورت کو بھی سمجھا گیا ہے۔ کوئی ملک اور کوئی قوم اُسیوقت تک ٹھیک معنون مین ترقی یافتہ نہین کہی جاسکتی کہ جبتک اُسمین سلسلۂ تبادلۂ اشیاء مضبوطی اور وسعت سے نہ پایا جاتا ہو۔ نہ صرف پایا ہی جاتا ہو بلکہ لوگ اُسکی ضرورت اور ہستی کا بھی احساس کرین اور یہ سمجھین کہ اُس کے سوائے خود اُن کی ہستی کوئی شے نہین ہے اور وہ دُنیا کی ایک بڑی نعمت اور ایک عظیم کامیابی سے بے بہرہ ہین۔

علم الاقتصاد ہی اس سلسلہ کا حامی اور موید نہین ہے بلکہ قدرت بھی اسکی حامی ہے۔ کیون ایک ملک اور ایک خطہ کی آب وہوا اور قدرتی پیداوارین یا قدرتی وسائل دوسرے ملک اور دوسرے خطہ سے کسی حد تک متغائر ہین اور اُنکی نوعیت اور جنسیت مین فرق پایا جاتا ہے۔ صرف اسواسطے کہ خود قانون قدرت ہی تبادلۂ اشیاء کا حامی ہے۔ کیون ہر ملک اور ہر زمین مین ایک ہی قسم کی پیداوارین نہین ہوتین صرف اسواسطے کہ ہر ملک والون کا

سید راحت حسین صاحب بی اے بی ایل

انڈین پریس الہ آباد

سلسلۂ تبادلۂ اشیاء خود بخود جاری رہے اور لوگ اُسطرف عملی رنگ مین متوجہ رہین۔

اگر یہ سوال کیا جاے کہ تبادلۂ اشیاء سے اقتصادی رنگ مین مطلب کیا ہے تو اُسکا جواب یہ ہوگا کہ قانون قدرت کا یہ منشاء ہے کہ ایک ملک یا ایک قوم کے لوگ دوسرے ملک اور دوسری قوم کے لوگون سے کچھ کوشش مین کچھ ساختین کچھ مصنوعات اپنی آسایش اپنے مایحتاج زندگی کے واسطے لین اور اُنکے تبادلہ مین کچھ اُنھین دین بھی یا دوسرا ملک اور دوسری قوم خود بخود اُنسے حاصل کرے۔ اب آپ کی سمجھ مین آگیا ہوگا کہ اقتصادی رنگ مین تبادلۂ اشیاء سے مراد کیا ہے۔ علم الاقتصاد۔ اس ضرورت کا احساس صرف عملی رنگ مین نہین کراتا بلکہ علمی رنگ مین بھی ہم دیکھ رہے ہین کہ کسی نہ کسی حد تک ہر قوم اور ہر ملک اسکا احساس کر رہا ہے اور یہ ثابت اور ظاہر ہے کہ جس سرزمین مین اس ضرورت کا احساس کم زور ہے وہان کی قومین اور نسلین اس کمی کا خمیازہ بھی بھگت رہی ہین اور زمانہ جتا رہا ہے کہ اُنکے ادبار اور تنزل کا کوئی خاص موجب ہے اور وہ یہی ہے کہ اُنمین عملی رنگ مین تبادلۂ اشیا کا سلسلہ وسیع نہین ہے۔

اشیاء کا تبادلہ دو قسم پر ہے۔

(الف) تبادلہ جنسی۔

(ب) تبادلہ بہ تبادلۂ نوعیت۔

جو تبادلۂ اشیاء بالخصوص علم الاقتصاد مین مرعی ہے اور جسکی نسبت علمی اور عملی رنگ مین بحث کیجاتی ہے۔ وہ تبادلہ قسم (ب) ہے۔ بیشک تبادلہ قسم الف بھی ایک قسم کا تبادلہ ہے اور اُس سے بھی بہت کچھ فوائد مترتب ہین۔ لیکن جبتک اُسکے ساتھ تبادلہ قسم (ب) نہ ہو تب تک یہ نہین کہا جا سکتا کہ کوئی ملک یا کوئی قوم صحیح معنون مین دوسرے ملک یا دوسری قوم کے ساتھ تبادلۂ اشیاء کر رہی ہے۔ ایک ملک سے دوسرے ملک والون کا قدرتی رنگ مین معمولون کا تبادلہ کرنا ایک ایسی عام بات ہے کہ جسمین کوئی خاص فوقیت نہین ہے اگر ایک ملک والے دوسرے ملک سے۔ تل۔ نیشکر۔ کپاس۔ کنک۔ نمک۔ لیجا کر اپنے ملک کی پیداوار بدل لین تو اس مین گو کہ ایک دوسرے کے واسطے فائدہ کی راہ کھل جاتی ہے اور یہ بھی ایک قسم کی تجارت ہے لیکن اسمین وہ صورت اور وہ وسعت نہین پائی جاتی جسے علم الاقتصاد عملی رنگ مین پیش کرتا ہے اور جس سے قومون اور ملکون کی وقعت دوبالا ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر تبادلۂ اشیاء سے اقتصادی رنگ مین یہ مراد ہے کہ تبادلہ بہ تبادلۂ نوعیت کی صورت مین اشیاء کی داد وستد ہو۔ یعنی قدرتی اشیاء مین تصرف ہو کر بذریعہ حرفت اور صنعت کے اُنکا تبادلہ کیا جاے۔

ہر قدرتی شے اور قدرتی ساخت مین انسان نے حرفت اور صنعت کے ذریعہ سے جو کچھ تبدیلی کی ہے اُسکا نام نوعیت مین تبادلہ اور ترقی کرنا ہے اور یہ سلسلہ ہر ایک ملک اور ہر ایک قوم مین کم و بیش پایا جاتا ہے۔ کوئی ملک اور کوئی قوم اس عمل سے خالی نہین لیکن فرق یہ ہے کہ بعض قومین تبادلۂ نوعیت ایسی صورت مین کر رہی ہین کہ یا تو "اُنکی پہلی سی ضرورت اور مانگ نہین رہی ہے اور یا اُنمین زمانہ کے مطابق جدت نہین ہے" زمانہ خود بخود جتا رہا ہے کہ ہماری ضرورتون مین کسقدر فرق آگیا ہے اور یہ سلسلہ کس زور شور سے جاری ہے۔ تمام پرانی ساختین اور پرانی شیئین اپنی اپنی جگہ چھوڑتی جاتی اور نئی ساختین اور نئی شیئین اُنکا درجہ لیتی جاتی ہین۔ اس زمانہ مین وہی شے اور وہی ساخت شہرت پاتی ہے جسمین ضرورت اور آسایش کے

اعتبار سے کچھ نہ کچھ جدّت ہو۔ جس شے اور جس ساخت مین کوئی جدّت اور انوکھاپن نہین وہ اگر چہ کسی حد تک گذارہ تو چلا دیتی ہے مگر دلچسپ اور دلپسند نہین ہوتی۔

اشیاء اور قدرتی نمونون مین جدّت کب پیدا ہوتی ہے؟ جب اُنھین موجودہ ضروریات کے مطابق بنانیکی کوشش کیجائے۔ یورپ کی ساختین باوجود کسیقدر ناپائدار ہونے کے دُنیا مین کیون جگہ لیتی جاتی ہین اور کیون ہر کس وناکس اُنھین بدل پسند کرتا ہے؟ جو شخص صدق دل سے سودیشی چیزین استعمال کرتا ہے وہ بھی خوبصورتی اور جدّت کے اعتبار سے یورپین ساختون کی قدر کرتا ہے۔

یورپ ہندوستان سے کیا لیتا ہے۔

"قدرتی شیئین"۔

"خام اشیاء"۔

"بے ڈول نمونے"۔

اور یہ چیزین یورپ لیکر ہندوستان کو دیتا ہے۔

"نایاب ساختین"۔

"آرام دہ مصنوعات"۔

"دلکش اشیاء"۔

"خوش آیند مخترعات"۔

"جدّت آمیز کاریگریان"۔

ہندوستان سے چمڑا اور کپاس جو یورپ مین جاتا ہے۔ وہ اگر اپنی پہلی حیثیت مین ہی واپس ہندوستان مین لایا جاے، تو شاید فیصدی دو شخص بھی اُسکا خیر مقدم نکرین اور کوئی چُوں بھی نہین۔

چمڑے اور کپاس سے جو چیزین بنکر آتی ہین اور جن جن خوش آیند صورتون اور نمونون مین اُنکی نوعیت مین جدّت پیدا کیجاتی ہے اُسکا اثر یہ ہے کہ فیصدی ۹۹ آدمی خوشی سے اُنکا خیر مقدم کرتے ہین اور اُنکی خریداری ضروری سمجھتے ہین۔ کیس چیز کا اثر ہے صرف اسکا کہ نوعیت مین جدّت روا رکھی گئی ہے۔ اگر ان جدّت طرازیون کا اصل اجناس چمڑہ اور کپاس سے باعتبار قیمتون کے مقابلہ کیا جاے تو ایک حیرت افزا فرق نکلیگا۔

علم الاقتصاد یہ بحث کرتا ہے کہ کوئی ملک اور کوئی قوم اُسوقت تک دولتمند اور سرمایہ دار نہین ہو سکتی جب تک وہ ایسی طاقت نہین رکھتی کہ دوسرے ملک کے ساتھ نوعیت کے تبادلہ کی صورت مین تبادلۂ اشیاء کر سکے۔ یورپ کے مقابلہ مین ہندوستان سرمایہ اور دولت مین کب اور کن حالات مین مقابلہ کر سکتا ہے جب وہ یورپ کے حوالے ایسی شیئین بھی کرے جو باعتبار جدّت طرازی کے خوش آیند اور آرام دہ ہون پچھلے زمانون مین اقتصاد مین آسایش کا سوال نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔ لیکن اس زمانہ مین آسایش کے سامان کا مہیا کرنا بھی اقتصاد کی ایک علمی شاخ ہے۔ علم الاقتصاد کیون نوعیت اشیاء مین جدّت کا خواہان ہے اسواسطے کہ اس طریق عمل سے ضرورتین رفع ہوتی ہین اور ضروریات رفع ہو جانا کیا نتیجہ رکھتا ہے "آسایش کا میسر آنا"۔

اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ آسایش جایز کا چاہنا بھی ایک اقتصادی شغلہ ہے۔ جہان اقتصادی رنگ مین تبادلۂ نوعیت سے باعتبار جدّت طرازی کے دوسری اقوام سے تبادلۂ اشیاء کا نہین ہوتا وہان گویا لوگ اور مخلوقات صحیح معنون مین آسایش کی خواہان نہین ہے۔ اُسکی زندگی وحشیانہ رنگ لئے ہوئے ہے اور وہ اُن طاقتون سے کام نہین لے سکتی کہ جو قدرت نے اسے

مطلب کیواسطے اُسے عطا کر رکھی ہین۔

اقتصادی رنگ مین سوالات

"سودیشی اور

"تبادلۂ اشیاء

ایک ہی مفہوم رکھتے ہین سودیشی خیال یا سودیشی جوش کب مفید ہوسکتا ہے جب نوعیتون کے تبادلہ سے حرفتی اور صنعتی اعتبارات سے دوسرے ملکون اور دوسری قومون کے ساتھ تبادلۂ اشیاء کیا جاے۔ اگر ہندوستان لاکھون من کپاس اور کرورون من چڑہ وغیرہ ہر سال دوسرے ملکون کی نذر کرے تو اُسکا اسقدر فائدہ نہین کہ جسقدر چند نوعی جدید مخترعات کے تبادلہ سے ہے پہلی صورت صرف محنت یا مشق کشتکاری کو ترقی دیتی ہے جسمین عملاً کوئی جدت نہین ہے اور دوسری صورت عملی رنگ مین ملک و قوم مین مختلف مذاق کے حرفت کار اور کاریگر پیدا کرتی ہے۔

اب موجو کہ سوال سودیشی اول ہے یا سوال تبادلۂ اشیاء تھوڑے سے غور کے بعد ہی یہ بات ماننی پڑیگی کہ تبادلۂ اشیاء کا سوال مقدم ہے اور یون پوچھو تو صرف الفاظ کا پھیر ہے سودیشی کا سوال بھی اپنے اندر تبادلۂ اشیاء کا مفہوم رکھتا ہے کیونکہ کسی دیش مین کوئی دولت اور ثروت یا سرمایہ اُسوقت تک ترقی نہین پاسکتا ہے جبتک عملی رنگ مین یہ اصول اقتصاد و حرفت اور صنعت کے ذریعہ سے دوسرون کے ساتھ تبادلۂ اشیاء ہو۔ اگر کوئی جدت پیدا نہ کرین تو کہانتک اس ملک کے لوگ سودیشی جوش مین خرید و فروخت کرین گے۔ اس حالت میں ایک دن ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ سودیشی کے بہی خواہان بھی تنگ آکر غیر ممالک کی اشیاء کی جانب متوجہ ہون۔

جب ہم کتان اور کپاس یا کوئی اور جنس غیر ملک والون کو دیتے ہین تو ہم قدرتی رنگ مین کوئی تبدیلی نہین کرتے۔ ایک جنس دیتے ہین اور اُسکے بدلے ایک مخترعہ جنس روپیہ لیتے ہین گویا قدرتی سامان ایک انسانی سامان کے عوض مین فروخت کرتے ہین۔ اب ان دونون حالتون کا صریحی فرق دیکھئے۔ ہم ایک جنس قدرتی رنگ مین دیتے ہین اور دوسری قوم ہمین قدرت مین کچھ تصرف کرکے ایک سکہ دیتی ہے۔ ہم صرف ایک شے کا اُسکی اصلی صورت مین انتقال کرتے ہین اور دوسرا شخص ہمین ایک مخترعہ چیز دیتا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ بمقابل ہمارے دوسرا شخص دانا اور دور اندیش نہین ہے۔ ہمنے وہ راہ اختیار کی ہے جو صرف ایک انتقالی صورت رکھتی ہے اور اُس دوسرے شخص نے وہ صورت لی ہے جو ایک مخترعانہ لباس مین ہے۔ دونون مین فرق ظاہر ہے۔ ہم اس بات سے منکر نہین ہین کہ ہندوستان کے خطہ مین تبادلۂ اشیاء نہین ہوتا ہے۔

ہوتا ہے مگر صرف اصلی صورت مین جو ایک محدود حد تک فائدہ رسان ہے تبادلۂ اشیاء کے واسطے اقتصادی رنگ مین اختراعات کی ضرورت ہے جو اسوقت تک ہندوستان مین قریباً مفقود ہے۔ یہ کبھی بھی خیال نہین کیا جاسکتا کہ ہندوستان کی سرزمین تبادلۂ اشیاء جدت طرازی کی صورت مین نہین کرسکتی۔ کرسکتی ہے مگر اسمین چند امور کی ضرورت ہے۔

"احساس کی۔

"ضرورت کی تشخیص کی۔

"علمی تعلیم کی۔

"ملکی ہمدردی کی۔

سب سے اول احساس چاہیے۔ کیا ہندوستان مین احساس پیدا

ہوگیا ہے۔ اگر ہوگیا ہے تو کیون اسطرف توجہ نہین کیجاتی ہم دوسرے ملک کی ساختون سے کن حالات مین اور کب آزاد ہوسکتے ہین۔

جب خود اپنے ملک کی ساختون مین جدت پیدا کرین ان حالات ہین نہ تو کوئی انگریزی شے اور انگریزی ساخت ہمین رکسکتی ہے اور نہ جرمنی اور نہ جاپانی اور نہ ہمین کوئی ضرورت ہے کہ دوسرے ملکون اور دوسری قومون کی ساختون اور اشیا کے لینے سے پرہیز کرین "عوض معاوضہ گلہ ندارد" وہ ہم سے لین اور ہم اُنسے دد ہمین دین اور ہم اُنھین۔ وہ ہمارے گھر آئین اور ہم اُنکے۔ انگریزی صنّاعون اور انگریزی ساختون کا کوئی قصور نہین۔ اُنکی خود ہی زبان ہے وہ اپنی قیمت آپ کرتے ہین ہم بے زبان ہین۔ ہم اپنا اعلان خود نہین کرسکتے۔

اس اقتصادی اصول پر غور کرو اور اسکے مطابق عمل کرنا ہنرمندی کی ایک صحیح علامت سمجھو۔

سلطان احمد

عورتون کی شجاعت

(لیڈی گُک کے مضمون "مطبوعہ نائین ریویو" بابت جولائی ۱۹۱۰ء کا ترجمہ)

ایک مقدس عالم نے کیا خوب کہا ہے کہ اگرچہ اس مطلب پرست و خودغرض دُنیا مین بہت سی باتین دریافت کی جاچکی ہین اور بڑے بڑے انکشافات ہوچکے ہین تاہم ابھی بیشمار چیزون کی اصلیت ہماری نگاہون سے پوشیدہ ہے۔ مردون نے دُنیا جہان کی تمام ہمت و جرأت اور بہادری کو اپنا خاص حصّہ قرار دیکر عورت کو اپنے مقابلہ مین ایک نہایت ڈرپوک۔ بزدل اور کم ہمت مخلوق ہونے کا دعوائے باطل بلند آہنگی کے ساتھ بڑی نخوت سے مشہور کر رکھا ہے۔ ہمین اس سے انکار نہین کہ بعض عورتین کبھی کبھی ایسی حرکت کر بیٹھتی ہین جس سے مردون کے اس باطل دعوے کی کسیقدر تائید ہوجاتی ہے۔ غیر مضرت رسان گائیون یا غریب بیلون کو دیکھکر بعض اوقات وہ ایسی ڈرجاتی اور چونک اُٹھتی ہین کہ گویا وہ بڑے خوفناک اور خونخوار سانڈ ہین۔ کبھی کسی چوہے کو دیکھکر وہ اُچھل پڑتی ہین اور مارے خوف کے کرسیون پر اُچکنے لگتی ہین۔

یہ تمام تعلیم و تربیت کی خرابیان ہین۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا لڑکون کو ایام شیرخوارگی سے اس بات کی تعلیم دیجاتی ہے کہ وہ لڑکیون کو اُنکی مفروضہ بزدلی اور کمزوری کے لئے حقیر و ذلیل نگاہون سے دیکھین اور ان ہی خیالات کو لیکر جوان ہون۔ مانڈیویل نے اپنی کتاب "سپرچ انٹوڈی نیچر آف سوسائٹی" مین بیان کیا ہے کہ

> انسان بوجہ اسکے کہ وہ طبعاً خونخوار اور غارت گر نہین ہے اور ایک ڈرپوک حیوان ہے، امن و آسایش اور صلح کو پسند کرتا ہے۔ اگر کوئی اسکو مشتعل نہ کرے تو وہ کبھی کسی سے برسرپرخاش نہین ہوتا اور بلاجنگ و جدال اپنا مطلب نکالتا ہے۔

انسان کے متعلق یہ رائے اس نقطۂ خیال سے درست ہوسکتی ہے کہ وہ وحشی بھی ہے۔ لیکن تہذیب و شائستگی نے اُسکے

کچھ ایسے تدابیر وکمالات سکھا دئے ہین اور اُسکی خامیون اور اُسکی وحشت وخوفزدگی کو کچھ اس درجہ کم کر دیا ہے کہ وہ بہت دلیر جری۔جنگجو اور مغرور بن گیا ہے۔ لہذا یہ خیال کرنا کہ ان بہادرو ذی ہمت اور دلاور مردون کی مائین اور بہنین بھی ویسی ہی جری اور شجیع ہونگی کوئی غیر معمولی بات نہین ہے۔ حیوانات کے دونون جنس مشترک خصوصیات اور مشترک صفات سے متصف ہوتے ہین

ایسی حالت مین نوع انسانی کیون اس کلیہ سے مستثنےٰ ہو۔ یہ کیون تصور کیا جاے کہ تمام دُنیا کی جرأت ودلاوری تو مردون کا حصہ ہے اور عورتین بیچاری بزدلی وکمزوری کی ٹھیکہ دار ہین؟ یہ محض مردون کی عجیب وغریب عظیم الشان تخوت وخود بینی ہے۔ اکثر لوگون نے اس مضمون پر معقولیت کے ساتھ غائر نگاہ نہین ڈالی ہے۔ مردون نے اپنی بہادری جتانیکی غرض سے عورتون کو میدان عمل سے نکال باہر کیا ہے اور اسپر اپنی فوقیت وبرتری کا دعویٰ کرتے ہین۔ لیکن جہان کہین عورتون کو کوئی ذرا سا بھی موقع مل گیا ہے وہ اپنی ہمت ودلیری کا ثبوت دینے مین کسیطرح مردون سے پیچھے نہین رہی ہین۔ اخلاقی دلاوری مین تو وہ مردون سے بہت ہی آگے ہین۔

آجکل کے زمانہ مین جبکہ مرد وعورت دونون جنس کا باہمی مقابلہ کرنے مین بڑی توجہ ظاہر کیجاتی ہے عورتون کی شجاعت پر بحث کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ ہمارا مطلب اس سے یہ نہین ہے کہ ہم مردون کی صریحی شجاعت وجوانمردی کی بیقدری کرین۔ بلکہ اسکے برعکس ہم تو اسکو اچھی طرح تسلیم کرتے ہین اور قدر یہ اسکی قدر کرتے ہین۔ ہمارا منشار صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ عورتین بھی اُسی حد تک ویسی ہی بہادری کی صفت سے متصف ہونیکی پوری قابلیت رکھتی ہین۔ اسلئے انکو بھی مردون کیطرح اس صفت کو نمایان کرنے کا موقع دینا چاہئے۔ اگر مرد اس سے انکار کرین تو عورتون ہی کو چاہیئے کہ وہ باہم ایک دوسری کو اسکی تشویق و تحریص دلائین اور اسطرف متوجہ کرین۔

اسمین کسی کو شک کرنے کی گنجایش نہین کہ جسمانی بہادری پر اخلاقی شجاعت کو فوقیت وبرتری حاصل ہے۔ مرد جسمانی شجاعت وقوت مین بڑھے ہوئے ہین۔ عورتین اخلاقی ہمت وبہادری مین ترجیح رکھتی ہین۔ یہ مناسب نہین ہے کہ اگر ممکن بھی ہو تو اسمین تبدیلی کیجاے۔ لیکن اگر مرد کیسقدر اور اخلاقی دلیری پیدا کرین اور عورتین جسمانی طاقت مین کسیقدر ترقی کرین تو دونون کی شخصیت مین بہت بڑا اضافہ ہوجائیگا۔

زمانہ حال کا ایک مورخ کہتا ہے:۔

"ممکن ہے کہ اخلاقی اور دماغی قوتین دونون خفتہ رہتے ہون لیکن اگر انسان بالکلیہ لذائذ نفسانی مین مستغرق ہوجاے تو پھر ان مخفی قوتون کا اسی حالت مین پڑا رہنا لازمی ہے۔ انسان ایک پودے کی مانند ہوتا ہے جسکا اصلی نشو ونما جسکی پوری ترقی اور جسکا خلقی وفطرتی پھیلاؤ تمام وکمال اُس سرزمین پر منحصر ہوتا ہے جہان وہ اُگا ہے"۔

اگر عورتون کی طرح مرد بھی ہر طرف سے بند کر دئے جاتے اور انکی جسمانی قوتون سے کام نہ لیکر بیکار ومضمحل کر دیا جاتا تو کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ انکی جسمانی حالت اسیطرح ترقی یافتہ ہوتی؟

باوجود اسکے عورتون نے شجاعت ودلاوری کی تاریخ مین خاصہ نام پیدا کیا ہے۔ تاریخ مین بہادر عورتون کی جرأت و شجاعت کی بیشمار مثالین ملتی ہین۔ بہت سی ایسی دلاور عورتون نے تو اُس زمانہ مین اپنی شجاعت کے جوہر دکھلائے ہین جبکہ وہ بالکل غلامی کی حالت مین تھین۔ یہان دو ایک کا نام لے دینا بے موقع نہ ہوگا۔

لینا آف ایڈکاٹے ایک حرف زبان سے نکالے بغیر انتہا درجہ کی صعوبتون کو ضبط کے ساتھ برداشت کیا۔ شاعرہ تیلی سلا نے آرگالک عورتون کو موت سے بالکل نڈر بنا دیا اور اہل اسپارٹا کو شکست فاش دی۔ تھیوڈورا نے مشرقی سلطنت کو معرض تباہی سے بچایا۔ آرٹی می شیا نے اپنے شوہر کے ساتھ کیسی بہادری دکھائی۔ کیملا ملکہ وکٹوریا عین حالت جنگ مین جبکہ وہ اپنی فوج کی سرداری ہوئی دشمن کا مقابلہ کر رہی تھی قتل ہوئی۔ بوڈیشیا نے رومہ کے جنگ آزمودہ بہادرون سے معرکہ آرائی کی۔ آلوسیس کی کنواری نے انگریزون کو فرانس سے نکال باہر کیا۔ ایریا نے اپنے شوہر کو جرأت دلانے کے لئے خنجر سے اپنا کام تمام کر ڈالا۔ اخیر وقت تک اسکی زبان پر یہ الفاظ تھے کہ "دیکھو پیارے پیٹس! اس سے مجھکو کچھ بھی تکلیف واذیت نہین ہوئی"

شہدا کی تاریخ کے صفحے تو بہادر عورتون کے کارنامون سے بھرے پڑے ہین۔ نوجوان و دوشیزہ عورتین اگر مسرت و شوق کے ساتھ نہین تو ایک خاطر جمعی اور اطمینان آمیز حقارت و نفرت کے ساتھ ضرور ہیبت ناک و دہشت انگیز موت کو برداشت کرتی تھین۔ انواع واقسام کی شیطانی عقوبتین بھی ان بہادر عورتون کو استقلال و ثابت قدمی سے باز نہ رکھ سکتی تھین۔ یزدو کی ظالمانہ زمانروائی کے حالات پڑھے جائین یا تشپیون کی خود سرانہ حکومت پر نگاہ ڈالی جائے۔ عدالت مذہبی کی تاریخ دیکھی جائے یا انقلاب فرانس کے واقعات معلوم کئے جائین تو اسے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عورتون نے بمقابل مردون کے کس قدر حیرت انگیز ہمت وجرأت اور قابل تعریف دلیری وبہادری کے ساتھ جان دی۔

اپنی بولین اور سیری آف اسکاٹ لینڈ نے کس خاموشی قائم مزاجی، اور اطمینان سے اپنی خوبصورت ناوک گردنون کو جلاد کے سامنے تختہ پر رکھدیا تھا۔ بہادر ریلے کی وہ بے پروایانہ شان بھی جسمین خوش طبعی ملی ہوئی تھی ان خواتین کی شاہانہ دلجمعی اور ثابت قدمی کے سامنے کوئی ہستی نہین رکھتی۔

دوسرون کے لئے اپنی جان کو خطرہ مین ڈالنا اور اپنے آپ کو قربان تک کر ڈالنے مین پس وپیش نہ کرنا تو عورتون کی خاص بے نظیر صفت ہے۔ کسی کے زہریلے زخم کو چوس لینے مین انھون نے کبھی دریغ نہین کیا۔ کسی کو بچانے کی نیت سے بیچ مین پڑکر خنجر کا وار اپنے اوپر لینے مین وہ کبھی نہین جھجکین۔ میدان جنگ کے ہوش ربا ہنگامون مین بہوبچکر خیمون کی تیمارداری کرنے مین وہ کبھی پیچھے نہین رہین۔ متعدی امراض کے مریضون اور قریب المرگ بیمارون کی خدمت اور خبر گیری سے وہ کبھی نہین تھکین۔ اپنی اور اپنے شوہر کی آبرو بچانے کے لئے انھون نے خودکشی کرنے تک مین کوتاہی نہین کی۔ عورتون کی یہ وہ خصوصیات ہین جنسے مردون کا طبقہ بالکل بے بہرہ ہے۔

عورت مین محبت کا مادہ بہت ہے۔ کسی کو دل دینے کے بعد وہ اسکے لئے اپنی جان تک دینے مین دریغ نہین کرتی۔ وہ جو کچھ خود بخود بیساختہ طور پر کرتی ہے مرد ہزار کوششون کے بعد بھی نہین کر سکتے۔

اخلاقی جرأت مین تو عورتین خاص طور پر ممتاز ہین۔ جسطرح جسمانی قوت وزور اور اسی قسم کی تربیت نے مردون کو عورتون سے زبردست بنا دیا ہے اُسیطرح اخلاقی طاقت وہمت اور اسی قسم کی تربیت نے عورتون کو مردون پر فوقیت دی ہے۔ وفاداری۔ اطاعت۔ راست بازی۔ پارسائی۔ پاکدامنی۔ رحم۔ ہمدردی۔ دلسوزی۔ رقت۔ اخلاص۔ پرہیزگاری۔ زہد تقوی

دیانت داری - ثابت قدمی - استقلال - قائم مزاجی وغیرہ صفتین خاص عورتون کے حصہ کی ہین - مردون کا طبقہ ان باتون مین انکی گرد تک کو نہین پہونچ سکتا -

یہ بات ہر زمانہ مین بڑے بڑے مصنفین نے تسلیم کی ہے عورت ذات کی اخلاقی حیثیت سے مردون پر فوقیت رکھنے کیوجہ دریافت کرنا کوئی مشکل امر نہین ہے - مانڈیویل کا خیال ہے کہ یہ بات عورتون کے دماغ کے نہایت صحیح طور پر باقاعدہ اور مجید تناسب ہونیکی وجہ سے ہے - ہم سمجھتے ہین کہ اسکا سبب زیادہ تر یہ ہے کہ عورتون کو زمانہ قدیم سے بہت اعلیٰ معیار اخلاق پیش نظر رکھنے کی ضرورت رہی - اب یہ لازم ہے کہ عورتین اپنی جسمانی حالت مین ترقی کرین اور مرد اپنے اخلاق و عادات کی خبر لین تاکہ ہر دو صنف ازدواجی کا اشتراک یکسان نتائج پیدا کر سکے -

یہ کوئی تعجب کی بات نہین ہے کہ بعض بزدل اور تنگ نظر مردوں روشنی کی عورتون کے جانی دشمن ہین - کیونکہ وہ دیکھ رہے ہین کہ "عصائے حکومت" انکے ہاتھ اور انکی گرفت مین سے آہستہ نکلا جاتا ہے اور انکی وحشیانہ قوت اور انکا مکر و فریب انکی مدد نہین کرتا - عورتین اول ہی سے اخلاق و عادات مین انسے برتری رکھتی تھین - اب دماغی قابلیت مین بھی انکی برابری کرنے کو ہین اور انکی جسمانی حالت بھی جلد جلد ترقی کر رہی ہے -

بہرکیف ان سب باتون پر نظر کرتے اُمید ہوتی ہے کہ عورت و مرد کے ایک سطح پر آجانے کا دن کچھ بہت دور نہین ہے جب وہ وقت آجائیگا تو پھر فتا ترقی مین ایک حیرتناک سرعت پیدا ہوجائیگی - انسانیت کے ایک نئے اور بہت مبارک دور کا آغاز ہوگا - قوت و زبردستی - زور و زبادتی کے عوض راستی و انصاف کی حکومت ہوگی اور ہر حقدار کو اسکا حق ملیگا - پچھلے اور موجودہ زمانہ کی بہادر عورتین اس وقت قدر کی نگاہون سے دیکھی جائینگی اور اس خیال سے ان کی پرستش کی جائے گی کہ وہی اس نئے زمین و آسمان کے دریافت کرنے کا سبب ہوئین اور ان ہی کی دلیرانہ ہمت نے رہنمائی کی -

سید خورشید علی

پنجاب ریویو - مولوی محمد ظفر علی خانصاحب - بی - اے - کا نام نامی اُردو دُنیا کے لئے کوئی نیا نام نہین - آپ کی ایڈیٹری مین "زمانہ" اور "دکن ریویو" نے ترقی کا زمانہ دیکھا اور دکن سے قطع تعلق ہونے پر آپ اخبار "زمیندار" کی ایڈیٹری انجام دے رہے ہین جو کرم آباد پنجاب سے شائع ہوتا ہے - حال مین آپ نے "پنجاب ریویو" نام ایک ادبی رسالہ شائع کیا ہے - جسمین دکن ریویو کا تمام خوبیان موجود ہین اور نام کی تبدیلی کے سوا کوئی فرق نہین - صرف سائز بدل دیا گیا ہے جو ادب کے مطابق ہے - گٹھائی چھپائی مین بھی خاص کوشش کی گئی ہے - اس کا پہلا مضمون "مسلم پالیٹکس" امید دلاتا ہے کہ یہ ریویو کے خلاف پالیٹکس مین بھی حصہ لے گا اور ایک قومی ارگن کی تمام خدمات انجام دیگا - نامور نامہ نگارون کے علاوہ فاضل ایڈیٹر کے کئی مضامین نظم و نثر خاص تعریف کے مستحق ہین - ہم امید کرتے ہین ارادت کیش کی طرح کوئی پنجاب ریویو پر یہ اعتراض نہ کریگا کہ اس نام کا ایک مشہور رسالہ پادری رجب علی کی ایڈیٹری مین پنجاب سے عرصے تک شائع ہوتا رہا ہے - اسلئے کہ کام سے غرض رکھنے والے نام کی پروا نہین کرتے - خریداری کے لئے منیجر اخبار زمیندار کرم آباد (پنجاب) سے خط و کتابت کرنا چاہیے - ایڈیٹر -

لٹریچر مین انقلاب

(ویسٹ منسٹر ایبے مین ایک مکالمہ)

مجھے معلوم ہے کہ جو کچھ آسمان کے نیچے ہے سب فنا ہو جائیگا اور جو کچھ فانی انسان اس دنیا مین پیدا کرتا ہے وہ سب ایک نہ ایک روز نیست و نابود ہو جائیگا۔ مین جانتا ہون کہ وہ تمام شاعرانہ انداز بیان اور فصاحت کے نئے نئے اسلوب جو سگار کی دھوئین اور دماغ سوزی سے پیدا کئے جاتے ہین صرف اس خیال سے کہ چند اشخاص سبحان اللہ اور واہ واہ کے نعرے بلند کرین فضول اور بیکار ہین کیونکہ خالی تعریف سے بڑھکر اور کوئی چیز بے وقعت نہین۔

ڈرمنڈ آف ہاتھورن ڈن (Drummond of Hawthornden)

دماغ کی بعض نیم خواب آلودہ حالتون مین ہم طبعاً شور و غل اور چہل پہل سے جان چراتے ہین اور کسی ایسی سنسان جگہ کی تلاش مین رہتے ہین جہان ہم اپنے خیالات مین محو ہو جائین اور بغیر کسی مداخلت کے خیالی پلاؤ پکا سکین ایسی حالت مین ایک مرتبہ مین ویسٹ منسٹر ایبے (Westminster Abbey) کی پرانی اور کائی جمی ہوئی خانقاہ کے ادھر اُدھر ٹہل رہا تھا اور یہ آگندہ خیالات کے دریا مین غوطے لگا رہا تھا جسکو ہم سنجیدہ اور تمیز خیال کا تشبیہ کہا کرتے ہین، جبکہ یکایک ویسٹ منسٹر اسکول کے کھلاڑی لڑکون کی مداخلت نے جو فٹ بال کھیل رہے تھے اُس جگہ کی خاموشی کو برباد کر دیا اور اُنکے شور و غل سے محراب دار دروازے اور پرانے مقبرے گونج اُٹھے۔ مین نے اس آفت ناگہانی سے بچنے کیلئے عمارتون کے اندرونی کمرون مین گھسنا چاہا اور اسی خیال سے وہان کے پاسبانون مین سے ایک سے کتب خانہ مین داخل ہونیکی اجازت طلب کی۔ وہ مجھے ایک محراب دار دروازے مین سے لے گیا جو پرانے زمانے کی پچیکاری کے کام سے معمور تھا۔ لیکن امتداد زمانہ کیوجہ سے کہین کہین اُسکے نقوش مٹ گئے تھے۔ اسکے بعد ایک تاریک گیلری مین ہوکر گزرنا پڑا، پھر ہم چیپٹر ہوس (Chapter House) اور بڑے کمرے مین پہونچ گئے جہان ڈومسڈے[1] بک (Domesday Book) محفوظ رکھی ہوئی ہے۔ اُسی گیلری مین بائین جانب ایک چھوٹا دروازہ ہے۔ اس محافظ نے اس دروازہ کو جسمین دو قفل پڑے ہوئے تھے کھولنا چاہا ذرا دقت کے ساتھ یہ دروازہ کھلا جس سے پتہ لگتا تھا کہ اُسکے کھولنے کی شاذ و نادر ضرورت پڑتی ہے۔ اب ہمنے ایک تنگ و تاریک زینے پر چڑھنا شروع کیا اور دوسرے دروازے مین سے گزر کر

[1] شاہ ولیم اوّل نے ڈوخاج کے لقب سے مشہور ہے ڈومسڈے بک (Domesday Book) تیار کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس کتاب مین یا دوسرے الفاظ مین ہم کہ سکتے ہین کہ اس رجسٹر مین انگلستان کی زمین کی قسمین، زمینداروں اور کاشتکارون کے نام، انکے مویشیون کی تعداد، اور مالگزاری وغیرہ وغیرہ یہ تمام حالات مندرج ہین۔ یہ بادشاہ گیارھوین صدی عیسوی کے اواخر مین تخت انگلستان پر متمکن تھا۔ تنہا

کتب خانے مین پہونچ گئے۔

۲۔ مین نے اپنے آپ کو ایک عظیم الشان گول کمرے مین پایا جسکی چھت پُرانے شاہ بلوط کے شہتیرون پر تھمی ہوئی تھی اور نقش سے مناسب بلندی پر گاتھک (Gothic) کھڑکیان لگی ہوئی تھین جنسے کافی روشنی آتی تھی اور باہر کے کمرون کا فرش بھی دکھائی دیتا تھا۔ آتشدان پر گرجا کے کسی بڑے متقدر پادری کی پُرانی تصویر شاندار کپڑون مین لٹک رہی تھی۔ شاہ بلوط کی نقشی الماریون مین کتابین بند تھین جو گول کمرے کے گرد ایک چھوٹی گیلری مین رکھی ہوئی تھین۔ اُنمین سے زیادہ تر شاذ و نادر کی کتابین تھین جو استعمال کی مناسبت سے امتدادِ زمانہ کی وجہ سے زیادہ خراب ہوگئی تھین کتب خانے کے بیچون بیچ مین صرف ایک میز رکھی ہوئی تھی جسپر دو تین کتابین بھی پڑی ہوئی تھین، ایک دوات تھی جسمین روشنائی ندارد اور چند قلم تھے جو بد استعمالی کیوجہ سے زنگ آلود ہوگئے تھے۔ یہ مقام خاموشی تعلیم اور گہرے خیالات کے لئے موزون معلوم ہوتا تھا گویا یہ ایسے کی مضبوط دیوارون کے درمیان دفن تھا اور اس لئے دُنیا کے شور و غُل سے علٰحدہ تھا۔ مین صرف کبھی کبھی اسکول کے لڑکون کی آوازین، بیرونی کمرون مین سے خفیف طور پر سُنتا تھا اور نماز کے گھنٹے کی آواز بھی کان مین پڑتی تھی جسکی جھنکار اب کی چھتون مین گونجتی تھی۔ رفتہ رفتہ خوشی کے نعرون کی آواز کم ہوتی گئی یہانتک کہ بالکل غائب ہوگئی گھنٹہ بجتے بجتے بند ہوگیا اور خاموشی خاموشی تمام گرد آلودہ کمرے مین چھاگئی۔

۳۔ مین نے ایک چھوٹی سی موٹی کتاب جسکی جلد عمدہ بندھی ہوئی تھی اُٹھالی اور ایک میز کے گرد ایک پُرانی آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔ اُس جگہ کی خاموش حالت اور متین کیفیت کیوجہ سے بجاے پڑھنے کے میرا وقت مختلف خیالات مین گزرنے لگا۔

جب مین نے اپنے گرد نظر اُٹھاکر پُرانی کتابون کی بوسیدہ جلدون کو جو الماریون مین سجی ہوئی تھین اور جنکے آرام مین بظاہر خلل اندازی نہین کی گئی تھی دیکھا، مین کتب خانہ کو ایک قسم کا علمی دفینہ سمجھنے کے لئے مجبور ہوا جہان کہ مصنفین مصر کی میمیون کی مانند پاکیزگی کے ساتھ مقبرون مین محفوظ رکھ دئے گئے ہین اور گوشۂ گمنامی مین چھوڑ دئے گئے ہین تاکہ آیندہ نسلین اُنکو بھول جائین۔

۴۔ مین نے دل مین کہا کہ ان جلدون مین سے ہر ایک نے جو اب اسقدر بے پروائی کے ساتھ علیٰحدہ پھینک دی گئی ہین کتنی مرتبہ مصنفون کو درد سر کی تکلیف پہنچائی ہوگی؟ کتنے دن بے لطفی سے بسر ہوئے ہونگے؟ کتنی بیچین راتین گزری ہونگی؟ کیسے انکے مصنفین نے اپنے آپ کو تہ خانون اور علیٰحدہ کمرون کی خاموشی مین دفن کیا ہوگا، دُنیا سے علیٰحدہ ہوکر کام کیا ہوگا، اور قدرت کے خوبصورت مناظر کی دلچسپی کو ترک کیا ہوگا اور اپنا وقت تکلیندہ تجسس و تلاش اور گہرے خیالات کی آورد مین صرف کیا ہوگا اور یہ سب کس واسطے؟ گرد آلودہ الماری کی ایک پانچ جگہ گھیرنے کے لئے اپنی کتابون کے نام آیندہ زمانہ مین بعض سُست پادریون یا مجھ جیسے اتفاقیہ سیاحون سے کبھی کبھی پڑھے جانے کے لئے، اور اُس سے بعد کے زمانہ مین بالکل معدوم ہوجانے کے لئے یہانتک کہ اُنکا نام بھی کوئی نہ جانتا ہو۔ یہ قدر ہے اس ابدلآباد تک رہنے والے یادگار کی؟ ایک عارضی اور ناپائدار شہرت، ایک مقامی آواز، اُس گھنٹے کی آواز کے مانند جو ابھی ابھی ان گنبدون مین گونج رہی تھی اور جسنے ایک لمحہ کے لئے ہمارے کان اُنگ کردئے تھے۔ اسکے بعد کبھی کبھی سُنائی دینے لگی اور آخر کار اسطرح معدوم ہوگئی جیسے دراصل وہ تھی ہی نہین۔

۵۔ جبکہ مین کچھ بڑبڑاتا ہوا اور کچھ ان بیکار خیالات پر

غور کرتا ہوا ایک ہاتھ سے اپنے سر کو سہارا دیکر بیٹھ گیا اور دوسرے ہاتھ سے ایک کتاب کو اُلٹنے پلٹنے لگا تو اتفاق سے وہ کتاب میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور تعجب خیز امر یہ ہے کہ اُس چھوٹی سی کتاب نے اسطرح دو تین جا پٹیان لین جیسے کوئی آدمی گہری نیند سے اُٹھکر لیا کرتا ہے۔ پھر بھاری آواز مین بڑبڑائی اور آخر کار گفتگو کرنے لگی۔ شروع شروع مین اُسکی آواز بہت کرخت اور شکستہ معلوم ہوتی تھی جسکی وجہ شاید یہ ہوگی کہ کسی شیاق علم مکڑی نے جو اُسکے اندر جالا پور رکھا تھا اُس سے وہ گھبرا رہی تھی اور علاوہ اِسکے مدت دراز سے ایسے کی تنگ و تاریک کوٹھری مین سردی سے ٹھٹھری ہوئی پڑی تھی۔ بہر حال تھوڑی دیر کے بعد اُسکی آواز صاف سمجھ مین آنے لگی اور مین نے اُسکو نہایت تیز گفتار چھوٹی سی کتاب پایا۔ بلاشبہ اُسکی زبان کیسقدر قدیم اور متروک تھی اور اُسکا تلفظ آجکل یقیناً جاہلانہ سمجھا جائیگا لیکن حتی المقدور مین اُسکو موجودہ طرز گفتگو مین لانیکی کوشش کرونگا۔

۶۔ اُسنے دُنیا کی ناقدردانی کی شکایت کرنی شروع کی اور کہا کہ کمالات کی خوبیان گوشۂ گمنامی مین پڑی ہوئی ہین اور ایسی ہی اور ادنیٰ تنزل کے معمولی مضامین پر گفتگو کی اور نہایت دردناک لہجہ مین شکایتاً کہا کہ دو صدیون سے میرے کھلنے کی بھی نوبت نہین آئی۔ صرف پادری کبھی کبھی کتب خانہ کو دیکھا کرتا تھا بعض اوقات اس کتاب کو نکال لیتا تھا بعض اوقات اُس کتاب کو چند لمحون تک اُسنے دل بہلایا اور پھر اُنھین اُنکی جگہ الماری مین رکھدیا "لوگون نے ہمین کس مرض کی دوا سمجھا ہے" اُس چھوٹی سی کتاب نے جسکو مین نے دیکھا کچھ کچھ غصہ آنے لگا تھا۔ کہا "لوگون نے ہمین کس مرض کی دوا سمجھا ہے کہ ہماری ہزارون جلدین بیرونہ نشین حسینون کی طرح یہان بند کرکے رکھی ہین جنکی گرجا کے بڈھے ملازمین صرف اس خیال سے خبر گیری کیا کرین کہ پادری صاحب کبھی کبھی ہمین دیکھ لیتے ہین۔ کتابین اس غرض سے لکھی گئی تھین کہ وہ پڑھنے والون کو خوش کرین اور پڑھنے والے اُنسے لطف اُٹھائین اور مین یہ قاعدہ اگر میرے اختیار مین ہوتا بنا دیتی کہ پادری صاحب کم از کم سال بھر مین ایک مرتبہ ضرور ہم مین ہر ایک کو دیکھنے آیا کرین اور اگر یہ کام اُنکے طاقت سے باہر ہے تو ایک مرتبہ تمام وسٹرنٹر کے اسکول کو ہمارے دیکھنے کی اجازت دیجاے تاکہ کبھی کبھی ہم تازہ ہوا تو کھا سکین۔

۷۔ مین نے آہستہ آہستہ جواب دیا "میرے لائق دوست! تمہین معلوم نہین کہ تم اپنے زمانے کی بہت سی کتابون سے کسقدر بہتر حالت مین ہو۔ اس قدیم کتب خانے مین جمع کر دینے کیوجہ سے تم اُن اولیاء اور شاہان زمانہ کی قیمتی یادگارون کی مانند ہو جو قبر کے گہراؤن مین آرام سے زمین کے نیچے سو رہے ہین، حالانکہ تمہارے ہمعصر فانی انسانون کی یادگارین، معمولی قانون قدرت کی متابعت کرکے عرصہ ہوا خاک مین مل گئے ہین"۔

۸۔ چھوٹی کتاب نے اپنے اوراق کو پھڑپھڑا کر اور پھول کر کہا جناب مین تمام دُنیا کے لئے لکھی گئی تھی، ایک ایسے کی کتاب کے کیڑون کے لئے نہین۔ میری اشاعت کا یہ منشا تھا کہ مین ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ مین جاتی مسطح اور مشہور ہمعصر مصنفون کی کتابین جاتی ہین، لیکن مین یہان دو صدی سے زیادہ بند پڑی ہوئی ہون اور بہت ممکن تھا کہ ایک روز خاموشی کے ساتھ ان کتاب کے کیڑون کی نذر ہو جاتی جو میری ہڈی پسلی چبانے کی فکر مین ہین۔ اگر آپ اتفاقاً مجھے خاک مین ملنے سے پہلے ان چند الفاظ کے کہنے کا موقع دیتے

۹۔ مین نے جواب دیا "میرے اچھے دوست! اگر تمہاری اشاعت اسطرح کیجاتی جسطرح تمہارا منشا ہے تو تمہارا اب سے بہت پہ

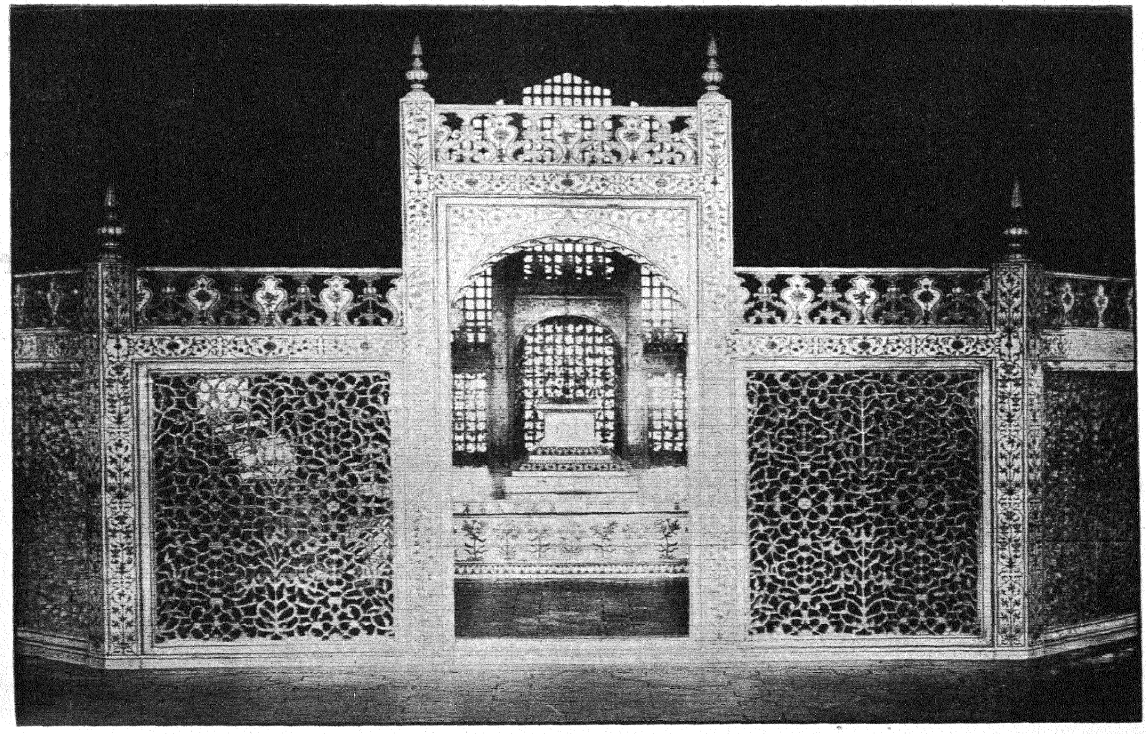

تاج محل کی سنگتراشی

کہیں پتہ بھی نہ لگتا۔ تمہاری ظاہری حالت دیکھکر یہ راے قائم کیجاسکتی ہے کہ تمہاری عمر بہت زیادہ ہے، تمہارے ہمعصرون مین سے بہت کم اس زمانے مین موجود ہونگے اور وہ بھی اپنی دیرپا زندگی کیلئے تمہاری طرح قدیم کتب خانون کے جنمین وہ مدفون ہین مرہون منت ہین۔ جبکہ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ بجاے حرم سراؤن سے تشبیہ دینے کے زیادہ عمدگی اور شکرگذاری کے ساتھ اُن شفاخانون سے مانند کیا جاسکتا ہے جو مذہبی عمارتون کے ساتھ اس نظر سے ملحق کردئے جاتے ہین کہ اُنمین بڈھے اور کمزور آرام پائین اور جہان خاموشی کے ساتھ بغیر کسی کام کے یہ اپاہج اکثر اُس قعب نیز تک پہونچ جاتے ہین جسمین اُنکا وجود نہونے کے برابر ہوتا ہے۔ تمنے اپنے ہمعصرون کا ذکر اسطرح کیا ہے گویا وہ ابتک مروج ہین۔ اُنکی کتابین کہان دیکھنے مین آتی ہین؟ ہم رابرٹ گروسٹیسٹ آف لنکن (Robert Groteste of Lincoln) کا کیا ذکر سنتے ہین؟ کسی شخص نے اُس سے زیادہ اپنا نام یادگار چھوڑنے کے لئے کوشش نہین کی۔ کہا جاتا ہے کہ اُسنے دو سو کتابین لکھی ہین۔ اپنے گویا کتابون کا ایک مینار تعمیر کیا تھا جس سے اُسکا نام صفحۂ دنیا پر باقی رہتا؟ مگر افسوس وہ مینار مدت ہوئی کہ گھن اور فرسودہ ہوکر گر پڑا اور صرف کہین کہین اُسکے اجزاے پریشان کا نشان مختلف کتب خانون مین پایا جاتا ہے جہان قدیم اشیاء کے شائق کا ہاتھ بھی شاذ و نادر اُنکے آرام مین خلل انداز ہوسکتا ہے۔ ہم جیرالڈس کیمبرنسس (Giraldus Cambrensis) کا کیا حال جانتے ہین جو مورخ، فلسوف، علم آلیات کا ماہر، شاعر اور قدیم اشیاء کا دلدادہ تھا؟ اُسنے، وہ مرتبہ لاٹ پادری کے عہدہ کو نامنظور کیا تاکہ وہ علیحدہ کمرے مین بند ہوکر آیندہ نسلون کے لئے کتابین لکھے۔ لیکن آیندہ نسلین بجاے اُسکی دماغ سوزی اور جگرکاوی کی تلاش نہین کرتین۔ ہینری آف ہنٹنگڈن (Henry of Huntingdon) ہی کو کون جانتا ہے؟ جسنے علاوہ انگلستان کی عالمانہ تاریخ کے نفرت دنیا پر ایک رسالہ لکھا جسکا بدلہ دنیا نے اُسکو فراموش کردینے سے اُتارا ہے۔ جوزف آف اگزیٹر (Joseph of Exeter) کا کیا حوالہ دیا جاتا ہے جسنے اپنے زمانہ مین قدیم زبانون کی انشاپردازی مین معجزنمائی کا کام کیا تھا؟ اُسکی تین بڑی رزمیہ نظمون مین سے ایک تو ہمیشہ کے لئے سوائے چند حصّون کے نابود ہوگئی، باقی دو کا حال صرف وہی لوگ جانتے ہین جو علم ادب کی نہایت قدیم اور عجیب کتابون کی تلاش مین رہا کرتے ہین، رہین اُسکی عشقیہ نظمین اور ہجو مین وہ تو بالکل ہی نیست و نابود ہوگئین۔ آجکل جان والس دی فرانسسکن (John Wallis the Franciscan) کی کونسی کتاب مروج ہے جسنے شجر حیات کا لقب حاصل کیا تھا۔ ولیم آف مامسبری (William of Malmsbury) کا سائمیون آف ڈرہام (Simeon of Durham) کا بینیڈکٹ آف پیٹربارو (Benedict of Peterborough) جان ہینول آف سینٹ ایلبانس (John Hanvill of St. Alleans) کا، فلان کا اور فلان کا کون نام جانتا ہے؟

۱۰۔ کتاب نے ایک آزمایشی لہجے مین کہا "تم مجھے کسقدر قدیم خیال کرتے ہو؟ تم اُن مضمونون کا ذکر کررہے ہو جو میرے زمانہ سے بہت پیشتر گذرے ہین اور جنکی تصنیفات یا فرانسیسی زبان مین ہین یا لاطینی مین، گویا ایک طریقے سے اُنھون نے اپنے آپ کو خود جلاوطن کرانے کا تہیہ کیا اور وہ فراموشی کے مستحق بھی تھے مگر مین جناب مشہور وکلف ڈی ورڈ (Wynkyn de Worde) کے مطبع سے دُنیا مین آئی تھی۔ مین اپنی مادری زبان مین اُسوقت لکھی گئی تھی جبکہ زبان مقرر اور قائم ہوچکی تھی اور حقیقت مین عمدہ

خالص انگریزی کا نمونہ خیال کیجاتی تھی"۔

(مجھے یہ ظاہر کردینا چاہئے کہ یہ خیالات اسقدر کثرت کے ساتھ قدیم الفاظ مین ادا کئے گئے تھے کہ مجھے انکو موجودہ زبان کے سانچے مین ڈھالنے کیلئے ضرورت سے زیادہ وقت اُٹھانی پڑی)۔

۱۱۔ مین نے کہا "مین معافی چاہتا ہون" کیونکہ مین نے تمہاری عمر کا غلط اندازہ کیا، مگر اس سے کچھ بحث نہین، تقریباً تمہارے زمانہ کے تمام مصنف گوشۂ گمنامی مین پڑے ہوئے ہین، اور ڈیوڈ کی شائع کی ہوئی کتابین کتابین جمع کرنیوالون کے نزدیک نایاب خیال کیجاتی ہین۔ زبان کی صفائی اور عمدگی پر جسپر تم نے اپنے دعوی کی بنیاد رکھی ہے، ہر زمانہ کے مصنفون نے یہانتک کہ لائق رابرٹ آف گلوسیسٹر (Robert of Gloucester) (جسنے اپنی تاریخ اصلی اور متفضلی سیکسن مین لکھی تھی) کے زمانہ تک کے کتاب نویسون نے غلط بھروسہ کیا ہے۔ (ابتک بھی بہت شناس سپنسر (Spencer) کے، خالص انگریزی کے صاف چشمہ کا ذکر کیا کرتے ہین۔ گویا زبان ایک چشمہ یا کنوئین سے نکلی ہے اور مختلف زبانون سے مرکب نہین ہے جو دائمی انقلاب پذیر اور قابل تغیر و تبدل ہے۔ یہ وجہ ہے اجنبی انگریزی علم ادب کو نہایت انقلاب پذیر بنا دیا ہے پس جس شہرت کی بنیاد اس پر قائم کیجائیگی وہ ضرور چند روزہ ہوگی تا وقتیکہ خیال، کو اس سانچے کی نسبت کسی زیادہ پائیدار اور مستقبل شے مین نہ ڈھالا جائیگا خیال کو بھی اور چیزون کے ساتھ فنا ہونا پڑے گا۔ اس سے نہایت مشہور مصنف کے غرور اور فخر کو بھی صدمہ پہونچنا چاہیئے۔ اُسے معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ زبان جسپر اُسنے اپنی شہرت کی بنیاد رکھی ہے رفتہ رفتہ بدلتی جاتی ہے اور زمانہ اور وقت کے رسم و رواج کی تبدیلی کے تابع ہے وہ پچھلے زمانے پر نظر ڈالتا ہے اور اس نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ اُسکے ہموطن متقدمین کی جگہ جو کبھی اپنے زمانے مین یکتائے دہر خیال کئے جاتے تھے متاخرین دکھائی دیتے ہین۔ چند مختصر قرنون نے اُنکے نام کو پردۂ خفا مین چھپا دیا ہے اور اُنکے کمالات کی خوبیان صرف کتاب کے کیڑون کے قدامت پرست دماغون کو باغرہ کرتی ہین اور وہ پہلے سے سوچتا ہے کہ یہی اُسکی کتابون کا حال ہوگا۔ اگرچہ اُسکے زمانے مین اُنکی بہت تعریف ہوتی ہے اور صفائی زبان کا نمونہ خیال کیجاتی ہین مگر امتداد زمانہ کے باعث قدیم اور متروک ہوجائینگی۔ یہانتک کہ اُنکی زبان خود اپنے وطن مین اسقدر بعید از فہم ہوجائیگی جسقدر اہرام مصر کے نقوش یا وہ کتبے جو صحرائے ترکستان مین پائے جاتے ہین"۔ "مین تمہین یقین دلاتا ہون" کہ "جب مین کسی موجودہ کتب خانے کو دیکھتا ہون کہ وہ نئی کتابون سے پُر ہے جنکی نہایت عمدہ مطلا جلدین بندھی ہوئی ہین۔ تو مجھے نیکدل زرکسیز (Xerxes) کی طرح رونا آجاتا ہے، جو اپنی فوج کا ملاحظہ کرنیکے بعد جو بڑی شان و شوکت سے آراستہ تھی یہ خیال کرکے کہ ایک صدی کے اندر انمین سے کوئی بھی باقی نہ رہیگا آنکھون مین آنسو بھر لایا تھا"۔

۱۲۔ کتاب نے ایک ٹھنڈی سانس لیکر کہا آہ! اب مین سمجھی اپنی بات ہے کہ ان موجودہ بیہودہ لکھنے والون نے تمام قدیم عمدہ مصنفون پر سبقت حاصل کرلی ہے۔ مین خیال کرتی ہون سر فلپ سڈنی کی آرکیڈیا (Sir Philip Sydney's Arcadia) کے علاوہ آجکل اور کچھ نہین پڑھا جاتا ہوگا سیک ول کے شاندار پلیز (Sackville's Plays) اور میرر فار مجسٹریٹس (Mirror for Magistrates) یا جان لیلی (John Lyly) کا اوق طرز بیان خلائق کی پسند طبع ہوگا"۔

۱۳۔ مین نے کہا "تم نے پھر غلطی کی۔ جن مصنفون کو کتابین تم سمجھتی ہو آجکل اس وجہ سے مروج ہونگی کہ اُسوقت

جب تمہاری خریداری کم ہوتی جارہی تھی تو یہ بہت بک رہی تھین۔ مدت سے گوشۂ گمنامی مین پڑی ہین۔ سر فلپ سڈنی کی آرکیڈیا (Sir Philip Sydney's Arcadia) کا ذکر اب شاذونادر کیا جاتا ہے جسکی نسبت اُسکی تعریف کرنے والون نے نہایت زور سے پیشین گوئی کی تھی کہ یہ کتاب ہمیشہ مقبول خلائق رہے گی اور جو درحقیقت عمدہ خیالات، نازک تصاویر اور زبان کی شستگی اور سلاست سے پُر ہے۔ سیک ول پر وہ خفا مین مستور ہے اور یہی کبھی جسکی تصنیفات کبھی شاہی دربار کی تفریح کا باعث تھین اور جنکے فقرات لوگون کے دلنشین ہوجایا کرتے تھے اب کوئی اُسکا نام بھی نہین جانتا۔ سب کے سب مصنف جنھون نے اُس زمانہ مین تصنیفات کین اسیطرح صفحۂ دُنیا سے مع اپنی کتابون اور بحث ومباحثہ کے معدوم ہوگئے ہین۔ دریاے ادب کی پیہم امواج اُنکے اوپر سے گزر گئی ہین اور اب وہ اسقدر گہرے پانی مین غرق ہوگئے ہین کہ صرف کبھی کبھی کوئی جفاکش غوطہ زن بڑی محنت سے اُنکا کوئی خرتلاش کرکے بطور نمونہ کے سطح آب پر لاتا ہے تاکہ متقدمین پرست لوگون کی تفریح طبع کا باعث ہو۔

۱۴۔ مین نے کہا "اپنے نزدیک"۔ "مین اس زبان کے تغیر و تبدل کو خداے بزرگ کے ایک وزندیشانہ حفظ ماتقدم پر محمول کرتا ہون جس سے تمام دُنیا کا عموماً و مصنفون کا خصوصاً فائدہ متصور ہے۔ تشبیہاً ہم یہ دلیل پیش کرسکتے ہین کہ ہم روزمرہ نباتات کی مختلف اور خوبصورت قسمون کو دیکھتے ہین جو اُگتی ہین پھلتی پھولتی ہین، تھوڑے عرصہ تک کھیتون کی آرایش کا سامان ہوتی ہین اور آخرکار مرجھاکر خاک مین ملجاتی ہین اور اپنے جانشینون کے لئے رستہ چھوڑ دیتی ہین۔ اگر یہ حالت نہ ہوتی تو قدرت کی رنگارنگ گلکاریان اور کثرت نباتات بجاے رحمت کے زحمت ہوجاتین۔ زمین کثرت نباتات کی شکایت کرتی اور سطح زمین بالکل ایک جنگل کی طرح ہوجاتی۔ اسیطرح عالمون اور طبّاع لوگون کی تصنیفات زائل ہوتی رہتی ہین اور آیندہ کتابون کے لئے جگہ چھوڑتی جاتی ہین۔ زبان رفتہ رفتہ بدلتی رہتی ہے اور اُسکے ساتھ اُن مصنفون کی کتابین بھی زائل ہوتی رہتی ہین جنھون نے اپنے خاص زمانہ مین نام پیدا کیا تھا، ورنہ ذہن وجودت طبع دُنیا مین ضرورت سے زیادہ کتابین پیدا کردیتی اور دماغ ادب کے بیشمار ذخیرہ سے بالکل مبہوت ہوجاتا۔ پہلے زمانہ مین اس کثرت تصنیف مین کچھ رکاوٹین تھین۔ کتابین ہاتھون سے لکھی جاتی تھین اور یہ کام دیر مین اور بہت محنت سے ہوتا تھا، وہ یا تو جھلی پر لکھی جاتی تھین جو قیمتی ہوتی تھین۔ یہانتک کہ اکثر ایک کتاب کو تراش دیتے تھے اور اُسپر دوسری کتاب لکھتے تھے یا پیپرس (Papyrus) پر جو آسانی سے ٹوٹ جاتا تھا اور جلد خراب ہوجاتا تھا۔ فن تصنیف ایک محدود اور غیر مفید پیشہ تھا جسمین اکثر فقراے گرجا اپنی فرصت اور آرام کے اوقات مین خانقاہون کے کمرون مین مصروف رہتے تھے۔ قلمی نسخون کے فراہم کرنے مین دشواری ہوتی تھی اور صرف کثیر کرنا پڑتا تھا اور یہ کام قریب قریب خانقاہون تک محدود تھا۔ انھین حالات کیوجہ سے کسی حد تک ہمنے متقدمین کے خیالات سے کافی فائدہ نہین اُٹھایا، اُنکی جودت طبع کے چشمون سے ہم مستفیض نہین ہوئے اور موجودہ نیز فہمی اُنکے خیالات کے طوفان مین غرقاب نہین ہوئی مگر چھاپہ اور کاغذ کی ایجاد نے ان تمام رکاوٹون کا خاتمہ کردیا ہے۔ اُنھون نے ہر شخص کو مصنف بنادیا ہے اور ہر دماغ کو اپنے خیالات کتابون مین ظاہر کرنے اور تمام دماغی دُنیا مین شائع کرنے کے قابل بنادیا ہے۔ اس ایجاد کے نتایج تعجب خیز ہین۔ علم ادب کا نالا

کناردن سے اُبل چلا ہے۔ دریا بن گیا ہے بلکہ سمندر ہو گیا ہے چند صدی پہلے پانسو یا چھ سو قلمی کتابین ایک بڑا کتب خانہ خیال کیجاتی تھین مگر تمہاری راے اب ایسے کتب خانون کی نسبت کیا ہوگی جنمین تین یا چار لاکھ کتابین موجود ہون، سیکڑون مصنف ایک ہی وقت مین کام کر رہے ہون اور مطابع نہایت زور کے ساتھ روز بروز بڑھتے جا رہے ہون اور کتابون کی تعداد دونی اور چوگنی ہوہی ہو ہتا وقتیکہ کوئی اتفاقیہ وبا میوز[1] (Muse) کے بچون مین نہ پھیلے اب کہ وہ اسقدر بچے دے رہی ہے، مجھے آیندہ نسل کا خوف ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ آیندہ زبان کی تبدیلی کافی نہوگی تنقید سے اس بارہ مین بہت فائدہ ہوسکتا ہے۔ یہ فن ادب کے ساتھ بڑھتا جاتا ہے اور اُن آبادی کی رُکاوٹون کے مشابہ ہے جنکا ذکر سیاست مدن کے عالم کیا کرتے ہین۔ بسوا سطے نقادان فن کی کثرت مین خواہ وہ بُرے ہون یا بھلے حتی الامکان کوشش کرنی چاہیئے۔ مگر مجھے اندیشہ ہے کہ یہ سب بے سود ہوگا تنقید کو جو کچھ وہ کرے کرنے دو۔ لکھنے والے لکھین گے، چھاپنے والے چھاپین گے اور دُنیا آخر کار اچھی کتابون سے بھر جائیگی۔ پس تھوڑے دنون مین کسی شخص کی زندگی صرف کتابون کے نام جاننے کے لئے کافی نہوگی۔ بہت سے اشخاص جنکی معلومات آجکل ہمہ وسیع ہین بجز رسالون کے پڑھنے کے اور کچھ نہین پڑھتے اور بہت جلد وہ زمانہ آنیوالا ہے جبکہ ایک عالم ایک گھومنے والی فہرست کتب سے زیادہ بہتر نہ ہوگا۔

۱۵۔ چھوٹی کتاب نے میرے چہرے کے سامنے ایک خشک جمائی لی اور کہا میرے مہربان! میرے دخل در معقولات کو معاف فرمائیے لیکن مین دیکھتی ہون کہ آپ زیادہ تر یہ کہہ رہے ہین مین ایک ایک مصنف کا حال دریافت کرتی ہون جسکی کچھ کچھ شہرت ہو رہی تھی جب مین نے دُنیا کو چھوڑا۔ اُسکی شہرت بہر حال عارضی خیال کیجاتی تھی۔ عالم اُسکا نام سُنکر ناک بھون چڑھاتے تھے کیونکہ وہ بیچارہ نیم تعلیم یافتہ شخص تھا جو لاطینی زبان بالکل نہین جانتا تھا اور یونانی سے محض بے بہرہ تھا اور ایرون کے محفوظ جنگلون مین سے ہرن پرانے کے لئے مارا مارا پھرتا تھا۔ مجھے خیال ہے اُسکا نام شیکسپیر تھا۔ مین فرض کئے لیتی ہون کہ وہ گوشہ گمنامی مین جا پڑا ہوگا"۔

۱۶۔ مین نے کہا "برخلاف اسکے" "یہ اُسی شخص کے قدمون کی برکت ہے کہ اُسکے زمانہ کا علم ادب معمول سے زیادہ دیرپا رہا ہے۔ اکثر ایسے مصنف پیدا ہوتے ہین جنپر زبان کی تبدیلی کا اثر (بظاہر معلوم ہوا کرتا ہے) نہوگا کیونکہ وہ انسانی خصلت کے ناقابل تغیر اصول کو خوب سمجھتے ہین۔ لیکن وہ اُن عظیم الشان درختون کے مانند ہوتے ہین جو کسی دریا کے کنارے پر کھڑے ہون اور جو اپنی بڑی اور گہری جڑون سے اجو سطح زمین مین خوب گڑی ہوتی ہین اور مٹی کو خوب مضبوط پکڑے رہتی ہین، اپنے گرد کی مٹی کو ہمیشہ بہنے والی دھار سے محفوظ رکھتی ہین اور بہت سے پودون کو قائم رکھتی ہین اور شاید بیکار سرکنڈون کو ہمیشہ تک قائم رکھنے کی کوشش کرتی ہین۔ یہی حال شیکسپیر کا ہے جسکو ہم زمانہ کی دستبرد سے محفوظ دیکھتے ہین اور جسکی زبان آجکل بھی مستعمل ہے اور جسنے بہت سے مصنفون کو صرف اسوجہ سے دیرپا بنا دیا ہے کہ اُسکے قریب کے زمانہ مین پیدا ہوئے تھے۔ لیکن وہ بھی (مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے) کہ رفتہ رفتہ زمانہ کا اثر قبول کرتا جاتا ہے اور اُسکی اصلی زبان کو شارحون کی کثرت نے سطح بدل ڈالا ہے

[1] علم ادب اور فنون لطیفہ کی کا نام میوز (Muse) ہے۔

جیسے انگور اور معمولی بیلین قریب قریب اصلی درخت کو جسکے گرد چڑھی رہتی ہین اپنے سینے کے اندر دفن کرلیتی ہین یعنی بالکل چھپالیتی ہین۔

۱۷- یہان چھوٹی کتاب نے اپنے بازؤن کو اٹھانا اور اُنکا نا شروع کیا، یہانتک کہ آخر کار اُسنے بہت زور سے قہقہہ لگایا اور وہ ہنسی سے بیتاب ہوگئی اور اُسکی سانس پھول گئی "بہت خوب" بہت خوب! اسطرح تم مجھے یقین دلانا چاہتے ہو کہ اُس زمانے کا علم ادب ایک بدمعاش ہرن کے چمڑے کی بدولت باقی ہے، اُس آدمی کی بدولت جسکو ایک حرف نہین آتا تھا۔ ایک شاعر کی بدولت غالباً ایک شاعر، اور اسپر پھر اُسنے بہت روز سے قہقہہ لگایا۔

مین اقرار کرتا ہون کہ یہ بیہودہ پن تاؤ کسیقدر مجھے ناگوار لگا جس سے بہرحال مین نے اس خیال سے درگزر کیا کہ وہ ذرا کم تہذیب کے زمانہ مین لکھی گئی تھی لیکن باوجود اسکے مین نے ارادہ کیا کہ مین مسئلہ زیر بحث سے دست بردار نہ ہونگا۔

۱۸- مین نے پھر تیقن کے ساتھ کہا "ہان ایک شاعر، کیونکہ اُسے تمام مصنفون سے زیادہ موقع اپنی یادگار دُنیا مین قائم رکھنے کا ملا ہے اور دماغ سے لکھتے ہین اور وہ دل سے لکھتا ہے، پس جو کچھ وہ لکھتا ہے دل ہی مین جا اُترتا ہے۔ وہ قدرت کے مناظر کی نہایت عمدہ تصویر کھینچتا ہے جسکی خوبیان ہمیشہ یکسان رہتی ہین اور دلچسپ معلوم ہوتی ہین۔ شاعر بے انتہا اور بکثرت ہین، صفحے کے صفحے معمولی باتون سے بھرے ہوئے ہین اور انکے خیالات آخر کار ناگوار معلوم ہونے لگتے ہین۔ لیکن ایک اصلی شاعر کے نزدیک ہر چیز صاف، دل کو لبھانے والی اور روشن ہوتی ہے۔ وہ نہایت عمدہ خیالات کو نہایت عمدہ زبان مین بیان کرتا ہے۔ وہ اُنکو ہر ایک اُس چیز سے جسکو وہ قدرت کے کارخانے مین یا ہنر اور فن مین نہایت عجیب دیکھتا ہے مثال دیکر سمجھاتا ہے وہ انھین انسانی زندگی کی تصویرون سے مالامال کردیتا ہے جو روزمرہ اُسکی آنکھون کے سامنے گزرتی ہین۔ لہذا اُسکی تصنیفات مین وہ روح، وہ خوشبو (اگر مین اُسے اس نام سے موسوم کرسکتا ہون) اُس زمانہ کی پائی جاتی ہے جسمین وہ زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ اُن ٹوکریون کی مانند ہوتی ہین جو اپنے محدود دائرے مین زبان کی دولت اور اُسکے جواہرات کو بند کرلیتی ہین اور جنکو اس طریقہ سے آیندہ نسلون تک آسانی کے ساتھ پہونچایا جاتا ہے۔ طرز بیان اکثر اوقات پرانا ہوجاے، اور اس بات کی کبھی کبھی ضرورت پیش آئے کہ اُسے دوسرے طریقہ پر بیان کرین جیسے کہ چاسر[1] (Chaucer) کا حال ہے۔ لیکن جواہرات کی چمک اور اصلی قیمت نہین بدلتی علم ادب کی تاریخ پر نظر ڈالو، کسقدر سستی کی مہیب وادیان نظر آتی ہین جو فقیرون کے قصون اور بحث ومباحثہ سے پُر ہین۔ کتنی علم الکیات کی دلدلین ہین، کتنے علم تصورات کے خشک میدان ہین۔ صرف کہین کہین شاعر[2] اُن نارک خیال کی زیارت ہوجاتی ہے جو بطور نشانات، صفحات زمانہ پر باقی ہین تاکہ شاعرانہ فہم وذکاوت کی صاف روشنی

---

[1] چاسر انگریزی زبان مین سب سے پہلا شاعر ہوا ہے اور وہی انگریزی شاعری کا موجد شمار کیا جاتا ہے۔

[2] شاعرون کا قلم عقلمندی سے زمین اور سمندرون مین گزرتا ہے اور دُنیا کی نراہیون کو جڑ سے اکھاڑ دیتا ہے اور ہر ایک نرم شخص کی بھلائی اور برائی کو تمیز کیطرح صاف نمایان کردیتا ہے۔ وہ شعر جو لکھیان اپنے پیچھے مین چھوڑتی ہین اسقدر شیرین نہین ہوتا جسقدر کہ لطیف نظم کی وہ سُنہری قیان جو شاعر کے دماغ سے چھوٹتی ہین شاعری ہمارے معمولی خیالات سے اسقدر بلند ہوتی ہے جسقدر کہ سیسہ، میل (ملاؤ) سے بہتر جا بہتر ہوتا ہے۔

چرچ یارڈ (Churchyard)

کو ایک زمانہ سے دوسرے زمانہ تک پہونچاتے رہین۔

۱۹- مین زمانۂ حال کے شاعرون کی قصیدہ گوئی مین مصروف ہونے والا تھا جبکہ دروازے کے یکایک کھلنے نے مجھے اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ یہ پاسبان تھا جو مجھے اطلاع دینے آیا تھا کہ اب کتبخانہ بند کرنے کا وقت آگیا ہے۔ مین نے چاہا کہ چھوٹی کتاب سے کچھ رخصتی الفاظ کہون لیکن لائق چھوٹی کتاب خاموش تھی اور اُسکے بازو بند ہوگئے تھے، وہ اُن واقعات سے جو گزر چکے تھے بالکل بیخبر معلوم ہوتی تھی۔ مین اُسوقت سے اب تک دو تین مرتبہ کتب خانہ مین گیا ہون اور اُس سے پھر ہمکلام ہونیکی کوشش کی ہے مگر نا کامیابی ہوئی، اور آیا یہ تمام پریشانی کی علت در اصل وقوع مین آیا یا یہ اُن نامعقول خوابون مین سے ایک ہے جنکا مین مریض ہون، مین آجتک اس بات کو معلوم نہین کرسکا۔

محمد یحییٰ تنہا

اخبار نویسی کی ابتدا

اور

(ہندوستان مین اُسکی موجودہ حالت)

انگلستان والے اس بات پر جہان تک فخر کرین بجا ہے کہ اخبارات جنھین لبرٹی پریس کے معاون آزادی کے حامی اور ملکی حقوق کے محافظ خیال کیا جاتا ہے۔ انکی ابتدا عملی طور پر انھین کے ملک سے ہوئی تھی۔

اسمین شک نہین کہ اخبارات کا رواج اہل روما مین بھی موجود تھا لیکن چھاپہ خانہ کی دریافت سے پہلے انکا استعمال بہت محدود تھا کہ انکی طرف کوئی خاص توجہ نہین کیجاسکتی۔ سسرو (Cicero) نے اپنے قصر ٹسکولم (Tusculum مین تخمیس کے اسکولون کی نقل مین جو گیلریان بنوائی تھین انمین عوام کیلئے جو سامان تفریح مہیا کیا گیا تھا اُسکا ایک جزو روزانہ اخبار بھی تھا جسمین پبلک امور اور عام دلچسپی کی باتون کے علاوہ آجکل کے اخبارات کے مطابق پیدائش۔ اموات اور شادی کی خبرین درج کیجاتی تھین اور فیشن ایبل طبقے کے لوگون کی آمد و رفت کا ذکر بھی کیا جاتا تھا۔ اس قسم کے اخبارات کی اشاعت عام نہ تھی بلکہ اسکی ایک کاپی کسی ایسے مقام پر آویزان کردی جاتی تھی جہان لوگ عام طور پر جمع ہوتے ہون۔ یہ اخبار گورنمنٹ کی منظوری سے مرتب ہوتا تھا لیکن یہ امر قرین قیاس ہے کہ اگرچہ عوام کی طرح اس اخبار کو پڑھنے کے لئے گھرون سے نکلنے کی تکلیف گوارا نہ کرتے ہونگے اسلئے اس اخبار کی نقلین انھین پرائیویٹ طور پر مہیا کردیجاتی ہونگی۔ رومیون کے اس اخبار کا نام "ایکٹا ڈائرنا" (Acta Diurna) ہوتا تھا اور وہ بمنزلہ ایک گزٹ کے تھا جسمین روما کے قابل ذکر معاملات کی مستند کیفیت درج کی جاتی تھی۔ یہ اخبار جس ڈھنگ پر لکھا ہوا ہوتا تھا اُسکا اندازہ ذیل کی تین خبرون سے ہوسکتا ہے جو اس زمانے کے کسی ایک اخبار مین درج ہوئی تھین:-

"۲۶- جولائی کو علاقہ ٹرمالکس (Trimalchis) واقع کیوما (Cuma) مین ۳۰ لڑکے اور ۴۰ لڑکیان پیدا ہوئین۔"

"اُسیوقت ایک غلام قتل کیا گیا جسنے اپنے آقا کے خلاف بدتہذیبی کے الفاظ استعمال کئے تھے۔"

"اسی روز باغات پومپی (Pompey) مین آگ لگ اُٹھی یہ آگ رات کے وقت باورچی خانہ مین لگی تھی۔"

انگلستان مین چھپے ہوئے اخبارات کی ابتدا ملکۂ الزبتھ کے زمانے مین برے (Burleigh) کی دور اندیشی کے باعث ہوئی تھی۔ جب ۱۵۸۸ء مین ہسپانیہ اپنا زبردست اور اجیت بیڑا جہازون کا تیار کرکے انگلستان کو اپنا مطیع بنالینے کی دھمکی دے رہا تھا۔ برے نے ایک ایسے موقع پر جبکہ ہر کس و ناکس کے دل مین اندیشہ پیدا ہو رہا تھا غلط افواہون کو پھیلنے سے روکنے کے لئے ایک اس قسم کا اخبار جاری کرنیکی تجویز سوچی جسکے ذریعہ قوم کو دشمن کی تمام کارروائیون کی صحیح اطلاع دیجائے اور وہ اسباب بتائے جانین جسکے ذریعہ سے ان کارروائیون کا سدباب کیا جاسکتا ہے۔ اس اخبار کا نام انگلش مرکری ("English Mercurie") تھا اور اسے ہر بانی ملکہ (ملکۂ الزبتھ) کا پرنٹر کرسٹوفر باکر (Christopher Barker) چھاپکر شائع کیا کرتا تھا۔ یہ بات اغلب ہے کہ اس اخبار کے اکثر مضامین لارڈ برے (Lord Burleigh) کے قلم سے نکلے ہون۔ اس مشہور مدبر کو یہ طریقہ خوب آتا تھا کہ کیونکر لوگون کا جوش ہسپانیہ کے خلاف بھڑکا کر انمین اپنی ملکہ سے محبت کرنے کی روح پھونکی جائے۔ اس اخبار کے صرف تین نمبر یعنی ۵۰ ۵۱ اور ۵۴ آجکل موجود ہین اور انھین برٹش میوزیم مین بحفاظت رکھا گیا ہے۔ انمین سے نمبر ۵۱ کی تاریخ ۲۳ جولائی ۱۵۸۸ء ہے اور ہمین سر فرانسس والسنگھم (Sir Francis Walsingham) کی طرف سے خبر درج ہے کہ ۲۰ تاریخ کو ہسپانیہ کا آرمیڈا (Armada) رودبار مین دیکھا گیا جو موافق ہوا کے سہارے انگلستان کیطرف چلا آرہا ہے" اسکے بعد انگریزی بیڑے کا تذکرہ ہے جسکے جہازون کی تعداد ۸۰ تھی۔ اسمین یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ گو معتبر ذرایع سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ ہسپانی بیڑے کے جہازون کی تعداد ڈیڑھ سو سے کم نہ ہوگی جو انمین ملاحون نے اسے انگریزی بیڑے کے مقتولون سے دیکھا وہ خوشی کے نعرے بلند کرنے لگے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھین دشمن سے کسی قسم کا خطرہ نہین۔ اسکے بعد اس حملے کا ذکر ہے جو ۲۱ جولائی کو آرمیڈا پر کیا گیا تھا اور ان تیاریون کی تفصیلین بھی بیان کی گئی ہین جو مقامات ٹلبری (Tilbury) اور بلیک ہیتھ (Blackheath) مین ہوئی تھین۔ آخر مین باشندون کے اطمینان کے لئے لکھا گیا ہے کہ اگر ہسپانیہ والے ساحل پر اُتر بھی آئین تو خطرے کی بات نہین کیونکہ "خدا کی مہربانی سے اسمین کچھ شبہ نہین ہوسکتا کہ شہنشاہ ہسپانیہ کے اس غیر منصفانہ اور جرأت بھرے حملے کا انجام یہی ہوگا کہ تا ابد اسے اپنے اس فعل کے لئے شرمسار اور نادم ہونا پڑے گا۔"

اس اخبار کا اگلا نمبر تین روز بعد یعنی ۲۶ جولائی کو شائع ہوا جسمین ان تمام واقعات کا ذکر تھا جو ۲۱ تاریخ کے بعد سے وقت تک ہوئے تھے اور جنکا تعلق انگریزی اور ہسپانی بیڑے سے تھا۔ ان واقعات کے رپورٹر شاہی بیڑے کے امیر و ممبر تھے جو براہ راست ان امور کی اطلاع اُمرا سے کونسل کے پاس بھیجدیا کرتے تھے۔

لہ مجیسٹی کا لقب اسوقت مروج نہ تھا۔ ۱۲

یہ بات معلوم نہین ہو سکی کہ اس اخبار کے نمبر ۵۲ اور ۵۳ کے پرچے کب شائع ہوئے۔ البتہ نمبر ۵۴ کی تاریخ ۲۴۔ نومبر ہے اور اسمین اس کامیابی کا ذکر ہے جو انگریزی بیڑے کو ہسپانی آرمیڈا کے مقابلے مین حاصل ہوئی تھی اور اس موقع پر ملکہ بڑے تزک و احتشام کے ساتھ سینٹ پال (St. Paul) کے گرجا مین گئی تھی۔

لارڈ اورفورڈ (Lord Orford) نے غلطی سے یہ بات لکھدی ہے کہ سب سے پہلے چھپے ہوئے اخبار کے اجرا کا خیال پیرس کے ایک طبیب تھیوفرسٹ رینادوٹ (Theophrast Renaudot) کو پیدا ہوا تھا جسنے اپنے گزٹ کا پہلا نمبر ۱۶۳۱ء مین شائع کیا۔ لیکن جب دیکھا جاے کہ انگلش مرکری ۱۵۸۸ء مین چھپکر شائع ہوتا تھا تو رینادوٹس پیرسین گزٹ (Renaudot's Parisian Gazette) کو سب سے پہلا چھپکر شائع ہونے والا اخبار نہین کہا جاسکتا۔

مخفی نہ رہے کہ اس مضمون مین بحث صرف اُن اخبارات سے ہے جو چھپکر شائع ہوتے تھے۔ کیونکہ لکھے ہوئے اخبارات کا رواج تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدایش سے سالہا سال پہلے چینیون اور قدیم مصریون مین بھی موجود تھا اور چودھوین پندرھوین صدی مین انگلستان مین بہت سی کوٹھیان اس قسم کی موجود تھین جنکا کام تاجرون اور رؤسا کو معقول معاوضے پر تازہ ترین خبرین بہم پہونچانا ہوتا تھا۔

ان اخبارات کے علاوہ جنکا اوپر ذکر ہو چکا ہے وقتاً بھر کے مختلف حصّون کے سیاسی معاملات یا خاص دلچسپی کے خانگی امور سے متعلق خبرین اکہرے کاغذ کے تختے کے چھوٹے چھوٹے رسالون کے ذریعے سے جنکے مختلف نام ہوا کرتے تھے شائع کیجاتی تھین۔ چنانچہ انھین سے بعض رسالون کے نام حسب ذیل ہین:- "ہسپانیہ کی خبرین" ۱۶۰۹ء "جرمنی کی خاص خبرین" ۱۶۱۲ء "قصبہ ایڈلنگٹن (Adlington) مین ایک دیو صورت بچے کی پیدایش کی عجیب خبر" ۱۶۱۳ء وعلیٰ ہذا القیاس۔

غرض اس زمانے کے اخبارات ہر طرح ترقی کرتے گئے۔ کیونکہ ناظرین اسلئے مطمئن تھے کہ انھین سستے داموں تازہ ترین خبرین بہم پہونچ جاتی تھین اور پرنٹرون کو یہ فائدہ تھا کہ وہ اپنی قیمت کا معاوضہ کافی حاصل کر لیا کرتے تھے۔ برٹن (Burton) جسنے اپنی کتاب اناٹمی آف میلنکلی (Anatomy of Melancholy) (مالیخولیہ کی تشریح) پہلے مرتبہ ۱۶۲۱ء یا ۱۶۲۲ء مین شائع کی تھی وہ اس بات کا شاکی ہے کہ لوگون کو آجکل زیادہ تر کھیل تماشون کی کتابین یا خبرون کے رسالے پڑھنے کا شوق ہے اور ۱۶۲۵ء مین بن جنسن (Ben Jonson) نے اپنی کتاب سٹیپل آف نیوز (Staple of News) مین اس بات کا تمسخر اُڑایا تھا کہ لوگ خبرون کو کسقدر دلچسپی سے پڑھتے ہین۔ لیکن باوجود ان سب باتون کے اخبارات زیادہ باقاعدہ ہوتے اور ترقی کرتے گئے۔

جن دنون انگلستان مین خانہ جنگی چھڑی ہوئی تھی تو بہت سے اخبارات اور خبرون کے رسالے نکلنے شروع ہوئے جنمین سے بعض ایک دوسرے فریق کی طرفداری کیا کرتے تھے اور ان مین اکثر ایسے تھے کہ انھین بڑی قابلیت سے آیڈٹ کرکے نہایت دلیری کے ساتھ شائع کیا جاتا تھا۔ اسی زمرے مین ایک قابل ذکر شخص مارچمونٹ نیڈھم (Marchmont Needham) نامی تھا جسنے آکسفورڈ مین تعلیم حاصل کی تھی اور جو کبھی فریق شاہی اور کبھی پارلیمنٹ کا طرفدار بن جاتا تھا۔ آخر ۱۶۶۰ء مین کونسل آف اسٹیٹ نے اس شخص کی نسبت حکم دیا کہ وہ عام لوگون کے پڑھنے کی خبرین نہ لکھا کرے اور اسکے ۱۸ سال بعد ماہ نومبر

ڈیوڈ (Devereux) کی عدالت مین اسکی زندگی کا خاتمہ ہوا۔ وُڈ (Wood) لکھتا ہے کہ وہ حد درجے کے فتنہ پرداز۔ بغاوت انگیز اور پرجوش مضامین لکھنے والا تھا اور شاہی فریق کے لوگ اس سے اسقدر ناراض تھے کہ اسکے مرنے کے کئی سال بعد بھی وہ اس بات کو برداشت نہ کرسکتے تھے کہ کوئی انکے سامنے اس شخص کا ذکر کرے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کسقدر ہردلعزیز اور زبردست آدمی تھا۔ ۱۶۲۲ء سے ۱۶۶۵ء تک ۳۵۰ سے زاید اس قسم کے اخبارات اور خبرون کے رسالے شائع ہوئے لیکن پہلا باقاعدہ چھپنے والا پرچہ پبلک انٹیلی جنسر (Public Intelligencer) تھا جسکی اشاعت ۳۱۔ اگست ۱۶۶۱ء سے شروع ہوئی تھی۔ اس سے اگلے سال یہ سوال پیدا ہوا کہ اخبار انٹیلی جنسر کے ذریعہ آئرش پارلیمنٹ کے مباحثات کی اشاعت روک دیجائے۔ چنانچہ اس بارے مین ایک چٹھی بھی اسپیکر نے سر ایڈورڈ نکولس کو (Sir Edward Nicholas) جو انگلستان کے سکریٹری آف اسٹیٹ تھے لکھی تھی۔

انگلستان کے انقلاب کے بعد سب سے پہلے جو روزانہ اخبار قائم ہوا اُسکا نام ایوننگ انٹیلی جنسر (Orange Intelligencer) تھا اور اسکے بعد ۱۶۹۰ء تک ۲۶۔ اخبارات جاری تھے۔ ۱۷۰۹ء مین جبکہ انگلستان پر ملکہ این حکمران تھی تو ۱۸۔ اخبارات شائع ہوا کرتے تھے جنمین سے صرف ایک روزانہ تھا اور اسکا نام لندن کورنٹ (London Courant) تھا۔ شہنشاہ جارج اوّل کے زمانے مین اخبارات اسقدر ترقی کرچکے تھے کہ تین روزانہ۔ ۶ ہفتہ وار اور ۱۰۔ اخبارات ہفتے مین تین مرتبہ شام کے وقت شائع ہوا کرتے تھے۔

اسوقت سے اخبارات کی تعداد ترقی کرتی گئی اور جب انھین پولیٹکل مباحثے کی آزادی دی گئی تو پبلک مین انھین بڑا رسوخ حاصل ہوگیا اور آزادی کے بڑے بھاری حامی اور معاون بنگئے۔ ۱۸۶۶ء کی ایک تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے مین صرف لندن کے اندر دو کرور کے قریب پرچے سالانہ شائع ہوا کرتے تھے اور برطانیہ کلان اور آئرلینڈ کے پراونشل اخبارات کی تعداد ۳۰۰ سے زاید تھی اور اسمین روز بروز اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ انکی سالانہ فروخت کا اندازہ پانچ کرور ساٹھ لاکھ پرچون کے قریب لگایا جاتا تھا جنمین اگر دو کرور لندنی پرچے بھی شامل کئے جاوین تو گویا تمام پرچون کی سالانہ تعداد سات کرور ۶۰ لاکھ کے قریب ہوگی (مخفی نہ رہے کہ پرچے سے مراد یہان اخبار کے واحد پرچے سے ہے) اسی تحریر سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ انگلستان کے پراونشل اخبارات کو قائم ہوئے ایک صدی سے زیادہ عرصہ نہین گذرا۔

لیکن جس زمانے مین انگلستان کے اخبارون نے زیادہ عروج حاصل کیا۔ وہ اُنیسوین صدی کے آخری بیس برس کا زمانہ تھا۔ ۱۸۹۰ء مین مجدد امعاملات کے متعلق جداجدا اخبار شائع ہونے لگے یعنی علمی۔ تجارتی۔ طبی۔ مذہبی وغیرہ۔ آجکل انگلستان کی اخبار نویسی اسقدر ترقی کرچکی ہے کہ وہان صبح اور شام کے اخبارات جداجدا شائع ہوتے ہین جنمین عمدہ ایڈیٹری کیلئے بڑے بڑے لائق لوگ تلاش کئے جاتے ہین اور انھین بیش قرار تنخواہین دیجاتی ہین۔ عام طور پر انگلینڈ مین صبح کیوقت شائع ہونے والے اخبارون کو ۸۰۰ سے ۱۵۰۰ روپیہ ماہوار تنخواہ دیجاتی ہے۔ کامیاب اخبار نویسی کا چونکہ بہت بڑا جزو لائق اہل قلم سے کنٹری بیوشنز (Contributions) (مضامین) حاصل کرنا ہے لہذا وہان کے اخبارات اپنے معمولی نامہ نگارون کو ۳۰ سے ۸۰ روپے تک فی مضمون معاوضہ دیتے ہین اور خاص خاص مضامین کیلئے

۱۵۰۰ سے ۲۵۰۰ روپیہ تک معاوضہ دیا جاتا ہے۔

ہندوستان کے اخبارات کی نسبت معلوم نہین کہ سب سے پہلے کونسا اخبار کب شائع ہوا۔ ہان اسقدر وثوق کے ساتھ معلوم ہوچکا ہے کہ پہلا روزانہ انگریزی اخبار جو ہندوستان مین شائع ہوا وہ "ہرکورہ" (ہرکارہ) تھا جو ۲۷۔ اپریل ۱۷۰۹ء کو اکہرے کوارٹو شیٹ (Quarto Sheet) کاغذ کے چوتھائی حصے) پر چھپنا شروع ہوا اور جسکا مقام اشاعت کلکتہ تھا۔ اسکے بعد جلد ہی اسمین ایک تختہ کاغذ کا اضافہ کیا گیا اور ۲۱ جولائی ۱۸۲۱ء کو اسمین کاغذ کا تیسرا تختہ لگایا گیا۔ آخر یکم فروری ۱۸۲۴ء سے وہ رائل فولیو (Royal Folio) پر شائع ہونے لگا اور یکم جنوری ۱۸۳۴ء تک اسی حالت مین رہا جسکے بعد اسنے پھر اپنی صورت بدل لی اور اس صورت مین اسوقت تک چھپتا رہا جبکہ اسے "انڈین ڈیلی نیوز" مین ملا دیا گیا۔ اپنے زمانے مین یہ اخبار بڑا طاقتور شمار کیا جاتا تھا اور جب یکم اکتوبر ۱۸۳۴ء کو اسمین انڈیا گزٹ اور بنگال کوریر (Bengal Courier) کو ملا دیا گیا تو اسے مزید تقویت حاصل ہوگئی۔

ذیل کی فہرست سے ان اخبارات کی تعداد معلوم ہوسکتی ہے جو ۱۸۳۵ء مین ہندوستان کے مختلف حصون سے شائع ہوتے تھے۔

نام صوبجات	انگریزی اخبارات کی تعداد	ورنیکولر اخبارات کی تعداد	انگریزی اور ورنیکولر دونون زبانون مین شائع ہونے والے اخبارون کی تعداد
بمبئی	۳۵	۶۲	۲۱
مدراس	۳۶	۲۳	۲۵
بنگال	۳۵	۵۹	۵
صوبہ مغربی و شمالی	۹	۵۹	۵
پنجاب	۱۰	۳۰	۱
اودھ	۴	۷	۸
صوبجات متوسط	۳	۴	۲
برہما	۱۴	۵	۰
سندھ	۹	۳	۱
راجپوتانہ	۰	۲	۴
میزان	۱۵۵	۲۵۴	۷۲

ہندوستان مین آجکل اخبارات کی جو حالت ہے وہ اخبار سرمۂ روزگار بابت ۲۴۔ فروری ۱۹۱۰ء کے اقتباس ذیل سے معلوم ہوسکتی ہے۔

"تمام ہندوستان مین ۱۰۷۲ چھاپہ خانے ہین جنمین ہر قسم کی کتابین چھپتی ہین۔ گذشتہ دس سال کے اندر ۲۵ فیصدی کا اضافہ ہوا ہے۔ اخبارون کی تعداد ۳۷۵ ہے۔ انمین بھی تقریباً دس فیصدی کا اضافہ ہوا ہے ۱۰۶۲ رسالے شائع ہوتے ہین ..... بمبئی مین سب سے زیادہ اخبار اور رسالے شائع ہوتے ہین اور اس لحاظ سے بنگال کے بعد دوسرا نمبر پنجاب کا ہے۔"

یہ اعداد اخبار مذکور نے غالباً کسی معتبر انگریزی رپورٹ سے حاصل کئے ہونگے اور اگر ایسا ہے تو یقیناً انکی صحت مین کلام نہین ہوسکتا۔ اسمین شک نہین کہ انگریزی اخبارات اور رسالون نے کیا بلحاظ عمدگی مضامین اور کیا بلحاظ تعداد اشاعت بہت ترقی کرلی ہے لیکن اگر ورنیکولر اخبارات بھی کوشش کرین تو وہ اپنی حالت مین بہت کچھ اصلاح کرسکتے ہین۔

یہ امر قابل افسوس ہے کہ سارے ہندوستان مین اردو زبان

کے (جسے اکثر اس ملک کی لنگوافرینکا (Lingua Franca) کہا جاتا ہے) صرف چھ روزانہ اخبار ہین اور گوان خدمات کو جو وہ سرانجام دے رہے ہین نظرانداز نہین کیا جاسکتا تاہم حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک انمین وہ خوبیان نہین پائی جاتی جو روزانہ اخبارون کے لئے ضروری ہین - ان چھ اخبارون مین سے دو لاہور ایک لکھنؤ - دو بمبئی اور ایک حیدرآباد (دکن) سے نکلتا ہے - ہماری بدقسمتی سے ہندی مین جو اُردو کی برابری کا دعویٰ رکھتی ہے ایک بھی روزانہ اخبار موجود نہین - گو اب سُنا گیا ہے کہ صوبجات متحدہ کے ایک اخبار کو (جسکا نام عمداً درج نہین کیا گیا) روزانہ کرنیکی تجویز ہو رہی ہے - ورنیکولر مین اگر کسی زبان کے عمدہ روزانہ پرچے آجکل نکل رہے ہین تو وہ گجراتی ہے اور گو کچھ عرصے پہلے بنگالی کے چند روزانہ اخبار نکلا کرتے تھے لیکن اب غالباً ہت بادی کے علاوہ اور کوئی معتبر پرچہ روزانہ نہین چھپتا - مرہٹی زبان مین چند پرچے روزانہ نکلتے ہین لیکن وہ ابھی عرصۂ دراز مین بمبئی سماچار - جام جمشید اور سانجھ ورتمان ایسے گجراتی روزانہ اخبارون کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو سکین گے - پنجاب کی تازہ ترین ایڈمنسٹریشن رپورٹ (Administration Report) سے معلوم ہوا ہے کہ آجکل اس صوبے مین جسقدر اخبارات شائع ہوتے ہین - انکی مجموعی تعداد ۲۵۲ ہے جسکی تفصیل درج ذیل ہے

اخبارات انگریزی	۳۸
انگریزی - فارسی - اُردو	۱
اُردو	۱۸۲
اُردو و ہندی	۱
ہندی	۱۱
اُردو و گورمکھی	۱
گورمکھی	۱۸

رپورٹ مذکور سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ۱۹۰۸-۱۹۰۹ء مین تین نئے انگریزی اور ۵۱ ورنیکولر اخبارات جاری ہوے اور ۶ - انگریزی اور ۴۷ ورنیکولر اخبارات کی اشاعت بند ہوگئی - اوپر جو ۲۵۲ - اخبارات کی تفصیل درج ہوئی ہے ان مین سے ایک رسالہ ششماہی شائع ہوتا ہے - چار سہ ماہی - ۱۲۴ ماہوار - ۳۰ پندرہ روزہ پرچے ہین - تین مہینے مین تین بار نکلنے والے - ۷۸ ہفتہ وار - تین ہفتہ مین دوبار - ایک ہفتے مین تین بار اور آٹھ روزانہ -

ہندوستان مین ورنیکولر پریس کی حالت آجکل جسقدر قابل رحم ہے وہ محتاج بیان نہین - ملک کے ہر حصے سے اخبار حشرات الارض کیطرح نکلتے اور برساتی مچھرون کیطرح غائب ہوتے رہتے ہین - اسکی وجہ زیادہ تر یہی ہے کہ جو لوگ اخبار جاری کرنے لگتے ہین وہ اپنی مالی حالت کا پہلے سے بالکل اندازہ نہین لگاتے - عام طور پر ایک ہی شخص اخبار کا ایڈیٹر - پرنٹر - پبلشر اور پروپرائٹر ہوتا ہے اور اکثر دیکھا جاتا ہے کہ جہان اخبار یا رسالے کو نکلے سال چھ مہینے کا عرصہ ہوا پھر پبلک کے نام اپیل شائع ہونے شروع ہوتے ہین - ہندوستان کی نیم تعلیم یافتہ پبلک پہلے ہی اخبار خوانی کیطرف کم متوجہ ہے اسلئے اگر کوئی اخبار بند ہوجاتا ہے تو اسکا افسوس سوائے اسکے پروپرائٹر کے اور کسی کو نہین ہوتا -

پس جب یہ حالت خود اخبار نویسون اور اخبارات کے مالکون کی ہے تو آپ اندازہ لگا سکتے ہین کہ انھین کنسرٹ ہیوٹر (مضمون نگار) کس پایہ کے مل سکتے ہین یا اگر لائق مضمون نگار ملجائین تو وہ کب تک اپنی ضروریات کو نظرانداز کرکے محض ہمدردی

کے خاطر اخبار دن یا رسالون کی امداد کرسکتے ہین۔ فی الحقیقت ہندوستان مین اخبارات کو کامیابی کے ساتھ چلانا ایک نہایت مشکل کام ہو رہا ہے جسکی مزید توضیح کے لئے اگست ۱۹۰۹ء کے رسالہ ایسٹ اینڈ ویسٹ (East and West) سے مسٹر مالاباری کے قلم سے نکلے ہوئے ایک مضمون کا اقتباس درج ذیل کیا جاتا ہے۔

اپنے ہفتہ وار انگریزی اخبار "انڈین اسپکٹیٹر" (Indian Spectator) کی خراب حالت کی نسبت خامہ فرسائی کرتے ہوئے وہ لکھتے ہین:۔

"سوائے اس تھوڑے سے عرصے کے جبکہ یہ اخبار میرے دوست مسٹر این۔ ایم۔ دیسائی جی کے زیر انتظام تھا ہمیشہ اسمین مجھے خسارہ ہی رہا ہے۔ تصحیح اوقات اور نقصان صحت کے علاوہ اس معاملے مین جسقدر مالی گھاٹا مجھے اٹھانا پڑا ہے۔ اسکی یاد جب کبھی دل مین تازہ ہوتی ہے تو میری پریشانی خاطر بہت بڑھ جاتی ہے۔ اخبار اسپکٹیٹر کی حالت اس بچے کی سی تھی جو ہمیشہ بیمار اور کمزور رہتا ہے اور اسیوجہ سے والدین اسکے ساتھ زیادہ پیار اور محبت کرنے لگتے ہین۔ اس بچے کے والدین ہر چند کہ مالی لحاظ سے زیادہ خوشحال نہ تھے مگر پھر بھی وہ جو شے مانگتا تھا اسے مہیا کی جاتی تھی اسکے بہت سے اجرتی اور آزیری (صفت کام کرنیوالے) مضمون نگار اور ریویو لکھنے والے تھے۔ جنمین انگریزی اور ہندوستانی دونون قومون کے لوگ شریک تھے۔ ایڈیٹر اور سب ایڈیٹر الگ تھا۔ عام طور پر ہم اپنے مضمون نگارون کو تین روپیے فی کالم کے حساب سے اجرت دیا کرتے تھے لیکن بعض اوقات پانچ سے دس روپیہ فی کالم تک بھی دیدیتے تھے۔ بعض موقعون پر مجھے یاد ہے کہ ہمنے ایک ایک آرٹیکل کے لئے ساٹھ سے سو روپیہ تک اجرت دی ہے۔ میرے خیال مین ہندوستانی اخبار نویسی مین یہ اجرت زیادہ سے زیادہ ہے جو کسی مضمون نگار کو دی گئی ہو۔ برعکس اسکے ہمارے کئی انگریز نامہ نگار تھے جنھین صرف ۸ رنی کالم کے حساب سے اجرت دیجاتی تھی۔ ان مضامین کو ہم اصلی مضامین کی کمان پر اکرتیکے کام مین لاتے تھے مجھے یاد ہے۔ غریب کرنیل ..... نے فوجی اصلاح کے مضمون پر مین متعدد آرٹیکل روانہ کئے تھے جب مینجر نے اسے قریباً ۱۲ کالم مضمون کے لئے چھ روپیے لفافہ نذرانہ بھیجے تو مین نے اسے ایک خط مین لکھا کہ اسے آپ کا سگرٹون کا ڈبہ خریدنے کا خرچ چل جائیگا۔ اسکا جواب جو مجھے ملا اسسے میری آنکھین کھول دین۔ خط مین لکھا تھا" ہان اسسے میری بچہ الہ بے مان کے بچے کا چند روز کے لئے دودھ روٹی کا خرچ چل جائیگا" اس سے میرے دل کو اسقدر صدمہ پہونچا کہ مین نے فوراً اپنی دو چاندی کی گھڑیان جو شادی سے پہلے کی میرے پاس موجود تھین بیچ کر انکا روپیہ اپنے غریب پرانے مضمون نگار کو بھیجدیا۔ مین نے پرائیویٹ طور پر ایک خط رڈونالڈ ہسٹوارٹ صاحب کا قدر انچیف کو اس مطلب کا بھی لکھا کہ وہ کرنیل موصوف کو کچھ مالی امداد دلانے کا بندوبست کرین۔ میری اس درخواست کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ کرنیل کی لڑکی کی تعلیم کے لئے آبولانس اسکول (Abu Lawrence School) بھیجدیگیا۔

لیکن تمام ہندوستانی اخبار نویسون مین مسٹر مالاباری کی طرح ہمدردی کی اسپرٹ (Spirit) موجود نہین ہوتی اسلئے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مضمون نگار عمر بھر خون جگر پی کر بھی کسی اخبار یا رسالے کی خدمت کرتا رہے تو مالک و ایڈیٹر اسے معمولی بات خیال کرکے خاموش ہو رہتا ہے اور سمجھ لیتا ہے کہ مضمون بھیجنا مضمون نگار کا فرض ہے۔

سطور بالا مین جدید اخبار نویسی کی ابتدا اور اسکی موجودہ حالت پر کسیقدر اجمالی کے ساتھ بحث کی گئی ہے اور بعض دو

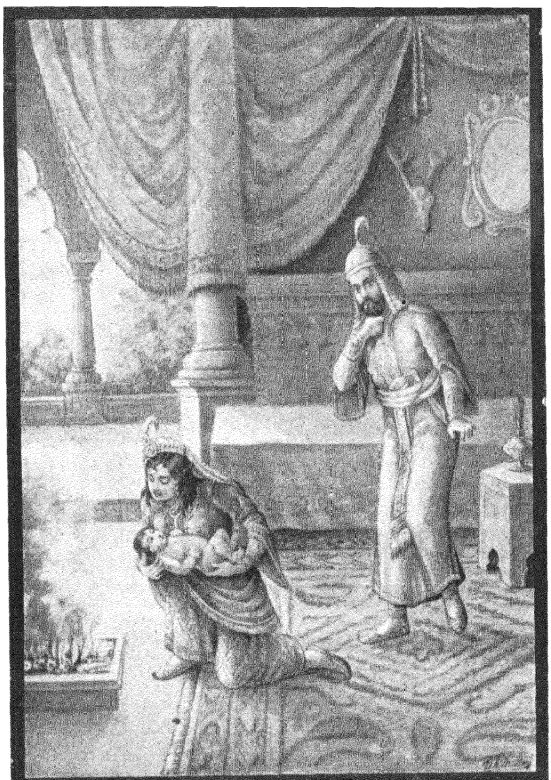

اولاد کش ملکہ

انڈین پریس الہ آباد

نقائص ظاہر کئے گئے ہین جنکی بدولت ہندوستان کی ورنیکیولر اخبار نویسی کی جڑ خصوصاً کمزور ہورہی ہے۔ یہ سوال کہ ہندوستان مین پریس کو کیونکر تقویت دیجاسکتی ہے نہایت دقیق اور مشکل ہے گو ہر شخص جو اخباری دُنیا سے ذرا بھی مس رکھتا ہو ضرور یہ بات تسلیم کریگا کہ مذکورۂ بالا نقائص کا دور کیا جانا مقدم ہے۔ ارادہ تو تھا کہ اسی سلسلے مین اس اثر کا بھی ذکر کیا جاتا جو جدید ایکٹ کے باعث پریس پر پڑا ہے لیکن مضمون کو چونکہ پولیٹکل رنگت دُنیا منظور نہین اسلئے فی الحال اس سرسری ریویو پر ہی اکتفا کی جاتی ہے۔ اخیر مین صرف اتنا اور لکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی زمانے مین ورنیکولر پریس کے نقائص کو دور کرکے اسکی اصلاح اور ترقی کے لئے کوشش کیگئی تو یہ امر یقینی ہے کہ اسکے قدردان ضرور پیدا ہوجائینگے اور آجکل جو یہ شکایت عام طور پر پیش کیجاتی ہے کہ تعلیم یافتہ پارٹی ورنیکولر لٹریچر کو قدر کی نگاہ سے نہین دیکھتی خود بخود رفع ہوجائیگی۔

تیرتھ رام

بیغرض محسن

(۱)

ساون کا مہینہ تھا۔ ریوتی رانی نے پیرون مین مہندی رچائی مانگ چوٹی سنواری اور تب اپنی بوڑھی ساس سے جاکر بولی "امّان جی! آج مین بھی میلہ دیکھنے جاونگی"

ریوتی پنڈت چنتامن کی بیوی تھی۔ پنڈت جی نے سرسوتی کی پوجا مین زیادہ نفع نہ دیکھکر لکشمی دیوی کی مجاوری کرنی شروع کی تھی۔ لین دین کا کاروبار کرتے تھے۔ مگر اور مہاجنون کے برخلاف بجز خاص خاص حالتون کے ۲۵ فیصدی سے زیادہ سود لینا مناسب نہ سمجھتے تھے۔

ریوتی کی ساس ایک بچے کو گود مین لئے کھٹولے پر بیٹھی ہوئی تھین۔ بہو کی بات سُنکر بولین "بہو جاؤ گی تو بچے کو کام ہوجاے گا"

ریوتی۔ "نہین امّان۔ مجھے دیر نہ لگے گی۔ ابھی چلی آؤنگی"

ریوتی کے دو بچے تھے۔ ایک لڑکا۔ دوسری لڑکی۔ لڑکی ابھی گود مین تھی اور لڑکا ہیرامن ساتوین سال مین تھا۔ ریوتی نے اُسے اچھے اچھے کپڑے پہنائے۔ نظر بد سے بچنے کے لئے ماتھے اور گالون پر کاجل کے ٹیکے لگادے۔ گڑیان پہننے کیلئے ایک خوشرنگ چھڑی دیدی اور اپنی کئی ہمجولیون کے ساتھ میلہ دیکھنے چلی۔

کیرت ساگر کے کنارے عورتون کا بڑا جمگھٹ تھا۔ نگون گھٹائین چھائی ہوئی تھین۔ عورتین سولہون سنگار گئے۔ ساگر کے پُرفضا میدان مین۔ ساون کے رم جھم پرکھا کی بہار لوٹ رہی تھین۔ شاخون مین جھولے پڑے ہوئے تھے۔ کوئی جھولا جھولتی۔ کوئی ملار گاتی۔ کوئی ساگر کے کنارے بیٹھی لہرون سے کھیلتی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی خوشگوار ہوا۔ پانی کی ہلکی ہلکی پھوہار۔ پہاڑیون کی نکھری ہوئی ہریالی۔ لہرون کے دلفریب جھکولے موسم کو تو بہ شکن بنائے ہوئے تھے۔

آج گڑیوں کی بدائی ہے۔ گڑیاں اپنے سسرال جائینگی کنواری لڑکیاں ہاتھ پاؤں میں مہندی رچائے۔ گڑیوں کو گہنے کپڑے سے سجائے اُنھیں بدا کرنے آئی ہیں۔ اُنھیں پانی میں بہاتی ہیں اور چھک چھک کر سہانے گیت گاتی ہیں۔ مگر دامن عافیت سے نکلتے ہی اُن نازونعمت میں پلی ہوئی گڑیوں پر چاروں طرف سے چھڑیوں اور لکڑیوں کی بوچھار ہونے لگی۔

ریوتی یہ سیر دیکھ رہی تھی اور ہیرامن ساگر کے زینوں پر اور لڑکوں کے ساتھ گڑیاں پہنچنے میں مصروف تھا۔ زینوں پر کائی لگی ہوئی تھی۔ دفعتاً اُسکا پیر پھسلا تو پانی میں جا پڑا۔ ریوتی چیخ مار کر دوڑی اور سر پیٹنے لگی۔ دم کی دم میں وہاں مردوں اور عورتوں کا ایک ہجوم ہو گیا۔ مگر یہ کسی کی انسانیت تقاضا نہ کرتی تھی کہ پانی میں جا کر ممکن ہو تو بچے کی جان بچائے۔ ستوارے ہوئے گیسو نہ بکھر جائینگے! دُھلی ہوئی دھوتی نہ بھیگ جائیگی! کتنے ہی مردوں کے دلوں میں یہ مردانہ خیالات آرہے تھے۔ دس منٹ گزر گئے۔ مگر کوئی شخص کمر ہمت باندھتا نظر نہ آیا۔ غریب ریوتی پچھاڑیں کھا رہی تھی۔ ناگاہ ایک آدمی اپنے گھوڑے پر سوار چلا جاتا تھا۔ یہ ازدحام دیکھکر اُتر پڑا اور ایک تماشائی سے پوچھا "یہ کیسی بھیڑ ہے؟ تماشائی نے جواب دیا "ایک لڑکا ڈوب گیا ہے"۔

مسافر۔ "کہاں؟"

تماشائی۔ "جہاں وہ عورت کھڑی رو رہی ہے"۔

مسافر نے فوراً اپنی گاڑھے کی مرزئی اُتاری اور دھوتی کسکر پانی میں کود پڑا۔ چاروں طرف سناٹا چھا گیا۔ لوگ متحیر تھے کہ کون شخص ہے۔ اُسنے پہلا غوطہ لگایا۔ لڑکے کی ٹوپی ملی۔ دوسرا غوطہ لگایا تو اُسکی چھڑی ہاتھ لگی اور تیسرے غوطے کے بعد جب اوپر آیا تو لڑکا اُسکے گود میں تھا۔ تماشائیوں نے واہ واہ کا نعرہ پرشور بلند کیا۔ ماں نے دوڑکر بچے کو لپٹا لیا۔ اس اثنا میں پنڈت چنتامن اور کئی عزیز آپہونچے اور لڑکے کو ہوش میں لانے کی فکر کرنے لگے۔ آدھ گھنٹہ میں لڑکے نے آنکھیں کھولدیں۔ لوگوں کی جان میں جان آئی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا اگر لڑکا دو منٹ بھی پانی میں اور رہتا تو بچنا غیر ممکن تھا۔ مگر جب لوگ اپنے گمنام محسن کو ڈھونڈھنے لگے تو اُسکا کہیں پتہ نہ تھا۔ چاروں طرف آدمی دوڑائے۔ سارا میلہ چھان مارا۔ مگر وہ نظر نہ آیا۔

(۲)

بیس سال گزر گئے۔ پنڈت چنتامن کا کاروبار روز بروز ترقی پاگیا اس دوران میں اسکی ماں نے سات تون جاترائیں کیں۔ اور مرتیں تو انکے نام پر ٹھاکر دوارا تیار ہوا۔ ریوتی بہو سے ساس بنی لیکن دین ہی کھاتہ ہیرامن کے ہاتھ میں آیا۔ ہیرامن اب ایک وجیہ، لحیم شحیم نوجوان تھا۔ نہایت خلیق۔ نیک مزاج۔ کبھی کبھی باپ سے چھپا کر غریب اسامیوں کو بلا سود کی قرض دیا کرتا۔ چنتامن نے کئی بار اس گناہ کے لئے بیٹے کو آنکھیں دکھائی تھیں اور الگ کر دینے کی دھمکی دی تھی۔ ہیرامن نے ایک بار ایک سنکٹ بارنیا کے لئے پچاس روپیہ چندہ دیا۔ پنڈت جی اسپر ایسے برہم ہوئے کہ دو دن تک کھانا نہیں کھایا۔ ایسے ناگوار واقعے آئے دن ہوتے رہتے تھے۔ انھیں وجوہ سے ہیرامن کی طبیعت باپ سے کچھ کھچی رہتی تھی۔ مگر اُسکی یہ ساری شرارتیں ہمیشہ ریوتی کی ساز خن سے ہوا کرتی تھیں۔ جب قصبہ کی غریب بدھوائیں یا زمینداروں کے ستائے ہوئے اسامیوں کی عورتیں ریوتی کے پاس آکر ہیرامن کو آنچل پھیلا پھیلا کے دعائیں دینے لگتیں تو اُسے ایسا معلوم ہوتا کہ مجھسے زیادہ بھاگوان اور میرے بیٹے سے زیادہ فرشتہ صفت

آدمی دُنیامین کوئی نہوگا۔ تب اُسے بے اختیار وہ دن یاد آجاتا جب ہیرامن کیرت ساگرمین ڈوب گیا تھا اور اُس آدمی کی تصویر اُسکے نگاہون کے سامنے کھڑی ہوجاتی جسنے اُسکے لال کو ڈوبنے سے بچایا تھا۔ اُسکے تہ دل سے دعا نکلتی اور ایسا جی چاہتا کہ اُسے دیکھ پاتی تو اُسکے پیرون پر گر پڑتی۔ اُسے اب کامل یقین ہوگیا تھا کہ وہ انسان نہ تھا۔ بلکہ کوئی دیوتا تھا۔ وہ اب اُسی کھٹولے پر بیٹھی ہوئی جسپر اُسکی ساس بیٹھی تھی اپنے دونون پوتون کو کھلایا کرتی تھی۔

آج ہیرامن کی ستائیسوین سالگرہ تھی ریوتی کے لئے یہ دن سال بھر کے دنون مین سب سے زیادہ مبارک تھا۔ آج اُسکا دست کرم خوب فیاضی دکھاتا تھا اور یہی ایک بیجا صرف تھا جسمین نپٹ چنتامن بھی اُسکے شریک ہوجاتے تھے۔ آج کے دن وہ بہت خوش ہوتی اور بہت روتی اور آج اپنے گمنام محسن کے لئے اُسکے دل سے جو دعائین نکلتین وہ دل و دماغ کے اعلیٰ ترین جذبات مین رنگی ہوتی تھین۔ اُسی کی بدولت تو آج مجھے یہ دن اور یہ سُکھ دیکھنا میسر ہوا ہے!

(۳)

ایک دن ہیرامن نے آکر ریوتی سے کہا "آمان سریجو نیلام پر چڑھا ہوا ہے۔ کہو تو مین بھی دام لگاؤن"۔

ریوتی "سولھون آنہ ہے"؟

ہیرامن "سولھون آنہ۔ اچھا گانون ہے۔ نہ بڑا نہ چھوٹا۔ یہان سے دس کوس ہے۔ چار ہزار تک بولی چڑھ چکی ہے۔ سو دو سومین ختم ہوجائیگا"۔

ریوتی "اپنے دادا سے تو پوچھو؟"

ہیرامن "اُنکے ساتھ دو گھنٹہ تک سر مغزان کرنیکی کسے فرصت ہے"۔

ہیرامن اب گھر کا مختار کُل ہوگیا تھا اور چنتامن کی ایک نہ چلنے پاتی۔ وہ غریب اب عینک لگائے ایک گدّے پر بیٹھے اپنا وقت کھانسنے مین صرف کرتے تھے۔

دوسرے دن ہیرامن کے نام پر سری پور ختم ہوگیا مہاجن سے زمیندار ہوئے۔ اپنے بینک اور دو چپراسیون کو لے کر گانون کی سیر کرنے چلے۔ سری پور والون کو خبر ہوئی۔ نئے زمیندار کی پہلی آمد تھی۔ گھر گھر نذرانہ دینے کی تیاریان ہونے لگین۔ پانچوین دن شام کے وقت ہیرامن گانون مین داخل ہوئے۔ دہی اور چاول کا تیلک لگایا گیا اور تین سو اسامی پہر رات تک ہاتھ باندھے ہوئے اُنکی خدمت مین کھڑے رہے۔ سویرے تمار عام نے اسامیون کا تعارف کرانا شروع کیا جو اسامی زمیندار صاحب کے سامنے آتا وہ اپنی بساط کے موافق ایک یا دو روپیہ اُنکے پیرون پر رکھدیتا۔ دوپہر ہوتے ہوتے وہان پانچسو روپیون کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔

ہیرامن کو پہلی بار زمینداری کا مزہ ملا۔ پہلی بار ثروت اور طاقت کا نشہ محسوس ہوا۔ سب نشون سے زیادہ تیز زیادہ قاتل ثروت کا نشہ ہے۔ جب اسامیون کی فہرست ختم ہوگئی تو مختار سے بولے۔ "اور کوئی اسامی تو باقی نہین ہے"؟

مختار۔ "ہان مہاراج۔ ابھی ایک اسامی اور ہے۔ 'تخت سنگھ'"

ہیرامن۔ "وہ کیون نہین آیا"؟

مختار۔ "وزامست ہے"۔

ہیرامن۔ "مین اُنکی مستی اُتار دونگا۔ ذرا کوئی اُسے بُلا لائے"۔

تھوڑی دیر مین ایک بوڑھا آدمی لاٹھی ٹیکتا ہوا آیا اور ڈنڈوت کرکے زمین پر بیٹھ گیا۔ نہ نذر نہ نیاز۔ اُسکی یہ گستاخی دیکھکر ہیرامن کو بخار چڑھ آیا۔ کڑک کر بولے "ابھی کسی زمیندار

سے پالا نہین پڑا۔ ایک ایک کی ہیکڑی بھلا دونگا"

تخت سنگھ نے ہیرامن کیطرف غور سے دیکھا جواب دیا "میرے سامنے بیس زمیندار آئے اور چلے گئے۔ مگر کبھی کسی نے اس طرح گھُرکی نہین دی"

یہ کہکر اُسنے لاٹھی اُٹھائی اور اپنے گھر چلا آیا۔ بوڑھی ٹھکرائن نے پوچھا "دیکھا زمیندار کو؟ کیسے آدمی ہین۔

تخت سنگھ۔ "اچھے آدمی ہین۔ ہین انھین پہچان گیا"

ٹھکرائن۔ "کیا تم سے پہلے کی ملاقات ہے"

تخت سنگھ۔ "میری اُنکی بیس برس کی جان پہچان ہے۔ گڑیون کے میلے والی بات یاد ہے نہ؟"

اُس دن سے تخت سنگھ پھر ہیرامن کے پاس نہ آیا۔

(۴)

چھ مہینہ کے بعد ریوتی کو بھی سری پور دیکھنے کا شوق ہوا۔ وہ اور اُسکی بہو اور بچے سب سری پور آئے۔ گانون کی سب عورتین اُسے ملنے آئین۔ انھین بوڑھی ٹھکرائن بھی تھی اُسکی بات چیت سلیقہ اور تمیز دیکھکر ریوتی دنگ رہ گئی۔ جب وہ چلنے لگی تو ریوتی نے کہا ٹھکرائن! کبھی کبھی آیا کرنا۔ تمسے ملکر طبیعت بہت خوش ہوئی۔ تھوڑے دنون عورتون مین رفتہ رفتہ میل ہوگیا۔ یہان تو یہ کیفیت تھی۔ اور ہیرامن اپنے مختار عام کے مغالطے مین آکر تخت سنگھ کو بیدخل کرنیکی بندشین سوچ رہا تھا۔

جیٹھ کی پورنماشی آئی۔ ہیرامن کی سالگرہ کی تیاریان ہونے لگین۔ ریوتی چھلنی مین میدہ چھان رہی تھی کہ بوڑھی ٹھکرائن آئی۔ ریوتی نے مسکراکر کہا "ٹھکرائن۔ ہمارے یہان کل تمہارا نیوتہ ہے"

ٹھکرائن۔ "تمہارا نیوتہ سر اور آنکھون پر کونسی برس گانٹھ ہے؟"

ریوتی "بتیسوین"

ٹھکرائن "نارائن کرے ابھی ایسے ایسے سو دن ہمین اور دیکھنے نصیب ہون"

ریوتی۔ "ٹھکرائن۔ تمہاری زبان مبارک ہو۔ بڑے بڑے جنتر منتر کئے ہین تب تمہ گون کی دعا سے یہ دن دیکھنا نصیب ہوا ہے یہ توساتوین ہی سال مین تھے کہ انکے جان کے لالے پڑگئے۔ گڑیون کا میلہ دیکھنے گئی تھی۔ یہ پانی مین گر پڑے۔ بارے ایک مہاتما نے انکی جان بچائی۔ انکی جان اُنھین کی دی ہوئی ہے۔ بہت تلاش کرایا مگر اُنکا نہ پتہ چلا۔ ہر برس گانٹھ پر انکے نام سے سوروپیہ نکال رکھتی ہون۔ دو ہزار سے کچھ اوپنچا ہوگیا ہے۔ بچہ کی نیت ہے کہ انکے نام سے سری پور مین ایک مندر بنوادین۔ سچ مانو ٹھکرائن۔ ایکبار اُنکے درشن ملجاتے تو زندگی سپھل ہوجاتی۔ جی کی ہوس نکال لیتے"

ریوتی جب خاموش ہوئی تو ٹھکرائن کی آنکھون سے آنسو جاری تھے۔

دوسرے دن ایک طرف ہیرامن کی سالگرہ کا جشن تھا۔ اور دوسری طرف تخت سنگھ کے کھیت نیلام ہورہے تھے۔

ٹھکرائن بولی "مین ریوتی رانی کے پاس جاکر دہائی مچاتی ہون"

تخت سنگھ نے جواب دیا "میرے جیتے جی نہین"

(۵)

اساڑھ کا مہینہ آیا۔ سیگھ راج نے اپنی جان بخش دیا۔ سبھی کسان سری پور کے اپنے اپنے کھیت جوتنے چلے۔ تخت سنگھ کی حسرتناک اور آرزومند نگاہین اُنکے ساتھ ساتھ جاتین۔ یہانتک کہ زمین اُنھین اپنے دامن مین چھپا لیتی۔

تخت سنگھ کے پاس ایک گاے تھی۔ وہ اب دن کے

دن اُسے چرایا کرتا۔ اُسکی زندگی کا اب یہی ایک سہارا تھا۔ اُسکے اُپلے اور دودھ بیچکر گذران کرتا۔ کبھی کبھی فاقے کرنا پڑجاتے۔ یہ سب مصیبتیں اُسنے جھیلیں۔ مگر اپنی بینوائی کا رونا رونے کے لئے ایک دن بھی ہیرامن کے پاس نہ گیا۔ ہیرامن نے اُسے زیر کرنا چاہا تھا مگر خود زیر ہوگیا۔ جتنے پر بھی اُسکی ہار ہوئی۔ پُرانے لوہے کو اپنی کمینہ ضد کی آنچ سے نہ جُھکا سکا۔

ایک دن ریوتی نے کہا "بیٹا! اتنے غریب کو ستایا۔ اچھا نہ کیا۔"

ہیرامن نے تیز ہوکر جواب دیا "وہ غریب نہیں ہے۔ اُسکا گھمنڈ میں توڑ دونگا۔"

ثروت کے نشے میں متوالا زمیندار وہ نہ تو اپنی فکر میں تھا جسکا وجود ہی نہ تھا۔ جیسے بے سمجھ بچہ اپنی پرچھائیں سے لڑنے لگتا ہے۔

(۶)

سال بھر تخت سنگھ نے جون توں کرکے کاٹا۔ پھر برسات آئی اُسکا گھر چھایا نہ گیا تھا۔ کئی دن تک موسلا دھار مینہ برسا تو مکان کا ایک حصہ گر پڑا۔ گائے دہان بندھی ہوئی تھی دبکر مرگئی۔ تخت سنگھ کے بھی سخت چوٹ آئی۔ اُسی دن اُسے بخار آنا شروع ہوا۔ دوا دارو کون کرتا۔ روزی کا سہارا تھا وہ بھی ٹوٹا۔ ظالم۔ بد نصیبت نے کچل ڈالا۔ سارا مکان پانی سے بھرا ہوا۔ گھر میں اناج کا ایک دانہ نہیں۔ اندھیرے میں پڑا ہوا کراہ رہا تھا کہ ریوتی اُسکے گھر گئی۔ تخت سنگھ نے آنکھیں کھولدیں اور پوچھا کون ہے؟"

ٹھکرائن۔ "ریوتی رانی ہیں۔"

تخت سنگھ۔ "میرے دھن بھاگ۔ مجھے بڑی دیا کی۔"

ریوتی نے شرمندہ ہوکر کہا "ٹھکرائن۔ ایشور جانتا ہے میں اپنے بیٹے سے حیران ہوں۔ تمہیں جو تکلیف ہو مجھسے کہو۔ تمہارے اوپر ایسی آفت پڑگئی اور ہم سے خبر تک نہ کی۔"

یہ کہکر ریوتی نے روپیوں کی ایک چھوٹی سی پوٹلی ٹھکرائن کے سامنے رکھدی۔

روپیوں کی جھنکار سُنکر تخت سنگھ اُٹھ بیٹھا اور بولا۔ "رانی ہم اسکے بھوکے نہیں ہیں۔ مرتے دم گنہگار نکرو۔"

دوسرے دن ہیرامن بھی اپنے ہواخواہوں کو لئے اُدھر سے جانکلا۔ گرا ہوا مکان دیکھکر مسکرایا۔ اُسکے دل نے کہا آخر میں نے اسکا گھمنڈ توڑ دیا۔ مکان کے اندر جاکر بولا "ٹھاکر اب کیا حال ہے؟"

ٹھاکر نے آہستہ سے کہا "سب ایشور کی دیا ہے۔ آپ کیسے بھول پڑے؟"

ہیرامن کو دوسری بازک ملی۔ اُسکی یہ آرزو کہ تخت سنگھ میرے پیروں کو آنکھوں سے چومے اب بھی پوری نہ ہوئی۔ اُسی رات کو غریب۔ آزاد منش۔ ایماندار۔ بیغرض ٹھاکر اس دُنیا سے رخصت ہوگیا۔

(۷)

بوڑھی ٹھکرائن اب دُنیا میں اکیلی تھی۔ کوئی اُسکے غم کا شریک اور اُسکے مرنے پر آنسو بہانے والا نہ تھا۔ بینوائی اور بے مانگی نے غم کی آنچ اور تیز کر دی تھی۔ سامان فراغت موت کے زخم کو گو بھر نہ سکیں۔ مگر مرہم کا کام ضرور دیتے ہیں۔

فکر معاش بُری بلا ہے۔ ٹھکرائن اب کھیت اور چراگاہ سے گوبر چُن لاتی اور اُپلے بناکر بیچتی۔ اُسے لاٹھی ٹیکتے ہوئے کھیتوں کو جاتے اور گوبر کا ٹوکرا سر پر رکھکر بوجھ سے ہانپتے ہوئے

آتے دیکھیا سخت دردناک تھا۔ یہانتک کہ ہیرامن کو بھی اُسپر ترس آگیا۔ ایک دن اُنھون نے آٹا دال چاول تھالیون مین رکھکر اُسکے پاس بھیجا۔ ریوتی خود لیکر گئی۔ مگر بوڑھی ٹھکرائن آنکھون مین آنسو بھرکر بولی "ریوتی جبتک آنکھون سے سوجھتا ہے اور ہاتھ پیر چلتے ہین مجھے اور مرنے والے کو گنہگار نکرو"۔

اُس دن سے ہیرامن کو پھر اُسکے ساتھ عملی ہمدردی کرنے کی جرأت نہوئی۔

ایک دن ریوتی نے ٹھکرائن سے اُپلے مول لئے۔ گانون مین پیسے کے تیس اُپلے بکتے تھے۔ اُسنے چاہا کہ اس سے بیس ہی اُپلے لون۔ اُس دن سے ٹھکرائن نے اُسکے یہان اُپلے لانا بند کردیا۔

ایسی دیویان دُنیا مین کتنی ہین! کیا وہ اتنا نہ جانتی تھی کہ ایک راز سربستہ زبان پر لاکر مین اپنی جانکا زیون کا خاتمہ کرسکتی ہون۔ مگر پھر وہ احسان کا بدلہ نہوجائیگا۔ مثل مشہور ہے نیکی کر اور دریا مین ڈال۔ شاید اُسکے دل مین کبھی یہ خیال ہی نہین آیا کہ مین نے ریوتی پر کوئی احسان کیا ہے۔

یہ وضعدار۔ آن پر مرنیوالی عورت شوہر کے مرنے کے بعد تین سال تک زندہ رہی۔ یہ زمانہ اُسنے جس تکلیف سے کاٹا اُسے یاد کرکے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہین۔ کئی کئی دن فاقے سے گذر جاتے۔ کبھی گوبر نہ ملتا۔ کبھی کوئی اُپلے چُرا لیجاتا۔ ایشور کی مرضی! کسی کا گھر بھرا ہوا ہے۔ کھانے والے نہین۔ کوئی یون رو رو کر زندگی کے دن کاٹتا ہے۔

بُڑھیا نے یہ سب دُکھ جھیلا۔ مگر کبھی کسی کے سامنے ہاتھ نہین پھیلایا۔

(۸)

ہیرامن کی بیوی ساگرہ آئی۔ ڈھول کی سُہانی آواز سُنائی دینے لگی۔ ایک طرف گھی کی پوریان پک رہی تھین۔ دوسری طرف تیل کی۔ گھی کی موٹے معزز برہمنون کے لئے۔ تیل کی غریب۔ فاقہ کش نیچون کے لئے۔

یکایک ایک عورت نے ریوتی سے آکر کہا "ٹھکرائن جانے کیسی ہوئی جاتی ہین۔ تمہین بُلا رہی ہین"۔

ریوتی نے دل مین کہا ایشور آج تو خیریت سے کاٹنا کہین بُڑھیا مرنہ رہی ہو"۔

یہ سوچکر وہ بڑھیا کے پاس نہ گئی۔ ہیرامن نے جب دیکھا امّان نہین جانا چاہتین تو خود چلا۔ ٹھکرائن پر اُسے کچھ دنون سے رحم آنے لگا تھا۔ مگر ریوتی مکان کے دروازہ تک اُسے منع کرنے آئی۔ یہ رحمدل۔ نیک مزاج۔ شریف ریوتی تھی۔

ہیرامن ٹھکرائن کے مکان پر پہونچا تو وہان بالکل سناٹا چھایا ہوا تھا۔ بوڑھی عورت کا چہرہ زرد تھا اور جان کندنی کی حالت طاری تھی۔ ہیرامن نے زور سے کہا "ٹھکرائن! مین ہون ہیرامن!"

ٹھکرائن نے آنکھین کھولین اور اشارہ سے اُسے اپنا سر نزدیک لانے کو کہا۔ پھر رُک رُک کر بولی "میرے سرہانے پٹاری مین ٹھاکر کی ہڈیان رکھی ہوئی ہین۔ میرے سہاگ کا سیندور بھی وہین ہے۔ یہ دونون پراگ راج بھیجدینا۔

یہ کہکر اُسنے آنکھین بند کرلین۔ ہیرامن نے پٹاری کھولی تو دونون چیزین بحفاظت رکھی ہوئی تھین۔ ایک پوٹلی مین دس روپئے بھی رکھے ہوئے ملے۔ یہ شاید جانے والے کا زادراہ تھا۔

رات کو ٹھکرائن کی تکلیفون کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا۔

اُسی رات کو ریوتی نے خواب دیکھا۔ ساون کا مہینہ ہے۔ گھٹائین چھائی ہوئی ہین۔ مین کیرت ساگر کے کنارے کھڑی ہون۔

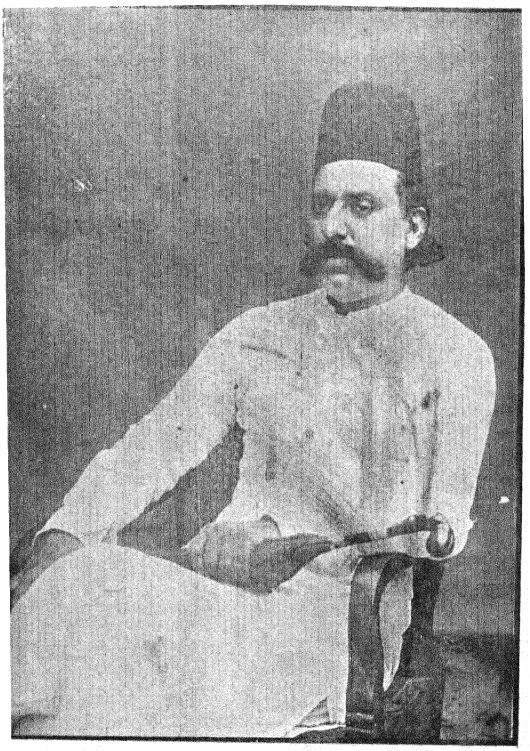

حضرت ریاض

انڈین پریس الہ آباد

اتنے مین ہیرامن پانی مین پھسل پڑا۔ مین چھاتی پیٹ پیٹ کر رونے لگی۔ دفعتہً ایک بوڑھا آدمی پانی مین کود پڑا اور ہیرامن کو نکال لایا۔ ریوتی اُسکے پیرون پر گر پڑی اور بولی "آپ کون ہین؟"

اُسنے جواب دیا۔ "مین سری پور مین رہتا ہون میرا نام ہے تخت سنگھ"۔

سری پور اب بھی ہیرامن کے قبضے مین ہے۔ مگر اب اُسکی رونق دوچند ہوگئی ہے۔ وہان جاؤ تو دور سے شوالے کا سنہرا کلس دکھائی دینے لگتا ہے جس جگہ تخت سنگھ کا مکان تھا۔ وہین اب یہ شوالہ بنا ہوا ہے۔ اُسکے سامنے ایک پختہ کنوان اور پختہ دھرم سالہ ہے۔ مسافر یہان ٹھیرتے ہین اور تخت سنگھ کا جو گاتے ہین۔ یہ شوالہ اور دھرم سالہ دونون اُسیکے نام سے مشہور ہین

د۔ ر

حضرت ریاض

ہندوستان مین کون ایسا شخص ہے جو حضرت ریاض کو نہ جانتا ہو۔ ریاض الاخبار آج عمدہ لٹریچر مین انھین کے زور قلم سے ایک ممتاز اخبار ہے۔ ریاض کی شوخ طبیعت اور چلبلی تخیل ابتداے شاعری سے اپنی چمک دمک دکھا رہی تھی۔ آپ کا نام منشی سید ریاض الدین احمد اور تخلص ریاض ہے۔ آپ کے والد مولوی سید طفیل احمد صاحب بڑے پایے کے عالم تھے۔ مولد کے اعتبار سے آپ خیرآبادی ہین۔ خیرآباد ممالک متحدہ مین ایک ممتاز قصبہ ہے جسکی خاک سے شاہر علما اور فضلا پیدا ہوئے لیکن آپ کی شاعری کا وطن لکھنؤ ہے۔ ابھی آپ خیرآباد کے مدرسۂ عربیہ مین تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ یکایک طبیعت شعر و سخن کیطرف مائل ہوئی۔ عنفوان شباب تھا۔ اس زمانے مین اسیر مرحوم کی شاعری کا طوطی بول رہا تھا۔ آپ اسیر کے شاگرد ہوئے اور اُستاد سے ملنے کی غرض سے لکھنؤ مین آئے۔ چند روز کے بعد خیرآباد سے ایک ماہوار رسالہ (گلدستۂ ریاض) نکالا۔ اسیر مغفور کی توجہ سے اس ماہوار گلدستے نے بہت ترقی کی اُردو زبان کا یہ پہلا گلدستہ تھا جسکو تمام شاعر پسند کرتے تھے۔ ریاض کی ابتدائی شاعری سب کو پسند آئی اور آپ کو اپنی خداداد طبیعت کی بہت کچھ داد ملی۔

اسکے بعد ریاض الاخبار خیرآباد سے جاری کیا جسکی تاریخ اشاعت "لمعۂ رخشان" ہے شاعری کے شوق اور طبیعت کی مناسبت سے آپ خیرآباد سے اپنا دفتر لکھنؤ اُٹھا لائے بہت دنون ریاض الاخبار لکھنؤ سے جاری رہا۔

ریاض کو ہمیشہ لکھنؤ مین قیام کرنے کا شوق رہا اور وہ اُسوقت اور موقع کی تلاش مین تھے کہ کوئی صورت لکھنؤ مین قیام کی نکل آئے۔

مگر افسوس لکھنؤ مین آپ کے مصارف اخبار سے نہ نکلے اور آخر آپ کو اپنا دفتر گورکھپور منتقل کرنا پڑا۔

گورکھپور مین ریاض الاخبار نے (حکام اور رؤسا کی علمی قدردانی سے) بہت ترقی کی۔ ادھر گورنمنٹی ملازمت کا سلسلہ نکل آیا اور منشی ریاض احمد صاحب سپیشل سپرنٹنڈنٹ پولیس ہوگئے۔

ریاض الاخبار گورنمنٹ اور ملکی خیر خواہی کی بدولت ترقی کرنے لگا۔ کاملہ ۲ ریاض کی اشاعت کے بعد حضرت علی آشیان نواب کلب علیخان بہادر فرمانروائے ریاست رام پور کو توجہ ہوئی۔

اس زمانے میں آپ کی قدر افزائیوں کی شہرت عالمگیر تھی اور دربار رامپور میں میر۔ عروج۔ تجر۔ آغا ہجو ہندی قلق۔ امیر۔ داغ۔ جلال وغیرہ مشاہیر فن حاضر تھے۔ حضور نے محض قدردانی سے حضرت ریاض کو طلب فرما کر خلعت اور زر نقد سے ممتاز فرمایا۔ مگر افسوس ہے آپ قیام نہ فرما سکے۔

حضرت ریاض کی عمر کا زیادہ حصہ تعلقات کی بنا پر گورکھپور میں گذرا۔

ریاض الاخبار کی شہرت کے زمانے میں آپ نے ایک چھوٹا سا رسالہ نظم و نثر کا "فتنہ اور عطر فتنہ" کے نام سے ہفتہ وار جاری کیا۔

ریاض نے اپنی ذاتی قابلیت اور جوہر شناسوں کی قدردانی سے نہایت خوشحالی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ شرافت کے اعتبار سے بھی ریاض کا پایہ بہت بلند ہے۔ آپ سادات کرمانی سے ہیں۔ آپ کے مورث اعلیٰ شاہ شجاع دالی کرمان اپنے وطن سے خیر آباد تشریف لائے۔ آپ کا خاندان ہمیشہ معزز اور موقر رہا۔

ریاض اپنی زندگی کے پچاس سال گورکھپور کی نذر کر چکے تو آپ کے دل میں لکھنؤ کی محبت نے گدگدی کی۔ گورکھپور سے لکھنؤ آنے میں آپ کا بہت کچھ مالی نقصان ہوا لیکن اس سب کو آپ نے گوارا کیا۔ چنانچہ ایک مقطع میں آپ فرماتے ہیں:

ریاض تھی جو مقدر میں بازگشت شباب
جوان ہونے کو پھری میں لکھنؤ آئے

ریاض خلیق۔ ملنسار۔ اور متواضع آدمی ہیں۔ آپ کے بہت سے شاگرد اطراف ہند میں موجود ہیں مگر کبھی آپ نے اس بات پر فخر نہیں کیا۔

ریاض کے کلام میں شوخی کے علاوہ شوکت الفاظ اور بلند پروازی اور نازک خیالی بہت ہے اور عموماً کلام شاعر کے سقم سے بہت پاک ہے۔ زبان اور روزمرہ کے محاورے میں ان صاف مطلب ادا کرنا جس سے سننے والے کے دل پر اثر ہو ریاض کا خاص حصہ ہے۔

ریاض الاخبار ہمیشہ زبان کی خدمت کے لحاظ سے ممتاز رہا ہے۔ جس زمانے میں منشی امیر احمد کا پہلا دیوان چھپا ہے اور مولوی غلام محمد خان تپش مرحوم اڈیٹر اخبار شیر قیصر نے اعتراض کئے ہیں تو اسکے جواب جو منشی ریاض احمد نے اپنی قابلیت سے لکھے ہیں وہ قابل دید ہیں۔

دوسرا معرکہ ریاض الاخبار میں امیر اللغات کے متعلق ہے۔ مولوی غلام محمد تپش مرحوم کے اعتراضات اور منشی ریاض احمد کے معقول جواب اور چلبلی چوٹیں بڑے مزے کی ہیں۔ آپ جہاں رہے کچھ نہ کچھ زبان کی خدمت ضرور کرتے رہے۔

ابتدا میں ریاض کو مشاعروں میں شریک ہونے کا بہت شوق تھا اور کوئی مشاعرہ ایسا نہ ہوتا تھا جسمیں ریاض کوئی گلدستہ ایسا نہ تھا جسمیں ریاض کی غزل نہ ہو۔ یہ ایک یادگار طرح ہے اور منشی نثار حسین کی فرمایش ہے کہ گلدستہ لکھا ہوا رکھا ہے۔ تمہاری غزل کا انتظار ہے۔ آپ نے قلم اٹھایا اور غزل موجود۔

لیکن اب مشاعروں میں جانا یکقلم موقوف اور غزل کا یہ حال ہے کہ ان دوستوں سے تو مجبور ہیں جنسے بے تکلفی

ہے باقی سب سے عذر بارد۔

ریاض کا سن اسوقت پچاس برس کا ہے لیکن طبیعت جوان اور بذلہ سنج۔ لطف یہ ہے کہ آپ کسی صحبت مین بار خاطر نہین ہوتے جو آپ کے کلام سے ظاہر ہے۔

دوری راہ سے مجھ بیٹھ گیا دل میرا — پاؤن کیا خاک اُٹھے اب سوے منزل میرا
رنگ نا مدعا ہے چمن مین یہ فغان نے میری — چپکے سُنہ دیکھتے رہتے ہین عنادل میرا
آستین رنگ یہ لے آئی لہو دے نکلی — نہ چھپا لاکھ چھپا حشر مین قاتل میرا
بزم متوالی تھی کیا خم سے اڑا لی مینے — ہاتھ تھامانہ کسی نے سر محفل میرا
کچھ عجب لطف سے مل جل کے رہا ایک سے ایک — غم تو اجان مری رنج تو دل میرا
یہ مرا ہو کے رہا بعد فنا تربت مین — جان سے بھی ہے سوا میرے لئے دل میرا

جو کھلا پھول بنا زخم مرے دل کا ریاض
جو کلی رہگئی کھلنے سے بنی دل میرا

یہ کسکے سایۂ دیوار نے مجھے پیسا — یہ کون ٹوٹ پڑا مجھپہ آسمان کی طرح
رہ حیات کٹی اسطرح کہ اُٹھ اُٹھکر — مین بیٹھ بیٹھ گیا گرد کارواں کی طرح
ہمین ہے گھر سے تعلق اب اسقدر باقی — کبھی جو آئے تو دو دن کو مہمان کی طرح
گیا چمن مین تو جھک کر بہت ملین شاخین — لیا گلون نے مجھے میرے آشیان کی طرح
مجھے شباب نے مارا بلائے جان بنکر — بہار آئی مرے باغ مین خزان کی طرح

ریاض موت ہے اس شرط سے ہمین منظور
زمین بتائے نہ مرنے پہ آسمان کی طرح

خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت

چارمینار

گورنمنٹ نظام کے پایۂ تخت (حیدرآباد) مین یون تو بہت سی قابل دید عمارت ہین۔ مگر چارمینار ان مین سب سے عمدہ اور خوبصورت عمارت سمجھی جاتی ہے۔ ممکن نہین کہ کوئی سیاح حیدرآباد مین آئے اور چارمینار پر اُسکی نظر نہ پڑے اور وہ اسکی تعریف کئے بغیر رہ سکے یوسیو تھیونو Thevenot فرانسیسی سیاح جو سلطان عبداللہ قطب شاہ ۱۰۳۵ھ/۱۶۲۵ء سے ۱۰۸۳ھ/۱۶۷۲ء کے عہد حکومت مین حیدرآباد مین آیا تھا۔ اسکی نسبت لکھتا ہے۔ "شہر بھر مین جیسی یہ عمارت باہر سے خوشنما دکھائی دیتی ہے ویسی اور کوئی نہین"[1]

چارمینار شہر کے عین وسط مین واقع ہے۔ چونسٹھ (۶۴) گز مربع عمارت ہے۔ اسکے چارون رُخ مشرق مغرب۔ شمال جنوب کو ٹھیک ٹھیک قائم کئے گئے ہین۔ اسکی ہر سمت (۶۰) فیٹ چوڑی (۴۲) فیٹ اونچی ہے۔ چارون طرف چار بڑی بڑی محرابین ہین جو چوبیس ۲۴ چوبیس ۲۴ فیٹ بلند اور تیئس تیئس ۲۳ فیٹ چوڑی ہین اور انکے مقابل چار بڑی بڑی سڑکین نکلی ہین۔ اسکی سب سے پہلی چھت گنبد کی طرح بنائی گئی ہے اور اندرونی جگہ ایسی ہی کھلی ہوئی ہے جیسے کہ باہر کی جانب برآمدے کھلے ہوئے ہین۔ دیوارین آمد و رفت کے لئے متعدد دروازے بنے ہوئے ہین۔ اس چھت کے اوپر دو اور منزلین ہین جنکے بیرونی طرف محرابین بنی ہوئی ہین۔ عمارت کے چارون گوشون پر ۱۸ فٹ اونچے

[1] سیاحت نامہ موسیو تھیونو صفحہ ۸۲

چارمینار ہین۔ انکا ارتفاع اسّی اسّی فیٹ ہے۔ ہر مینار کے چار درجے ہین جنکے بیرونی خون پر خوبصورت محراب دار کٹہرکیان بنی ہوئی ہین۔ تمام عمارت پر بیل بوٹے بنائے گئے ہین۔ یہ عمارت شہر سے باہر بہت دور سے نظر آتی ہے۔ اسکے میناروں پر چڑھنے سے اطرافِ شہر کے آٹھ آٹھ دس دس کوس تک کا نظارہ ہوتا ہے۔

چارمینار سلطان محمد قلی قطب شاہ ۹۸۰ھ/۱۵۸۰ء۔ ۱۰۲۰ھ/۱۶۱۱ء کا بنایا ہوا ہے۔ ۱۰۰۰ھ/۱۵۹۱ء مین اسکی تعمیر شروع ہوئی[۱] "یا حافظ" سے تاریخ نکلتی ہے۔ مورخین نے تعمیر کے مختلف وجوہات بیان کئے ہین۔ بعض کہتے ہین کہ سلطان محمد قلی کو منظور تھا کہ شہر کی آبادی مشہد مقدس کی طرح ہو اسلئے اُسنے حضرت امام ضامن علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام کے روضۂ مقدس کے عوض چارمینار تعمیر کرایا[۲]۔ بعض کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ جبکہ حیدرآباد بسا تو شہر اور قلعہ مین وبا پھیلی تھی۔ اس وبا کے دُور کرنے کے لئے یہان کے باشندون نے ایک تعزیہ اور علم نکالا۔ اتفاقاً بیماری کا زور جاتا رہا۔ اسکی یادگار مین بادشاہ نے یہ چارمینار بنوادیا[۳]۔ یہ روایت صحیح ہو تو تعجب نہین کیونکہ چارمینار کی صورت ایک عظیم الشان تعزیہ کی سی معلوم ہوتی ہے۔

عہد قطب شاہی مین اُن دونون منزلون سے جو نیچے ہین بالاخانون کے ہین پہلی منزل پر مدرسہ تھا اور طلبا کی سکونت کے لئے حجرے بنے ہوئے تھے۔ دوسری منزل مسجد اور خزانہ آب کا کام دیتی تھی[۴]۔ یہان چھوٹی سی مسجد جو نہایت خوبصورت ہے۔ اسوقت بھی موجود ہے۔ خزانہ آب مدوّر اور خوبصورتی ہے۔ کوکاپل سے بذریعہ نہرون کے اسمین پانی آتا تھا اور یہان سے محلات شاہی مین جاتا تھا[۵]۔ اتنی بلندی پر اس خزانہ آب کے بنانیکی وجہ یہ تھی کہ یہان سے محلات کے تمام حصّون مین پانی جاسکے اور وہان جو اونچے ہین کرے ہین اُنمین بھی پانی پہونچ سکے[۶]۔

چارمینار کی تعمیر پر دو لاکھ ہون[۷] صرف ہوئے ہین[۸]۔ چونکہ استادِ ماہ استرکاری کے جھڑ جانے سے عمارت کی حالت خراب ہوگئی تھی جسکی مرمت ۱۲۵۸ھ مین حضرت غفران منزل نامور الدولہ (۱۲۴۴ھ/۱۸۲۸ء۔ ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۶ء) نے کرادی[۹]۔ ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء مین سر سالار جنگ اعظم نے عمارت کے گرد لوہے کا کٹہرہ لگوادیا۔

حکیم سید شمس اللہ قادری

---

[۱] تاریخ گلزار آصفیہ صفحہ ۲۱۔

[۲] سلسلۂ آصفیہ جلد چہارم صفحہ ۳۲۷۔

[۳] سلسلۂ آصفیہ جلد چہارم صفحہ ۳۲۷۔

[۴] ہون دکن کے قدیم طلائی سکہ کا نام ہے۔ اہل یورپ اسکو پگوڈا بولتے ہین قیمت اسکی ۳ ½ گلزار کے برابر ہوتی تھی۔

[۵] گلزار آصفیہ صفحہ ۲۱۔

[۶] تاریخ گلزار آصفیہ صفحہ ۲۱۔ محبوب السلاطین صفحہ ۳۵۲۔

[۷] تاریخ قطب شاہی۔ حدیقۃ العالم جلد اول صفحہ ۲۱۷۔ گلزار آصفیہ صفحہ ۲۱۔

[۸] سیاحت مرسیو تھیونو صفحہ ۸۶۔

[۹] محبوب السلاطین صفحہ ۳۵۲۔

مالوہ

قصۂ پارینہ ہے گو اب بیانِ مالوہ ہے عجب دلچسپ لیکن داستانِ مالوہ
ذرّہ ذرّہ اس زمین کا گو ہے تاریخ ہے پتّہ پتّہ اس چمن کا دفترِ تاریخ ہے
یاد آیا میکہ روشن تھا چراغ اس ملک کا
کیف افزائے دل و جان تھا ایاغ اس ملک کا

سرزمینِ مالوہ! اُو عظمتِ عظمت نشان اب بھی افسانے ترے دُنیا میں ہیں ورد زبان
رشکِ گلزارِ جنان تھا آہ کاشانہ ترا غیرتِ صد کانِ سیم و زر تھا ویرانہ ترا
ایک بیرا تو بھی تھا انمول کانِ ہند میں پھول یا خرشنگ کوئی گلستانِ ہند میں
خطّۂ نیر تجھ میں جس سا برستا تھا کبھی تیری دولت کیلئے قارون ترستا تھا کبھی
آہ وہ سبزی و شادابی ترے گلزار کی گوہر افشانی وہ تیرے ابر گوہر بار کی
میکدے میں تھا جو افشاں تیرے ابر نوبہار آہ تیری صحبت مے اُن وہ تیرے میگسار
آہ وہ ارزانیِ جنسِ مسرت آہ آہ اور فراوانی وہ متاعِ علم و حکمت آہ آہ

اندنوں گو **مالوہ** تو خانماں برباد ہے
آجتک تاریخ کو تیری کہانی یاد ہے

یہ خزاں بھی ہے تیری غیرت فروشِ نصلِ گل یاد آیا میکہ تھا گلشن میں جوشِ فصلِ گل
ہے مخالف گر ہوائے دہر تجھ سے کیا ہُوا روح پرور اب بھی ہے تیرا گلستاں کی بَوا
قابلِ تعظیم اب بھی ہیں یہ مانڈو[1] کے کھنڈر ان خزف ریزوں کی ہیں میں جو بیشتر
ہے بظاہر آبکل اُجّین بے نام و نشاں
چشمِ باطن دیکھتی ہے اور ہی جلوے یہاں

بزمِ عظم سادہ فرمانروا عالی ھمم عدل جو انصاف پرور مالکِ سیف و قلم
جس سارے علم و فن کے لوگ تھے دربار میں تھے شگفتہ پھول رنگا رنگ کے گلزار میں
ہند کا وہ بُلبلِ شیریں بیان شیریں سخن گونجتا تھا جسکے نغموں سے کبھی سارا چمن
جسکا ایجاد "ڈراما" طرۂ دستار تھا وہ بھی اس دربار کا اک خاشیہ بردار تھا
ہیں یہ بیجاگڈھ کی دیواریں شکستہ کہہ رہی
غم عیں ہے اندنوں حالت اگر اپنی رہی

لائقِ تکریم اک اک سنگریزہ ہے یہاں سرزمیں تھی یہ کبھی خجلت دہِ صد آسماں

خاندان میں جیسے ہوتا ہے بڑا بوڑھا کوئی عزّت اُسکی اقربا و خویش کرتے ہیں سبھی
یوں ہی ذی توقیر ہے ہندوستان میں مالوہ! ہے تجھے تقدیم اہلِ خاندان میں مالوہ!
اب بھی قبضے میں ترے ہے فخر و عزّت کی سند
پا چکا ہے روز اوّل تو قدامت کی سند

سید محمد فاروق (شاہجہانپوری)

سودائے عشق

مئے سوزِ عاشقی کا، جو نصیب جام ہوتا میں سحر کو بھی نہ بجھتا، وہ چراغِ شام ہوتا
وہ جگر کا داغ بنتا، دمِ حشر بھی نہ مٹتا دل و جان کو پھونک دیتا، وہ تپِ دوام ہوتا
نہ میں بجھنے والا شعلہ، نہ شرارِ خام ہوتا

شبِ غم میں بجلیوں کی کسی چشم تر سے آنسو میں نہ ان کو تاڑتا، نہیں مجھکو یہ گوارا
شبِ تار میں نہ چمکتا، ہو اپھ بنکے جگنو جو فروغِ عشق دیتا مجھے برقِ فتنہ آرا
میں جگر پہ داغ کھا کھا کے سہ ہتسام ہوتا

کسی سہ لقا کے غم میں دمِ سرد و شب کو بھرتا کسی انجمن میں بنتا، میں سرودِ عاشقانہ
کبھی سر پہ خاک اُڑاتا، کبھی آہ و نالہ کرتا مری شورشوں کا ہوتا تابِ خلقِ پر فسانہ
مرے دشمنوں کو یارب غمِ ننگ و نام ہوتا

دلِ بیقرار ملتا جو مجھے مزا پیش رس کا مجھے کیا پڑی تھی منت جو میں کرتا چارہ گر کی

---

[1] سلاطین مالوہ کا قدیم دارالسلطنت۔ یہاں علاوہ ایک پرانے قلعہ کے گذشتہ تمدن کی اور کئی یادگاریں ابتک موجود ہیں۔

[2] یعنی ہندوستان کا مشہور شاعر اور "ایوان ڈراما" کا اولین معمار کالیداس جو راجہ بکرماجیت کے دربار کا ملک الشعراء تھا۔

جو زمانہ ذوق دیتا مجھے لذتِ خلش کا وہ جگر پہ چوٹ کھاتا کسی دشنۂ نظر کی
مرے زخمون کو نہ ہرگز کبھی التیام ہوتا

جو ازل مین آہ! ملتا دلِ حق شناس مجھکو نہ جنون کا عشق ہوتا، نہ غمِ مجاز ہوتا
نہ قلق جفا کا ہوتا، نہ وفا کا پاس مجھکو کسی چشمِ سرگیں کا نہ شہید ناز ہوتا
کسی زُلفِ پُرشکن مین نہ اسیر دام ہوتا

نہ کسی کی نوکِ مژگان کی خلش جگر مین ہوتی نہ کمندِ شوق حلقے کسی زلفِ عنبریں کے
شبِ غم مین تیرہ و تنہا نہ مری نظر مین ہوتی نہ زمانے بھر کے جھگڑے، نہ بکھیڑے ہوتے دنیا کے
مجھے تجھ سے کام ہوتا، تجھے مجھسے کام ہوتا

نہ چمن مین گُل کا شیدا، نہ مین عندلیب ہوتا نہ فلک سے برق گرتی، مری شاخِ آشیان پر
تو داغ سوزِ الفت جو مجھے نصیب ہوتا مین شرار بن کے اُڑتا شبِ غم مین آسمان پر
نہ ہلالِ عید بنتا، نہ مہ صیام ہوتا

تو جو بے حجاب ہوتا، تو مین زار زار روتا کہ ازل سے حُسن پنہان کا ہون تیرے کشتنی مین
مجھے شرم دید آتی، کہ ہجوم خلق ہوتا تجھے رشک سے اُٹھا کر نگاہ دیکھتا مین
دمِ حشر تیری رویت کا جو اذن عام ہوتا

پسِ پردہ ازل بھی ترے روشناس تھے ہم تجھے انجمن مین لاتا شوقِ خود نمائی
تیری رہگذر مین ہوتی صفِ خلق یون نہ برہم تری چال مین نہ ہوتی جو یہ شانِ دلربائی
تو قدم قدم پہ اک دلِ زدم حرام ہوتا

کبھی جیتے جی نہ جاتا درِ تنگدہ سے اُٹھکر یہین سختیان اُٹھاتا یہین سختیان اُٹھاتا
تیری جستجو مین پھرتا، بسان بادِ صرصر نہ طواف کعبہ کرتا، نہ حرم مین خاک اُڑاتا
اگر ان بتون پہ مرنا نہ مجھے حرام ہوتا

سرور (جہان آبادی)

کنول کا پھول

یہ دلفریب ادائین، یہ شان برنائی یہ رنگ و بو، یہ نزاکت، یہ حُسن و رعنائی
سحر کو یہ رُخِ گلگون پہ غازہ آرائی فضائے آب مین ہے تو طلسمِ یکتائی
شفق مین رنگ ہے شعلے مین ہے ضیا تیری
نظر فریب ہے ہر رنگ مین ادا تیری

شرابِ ناب سے گلگون ہے جامِ شوق ترا زمانہ طالبِ شربِ مدامِ شوق ترا
ہر ایک خانۂ دل مین مقامِ شوق ترا لبِ نسیم سحر پر پیامِ شوق ترا
بہارِ حُسن کا چھوٹا سا اک چمن ہے تو
نہین ہے گُل کوئی پھولون کی انجمن ہے تو

تو وہ چراغ ہے جسکو فروغ آب مین ہے غضب کا سحر تری شبنم خیز خواب مین ہے
عجب بہار ترے حُسن لاجواب مین ہے نہ یاسمن مین نزاکت نہ لالہ کلاب مین ہے
ہر ایک پھول سے انداز ہے جُدا تیرا
کہ دل نشین ہے عجب کنج پر فضا تیرا

بدلِ عشوۂ فردوس تو ہے پانی مین طلسمِ جلوۂ صد رنگ و بو ہے پانی مین
فروغِ رنگ سے شعلہ خو ہے پانی مین ہر ایک پھول کی تو آبرو ہے پانی مین
چمن مین لالہ و گل کو ہے آرزو تیری
ہوا پہ شبنمِ تر کو ہے جستجو تیری

عجب نشاط فزا ہے شرابِ ناب تری بلائین لیتا ہے ہر صبح آفتاب تری
کلیدِ حُسن ہے رعنائی شباب تری شکیبِ عشق کا شیرازہ ہے کتاب تری
مے نشاط سے گلگون ہے ہر ورق تیرا
مگر جریدۂ افسون ہے ہر ورق تیرا

تجلیان ہین تری زیرِ آب شعلہ فروش کہ آفتاب ہے زیرِ سحاب شعلہ فروش
فروغ مے سے ہے رخسار شباب شعلہ فروش مگر ہے آب مین رنگِ شراب شعلہ فروش
ہوا مین یا ہے کوئی تو ترانۂ خاموش

فسونِ ناکا ہے یا فسانۂ خاموشی

لبِ نسیم سحر پر ہے گفتگو تیری کشان کشان لئے پھرتی ہے بستجو تیری
ہزار دل سے ہے مجبور ترے کو آرزو تیری کہ مست رکھتی ہے صہبائے مشکبو تیری

فضائے آب مین سرمست جام ہے تیرا
شہید لذتِ شربِ مدام ہے تیرا

ترے چراغ پہ پروانہ وار گرتا ہے وفورِ شوق سے بے اختیار گرتا ہے
بلائین لیتا ہے ہو کر نثار گرتا ہے قریب آکے ترے بار بار گرتا ہے

یہ یخ دی یہ پروین کی نمش یہ عرقت شوق
ذرا سے کیڑے مین ہے کس بلا کی سعت شوق

یہ دھیمی دھیمی فغان اور یہ اشکبانی یہ جوشِ دردِ محبت، یہ نالہ فرسانی
یہ آستان پہ ترے شوق ناصیہ سانی یہ تیرے کنج مین دن بھر نسیم پانی

سوادِ شب مین بھی دھن ہے ترے ثبتان کی
مگر تلاش کسی کے ہے حسن پنہان کی

خراب بادۂ الفت ہے آشنا تیرا اسیرِ دامِ محبت ہے مبتلا تیرا
رگِ جنون مین ہے نشترِ خلش فرا تیرا خدا نما ہے مگر حسنِ خود نما تیرا

جگر کا داغ ہے روشن چراغ سے تیرے
مئے ازل کا ہے طالب، ایاغ سے تیرے

شاکر (میرٹھی)

مان کی تصویر

یہ اُردو نظم انگلستان کے ایک نامی شاعر **کوپر** کی انگریزی نظم کا ترجمہ ہے۔ شاعر موصوف کے عہدِ طفلی مین اُنکی مادرِ شفقہ کا سایۂ عاطفت سر سے اُٹھ گیا تھا۔ عرصۂ دراز کے بعد اُنکے کسی دوست نے اُنکی والدۂ مرحومہ کی تصویر تحفتہً انکو بھیجی۔ چنانچہ وہ تصویر مذکور کو سامنے رکھکر عالمِ خیال مین جو اُس سے گفتگو کر رہے ہین یہ نظم ہو ہو اُسکا نقشہ دکھاتی ہے۔ مترجم۔

تصویر رکھ کے مادرِ شفق کی روبرو پھر دیر تک اُس سے مین کرتا رہون گفتگو

اے مادرِ شفیق ذرا بول دیجئے دل مین پڑی ہے غم کی گرہ کھول دیجئے
یہ لب وہی ہین جنپہ تبسم بھی بے عیان بچپن مین جنسے آپ نے دی تھین تسلیان
اب بھی زبان حال سے کہتے ہین برملا بے سود رنج و غم ہے جو ہونا تھا وہ ہوا
وہ مہر و وہ پیار۔ محبت کی وہ نگاہ تصویر سے عیان ہے زہے قدرتِ الٰہ
یہ فن عجیب فن ہے جو زندہ رکھے مدام باقی نشان رہتا ہے مٹجائے گرچہ نام
امید کب تھی مجھکو یہ تصویر پاونگا دھو کے مین اپنی مان کے۔ گلے سے لگاونگا
اے یادگار مادرِ مشفق ترے نثار لکھتا ہون مین یہ نظم ہے کچھ تو یادگار
دیکھے سے تجھکو رنج مرا تازہ ہو گیا آتا ہے کب وہ ٹوٹ کے دُنیا سے جو گیا
تجھکو سمجھکے مادرِ مشفق خیال مین پہلو نکال لونگا خوشی کا ملال مین
اے مادرِ شفیق تجھے بھی ہے کچھ خبر سُنکر جو تیری مرگ کو رویا ترا پسر
آئی تھی اُسکے پاس کبھی تیری روح پاک؟ قسمت مین جسکی تھا کہ بچپن سے درد ناک
بوسہ لیا ہوا اُسکے لبون کا عجب نہین تسکین دل کا اور تو کوئی سبب نہین
بہتے ہوئے جو اشک نظر تجھکو آئے ہون بیکس پسر کو دیکھکے آنسو بہائے ہون
گو سا انان باغِ جنان سے ہے بیخ و در تصویر کہہ رہی ہے کہ ایسا ہوا ضرور
ہے یاد مجھکو ہائے وہ کیون دل ہوا ہے پاش گھنٹے کا بجنا۔ گاڑی مین لیجانا تیری لاش
کھڑکی سے تجھکو جھانک کے دیکھا یہ یاد ہے اور آخری سلام کیا تھا یہ یاد ہے
دیکھی جو تیری لاش بھری تھی اک آہِ سرد آنسو رواں ہوئے تھے اُٹھا تھا جگر مین درد
لیکن اب آپ پہونچی ہین ایسے جہان مین آوازِ الوداع نہ آئے گی کان مین
قسمت سے مین حضور کو جس روز پاونگا نصحت کا لفظ پھر نہ زبان پر لاونگا
دیتے تھے سب مجھے یہ تسلی کہ غم نہ کھا دم پھر مین تیری مان بھی آتی ہے مان جا
از بسکہ تھا خلل مرے ہوش و حواس مین صبح امید آئی نظر شام یاس مین
شام و سحر یہی مجھے بس انتظار تھا امید کب بر آئیگی دل بیقرار تھا
تیرنگی زمانہ تھی اور اک یہ بے گناہ بچپن سے دھوکے کھائے ہین مینے خدا گواہ

۱؎ یعنی فن تصویر کشی ۱۲

القصہ اس امید میں برسوں گذر گئے — آئین اگر نہ آپ تو ہم بھی نہ مر گئے
ہاں یہ ہوا کہ رنج کا جتنا ذخیرہ تھا — سارا اس انتظار میں وہ خرچ ہو گیا
قسمت پر اپنی صابر و شاکر ہوں اب تو مان — گو رنج کم نہ ہے آپ کو کھو لا نہیں ہوں میں
گھر تھا جو اپنا پہلے وہ اب گھر نہیں رہا — قبضہ ہمارا اُس پہ سراسر نہیں رہا
اولاد ہے اب اور ہوں کی اور اپنا باغ ہے — اس غم سے لالہ سان دل مضطر پہ داغ ہے
مالی ہمارا یاد ہے روبن تھا جس کا نام — لیجا نامہ سے مجھے اُسکا تھا ایک کام
پہنے لبادہ سرخ پر دیلے مخملی کلاہ — چھچھوٹی سی گاڑی یاد وہ آتی ہے آہ آہ
اپنا تھا جو وہ خیرون کا اب حصہ ہو گیا — لوگوں سے کہتے سُنتے کو اک قصہ ہو گیا
قبضہ کسی کا ہائے رہا کس پہ یاں سدا — کیا سچ ہے یہ مثل بھی کہ دُنیا ہے اک سرا
رہنا سمجھ کے چاہیے ایسے جہان میں — طوفان ہزاروں اٹھتے ہیں یاں ایک آن میں
باتیں ہزاروں دل سے مرے محو ہو گئیں — پر میہربانیاں تری بھولا کبھی نہیں
راتوں کو میرے کرب میں آتا تراعدام — اب کیا خبر مری تجھے ہو صبح یا کہ شام
تاکید نوکروں پہ کہ سردی نہ کھائے یہ — ہاں ہوشیار! دیکھیو کچھ دُکھ نہ پائے یہ
بسکٹ مٹھائی کھائے کو دُنیا وہ ہر سحر — گھر سے نکلتے وقت وہ رکھنا مری خبر
ہے یاد دیرے مُنہ کو وہ دھونا جناب کا — گالوں پہ میرے عطر لگانا گلاب کا
کہنے پہ میں جو آؤں تو باتیں ہزار ہیں — کیا کیا کہوں کہ لطف ترے بیشمار ہیں
ان سب سے بڑھکے پیار کی اُلفت کی وہ نظر — چہرہ وہ جس پہ چین جبیں کا نہ تھا خطر
اس عمر میں بھی یاد ہیں وہ سب عنایتیں — ہیں نقش لوحِ دل پہ وہ ساری حکایتیں
لکھتا ہوں صدق دل سے یہ اشعار آبدار — رو رو کے کر رہا ہوں یہ موتی ترے نثار
کرتا ہوں تیرے واسطے دن رات میں دعا — لکھکر یہ نظم میں نے کیا اپنا فرض ادا

قطعہ

بالفرض اگر یہ گردشِ دوراں بدل بھی جائے — بالفرض میرے دل کا یہ ارمان نکل بھی جائے
یعنی پھر انقلاب زمانہ سے دن وہ آئے — اے مان خدا حضور سے دُنیا میں پھر ملائے
گر پھر سے یہ عنایت پروردگار ہو — بچپن ہو میرا اور وہی تیرا کنار ہو
لب پر مرے ہنسی ہو اُدھر مسکراؤ تم — ہاتھوں سے اپنے سر کو مرے تھپتھپاؤ تم
بیٹھوں جو تیرے پاس تو ہو دور سب الم — کھیلوں ترے لباس کے پھولوں سے مہ بہم
حاشا پر ایسی خواہش بیجا کروں نہ میں — اس چند روزہ زیست پہ ہرگز مروں نہ میں
الفت تری زیادہ ہے دُنیا سے مجھکو ماں — ہرگز نہ ہو یہ مجھسے کہ تجھکو بلاؤں یاں
آزاد روح کو تری اس جا بلاؤں میں — اور قید زندگی میں تجھے پھر پھنساؤں میں

قطعہ دیگر

جیسے کوئی جہاز کہ طوفان ہزار ہو — موجیں اُدھر ہوں اور اُدھر تیز دھار ہو
لیکن سلامتی سے کنارے پہ جا لگے — بچ جائے ڈوبنے سے کچھ ایسی ہوا لگے
ٹھہرے جہاں وہ جاکے اک اچھا مقام ہو — باغِ ارم سے بڑھکے ہوا ایسا مقام ہو
موسم بھی خوشنما ہو ہوائیں بھی سرد سرد — پھولے ہوئے ہوں پھول کوئی رُخ کوئی زرد
اٹھلاتی ہو نسیم سحر صحنِ باغ میں — خوشبو گلوں کی لاتی ہو ہر دم دماغ میں
اے مان اسیطرح سے وہاں تم ہو پھولگیں — موجیں جہاں ہیں اور نہ طوفان ہے کہیں
والد بھی بحر ہستی نا پائدار سے — عرصہ ہوا کہ حادث سلامت گذر گئے
اللہ نے لکھا تھا یہی سرنوشت میں — ہو پختہ وہ آپ سے کہیں پہلے بہشت میں
لیکن ہزار حیف کہ ہم راہ میں رہے — مدت سے جو کچھ لکھتے تھے غدر میں وہ سب گئے
بے قسمتی سے منزلِ مقصد سے دُور ہیں — گم کردہ راہ ہو گئے گو بے قصور ہیں
ہر خیز اب یہ ہونے کو آیا ہے اپنا سن — منزل سے دور ہوتے ہی جاتے ہیں رات دن
یہ سوچکر کہ خوش ہیں مرے باپ اور مان — گذرے سیطرح سے مگر دل ہے شادمان
دعویٰ نہیں نہ یہ مجھکو کہ لولا دشا ہوں میں — دولت ہے پاس صاحبِ تخت و کلاہ ہوں میں
اس بات کا ہے فخر کہ اُنکا ہوں میں پسر — رہنے کو باغ خلد میں جسکو ملا ہے گھر

خاتمہ

اے مان اب الوداع کہ سب کام ہو چکا — میں ہنس چکا تمہارے تصور میں رو چکا
طفلی کے سارے عیش اُٹھائے خیال میں — سب لطف بچپنے نے دکھائے خیال میں
جو عیش کر چکا تھا وہ اب پھر منا لئے — جو لطف اُٹھا چکا تھا وہ اب پھر اُٹھا لئے
جب تک خیال کے پر پرواز ہیں درست — جبتک مرے حواس کے سب ساز ہیں درست
آئینۂ خیال میں تنویر دیکھکر — تسکین ہو گی دل کو یہ تصویر دیکھکر

حاضر مذبات خاص نہیں گو جہان میں موجود ہے نشان ترا اس نشان میں
وحشت زدہ پسر کی تسلی کے واسطے
کافی ہے یہ نشان تشفی کے واسطے
سید تصوف حسین۔ واصف

یادِ احباب

اے دوستو! بتاؤ کس حال میں ہو اب تم؟ ہو ٹوں پہ کیوں نہیں ہے وہ مسکراہٹ تبسم؟
آواز میں نہیں ہے کیوں نغمہ و ترنم؟ کیا ہو گئی بتاؤ وہ طاقتِ تکلم؟
ناراض کس لئے ہو خاموش کس لئے ہو
احباب باوفا سے روپوش کس لئے ہو

احباب مہرگستر اصحاب روح پرور دیدار کب تمہارا ہو گا ہمیں میسر
کس روز اب ملو گے اک دن کرو مقرر کچھ عذر ہو تو آئین ہم خود تمہارے گھر پر
سیدھو میں تم نہیں ہو دشوار زندگی ہے
قابو میں تم نہیں ہو بیکار زندگی ہے

اے انقلابِ دنیا اے گردشِ زمانہ اے روزگارِ فانی سن تو مرا فسانہ
کرتا ہوں یہ شکایت میں تجھ سے دوستو رکھتا نہ تھا جہان میں میں شرکتِ شبانہ
اک رند پارسا تھا اک مردِ باخدا تھا
محفل میں دوستوں کی اک یارِ باوفا تھا

دل تھا مرا حریص پیمانۂ محبت رہتا تھا رات دن میں دیوانۂ محبت
سنتا تھا اہلِ دل سے افسانۂ محبت اونچا تھا اک گدائے میخانۂ محبت
سرخوش رہا ہمیشہ پیمانہ وفا سے
آقی تھی نیند مجھ کو افسانہ وفا سے

تو نے ورق وہ الٹا وہ دور تو نے پلٹا آنکھوں میں میری اب تک پھرتا ہے سب وہ نقشا
جی بھر کے وہ تماشا دو دن بھی تو نہ دیکھا کیا ہو گئے وہ پرچے کیا ہو گئی وہ دنیا
وہ ہمنفس کہاں ہیں وہ ہمنشیں کہاں ہیں
وہ اہلِ دل کہاں ہیں وہ ہمنشیں کہاں ہیں

شیرازہ کُھل گیا سب دفتر ہوا پریشاں تھے جگمگے جہاں پر اب وہ جگہ ہے ویراں
جس باغ میں تھے جلسے وہ باغ ہے بیاباں دلبستگی تھی جنسے نظروں سے ہیں وہ پنہاں
اپنا پتا بتاؤ کچھ تو ہمیں جہاں ہو
اے میرے غمگسارو آواز دو کہاں ہو

ہم دیکھکر یہ نقشے حیراں ہو گئے ہیں اب کیا بتائیں کیا کیا ساماں ہو گئے ہیں
دو انکدے تمہارے سُنسان ہو گئے ہیں عشرتکدے تمہارے ویران ہو گئے ہیں
اُجڑا ہوا پڑا ہے اب وہ تمہارا گلشن
اموال پر تمہارے قابض ہوئے ہیں دشمن

جو بے بہا کتابیں کی تھیں کبھی فراہم افسوس وہ صحیفے پڑھتے تھے جنکو ہر دم
وہ خانہ گہرزا لکھتے تھے جبر سے پیہم غم ہیں تمہارے وہ سب باکر رہے ہیں ماتم
تصنیف کو تمہاری اب کرم کھا رہے ہیں
لکھے تھے جو حواشی انکو مٹا رہے ہیں

خالی پڑی ہوئی ہیں مدت سے درسگاہیں عرصہ ہوا ہے اُٹھیں بند خانقاہیں
دیدار سے تمہارے محروم ہیں نگاہیں کھینچیں بتاؤ کب تک فرقت میں سرد آہیں
ہمسے ملو خود آکے یا اب ہمیں بُلا لو
اے سوئے والو اُٹھکر ہمکو گلے لگا لو

ان بیوفائیوں کا میں ہرگز نہ تھا قائل پردہ یہ کسطرح کا ہے درمیاں میں حائل
تصویر سے تمہاری بہلاؤں تا بکے دل انتظر نہیں ہے دل زندگی پہ مائل
ناراض تم نہ ہونا شکوہ تھا دوستانہ
ہم خود ملیں گے تمسے آتا ہے وہ زمانہ

عزیز

شاعری

مرحبا! مشاطۂ زلفِ معانی مرحبا — رہبرِ راہِ خدا، ہادیِ جانِ درد مند
رازدارِ ضبطِ دل۔ اے پردہ دارِ رازِ نفس — کاشفِ اسرارِ باطن عکسِ سوز و سازِ نفس
اے بہارِ تازہ جان اے آفتابِ لازوال — کر نہیں سکتا تجھے جورِ زمانہ پائمال
اے نشانِ رفتگان۔ اے رنگِ خونابِ جگر — نورِ قلبِ باصفا۔ تعبیرِ جذبِ پُر اثر
تو وہ گوہر ہے تیرے بدلے خزانے کھو دیئے — تو وہ جوہر ہے۔ تجھے لے لیں جواہر تولدیں
روحِ بزمِ خیال اے جلوہ گاہِ شمعِ جان — اے شبیہِ دردِ دل تصویرِ جذباتِ نہان
جس پہ تو جان سے ہے صدقے دل وہ تیرا نام ہے — جسنے عالم کو کیا بسمل ترا انداز ہے
خونِ دل کھا کر بھی جسکو تیری نعمت ملگئی — صدرۂ جانکاہِ تنہائی سے فرصت ملگئی
عاشقِ شیدا ہے بلبل تو وہ گل ہے تو — شاہدِ رعنا ترا ہر گل ہے۔ وہ بلبل ہے تو
اے انیسِ گوشۂ عزلت گزینانِ الم — اے شریکِ حال زارِ صاحبانِ درد و غم
اے زبانِ غیب اے نیچر کی سچی ترجمان — تیرِ افلاک شہرت یادگارِ جاودان
جی لبھاتی ہے تری مسکی وہ دردِ جان ہے تو — دل کو بھاتی ہے خلش جسکی وہی پیکانِ تو
تو وہ سودا ہے کہ لیں ہم راحتِ جان کے عوض — تو وہ سودا ہے نہ دیں ہم صبر و جان کے عوض

کب ترے معراج کی ہمسر ہے معراجِ شہی
تیرے قدموں پر نچھاور سیکڑوں تاجِ شہی

جگت موہن لال۔ رواں۔

موت اور زندگی

پھیر کر سر پیٹھ پر سے ہاتھ میرے موت نے — اسطرح سر گوشیاں کیں مجھسے مہر و دردسے
"جان من! کیا تجھکو اس غم سے میں دارم کروں" — پھر تجھے مسرور اور پھر کیا تجھے پیدا کروں"
"کیا ترا قالب خوشی کی بیخودی میں ہو جہاں — یا کسی لوٹن کبوتر میں ہو پیدا تیری جان"
"یا مگس میں جو ہو شیدائے گلِ نیلوفری — یا مصفا اور روپہلی دھار میں برسات کی"
"یا ترو تازہ زمینوں کے شگفتہ پھول کی — روح پرور دلکشا بو میں بسا دوں جان تی"
"ساز آوازِ نسیم و دشت میں کر دوں تجھے — یا ترانوں میں مرے لوچ کے بھر دوں تجھے"
کھہ اٹھا میں "یہ کرم آمیز ہمدردی تری — وجہ محجوبی ہے اور ہے باعثِ شرمندگی"
"سچ بتا اے موت! کیا اسطرح میری زندگی — ہائے اب بیکار اور بے حرفہ آخر ہو گئی"
"روح لرزیگی مری یا جسم گھبرائے گا کیا — نزع کی تکلیف سے جسدم کہ ہو گا سامنا"
"یا مری جان جائیگی قالب سے اسکے پیشتر — وہ مٹے مجھکو کہ جو ہے منحصر تقدیر پر"

یعنی نغمہ سنجیٔ دل بستۂ شعر و سخن
یا ادائے حاجت و خدمت گزاریٔ وطن

ترجمۂ نظم (مسز سروجنی نائڈو)

محمد سیف الدین۔ شباب

غزل

ذوقِ نگاہ، سوئے گلستاں ہے کب مجھے — کرنا رہا قفس سے نہ صیاد اب مجھے
لیتا ہے سوزِ عشق سے آزر بنا گداز — ایسا ملا ہے کچھ دلِ ایذا طلب مجھے
آسان ہیں سختیاں دلِ مشکل پسند کو — راحت ہے راہِ عشق میں گر مو تعب مجھے
بیتاب کیوں مرا دلِ خانہ خراب ہے — معلوم آجتک نہیں اسکا سبب مجھے
ہر قطرہ دیکھ خون کا حرفِ خلش ہوا — تابِ خیالِ نشترِ مژگاں ہے کب مجھے
صحرا نورد دیوں سے فزوں ہے خلش کا ذوق — بستر ہے گل کا خار بیاباں بھی اب مجھے
سنتا ہوں تو حزیں خوانیِ پروانۂ شمع سے — ماتکدہ سے کم نہیں بزمِ طرب مجھے
ہوتا ہے خون دل مرا کانٹوں کی پیاس — دکھلا رہے ہیں دشت میں خشکیدہ لب مجھے

ارشد ہیں ہوں اشارۂ ابرو کا منتظر
لبیک کہکے دوڑوں پکارے وہ جب مجھے

آغا غلام حسین۔ ارشد

صحرا

واہ اے صحرا! ہے منظر تیرا کیا مرغوب الشکل
قدرتِ خلاقِ اکبر کا ہے مظہر بے بدل

جلوۂ وسعت سے تیرے نیرہ ہوتی ہے نظر
دامنِ محشر دکھائے تیرے دامن کا اثر

ریگ تیری لمعۂ خورشیدِ محشر دھوپ میں
فرشِ تیرا آتشیں چادر سے بڑھکر دھوپ میں

وحشت انگیز ایک دلچسپی کا عالم تجھ میں ہے
ایک وحشت ایک دلچسپی سی باہم تجھ میں ہے

نخلِ شیشہ غیرتِ کی تو رکھ لے آبرو
کشتۂ ہنجارِ غیرت کی تو رکھ لے آبرو

خانمانِ بربادِ جو ہو تو اُس انسان کی پناہ
تیرا دامن قدرتی بچھونوں سے ہے کیا گلستان

تیرا دامن قدرتی بچھونوں سے ہے کیا گلستان
تیرا دامن چاک دل داروں کی چاک داماں کی پناہ

راہبِ عزلت گزیں پر تیسرا افسوں چل گیا
جسے دامن اپنا بھرنے جاتے ہیں دیوانگاں

اتفاقاً گزری جانب نکل آیا کبھی
چلتے چلتے آبلوں سے اُسکا تلوا چھل گیا

منزلِ عشق و محبت کا تو دیتا ہے نشاں
سالکِ راہِ صفا تجھسے نہ پھر لوٹا کبھی

رہروانِ جادۂ الفت کا تو دارالقرار
جتنے ہیں خانہ بدوش اُنکا تو ہے دارالامان

کھوہ میں ہے کوہ کی تیرے وہ گنج شایگاں
تشنہ کامانِ محبت کے لئے تو آبشار

شاہدِ قدرت کا ہوتا ہے وہ ممنونِ وصال
جسکو ملجائے نہ ڈھونڈے سے گنج قارون کا نشاں

راہ پیمائی۔ تجھے میں لیلیِ ناقہ سوا
تیرے دامن کا ہے ہوتا ملجا حالِ نقصاں

وسعتِ صحرا! غزالِ دشت ہے تجھ پر فدا
قیسِ محزوں کا تو ہی تھا میزبانِ غمگسار

بین تری دلکش فضا پر جان سے صدقے طیور
آہوئے رم خوردہ کو آتی ہے خوش تیری ادا

شیرِ درندہ کا مسکن۔ مارِ واژدر کا وطن
تیرے نظارہ سے اُنمیں جوشِ عشرت کا وفور

شیرِ واژدر۔ مارِ عقرب سب ہیں تیرے غازاں
چشمِ ہر غزلِ بیاباں تجھ سے شمعِ انجمن

کیسی ہے بانگ جرس دلکش ترے میدان میں
اُنسے دشت آباد تیرا تجھسے وہ ہر وقت شاد

قافلہ والوں کی تیرا گر محبوشی غمگسار
ہے صبا کا بھی نفس دلکش ترے میدان میں

حرب کے بھی معرکے دیکھے ہیں تو نے جا بجا
کاروان گم کردہ سے سرد مہری آشکار

گود میں سوتے ہیں تیری کتنے جانباز و دلیر
خون کی پھینٹوں سے تر ہیں تیرے دامان و کنار

راہ پیما کاروان گم کردہ با حال خراب
ہیں ترے آغوش میں جو جنگجوئی کے تھے شریر

العطش کا شور وہ لب پر کہ یا رب الامان
دھوپ کی شدت میں کرتا ہے تلاش جو نے آب

نقشِ حسرت وہ دل مضطر کہ یا رب الامان
آب ہے نایاب اور لب پر صدائے العطش

صور کی آواز سے بڑھکر صدائے العطش
شدتِ جوع و عطش سے ماہی بے آب ہے

برقِ مضطر کی طرح ہر گام پر بیتاب ہے
ہے مگر پنہاں تری وسعت میں کرلے حیدجو!

یعنے بجھا ہے جسے ہر تشنہ لب اک آبجو
ہے وہ اے صحرا! بلا شک تیرے میدان کی سراب

جس سے تشنہ دہن کو صد امید فتح باب
وہ بگولے تیرے۔ اے صحرا! وہ طوفانِ غبار

ہے فرشتہ موت کا گویا کہ مرکب پر سوار
نیش اقرب سے فزوں خارِ مغیلان کے نوک

نوکِ خارِ جانستاں سے پائے ہمت ریش ریش
دفن زندوں کو ہے کرتا ریگِ کالا تو وہ ترا

کب بچا اُسکے شکنجے میں اگر کوئی پھنسا
آتی ہے بن بن کے آندھی موجِ ریگِ روان

راہ پیما کو کرے جو دم کے دم میں بے نشاں
ڈھیر ہو جاتا ہے رہرو ڈھیر میں تیرے دمن

بھاگنے کی راہ تک اُسکو کہیں ملتی نہیں
ریت جو نمناک ہے اُس سے یہ ملتا ہے لقا

چشمۂ آب بقا ہے تیرے دامن میں نہاں
پڑتی ہے ریگِ روان پر جب شعاعوں کی ضیا

کرمکِ شب تاب بنجاتے ہیں ذرے بے بلا
شیریہ ساعت پہ تیرا کسقدر احسان ہے

تیری ہی ریگِ روان سے وقت کی پہچان ہے
ریگ ساعت ہے تری مرآۃِ حال روزگا

ہیں یہی ذرے دلیلِ گردشِ لیل و نہار

بدرالزمان۔ بدر

ادب آموز

سیف[1] کہ دنیا میں مسرت نہیں — ہے تو بیان رنج ہے راحت نہیں
فکر ہے فرحت نہیں — عسر ہے عشرت نہیں
عیش و فراغت نہیں — شادی و لذت نہیں
لوگ وہ ہیں جنمیں مروت نہیں — دوست وہ ہیں جنمیں محبت نہیں
حسن ہے عفت نہیں — زور ہے جرات نہیں
زر ہے سخاوت نہیں — علم ہے دولت نہیں
دار فنا یا باب سکونت نہیں — یہ ہے سرا جائے اقامت نہیں

---

[1] سیف نے مفرد کے ایک ٹکڑے کے ساتھ تین ٹکڑے اور لگا دئے گئے ہیں اور مطلع وہ ایک شعر ہے جو ایک جداگانہ ٹکڑا ہے۔ ان جداگانہ ٹکڑوں کا تسلسل قافیہ کے ساتھ بعد کے شعر سے قائم رکھا گیا ہے۔

لیکہ ہے دُنیا دنی دل نہ لگانا کبھی
کس کی یہ ہو کر رہی کس سے وفا نے کی
کیسی زمانے مین ہوا یہ چیلی بغض ہے آپسمین محبت نہین
ہے نہ دلون مین صفا ہے نہ کسی مین وفا
تو مین ہے لیکن جفا طبع مین کبر و ریا
جسمین محبت نہین وہ دل ہی کیا آنکھ وہ کیا جسمین مروت نہین
غور تو کر اک ذرا خود غرضی پر نہ جا
جسکا نہ تو خود ہوا ہوگا وہ کیونکر ترا
وقت نہ کھو ہاتھ سے بہر خدا دیکھ مناسب تجھے غفلت نہین
وقت نکل جائے گا پھر نہ اُسے پائے گا
روئے گا غم کھائیگا ہاتھ نہ کچھ آئے گا
مکر اک آفت ہے تو بچتا یہ رہیگا راست روی مین کوئی آفت نہین
کینہ و شہ بد و فتور رکھے ہر دل سے دُور
یہ کیجئے پیدا شعور کبر سے رہئے نفور
وصف اضافی یہ ہے مجھکو غرور آفت و شر ہے یہ شرافت نہین
جہل کو تو دُور کر اسمین ہر اسر ہے شر
چاہیئے علم و ہنر دفع ہو جس سے ضرر
بڑھتی ہے یہ حرف کر و جتعدہ علم سے بڑھکر کوئی دولت نہین
دُرِ ثمین آبرو تاج و نگین آبرو
دینی و دین آبرو حسن و یقین آبرو
نعمت عظمےٰ ہے ذہین آبرو اس کے برابر کوئی نعمت نہین

ایسی فراغت کی تو کرنہ کبھی آرزو
ہان نہ بگاڑ اپنی خو تا نہ ہون خندان عدو

سید غلام مصطفےٰ۔ ذہین

زندگی

ہے نفس کی آمد و شد پر مدار زندگی تن مین سانس آئی نہ آئی کیا قرار زندگی
دیدۂ بینا سے دیکھین آشنائے بحر عقل ہے حباب آسا یہ بنیاد حصار زندگی
شان و شوکت جاہ و حشمت نغمۂ عیش و طرب ٹمٹمے والے مین یہ سب نقش و نگار زندگی
گلرخان و مہ رنگ و حُسن پرنیاران مین کیا ہے فقط دو چار دن لطف بہار زندگی
نشۂ عیش و طرب مین مست ہین کیون اہل شوق ہوش مین آئے نہین کچھ اعتبار زندگی
صورت نمرود و فرعون آپکو بھولے ہین کیون یہ سمجھ لین موت ہے انجام کار زندگی
بعد طفلی کے ہوا جب دورۂ عہد شباب تو نے پی آئی شراب خوشگوار زندگی
ہر گھڑی رہنے لگا آنکھون مین غشت کا عزر چین سے کٹنے لگے لیل و نہار زندگی
وقت پیری کھل گئین آنکھین یہ ثابت ہو گیا تھا وہ نشۂ زندگی کا یہ خمار زندگی
دفعتہً آئی قضا بھر آئے آنسو آنکھ مین سمجھے وقت نزع ہم انجام کار زندگی
حاتم و نوشیروان۔ اکبر و شیخ و یزید کیطرح رہئے دُنیا مین رہے جبتک قرار زندگی
چھوڑ جاؤ مر کے بھی تم نام نیک اے دوستو اس سے بہتر کچھ نہین ہے یادگار زندگی
طالبان موت مثل خضر زندہ ہین مُدام ہین مگر مُردے سے بدتر جان نثار زندگی

اپنے دل سے سیر دُنیا کی ہوس جاتی رہی
اب نہین ہم اے محب امیدوار زندگی

محب (دریا آبادی)

اڈیٹوریل

بہی خواہان ادیب کو یہ سُنکر خوشی ہوگی کہ عالیجناب صاحب ڈاکٹر بہادر سررشتۂ تعلیم پنجاب نے اپنے صوبے کے تمام ڈپٹی کمشنروں، انسپکٹروں، ہیڈ ماسٹروں اور مہتممانِ مدارس کے نام ایک سرکلر جاری فرمایا ہے جسمین تمام مردانہ و زنانہ سکنڈری اسکولوں کے ریڈنگ روم کے لئے ادیب کی خریداری کی ہدایت کیگئی ہے۔ ایک غیر صوبے مین ایسی شاندار کامیابی ادیب کیلئے غیر معمولی فخر کا باعث ہے۔ ہم حضور ممدوح کی اس علمی قدردانی کا نہایت ادب سے شکریہ ادا کرتے ہین اور امید کرتے ہین کہ ہمارے صوبے کی بیدار مغز گورنمنٹ بھی اس قسم کی علمی حوصلہ افزائی سے دریغ نفرمائیگی۔

نمایش گاہ الآباد مین زنانہ درجے کے متعلق ایک پردہ کلب کا بھی انتظام کیا گیا ہے جو عالیجناب مسز لیسلی پورٹر صاحبہ کی حُسن کوشش کا نتیجہ ہے۔ اسکے تفصیلی حالات جو صاحب سکریٹری گورنمنٹ صوبہ جات متحدہ نے ایک خاص چٹھی کے ساتھ ارسال فرمائے ہین اور مستورات ہند کے لئے خاص دلچسپی کا باعث ہین ایک علیحدہ ورق پر بطور ضمیمہ درج ہین۔ اس کلب مین داخل ہونیکے لئے جو مستورات براہ راست گورنمنٹ ہاؤس نینی تال کے پتہ سے درخواست کرینگی انمین مسز ممدوحہ نہایت خوشی و مسرت سے شرکت کی دعوت دینگی۔ اس کلب مین تمام ضروری سامان آسائش و زیبائش کے علاوہ پردے کا ایسا قابل اطمینان انتظام کیا گیا ہے جسکے لئے پردہ نشین مستورات کو خلق پس و پیش نہ کرنا چاہیئے۔

اس لاثانی نمایش کا پراسپکٹس نہایت تزئین و تسہیم کے ساتھ حال ہی مین شائع ہوا ہے جسمین نمایش ہذا کے تمام ضروری حالات اور قواعد و ضوابط نہایت شرح و بسط کے ساتھ درج ہین۔ نمایش یکم دسمبر سے ۲۸۔ فروری تک عام طور پر کھلی رہیگی اور ہندوستان سے یورپ تک کے تمام عجایبات نمایان کئے جائینگے جنسے زمانہ حال کی ترقیات کا ایک تابناک منظر پیش نظر ہوگا۔ ایام کرسمس مین نیشنل کانگرس اور سوشیل کانفرنس وغیرہ کے اجلاس بھی الآباد ہی مین منعقد ہونگے اور ایک ایسا دلچسپ نظارہ پیش نظر ہوگا جو عرصہ دراز تک دیکھنے مین نہ آئیگا۔ اس موقع پر ادیب کا ایک خاص نمبر نمایش نمبر کے نام سے شائع کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے جو اعلیٰ درجے کی تصاویر سے مزین کیا جائیگا۔ مضامین کے متعلق یہ انتظام کیا گیا ہے کہ نمایش کے ہر بڑے اور قابل الذکر شعبے کی نسبت جُدا جُدا حالات صحت و اختصار کے ساتھ قلمبند کئے جائین۔ ہمارے قلمی معاونین مین جو حضرات جس شعبے سے دلچسپی رکھتے ہون اور اُسکے متعلق کوئی مضمون عنایت فرماسکین تو ناچیز اڈیٹر کو پہلے سے مطلع فرمائین تاکہ اُسکی نسبت دوسرا انتظام نہ کیا جائے اور اس اہم علمی خدمت مین قابل قدر مدد مل سکے۔

ناگری پرچارنی سبھا کا سالانہ اجلاس ۱۰، ۱۱ و ۱۲ اکتوبر کو بمقام بنارس منعقد ہونیوالا ہے جسکی صدارت آنریبل پنڈت مدن موہن صاحب مالوی نے قبول فرمائی ہے۔ اس مرتبہ سبھا موصوف کی ایک قابل تعریف کارگزاری یہ ہوگی کہ وہ "ترقی اُردو" کے مسئلے پر بھی غور کریگی جسکی بہلو خاص طور پر اطلاع دیگئی ہے۔ ہمارے خیال مین ناگری پرچارنی سبھا کیلئے ترقی اُردو کا مسئلہ جو ضرورت سے زیادہ واضح ہو چکا ہے بقدر قابل غور نہین جسقدر اُردو ہندی کے تعلقات کا نازک مسئلہ جو ملک کی بدقسمتی سے روز بروز زیادہ پیچیدہ ہوتا جاتا ہے۔ اگر ناگری پرچارنی سبھا کے روشن خیال ممبرون کی کوشش سے یہ گتھی سُلجھ جائے تو گویا یہ پہلا قدم ہوگا جو صحیح راستے پر پڑیگا۔ اُردو اور ہندی ملک کی دو نہایت وسیع زبانین ہین جو ہندوستان کی دو بڑی قومون سے تعلق رکھتی ہین اور جنمین کسی ایک کا مٹ جانا دوسرے کے لئے باعث نقصان ہوگا۔ نظر برین سب سے پہلے مخالفت کی اُس بے پایان خلیج کو کوتاہ کرنیکی ضرورت ہے جو گذشتہ دس بارہ سال سے ان دونون زبانون کی راہِ ترقی مین حائل ہے۔ اس صورت مین دونون پارٹیان جو ایک دوسرے کی مخالفت و سعادت مین اپنا اپنا زور ختم کر رہی ہین ایک دوسرے کی ضروریات و احساسات کا لحاظ کرین اور اپنی اپنی ترقی کی جُداگانہ راہین اختیار کرین تو تمام پیچیدگیان آسانی سے دُور ہوسکتی ہین۔ رہا زبان کی ترقی کا مسئلہ تو لٹریچر کی ترقی سے وابستہ ہے۔ جس زبان کا علم ادب جسقدر زیادہ وسیع اور مفید عام ہوگا اُسیقدر اُسکی ترقی یقینی ہے۔

تصریح تصاویر

پہلاد اور اگن کنڈ کی رنگین تصویر بابو سمرندر ناتھ گپت کے زور قلم کا نتیجہ ہے جو گورنمنٹ آرٹس اسکول کلکتہ کے ممتاز طالب علم ہین - پہلاد ایک خلقی بھگت تھا - اسے شروع ہی سے معبود حقیقی کی محبت تھی - بخلاف اسکے اسکا باپ راجہ ہرناکشپ بدترین درجے کا مُرتد اور کافر تھا - اُسے بیٹے کے اس رجحان سے سخت نفرت تھی اور اُسکی اس حرکت پر اُسے سخت سزائین دیا کرتا تھا - ایک مرتبہ اُسے پہاڑ سے نیچے گرا دیا لیکن پہلاد کا بال بیکا نہوا - دوبارہ ہاتھی سے پامال کرایا مگر پہلاد کا رویان میلا نہوا - آخر ایک بڑا اگن کنڈ روشن کر کے پہلاد کو دہکتے ہوئے شعلون کی نذر کر دیا - لیکن پہلاد پر یہ آگ گلزار ہوگئی اور اُسے کوئی آنچ نہ آئی - اب اُسکے باپ نے پوچھا کہ تیرا "رام" کہان ہے - پہلاد نے جواب دیا ہر جگہ - اس پر راجہ نے غصّے سے اپنے محل کے ایک ستون کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ کیا اس کھمبے مین بھی - پہلاد نے کہا ہان اسمین بھی - مناً اُسی ستون سے نرسنگ اوتار نمودار ہوا اور کافر راجہ کو اپنے تیز ناخنون سے پھاڑ ڈالا - مصوّر نے اگ کے شعلون مین پہلاد کا استقلال نہایت کامیابی سے دکھایا ہے -

دمار ستارہ کی تصویر اُس فوٹو کا عکس ہے جو امریکہ کی ایک رصدگاہ مین ڈاکٹر - ای - ای - برنارڈ نے ۵ - مئی سنہ حال کو لیا تھا - اسکے متعلق سید راحت حسین صاحب - بی - اے نے ایک مفصل مضمون لکھا ہے جو مشاہدات حال سے تعلق رکھتا ہے اور جسے اُنکے اُس مضمون کا تکملہ سمجھنا چاہئے جو ادیب کے اپریل نمبر مین شائع ہو چکا ہے - اس مرتبہ سید صاحب کا تازہ فوٹو بھی ہدیۂ ناظرین ہے جسے اُس منت پذیری کے طور پر سمجھنا چاہئے جو ادیب کو اپنے تمام اوّلین نامہ نگارون سے ہے اور جسکی بنا پر وہ اپنے تمام اہل قلم کو ایک دوسرے سے روشناس کرنیکا تہیہ رکھتا ہے -

اولاکش ملکہ کی تصویر انڈین پریس کے ایک قابل مصوّر کی صناعی کا نتیجہ ہے - انگریزی مین "پرشین ٹیلس" (حکایات فارس) کے نام سے ایک دلچسپ کتاب ہے جسمین ایک قصّہ اس ملکہ سے تعلق رکھتا ہے - اس ملکہ نے جو حُسن و جمال مین یگانۂ آفاق تھی بادشاہ سے اس شرط پر شادی کی تھی کہ وہ اُسکے کسی فعل پر مزاحم نہو - جب ایسا ہوگا وہ فوراً بادشاہ سے ترک تعلق کریگی - چنانچہ جب ملکہ کے کوئی بچّہ پیدا ہوتا تو وہ فوراً اُسے آگ مین ڈال دیتی اور وہ جلکر خاکستر ہو جاتا - بادشاہ نے بہت ضبط کیا لیکن اولاد کی محبت نے ایک موقع پر اُسے مجبور کیا کہ وہ ملکہ سے اسکی غرض دریافت کرے - جیسے ہی بادشاہ نے ملکہ سے اسکی وجہ پوچھی ملکہ نے فوراً بچے کو آگ مین ڈالدیا اور خائب ہوگئی - تصویر مین یہ سین نہایت عمدگی سے دکھایا گیا ہے -

---

تاج سخن - حافظ جلیل حسن صاحب جلیل اُردو کے نہایت نامور شاعر ہین - حال مین آپ کو دربار آصفیہ سے "جلیل القدر" کا خطاب اور اُستادی الحضرت کا منصب حاصل ہوا ہے - تاج سخن آپ کا پہلا دیوان ہے جسمین صرف غزلیات درج ہین - قصائد و قطعات وغیرہ کا مجموعہ غالباً علٰحدہ شائع ہوگا - ملک الشعرا حضرت امیر مینائی مغفور کے تلامذہ مین جناب جلیل کو فاضل اُستاد کی قربت سب سے زیادہ حاصل رہی ہے اور امیر اللغات ایسے مہتم بالشان لغت کی تالیف مین آپ حضرت امیر کے دست راست کا کام دیتے رہے ہین - اسی خصوصیت سے آپ کے تمام برادران خواجہ تاش نے آپ کو اُستاد کا جانشین تسلیم کر لیا ہے - تاج سخن مین جناب جلیل کی شیدا بیانیون کے زبردست نمونے موجود ہین جنمین ملک الشعرا حضرت امیر کا رنگ صاف طور پر جھلکتا ہے - ۲۵ جزو جم پر قیمت دو روپیہ - ملنے کا پتہ "صدیق احمد" مکان اختر صاحب مینائی - حیدر آباد دکن -

---

معذرت - اس مرتبہ چار مینار کی تصویر سہواً چھپنے سے رہگئی - آئندہ نمبر مین مزید حاضر کیجائے گی - منیجر -

نمایش صوبہ جات متحدہ

آیندہ نمایش الہ آباد کے طبقۂ مستورات سے متعلق ہندوستانی مستورات کی دلچسپی و آرام کے لئے ایک "پردہ کلب" قائم کیا گیا ہے۔ ماہ جون مین "پردہ کلب" کی ایگزیکیوٹو کمیٹی کا جو اجلاس منعقد ہوا تھا اُسمین طبقۂ مستورات کی عمارت کی تعمیر بھی پیش کی گئی تھین۔ یہ عمارت نہایت نفیس اور عالیشان ہے اور اسکی چھت پر قیود پردہ کا لحاظ کرکے اس قسم کا انتظام کیا گیا ہے کہ وہان سے پردہ نشین مستورات مختلف کھیل تماشون دریا اور ہوائی جہازون کا بے تکلف بخوش اسلوبی نظارہ کرسکین گی۔ حضور مسٹر لیسلی لوپر صاحب "پردہ کلب" کی پریسیڈنٹ ہین اور آپ نے بنفس نفیس اس تعمیر عمارت کے لئے تمام ضروریہ اور سامان آرائش تجویز فرمایا ہے۔ جنابہ ممدوحہ نہایت محظوظ ہونگی اگر ہندوستانی مستورات اُنسے اس کلب مین شامل ہونیکی درخواست کرینگی۔

نمایش مین زنانہ دستکاریون کے نمونے نہایت شوق سے دکھائے جائین گے اور انکے لئے سونے، چاندی اور تانبے کے تمغہ جات انعام دیے جائین گے۔ نمایش مین جو اشیا بھیجی جائین وہ ۳۱۔ اکتوبر سے پہلے احاطۂ نمایش مین پہونچ جانی چاہئین۔ دستکاریون کی تفصیل مین قدیم و جدید ہر قسم کی صنعتین شامل ہین۔ خلاً ہر قسم کے لیس کا کام، زردوزی و کلابتون کا کام، پھول اور درخت، وستی تصاویر، کارچوبی عکسی تصاویر وغیرہ۔ اسی سلسلہ مین گڑیون کے متعلق خاص طور پر مقابلہ ہوگا اور انکے لئے خاص انعامات دیئے جائین گے۔ اس مقابلہ مین زیادہ تر یہ بات ملحوظ رکھی جائیگی کہ انکے ذریعہ کسی خاص طبقہ کے طرز پوشش پر روشنی پڑے مثلاً گڑیا کو اسطرح سجایا جاے کہ ایک دُلہن کا نظارہ پیش نظر ہو، یا بچون کی کوشش دکھائی جاے، یا یہ دکھایا جائے کہ طوائف کس قسم کا لباس زیب تن کرتی ہین وغیرہ۔ اسطرح کوئی اور ہندوستانی نظارہ ان گڑیون کے ذریعہ سے پیش کیا جاسکتا ہے اور مستورات کے حسب خواہش انمین وسعت بھی ہوسکتی ہے مثلاً وہ بجاے ایک دُلہن کے پوری برات یا پوری محفل مع ناچ رنگ وغیرہ بھی دکھا سکتی ہین۔

جو اشیا زر فروخت و بیوپارانہ شہرت کی غرض سے نہ بھیجی جائین گی وہ زیادہ قدر و منزلت کی نظر سے دیکھی جائین گی۔ تمام اشیا کے کُل اخراجات بھیجنے والے کو ادا کرنے پڑینگے۔ تمام چیزون کی پشت پر اُنکے مالکون کا نام اور پتہ صاف حروف مین تحریر ہونا چاہئے اور اگر کوئی چیز بغرض فروخت نمایش مین پیش کیجائے تو اسکی قیمت بھی اُسپر لکھدیجائے۔

تمام نمایشی اشیا ماہ اکتوبر کے اندر بنام رائے سانول داس بہادر جونیر سکریٹری بورڈ آف ریونیو، الہ آباد آنا چاہئین۔

اگر ہندوستانی مستورات "پردہ کلب" مین شامل ہونا چاہین تو حضور مسٹر لیسلی لوپر صاحب گورنمنٹ ہاؤس نینی تال کے نام پر جلد درخواست ارسال کرین۔

مرکب بنام الکتالیس فوائد

جسکی تصدیق حکیموں ڈاکٹروں وویدی علم صاحب نے کی ہے

فائدہ ۱ جس کی تصدیق پینتالیس مختلف ملکوں اور مختلف عمر کے لوگوں نے کی ہے۔ وہ یہ خرابی معدہ وجگر بھوک بند ہوجانے سے دن بدن لاغر ہوتے جاتے تھے۔ چہرہ پیلا رہتا تھا۔ ہاتھ پاؤں جلتے تھے۔ معدہ پر بوجھ کبھی دست کبھی قے کبھی قبض ہوجاتی تھی۔ وہ سب اس کے استعمال سے دور ہوگئے۔

فائدہ ۲ جسکی تصدیق مدسو مریض آزما کرتے ہیں۔ خون گندہ ہونے سے چہرہ پر چھائیاں جسم پر دانے۔ پھوڑے۔ پھنسیاں کثرت سے مختلف جگہ میں پیدا ہوکر ان سے لیسدار پانی بہ کر جہاں وہ پانی لگتا تھا۔ زخم ہوجاتے تھے۔

فائدہ ۳ جسکی تصدیق پینتالیس آدمی کرتے ہیں۔ ان کی رانوں کا چمڑہ سیاہ اور موٹا ہوگیا تھا۔ اور پسینہ آنے سے سخت خارش ہوتی تھی۔ ہر وقت ہاتھ چمڑوں میں رہتا تھا۔ اور ان سے بدبو آتی تھی۔

فائدہ ۴ جسکی تصدیق گیارہ مریض کرتے ہیں۔ خنازیر مختلف حصہ جسم میں بغل اور گردن میں ان بدن گلٹیاں بڑھتی جاتی تھیں۔ اس کے استعمال سے بڑی گلٹیاں بیٹھ گئیں۔ اور آگے پیدا ہونی بند ہوگئیں۔

فائدہ ۵ جسکی تصدیق تین مریض کرتے ہیں۔ عورت کا سر اور بھگندر سے پتلی سی پپ جاری رہتی تھی۔ اس کے استعمال سے سر سوکھ گیا۔

فائدہ ۶ جس کی تصدیق بیتالیس مریض کرتے ہیں۔ ان کو چوتڑے اٹھ کر ورد تمام ران اور پنڈلیوں میں پہنچا کرتا تھا جس سے ٹانگ دن بدن سوکھتی جاتی تھی۔ اس کی ایک شیشی سے درد اور رنگین یاد جاتا رہا۔

الغرض یہ مرکب چوب چینی اور عشبہ وغیرہ کا سب سے بہتر اور سب سے عمدہ مصفی خون ہے۔ جہاں رہتے ہیں نکمی شے ناکارہ اور نقصان رساں ثابت ہوئے ہیں وہ بلا لحاظ اس ملک کے شراب وغیرہ میں بنائے جاتے ہیں۔ جس سے خون زیادہ غلیظ اور تیز ہوتا ہے) اس نے سریع العمل فائدے دکھلائے ہیں۔ اس جوہر کا اعضائے رئیسہ اندرونی پر بہت اچھا اثر ہوتا ہے۔ جس سے تمام چمڑے کی بیماریاں دور ہوجاتی ہیں۔ یہ مرکب بعشہ ۵۰ سال سے مختلف حصوں ملک میں تجربہ کیا گیا ہے۔ اگر آپ کو کوئی شکایت ہو تو آپ تجربہ کرکے ہمارے بیانات کی تصدیق کیجئے۔ ثبوت کے لئے اس جوہر کے استعمال سے پہلے بدن کو وزن کرکے رکھ لو۔ اور ایک ماہ بعد وزن کرو۔ آپکا وزن ڈیوڑھا ہوجائیگا۔ قیمت شیشی کلاں ۱۲ روپیہ شیشی خورد ۷ روپیہ

پتہ:- مینیجر شفاخانہ حاذق الحکیم حکیم ڈاکٹر غلام نبی زبدۃ الحکماء لاہور

علوم و افسانہ ماہوار اردو رسالہ

اس مربہ ہندی زبان کے دو نہایت مقتدر پرچوں کی رائے شائع کیجاتی ہے جسے آسانی سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ادیب ہر طبقہ میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ نیز ۲۲ معاصرین کی رائیں بھی کچھ کم و بیش نیچے کے ہم شکر گزار ہیں۔ منیجر۔

اخبار وینکٹیشور بمبئی (ہندی) اُردو کا جدید بامصور ماہواری رسالہ۔ منشی نوبت رائے صاحب تخلص نظر لکھنوی کے ایڈیٹری میں انڈین پریس الٰہ آباد سے شائع ہوتا ہے۔ ہندی کے شمل اُردو میں اعلیٰ درجے کے ماہواری رسالے ابھی بہت کم ہیں۔ ادیب کے شائع ہونے سے ایک حصہ اس کی کا پورا ہوگیا۔ یہ اعلیٰ درجے کا قابل مطالعہ ماہوار رسالہ ہے۔ اُردو کے کئی ایک نامی نامہ نگاروں کے مضمون سے پُر رہتا ہے۔ منشی نوبت رائے صاحب جس خوبی سے اسکی ایڈیٹری کرتے ہیں وہ اصل میں لائق تعریف ہے۔ نمونے کی طور پر اسکا چھٹا پرچہ ہمارے روبرو ہے۔ اسمیں کُل آٹھ تصاویر ہیں۔ شروع میں شہنشاہ جارج اور ملکہ میری کی رنگین تصویر ہے۔ ایک تصویر مرقع کی بھی ہے۔ یہ رنگ برنگ کے نظم اور نثر کا مجموعہ ہے۔

تمدن ہند۔ انگریزی حکومت کے برکات۔ روپیے کی قیمت گھٹ رہی ہے اسلامی پردہ۔ یہ مضامین غور و خوض کے ساتھ پڑھنے کے لائق ہیں۔ تمدن ہند میں شمس العلماء ڈاکٹر سید علی صاحب بلگرامی۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ ڈی نے ویدوں اور برہمن کے مذہب پر کچھ اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ اُن خیالوں کو جاہے ہم مانیں یا نہ مانیں لیکن یہ دیکھکر خوشی ہوئی کہ مسلمان علماء بھی ہندو مذہب پر کچھ توجہ کرنے کا خیال پیدا ہوگیا ہے۔ نظمیں بھی عمدہ ہیں۔ غرض یہ رسالہ ہر پہلو سے عمدہ اور خوبصورت ہے۔ اسکی ترقی سے اُردو دان اصحاب کو خوشی ہوگی۔

رسالہ استری درپن الٰہ آباد (ہندی)۔ ادیب۔ اُردو زبان کا ایک نیا رسالہ انڈین پریس الٰہ آباد سے شروع سال سے نکلنے لگا ہے۔ اب تک اسکے چار پرچے چھپ چکے ہیں جنمیں کئی ایک دلچسپ مضمون اُردو زبان کے لائق لوگوں کے لکھے ہوئے دیکھے گئے۔ قریب قریب ۵۰ صفحہ ہر ماہ میں ہوتے ہیں۔ کاغذ نفیس۔ تصویر نہایت اعلیٰ درجے کی ہیں۔ اپریل کے پرچے میں نظم و نثر کے ۱۶ مضمون ہیں۔ مضامین کا خلاصہ لکھنے سے ناظرین کو معلوم ہوجائیگا کہ کس قسم کے مضامین اُسمیں اکثر چھپا کرتے ہیں۔

سب سے پہلا مضمون آزادی پر سید احمد صاحب دہلوی کا ہے ..... دوسرا مضمون مولانا حافظ محمد اسلم صاحب نے حافظ شیرازی پر لکھا ہے ..... باقی مضامین میں سے دو مضمون کتاب نویسی اور مدار ستارہ معمولی مضامین سے کہیں بڑھ چڑھکر ہیں۔

خان بہادر اکبر حسین صاحب اور پنڈت بشن نرائن صاحب قدر ایسے زبردست اُستادوں کے کلام نظم میں پائے گئے۔ ہر ماہ اسی طرح کے مضامین سے ادیب بھرا رہتا ہے۔ اگرچہ اُردو زبان میں رسالوں کی کچھ کمی نہ تھی لیکن پڑھنے والوں کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے جنکے پڑھنے کے لئے ایسے رسالوں کا نکلنا بہت اچھا ہے۔ اُردو دان منشی نوبت رائے صاحب نظر کے نام نامی سے بخوبی واقف ہیں۔ آپ ہی اسکے ایڈیٹر ہیں۔ ایسے لائق آدمی کے ایڈیٹری میں امید کیجاتی ہے کہ رسالہ کی اشاعت میں روز بروز ترقی ہوتی رہے گی۔

رسالہ مارتنڈ لاہور۔ ادیب الٰہ آباد۔ اُردو کا سب سے اچھا سب سے بڑا اور چھاپے کی صفائی کھائی و مضمون کی ترتیب وغیرہ کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ درجہ کا رسالہ ہے۔ چار تصویریں ہر مہینہ میں دیجاتی ہیں ..... ایڈیٹر منشی نوبت رائے صاحب نظر ہیں ..... جو بلحاظ خود اُردو زبان کے لاثانی انشا پرداز ہیں۔ ..... اُردو رسائل میں۔ ادیب ایک دلچسپ اضافہ ہے بلکہ وہ نفاست کے لحاظ سے سب سے اچھا ہے اور ولایت کے خوبصورت رسالوں کی برابری کرسکتا ہے ہم نظر صاحب کو اس رسالہ کیلئے بیچے دل سے مبارکباد دیتے ہیں۔

جلد ۲ — اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء — نمبر ۴

ادیب

ادبِ اُردو کا باتصویر ماہوار رسالہ ——— ایڈیٹر ذوبت رائے نظر لکھنوی

فہرست تصاویر

(۱) شہزادی فرخ ناز (رنگین) (۲) عالمِ خیال (۳) دروازۂ تاج محل (۴) مہارشی دیویندر ناتھ ٹیگور
(۵) بابو کیشب چندر سین (۶) چار مینار

فہرست مضامین

	صفحہ
۱— رودیل - از حکیم شمس اللہ صاحب قادری	۱۴۷
۲— مہتاب الدولہ و رخشان - از مولانا سید علی حیدر صاحب طباطبائی لکھنوی	۱۵۹
۳— مقصدِ حیات - از رائے پربھولال صاحب - بی - اے	۱۷۲
۴ ایلورا کے غار - از مولانا سید امجد علی صاحب اشہری مرحوم	۱۷۹
۵— کیشب چندر سین - از پنڈت منوہر لال صاحب زتشی - ایم اے	۱۸۳
۶— دسہرہ - از ایڈیٹر	۱۹۰
۷— مسافر کی عید - از منشی نور محمد صاحب انجم	//
۸— جگنو - از مولانا شفق عمادپوری	۱۹۱
۹— کلامِ ابر - از پنڈت بشن نرائن صاحب در بیرسٹرایٹ لا لکھنؤ	//
۱۰ دورِ انقلاب - از مرزا کاظم حسین صاحب محشر لکھنوی	۱۹۲
۱۱— شالامار باغ - از منشی عبدالحکیم صاحب بسمل ہوشیارپوری	۱۹۳

قیمت سالانہ چار روپیہ — پنچکوڑی مترا پرنٹر و پبلشر نے انڈین پریس الآباد میں چھاپکر شائع کیا — فی پرچہ چھ آنہ

لڑکیون کا تعلیمی کورس

خوشی کا مقام ہے کہ ہندوستان مین لڑکیون کی تعلیم ترقی کر رہی ہے اور ہر شہر اور قصبہ اور ہر گانون مین لڑکیون کے مدرسے جاری ہو رہے ہین اس ترقی تعلیم کا نتیجہ جسقدر مفید ثابت ہوا ہے وہ محتاج تصریح نہین - تاہم عام طور پر یہ شکایت بھی سنی جاتی تھی کہ لڑکیون کی تعلیم کے لئے ابھی تک کوئی ایسا نصاب نہین تیار ہوا ہے جو انکی دماغی اور اخلاقی حالت کے مناسب حال ہو اور انھین خاطر خواہ فائدہ پہونچا سکے - اسی شکایت کی بنا پر ہمنے لڑکیون کے لئے ایک ایسا نصاب بعون کثیر تیار کرایا ہے جو ہر طرح اور ہر حیثیت سے مکمل ہے اور جسے صوبہ ہذا کی تعلیمی کمیٹی نے نہ صرف پسند کرکے بلکہ تمام دیگر ریڈروں پر ترجیح دیکر مدارس نسوان مین جاری کر دیا ہے - ان ریڈرون کی زبان کی نسبت اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ ایڈیٹر صاحب ادیب کی اصلاح و نظر ثانی سے مزین ہین - انمین اخلاقی اور نصیحت آمیز کہانیون اور سبقون کے علاوہ تمیز داری - معاشرت - امور خانہ داری - بچگان کی پرورش - مریضون کی تیمار داری - خاوند کی اطاعت - شرم و حیا عفت و عصمت اور وفادار کا آمد باتین لکھی گئی ہین - علاوہ برین ریڈرون مین ستیا جی - دمینتی - سکنتلا - ساوتری - لیلاوتی - اہلیا بائی وغیرہ کی سوانح عمریان اور چین جاپان کی لڑکیون کے حالات نہایت سلیس اور بچون کی سمجھ مین آنیوالی زبان مین درج ہین - کاغذ - لکھائی چھپائی وغیرہ بسا علی درجے کی ہین جو ایڈیشن پریس کا حصہ ہے - ان ریڈرون مین ۱۱۸ تصاویر بھی ہین جن مین ۳۴ تصاویر پورے صفحون پر علیحدہ چھاپکر شامل کی گئی ہین - پورا نصاب حسب ذیل ہے

۱ - اردو کا نیا قاعدہ ..... قیمت ۴ آنہ

۲ - لوور پرائمری ریڈر (پہلی اور دوسری جماعت کا نصاب) ۶ر

۳ - اپر پرائمری ریڈر (تیسری اور چوتھی جماعت کا نصاب) ۷ر

۴ - لوور مڈل ریڈر (پانچوین اور چھٹی جماعت کا نصاب) ۸ر

منیجر انڈین پریس الہ آباد

میرے کام کا سرمہ

(مصنفہ قوجناب اسسٹنٹ سرجن کیپٹن اگر میسر بہادر گورنمنٹ پنجاب)

معزز انگریزون میڈیکل کالج کے پروفیسرون نامور ڈاکٹرون والیان ریاست اور ولایت کی یونیورسٹی کے سند یافتہ یورپین ڈاکٹرون نے بعد تجربہ اس سرمہ کی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ سرمہ امراض فیل کے لئے اکسیر ہے ضعف بصارت تاریکی چشم - جالا - پردہ زوال عنابا - پھولا - سیل مُرغی - ابتدائی موتیا بند - پانی جانا خارش غیرہ معزز ڈاکٹر و حکیم بجائے اور ادویہ کے آنکھون کے مریضون پر اب اس سرمہ کا استعمال کرتے ہین - چند روز کے استعمال سے بینائی بہت بڑھ جاتی ہے اور عینک کی بھی ضرورت نہین رہتی - بچے کے بوڑھے تک کو یہ سرمہ یکسان مفید ہے قیمت اسلئے کم رکھی گئی ہے کہ خاص و عام اس سے فائدہ اٹھائین - قیمت فی تولہ جو سال بھر کے لئے کافی ہے۔ مبلغ (۴) روپے کا سفید سرمہ اعلیٰ قسم فی تولہ (دستے) خالص میرو فی ماشہ تین روپیہ خرچ ڈاک بذمہ خریدار درخواست کرتے وقت اخبار کا حوالہ ضرور دین

المشتہر پروفیسر سیالکوٹ والا مقام بٹالہ ضلع گورداسپور پنجاب اسسے بڑھکر اور معتبر شہادت کیا ہو سکتی ہے؟ جناب پروفیسر سیالکھ صاحب تسلیم مین نے آپ کے یہان سے سفید سرمہ میرے کا منگوا کر استعمال کیا صد درجہ کا فائدہ ہوا - بالکل صحت حاصل ہو گئی آپ کا سرمہ جملہ امراض چشم کو مفید ہے - بصارت کو طاقت بخشتا ہے تدبیر سے دن فائدہ معلوم ہو جاتا ہے واقعی یہ سرمہ اکسیر کا حکم رکھتا ہے اسلئے مین بڑی خوشی سے تصدیق کرتا ہون کہ اس سے بڑھکر آنکھ کے لئے اور کوئی دوا نہین ہے الراقم کنور چھتر پال سنگھ صاحب بہادر ریاست مچھرالان اودھ (۲) مین نے میرے کا سرمہ تیار سردار میا سنگھ نے تیار کیا ہے - ان مریضون پر جنکی آنکھین بہت کمزور اور بیمار تھین استعمال کرکے مفید پایا میری رائے مین خاصکر مریضون کے واسطے جنکی آنکھون سے پانی جاری رہتا ہے اور دھندلا دکھائی دیتا ہے یہ سرمہ نہایت ہی مفید ہے - الراقم ڈاکٹر بہ لال گوش آئے بہادر ایل - ایم - ایس اسسٹنٹ سرجن و پروفیسر میڈیکل کالج لاہور حال آنریری سرجن گورنر منڈل

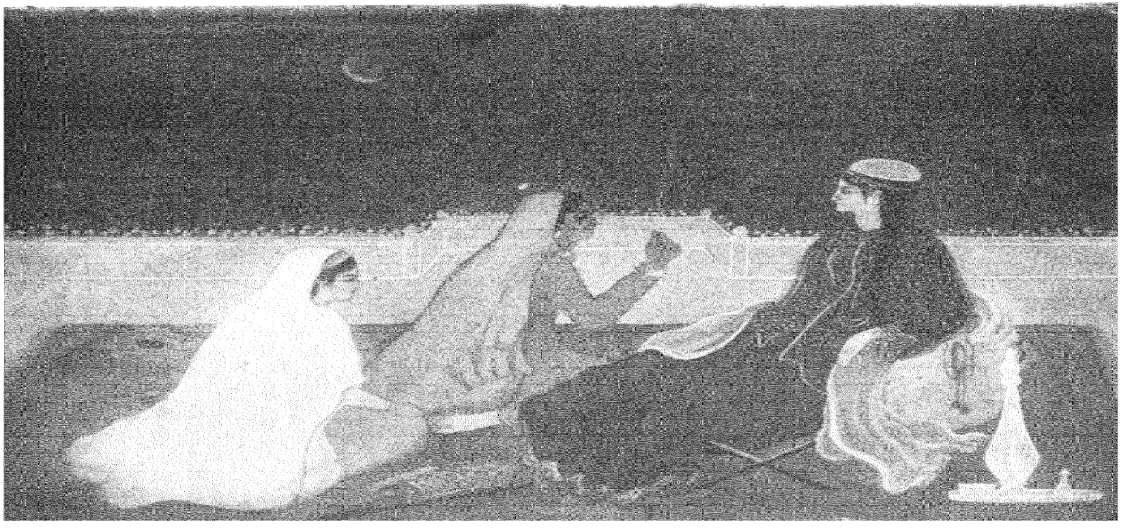

شہزادی فرخ ناز

ادبین پریس الٰہ آباد

اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء

ادیب

جلد ۲ — نمبر ۴

رودِ نیل

یاقوت حموی نے تصریح کی ہے کہ نیل عجمی لفظ ہے اور اسکو عربون نے رومی زبان کے لفظ نیلوس سے معرب کیا ہے۔ نیل کو قدیم مصری ہاپی Hapi کہتے تھے۔ صحف انبیا مین اسکے مختلف نام آئے ہین تورات مین "دریائے مصر" لکھا ہے۔ بعد کے صحیفون مین יאר درج ہے۔

دریائے نیل افریقہ کا سب سے مشہور دریا ہے۔ متقدمین خیال کرتے تھے کہ وہ تمام دُنیا کے دریاؤن سے بڑا اور لمبا ہے مگر حال کے سیاحون کی تحقیقات سے معلوم ہو گیا ہے کہ دُنیا مین بہت سے دریا اس سے بڑے اور لمبے ہین۔ دُنیا کا سب سے لمبا دریا شمالی امریکہ مین مسسپی (Mississippi) ہے جو مغربی پہاڑون سے نکلکر اور چار ہزار دو سو میل کے فاصلے کو طے کر کے خلیج میکسیکو Mexico مین گرتا ہے۔ اسکے بعد جنوبی امریکہ کا دریائے ایمیزان (Amazon) ہے جو چار ہزار میل سے کچھ زیادہ بہتا ہے اور دُنیا کے سب دریاؤن سے چوڑا ہے۔ دُنیائے جدید کے دریاؤن سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو دُنیائے عتیق مین نیل سے لمبا کوئی دریا نہین ملتا۔ ایشیا کا سب سے بڑا دریا یانگ تسی کیانگ Yang Tse Kiang جو چین کو سیراب کرتا ہے کل تین ہزار میل لمبا ہے۔ یورپ کا سب سے بڑا دریا والگا Volga جو روس مین ہے دو ہزار دو سو میل طے کر کے بحر خضر Caspian مین گرتا ہے۔

دریائے نیل کا منبع عین خط استوا پر واقع ہے۔ اس حساب سے یہ دریا چونتیس ۳۴ درجون کی لمبان مین یعنی دو ہزار تین سو ۲۳۰۰ میل کے طول مین بہتا ہے اگر اسکے تمام پیچ و خم کی بھی پیمایش کیجائے تو تین ہزار تین سو ستر میل ہوتے ہین۔

دریائے نیل کا منبع

قدیم زمانے مین دریائے نیل کا منبع اچھی طرح تحقیق نہین ہوا تھا۔ بطلیموس[1] Ptolemy اپنے جغرافیہ مین لکھتا ہے کہ یہ

---

[1] بطلیموس جسکو انگریزی مین کلاڈیس ٹولمی (Claudius Ptolemy) کہتے ہین۔ اسکندریہ کا ایک زبردست ہیئت دان تھا۔ دوسری صدی مسیحی مین گذرا ہے۔ علم ہیئت کے متعلق اُسنے حکیم فیثاغورس کے خلاف ایک نیا نظام ایجاد کیا تھا جسکا اصول یہ ہے کہ زمین مرکز ہے اور تمام سیارے اُسکے گرد حرکت کرتے ہین۔ اُسنے اس مسئلہ کو اپنی کتاب المجسطی Almagest مین تفصیل سے لکھا ہے۔ سوائے اسکے اُسنے ایک جغرافیہ بھی تصنیف کیا ہے اور اُسمین اپنے زمانے کی معلوم دُنیا کے تمام کمال حالات درج کئے ہین۔ اس

دریا سوڈان Soudan کے اُن پہاڑوں سے نکلا ہے جو جبل القمر کے نام سے مشہور ہیں۔

منبع نیل کے متعلق صدر اسلام میں اگرچہ کہ بہت سے جغرافیہ نویس گذرے ہیں مگر وہ خط استوا کے ملکی حالات سے بہت کم ملکہ براے نام واقف تھے اور اُنھوں نے یونانیوں کے بیانات کو اپنی تصنیفات میں درج کرلینے پر اکتفا کیا تھا۔ یہ لوگ نیل کے منبع کو بلاد زنج اور حبش کے اُن پہاڑوں میں بتاتے تھے جو بحر ہند کے متقابل واقع ہوئے ہیں چھٹی صدی ہجری میں ادریسی[1] ایک مشہور جغرافیہ نویس گذرا ہے یہ شخص نوبہ کا باشندہ تھا۔ اسکے لئے صحیح واقعات کا معلوم کرنا آسان تھا۔ کیونکہ یہ ملک خط استوا کے قریب واقع ہوا تھا۔ اپنے جغرافیہ میں جو نقشے درج کئے ہیں اُنمیں سے ایک نقشے میں خط استوا والی بڑی جھیل اور وہاں کے لوگوں سے دریافت کر کے نہر الازرق کو جو نیل کا ایک

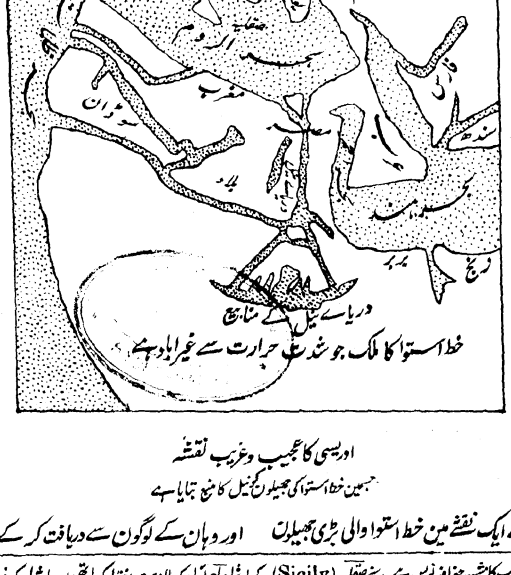

ادریسی کا عجیب وغریب نقشہ
جسمیں خط استوا کی جھیلوں کو نیل کا منبع بتایا ہے

کو دریاے نیل کا منبع بتایا ہے۔ اور یہی کے بعد ابوالفدا[2] نے اسکی خوب صراحت کی ہے وہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ دریاے نیل خط استوا کی اُس جھیل سے نکلا ہے جسکا نام کوآرا ہے۔ عربی جغرافیہ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کوآرا اُس جھیل کا نام ہے جسے آج کل البرٹ نیانزا Albert Nyanza کہتے ہیں اور یہی تحقیقات زمانہ حال کی ہے۔

سترھویں صدی عیسوی سے میں منبع نیل کے متعلق اہل یورپ کی راے تقریباً تین سو برس پہلے اہل یورپ کو منبع نیل کے متعلق ذاتی واقفیت نہ تھی۔ اسکے معلومات کا دارومدار یونانیوں کی تحریرات یا مسلمانوں کی تصنیفات پر تھا۔ سترھویں صدی مسیحی میں ایتھوپیا[3] Ethiopia میں بعض یورپین سیاح گئے

---

[1] ادریسی ابوعبداللہ محمد بن ادریس ہو کا مشہور جغرافیہ نویس ہے۔ اسنے صقلیہ (Sicily) کے بادشاہ راجر اوّل کی ملازمت اختیار کرلی تھی اور بادشاہ کی فرمائش سے چاندی کا ایک کرہ بنایا تھا جسکی تشریح میں اسنے اپنا مشہور جغرافیہ نزہۃ المشتاق فی اختراق الآفاق تصنیف کیا اسکے اُس حصہ کو جسمیں ہسپانیہ اور شمالی افریقہ کے حالات ہیں ۱۵۹۲ء میں علما سے جرمن نے چھپوایا ہے۔ سال ولادت ۴۹۳ھ سال وفات ۵۶۰ھ۔ [2] ابوالفدا عماد الدین اسمٰعیل بن علی حموی حاکم کاباد ثانی تھا۔ اسنے تاریخ وجغرافیہ میں دو کتابیں لکھی ہیں پہلی کتاب المختصر فی اخبار البشر جو دنیا بھر کی تاریخ ہے ۱۸۴۰ء میں تصنیف کی اسکے بعد اپنا مشہور جغرافیہ لکھا جسکا نام تقویم البلدان ہے۔ اسمیں تمام زمین کا جغرافیہ درج ہے اور خصوصاً عرب عجم اور مصر کے حالات نہایت صحت اور تفصیل سے مذکور ہیں۔ اس کتاب کو ۱۸۴۰ء میں علماے فرانس نے بمقام پیرس چھپوا کر شائع کیا ہے۔ سال وفات ۷۳۲ھ س۔ ن۔ [3] زمانۂ قدیم میں اتھوپیا Ethiopia افریقہ کے اُس حصہ کا نام تھا جسے آجکل نوبیہ Nubia اور ابی سینیا Abyssinia کہتے ہیں۔ اتھوپیا دو یونانی لفظوں سے مرکب ہے جسکے معنی جلے ہوے چہرے کے ہوتے ہیں۔ یہاں کے لوگوں کے چہرے چونکہ نہایت آفتاب کیوجہ سے سیاہ ہو جاتے ہیں۔ اسلئے یونانیوں نے اس ملک کا یہ نام رکھدیا تھا۔ س۔ ن۔

معاون دریا ہے۔ نیل اصلی قرار دیا۔ بعد ازاں اُسکے منبع کی جستجو کرنے لگے۔ ابتدا مین یہ رائے ہوئی کہ وہ حبش کے ایک پہاڑ کی جڑ سے نکلا ہے جسے گویام Gojam کہتے ہین ۱۷۶۸ء مین ان ممالک مین جب بروس Bruce کا گذر ہوا تو اُسنے تحقیق کیا کہ گوندر Gondar کے علاقہ مین ایک جھیل ہے جسے دمبیا Dembea کہتے ہین یہ دریا برآمد ہوتا ہے۔

منبع نیل کے متعلق محمد علی پاشا والی مصر زمانہ حال کی تحقیقات کی طرف سے ۱۸۴۱ء مین سلیم بک اور دارنو بک منبع نیل کی تحقیقات کیلئے روانہ ہوئے۔ یہ لوگ قاہرہ سے نکلکر خرطوم Khartum تک گئے جہان کہ نہر الازرق اور نہر الابیض کا اتصال ہوا ہے اور نہر الابیض کو نیل اصلی ہونکی رائے ظاہر کی۔ اسکے بعد انگلستان کی رائل جاگرفیکل سوسائٹی Royal Geographical Society نے اپنی کوششین شروع کین اور اس مہم پر کپتان اسپیک Speke کو روانہ کیا۔ اسپیک نے ۱۸۵۸ء سے لیکر ۱۸۶۲ء تک وسط افریقہ کے تین سفر کئے اور بڑی مصیبتون کے بعد پتہ چلایا کہ یہ دریا جھیل کی سب سے بڑی جھیل وکٹوریہ نیانزا Victoria Nyanza سے نکلا ہے۔ وکٹوریہ نیانزا وکٹوریہ نیانزا ۱- درجہ عرض جنوبی اور ۳۳½ درجہ طول شرقی پر واقع ہے۔ اسکا محیط زیادہ سے زیادہ تین ہزار نو سو میل ہوگا۔ اسکے جنوب مغرب مین ۲½ درجہ عرض جنوبی اور ۳۰ درجہ طول شرقی پر الگزنڈرا نیانزا (Alexandra Nyanza) ایک چھوٹی سی جھیل ہے۔ اس سے ایک دریا کیٹنگول (Kitan Gule) نکلکر وکٹوریہ نیانزا مین گرتا ہے۔ علاوہ اسکے ایک اور دریا کاٹنگا (Katonga) علاقہ اوگنڈا Uganda سے گذرتا ہوا شمال مغرب سرے سے آملا ہے۔ جنوب مشرق مین کوئی قابل ذکر دریا نہین۔ اس جانب شور زار میدان اور نمکین جھیلین ہین۔ دریاے نیل اسکے شمالی سرے سے برآمد ہوتا ہے جھیل سے ابتدا مین تین دھارے نکلتی ہین اور تھوڑی دور بہکر آپسمین مل جاتی ہین اور ایک دریا یعنی دریاے نیل ہوجاتا ہے۔ تین مشرقی

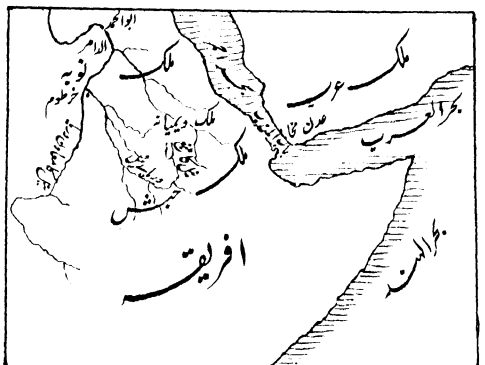

منبع نیل کا نقشہ جیسا کہ ایڈورڈ گائیورنے ۱۸۴۲ء مین بنایا تھا

نپولین چینل | دھارا کا نام اسپیک نے فرانس کے بادشاہ نپولین Napoleon کے نام پر نپولین چینل Napoleon Channel رکھا۔ کیونکہ ان تحقیقات کے صلہ مین فرانس کی رائل جاگرفیکل سوسائٹی نے اسپیک کو طلائی تمغہ دیا تھا۔ دریاے نیل ان چینل سے نکلکر ایک چٹان سے رُک جاتا ہے اور یہان نہایت زور شور کے ساتھ ایک چادر گرتی اور بہکر دریا رائپن فالس | کی دھار بنجاتی ہے۔ اسپیک نے اس چادر کا نام رائپن فالس Ripon Falls رکھا کیونکہ ان تحقیقات کے زمانہ مین ڈاکٹر رائپن Dr. Ripon جاگرفیکل سوسائٹی کے پریذیڈنٹ تھے۔

کپتان اسپیک کے بعد ۱۸۶۴ء مین وسط افریقہ مین سرسموئیل بیکر Sir Samuel Baker کا گذر ہوا۔ اُسنے بہت سی نئی باتین دریافت کین کہ دریاے نیل رامپن فالس سے نکلکر

کوجہ Goja نام ایک چھوٹی سی جھیل کو چیرتا ہوا شمال کو بہتا ہے۔ ۲ درجہ ۵ دقیقہ عرض شمالی ۳۲ درجہ ۳۰ دقیقہ طول شرقی پر اسکا رُخ مغرب کی جانب بدل جاتا ہے اور یہاں سے

مارچیسن فالس | تھوڑی دُور بہکر ایک چٹان کیوجہ سے چادر بنجاتی ہے بیکر نے اسکا نام مارچیسن فالس Murchison Falls رکھا۔ دریا اس مقام سے گزر کر شہر ماجنجو Magongo کے مغرب مین البرٹ نیانزا Albert Nyanza مین جا گرتا ہے۔

البرٹ نیانزا | البرٹ نیانزا Albert Nyanza خط استوا کے شمال ۱½ درجہ عرض شمالی اور ۳۱ درجہ طول شرقی پر واقع ہے۔ اسکا رقبہ زیادہ سے زیادہ (۲۴۰۰) ہوگا اسکے جنوب مین عین خط استوا کے ۳۰ درجہ طول پر البرٹ ایڈورڈ نیانزا Albert Edward Nyanza ایک چھوٹی سی جھیل ہے اس سے ایک دریا جو اوینزری Ruwenzori کہلاتا ہے نکلکر البرٹ نیانزا مین گرتا ہے۔

دریائے نیل البرٹ نیانزا کے شمالی سرے سے برآمد ہوکر جانب شمال بہنے لگتا ہے۔ اسکے بعد راستہ مین اور بہت سے ندی نالے مل جاتے ہین اور ایک دریائے ذخار بنجاتا ہے۔

نیل کے معاون دریا

بحرالغزال | سوڈان Soudan کے جنوب مغربی پہاڑون سے ایک دریا نکلا ہے جسے بحرالغزال Bahar-El-Ghazal کہتے ہین۔ اسمین ایک چھوٹا سا دریا بحرالعرب Bahar-El-Arab آکر گرتا ہے۔ پھر دو لون ملکر ایک چھوٹی سی جھیل کے پاس جسکا نام بحرالعجب Bahar-El-Ajob ہے دریائے نیل سے ملجاتے

نہر صوباط | ہین۔ اس سے تھوڑے فاصلہ پر شرق کی جانب نہر صوباط Sobat آکر ملی ہے۔ یہ دریا حبش کے جنوب مشرقی پہاڑون سے نکلتا ہے۔

بحرالازرق | نیل کے معاون دریاؤن مین بحرالازرق Blue Nile سب سے بڑا دریا ہے۔ یہ دریا ابیسینیا Abyssinia کی ایک جھیل سے جسے دیمبیا Dembea یا تسانہ Tzana کہتے ہین برآمد ہوتا ہے اور گوجام Gojam فنجی Fungi اور سنار Sennar کے علاقون کو سیراب کرتا ہوا ۱۵-۱۵ درجہ ۳۴ دقیقہ عرض شمالی اور ۳۲ درجہ ۳۱ دقیقہ طول شرقی پر خرطوم Khartoom کے پاس نیل سے مل گیا ہے۔ بحرالازرق منبع کے پاس عبائی Abai کہلاتا ہے۔ فنجی اور سنار مین نیل ازرق Blue Nile کہتے ہین۔

نہر عطبرہ | نیل ازرق کے بعد ۱۷ درجہ ۳۷ دقیقہ عرض شمالی اور ۳۳ درجہ ۵۹ دقیقہ طول شرقی پر نہر عطبرہ R. Atbara کا اتصال ہوا ہے۔ یہ دریا حبش کے کوہستان سے نکلتا ہے اور العفون El Efun کے پاس ایک چھوٹا سا دریا جو خورالغش Khor-El-Gash کہلاتا ہے آکر اسمین ملتا ہے۔ بحرالازرق کیطرح عطبرہ کے بھی بہت سے نام ہین۔ دہانہ کے پاس عطبرہ کہتے ہین۔ بلاد تنگر Tigor مین اسکا نام تقازہ Takazze ہے۔ مخرج کے پاس نہر سطیط (Setit) کہلاتی ہے۔

عطبرہ کے الحاق کے بعد کوئی معاون دریا نیل مین آکر نہین ملا ہے۔ یہان سے دہانہ تک وہ تن تنہا تین ہزار کیلو میٹر کا فاصلہ طے کرتا ہوا بحرالروم Mediterranean Sea مین جا گرتا ہے

نیل کے مختلف نام | دریائے نیل اپنے مخرج سے لیکر دہانہ تک مختلف نامون سے نامزد ہے۔ علاقہ اوگنڈا Uganda مین اسکو بحرالجبل Bahar-El-Jebel کہتے ہین۔ سوڈان Soudan مین بحرالابیض Bahar-El-Abiad کہلاتا ہے خرطوم Khirtoom سے لیکر بحرروم Mediterranean Sea تک نیل Nile مشہور ہے

نیل کے آبشار

دریائے نیل کے راستہ مین بیس سے زیادہ آبشار پڑتے ہین مگر انمین بڑے بڑے اور زیادہ مشہور چھ ہین ایک خرطوم کے پاس دوسرا بربر Berber کے شمال مین تیسرا مراوی Merawi کے پاس چوتھا خاص حانک Hanik مین پانچوین اور چھٹے آبشار وادی حلفہ Wadi Halfa اور اسوان Asswan مین واقع ہین۔

ان مقامات کے رہنے والے اُن لوگون کو جو یہان سیر و تفریح کرنے آتے ہین ایک عجیب اور خوفناک تماشا دکھاتے ہین۔ دو شخص ایک چھوٹی سی کشتی مین بیٹھکر دریا مین جاتے ہین۔ اُنمین ایک تو کشتی چلاتا ہے دوسرا اُس پانی کو اُلیٹتا ہے جو تلاطم کیوجہ سے کشتی مین آجاتا ہے۔ الغرض یہ کشمکش بہت دیر تک رہتی ہے یہانتک کہ وہ لوگ نہایت ہوشیاری سے کشتی کو اپنے قابو مین کرکے تیز دھار پر لانے کے بعد بہاؤ پر چھوڑ دیتے ہین۔ پھر کشتی تیر کیطرح بلندی سے نیچے نکل جاتی ہے۔ تماشہ بین گمان کرتے ہین کہ کشتی ڈوب گئی ہوگی۔ مگر وہ لوگ آبشار سے گذر کر جب بہت دُور بہ جاتے ہین تو جہان پانی دھیما ہوجاتا ہے باہر نکل آتے ہین۔

بحر یوسف

اسیوط (Siut) کے نیچے نیل سے ایک شاخ نکلی ہے جسے بحر یوسف کہتے ہین۔ یہ نہر وادی نیل کے مغرب مین کو ہستان لیبیان (Libyan) کیطرف دریائے نیل کے متوازی دُور تک چلی گئی ہے۔ بنی سویف Bani Suif مین اسکی دو شاخین ہوجاتی ہین جنمین ایک الجیزہ Gizah تک جاتی ہے اور دوسری صحرائے اعظم مین داخل ہوگئی ہے جسکی الفیوم El Fayum کے پاس آٹھ شاخین ہوگئی ہین۔

بحر یوسف پایابی نیل کے زمانے مین خشک ہوجاتا تھا۔ اسمٰعیل پاشا کے عہد مین نہر ابراہیمیہ کھود کر اُسکی ایک شاخ آبمین ملائی گئی تو اُسوقت سے آبمین ہمیشہ پانی رہتا ہے۔ الفیوم کے شمال مغرب مین ایک کھاری جھیل ہے جسکو برکۃ القارون یعنی قارون کا خزانہ کہتے ہین۔ طنیانی نیل کے زمانے مین بحر یوسف کا زائد پانی آبمین کا شاد دیا جاتا ہے۔

نہر التمساح

اس مقام پر جہان آجکل پورٹ سعید Port Said آباد ہے۔ قدیم زمانے مین نیل کی ایک شاخ گرتی تھی اور اسکے دہانہ پر پلیوسیوم Pilu Sium نام ایک بندر آباد تھا۔ رعمسس Rameses ثانی نے اس شاخ کو بحر قلزم Red Sea سے ملانے کیلئے ایک نہر کھودی تھی۔ اسکا دہانہ بوباسطیس کے پاس تھا اور بحر التمساح Bahar-El-Themasah کو چیرتی ہوئی کلیسمہ Clysma کے قریب بحر قلزم مین گرتی تھی۔ یہ نہر تھوڑی مُدت مین خود بخود بھر گئی۔ دارائے ثالث نے جب مصر کو فتح کیا تو اسکی ریت وغیرہ نکلوائی۔ پھر اسکی حالت خراب ہوگئی تو بطلیموس ثانی نے نہایت عمدگی سے مرمت کی۔ اسکے بعد رومیون نے اپنے زمانے

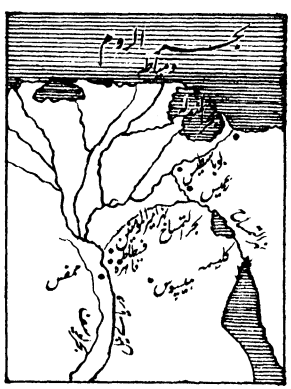

نقشۂ نہر التمساح

مین اسکو پاٹ دیا - یہانتک کہ مسلمانون کا زمانہ آیا - ۱۸ھ مین جب تمام عرب مین قحط پڑا تو حضرت عمرؓ نے تمام اضلاع کے حکام کو لکھا کہ ہر جگہ سے کثرت کے ساتھ غلّہ وغیرہ روانہ کیا جاے - مصر سے خشکی کا راستہ بہت دُور دراز تھا - اسلئے غلّہ کے پہونچنے مین دیر لگی - حضرت عمرؓ نے حاکم مصر عمرو بن عاصؓ کو لکھا کہ اگر دریاے نیل بحر قلزم سے ملا دیا جاے تو اس بُعد مسافت کی دقت ہمیشہ کے لئے رفع ہو جائیگی - عمرو بن عاص نے اس کام کو شروع کیا - بحر قلزم سے بحر المتساح تک قدیم نہر سے ریت وغیرہ صاف کرائی - پھر بحر المتساح سے لیکر فسطاط تک نئی نہر تیار کی - یہ کام چھ مہینے مین ختم ہوا - ۱۸ھ مین محمد بن عبداللہ ہاشمی نے مدینہ مین علم بغاوت بلند کیا تو خلیفہ منصور عباسی نے حاکم مصر کو حکم دیکر یہ نہر بند کر دی تاکہ اہل مصر مدینہ کو سامان جنگ نہ بھیج سکین -

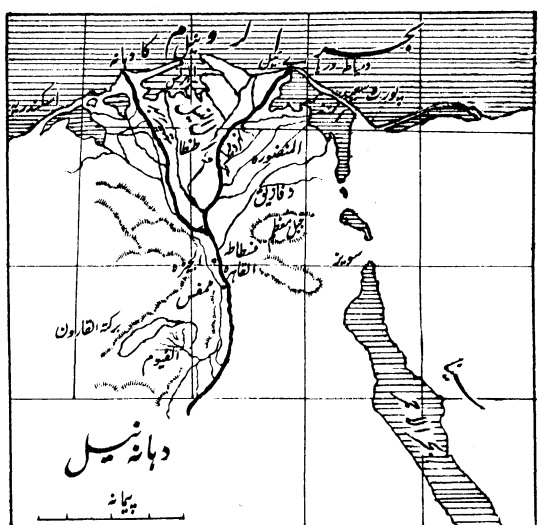

دریاے نیل کا دہانہ

دریاے نیل دو شاخون کے ذریعہ سے بحر روم (Mediterranean Sea) مین گرتا ہے - اسکی یہ دو شاخین قاہرہ و الانیل سے بیس کیلو مٹر کے فاصلہ پر پھٹتی ہین اور اس مقام کو قم البحر کہتے ہین انمین سے جو شاخ مشرق کیطرف گرتی ہے اُسے بحر دمیاطہ کہتے ہین اور جو شاخ مغرب مین گرتی ہے اُسکا نام بحر الرشید ہے اور انکے درمیان کی زمین روضۃ البحرین یا دال النیل کہلاتی ہے - ان دونون شاخون سے بہت سی چھوٹی چھوٹی نہرین نکلی ہین - انمین سے بعض تو بحر روم مین گرتی ہین اور بعض اُن جھیلون مین جا ملی ہین جو ساحل بحر روم پر واقع ہین - یہ جھیلین تعداد مین تین ہین - قدیم زمانہ ساحل بحر روم کی جھیلین مین بہت بڑی بڑی تھین - لیکن اب روز بروز چھوٹی ہوتی جاتی ہین اور ایک وقت ایسا آئیگا کہ بالکل خشک ہو جائین گی - کیونکہ دریاے نیل کی طغیانی مین ہر سال مٹی کا جو ذخیرہ انمین گرتا ہے وہ انکو بند کرتا رہتا ہے - انمین سب سے بڑی جھیل بحیرۃ المنزلہ Manzaleh نہر سویز Suez اور بحر دمیاط Damiatt کے درمیان واقع ہے اور پورٹ سعید Port Said کے مغرب مین بیس کیلو مٹر کے فاصلہ پر سمندر سے مل گئی ہے - دوسری جو بحیرۃ البرلس Barlas کہلاتی ہے دال النیل مین واقع ہے - تیسری کا نام بحیرۃ المریوط Mareotis ہے - یہ جھیل بالکل خشک ہو گئی تھی - ۱۷۹۹ء مین جبکہ فرانسیسیون نے مصر پر فوج کشی کی تو اسکندریہ کے پاس اُسے سمندر سے ملا دیا -

بحر دمیاط کی نہرین | بحر دمیاط سے حسب ذیل نہرین نکلی ہین -

۱- نہال اس کو جسکو ریاح توفیقی بھی کہتے ہین فم البحر کے پاس سے نکلی ہے۔ پھر اسکی بہت سی شاخین ہوجاتی ہین۔ منجملہ اُنکے بڑی بڑی شاخون کے یہ نام ہین بحر سوئیس۔ بحر سفط۔ بحر تنّاح۔ بحر صغیر۔ یہ سب کی سب بحیرۃ المنزلہ مین گرتی ہین۔

۲- نہر المنوفیہ۔ وادی النیل کے اندر فم البحر کے پاس سے نکلی ہے اور یہان سے تیئیں کیلومٹر کے فاصلہ پر اسکی دو بڑی بڑی شاخین ہوجاتی ہین۔ نہر باجوریہ اور بحر شبین۔ نہر باجوریہ سے بحر نشرت اور بحر قضنابہ نکلی ہین۔ بحر شبین محلہ الکبریٰ کے پاس سے ہوتی ہوئی بحر دمیاط اور بحیرۂ برلس کے مابین بحر الروم مین گرتی ہے۔ اس سے کئی شاخین نکلی ہین۔ انمین سب سے بڑی بڑی بحر السیف۔ بحر البیرہ۔ بحر البلقاس ہین اور یہ سب کی سب بحیرۂ برلس مین گرتی ہین۔

بحر رشید کی نہرین | جو نہرین بحر الرشید سے نکلی ہین وہ یہ ہین۔

۱- بحر صعیدی وسوق کے پاس سے نکلی ہے اور بحر برلس مین گرتی ہے۔

۲- نہر الغربی۔ فم البحر کے پاس سے نکلی ہے اور صحرائے لیبیان Libyan کے درمیان سے گذر کر نہر خطاطبہ سے مل جاتی ہے۔

۳- نہر خطاطبہ۔ فم البحر کے اوپر پچاس کیلومٹر کے فاصلہ سے برآمد ہوتی ہے پھر نہر الغربی سے ملکر بحر مریوط مین گرتی ہے۔ اس سے تین بڑی بڑی شاخین نکلتی ہین۔ نہر حاجر۔ نہر ابو دیاب۔ نہر توبار یہ۔ پہلی دو شاخین بحر مریوط سے جالمی مین تیسری صحرائے اعظم مین جاکر ریت مین جذب ہوجاتی ہے۔

نیل کی طغیانی

نیل کی طغیانی قدرت کا ایک کرشمہ ہے۔ اسکا پانی ہر سال ایک معین وقت پر بڑھنا شروع ہوتا ہے اور ایک خاص زمانے تک بڑھتا رہتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ اُترکے اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے۔ پہلے زمانے مین اس طغیانی کی نسبت بہت سے غلط خیالات پھیلے ہوئے تھے۔ قدیم مصری اپنی دیوی آئیسیس Aeosius کے آنسوؤن کو اس سیلاب کا باعث بتاتے تھے۔ یہ لوگ خیال کرتے تھے اُنکے سب سے بڑے دیوتا آ Ra نے جسے یونانی مین ہیلیوس Helios کہتے ہین ایک دن یہ بددعا کی کہ آفتاب کے جتنے دن ہین اُنمین دیوتا پیدا نہ ہونگے۔ ہرمس Hermes نے جو عقل و دانش کا دیوتا تھا ماہتاب سے چوسر کھیلتے وقت پانچ دن جیت لئے جسے اُسکے سال کے تین سو ساٹھ دنون مین بڑھا دیا اور ان پانچ دنون مین پانچ دیوتا پیدا ہوئے۔ پہلے اوسارس Usayres پیدا ہوا۔ اسکے بعد ہورس Hwres جسے یونانی مین اوسارس اپالو کہتے ہین تیسرے دن ٹائیفون Typhon چوتھے دن آئیسس Aeosius پانچوین دن نیافیز Neaphiz جسے یونانی مین وینس Venos کہتے ہین۔ اوسارس دیوتا نے آئیسس دیوی کے ساتھ شادی کی تھی۔ ٹائیفون نے ایک دن اوسارس کو دعوت دی اور اُسمین ایک صندوق پیش کرکے کہا کہ جسکے جسم سے برابر ہووہی لے لے۔ جب اوسارس اُسکے اندر اترا تو ٹیفون نے اُسے بندکرکے دریائے نیل مین بہادیا۔ آئیسس دیوی اپنے شوہر کے فراق مین دریائے نیل پر کھڑی رویا کرتی ہے جس سے اُسکے آنسو دریا مین گرتے ہین اور اُنکے باعث یہ سیلاب آیا کرتا ہے۔

اس قسم کی اور بھی بہت سی روایات مشہور ہین۔ مگر اُنمین ایک بھی قابل الثفات نہین حقیقت یہ ہے کہ خط استوا کے ملکون مین منبع کے آس پاس ہر سال دھوان دھار بارش ہوتی ہے جسکی وجہ سے یہ سیلاب آتا ہے۔ مصر کے بادشاہ بطلیموس[1] ثانی نے بہت سے قابل آدمیون کو حبش و سوڈان کے ممالک مین بھیجکر اس امر کی تحقیق

---

[1] سکندر اعظم کی وفات کے بعد اسکے سپہ سالار بطلیموس نے جسے انگریزی مین ٹولمی کہتے ہین مصر پر قبضہ کرلیا۔ اُسکے بعد یہ حکومت دو سو برس تک اُسکے خاندان مین رہی۔ اُسکا بیٹا بطلیموس ثانی جسکا اصلی نام فیلاڈلفس ہے ۲۸۵ ق م سے لیکر ۲۴۷ ق م تک برسر حکومت رہا۔ اسے علمی تحقیقات کا بیحد شوق تھا۔ مصر قدیم کی نسبت اسنے بہت باتین دریافت کی تھین۔ دُنیا بھر کی نادر و نایاب کتابین جمع کرکے اپنے مستقر اسکندریہ Alexandria مین ایک عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا تھا جسے شہنشاہ تیئیوڈوسس Theodosius کے حکم سے ۳۹۰ء مین عیسائیون نے جلا دیا۔

کیا تھا۔ اسکے بعد تمام محققین نے یہی اسباب بیان کئے ہین جو مورخ اسٹرابو Setirabo نے یہ بھی لکھا ہے کہ مدت سے سیاحون نے اس نظارے کو اپنی آنکھون سے دیکھا ہے۔

طغیانی کا موسم | مورخ ہیرو ڈوٹس Herodotus کا بیان ہے کہ طغیانی کا پانی گرمی کے موسم مین یعنی جون کے اخیر ایام مین بڑھنا شروع ہوتا ہے اور ستمبر کے اخیر تک زیادتی پر رہتا ہے۔ اکتوبر اور نومبر کے مہینون مین کمی ہونے لگتی ہے۔ یہانتک کہ اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہے۔ اس حساب سے طغیانی کی مدت پانچ مہینے ہوتی ہے۔ لیکن اسٹرابو Setirabo و پلینی Pliny نے اسمین اختلاف کیا ہے یہ لوگ تین مہینے کی مدت بتاتے ہین اور اُسی مین چڑھاؤ اُتار کا زمانہ قرار دیتے ہین۔ الحسن الفاسی نے اسّی دن بتائے ہین وہ لکھتا ہے کہ ۱۷ جون سے نیل مین طغیانی شروع ہوتی ہے۔ اسکے بعد چالیس دن بڑھتا رہتا ہے اور پھر چالیس دن تک اُترتا رہتا ہے۔ اس حساب سے ۲۶ جولائی تک طغیانی رہتی ہے پھر اُتار شروع ہوتا ہے۔ ۴ ستمبر کو دریا کی اصلی حالت ہو جاتی ہے۔

امین فکری اپنے جغرافیہ مین لکھتا ہے کہ دریا مین ۱۸ جون سے زیادتی شروع ہوتی ہے۔ ۱۵ اگست کو نصف حد تک پہونچ جاتی ہے۔ ۲۰ ستمبر کو کمال حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ دن یوم الصلیب کہلاتا ہے اسکے بعد تدریج گھٹاؤ شروع ہوتا ہے۔ نومبر کے مہینے مین کمی کی انتہا ہو جاتی ہے اور دریا اصلی حالت پر آجاتا ہے۔

جن لوگون نے وسطی افریقہ کی سیاحت کی ہے وہ بیان کرتے ہین کہ سوڈان Soudan اور ایتھوپیا Ethiopia کے ممالک مین مارچ کے اخیر ایام سے بارش شروع ہوتی ہے اور متواتر چھ مہینے یعنے ستمبر تک اسکا سلسلہ جاری رہتا ہے انھین ایام سے نیل مین زیادتی شروع ہو جاتی ہے۔ لیکن اسکا اثر مصر مین دو مہینے کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ جسکی یہ ہے کہ پہلے تو گذرگاہ کی شورزار زمین پانی جذب کر لیتی ہے پھر اسقدر دور دراز سے تکلکر دو ہزار میل کی مسافت طے کر کے مصر مین آتے ہوئے اسقدر زمانہ گذر جاتا ہے۔

طغیانی کی بلندی | پلینی Pliny کا بیان ہے کہ ایام طغیانی مین نیل کا چڑھاو اگر سطح سے اٹھارہ یا ساڑھے اٹھارہ فیٹ اونچا ہو تو قحط سالی

---

۱ اسٹرابو قدیم زمانے کا ایک مشہور سیاح ہے جناب مسیح کا معاصر تھا۔ اسنے جغرافیہ کے متعلق بہت سی باتین تحقیق کی ہین اور اس بارے مین ایک کتاب لکھی ہے جسمین اُس زمانہ کی معلوم دنیا کے حالات اور وہان کے اقوام کی تاریخ درج ہے۔ ۲ ہیرو ڈوٹس۔ زمانہ قدیم کا مشہور مورخ ہے۔ یونان کا باشندہ تھا۔ اسکو ابوالمورخین کے لقب سے یاد کرتے ہین تاریخ مین اسنے ایک کتاب لکھی ہے جسمین ایران۔ شام۔ عرب۔ مصر۔ یونان۔ روم کے واقعات اور وہان کی اقوام کے تذکرے تفصیل کے ساتھ مدرج ہین۔ ولادت ۴۸۴ء قبل وفات ۴۰۸ء قبل ۳ پلینی علم طبعیات کا عالم تھا۔ اُسنے تاریخ طبعی کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے اسکے زمانہ مین کوہ وسوویس کی آتش فشانی شروع ہوئی اور پلینی اور ہرکولینیم تباہ ہو گئے تو اسنے پہاڑ کے دہانہ کے پاس جاکر دیکھنا چاہا کہ اسمین سے سطح پر یہ پراسرار چیزین خارج ہوتی ہین اور اسی کوشش مین اسکی جان جاتی رہی۔ ولادت ۲۳ء وفات ۷۹ء ۴ حسن بن محمد بن وزاز الفاسی۔ غرناطہ کا باشندہ تھا۔ مگر امین آکر بڑے بڑے علما سے علم حاصل کیا اسکے بعد افریقہ کے شمالی اور وسطی ممالک کی سیر و سیاحت کی پھر جہان سے مکہ معظمہ گیا۔ ایران ہوتا ہوا روم مین گیا۔ اس سفر سے واپس ہو کر سب سے مین جب قسطنطنیہ پہونچا تو بحری قزاقون نے اُسے گرفتار کر لیا اور وہان سے روما لیگئے جہان پوپ لیو دہم کے ایما سے عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ جب پوپ کا انتقال ہو گیا تو وہان کی سکونت چھوڑ دی اور ٹونس مین آکر مسلمان ہو گیا اور یہین فوت بھی ہوا۔ اسنے جغرافیہ مین ایک کتاب لکھی ہے جسمین افریقہ کے شمالی اور وسطی ممالک کا مفصل ذکر ہے۔ یہ کتاب یہی صدیون تک یورپ مین افریقہ کے متعلق مستند مانی جاتی تھی۔ ۵ محمد امین فکری اسنے فرانس مین تعلیم پائی ہے۔ پہلے مصر کے سررشتہ تعلیم مین ملازم تھا پھر ہائیکورٹ کا جج مقرر ہوا۔ سویڈن مین جو انجیل کا فرنس منعقد ہوئی تھی اُسمین سلطنت مصر کی طرف سے وکیل مقرر ہو کے گیا تھا اسنے علی مبارک پاشا کی فرمائش سے ۱۸۷۶ء مین مصر کا ایک ضخیم جغرافیہ تصنیف کیا ہے۔ اسکے علاوہ ایک کتاب اپنے سفر یورپ کے متعلق لکھی ہے۔

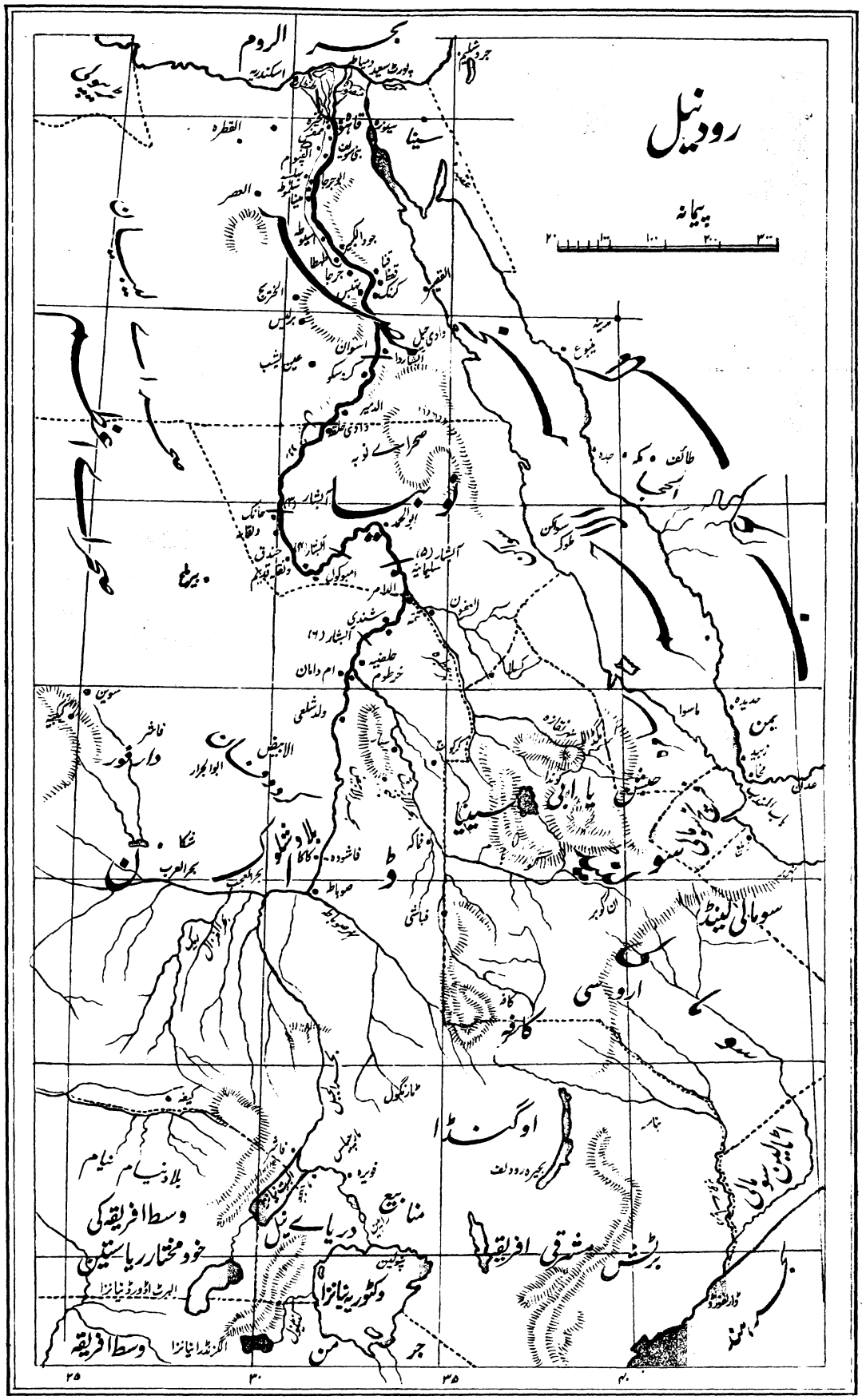
رود نیل
پیمانہ
بحر الروم
اسکندریہ
پورٹ سعید
جزیرہ قبرص
القطرہ
سینا
سویز
قاہرہ
بنی سویف
الفیوم
الجیزہ
الاہرام
منیا
الصعید
اسیوط
جرجا
بنی مزار
القصیر
قنا
قفط
کنگ
بندر قصیر
الخرجہ
برنس
اسوان
کرسکو
عین شب
وادی حلفا
الدیر
صحرائے نوبہ
ابو حمد
الشایر
جغبوب
واحہ
سکوکن
طوکر
طائف
مکہ
جدہ
الحجاز
بربر
خندق
دقالہ
امبوکول
الدامر
سلیمانیہ
آبشار (۵)
آبشار (۴)
آبشار (۶)
شندی
خرطوم
حلفیہ
ام درمان
کرکوج
الابیض
ولد شلعی
سواکن
فاشر
دار فور
ابو جبور
بحر العرب
شکا
بلاد شلوک
فاشودہ
صوباط
فنکو
کاکا
بحر الجبل
فبانشی
ان گوبر
یمن
حدیدہ
ماسوا
زبید
مخا
عدن
حبش
یا ابی
سینا
سوبا
سوبا
سومالی لینڈ
ارو سی
کافہ
کاف
مارنگول
اوگنڈا
بحیرہ روڈولف
بنادر
ایالین سومالی
بلاد نیام نیام
وسط افریقہ کی
خود مختار ریاستیں
فاشر
فویرہ
مابرجلی
البرٹ اڈورڈ نیانزا
منابع
دریائے نیل
وکٹوریہ نیانزا
بحیرہ
برٹش مشرقی افریقہ
وسط افریقہ
الگزنڈرا نیانزا
۲۵
۳۰
۳۵
۴۰

کا اندیشہ ہے اگر چہ میزان ۲۲ فیٹ تک چڑھ جائے تو ملک غرقاب ہوجاتا ہے شہنشاہ جولین Julian نے اپنی ایک چٹھی مورخہ ۲۰۔ ستمبر ۳۶۲ء مین طغیانی کی بلندی بائیس فیٹ لکھی ہے حسن الفاسی نے لکھا ہے کہ طغیانی کی اوسط بلندی پندرہ ۱۵ بالشت ہے اور اس سال اذاء سے زراعت ہوتی ہے اگر پندرہ ۱۵ اور بارہ کے درمیان ہو تو فصل مین کچھ کمی ہوجاتی ہے اور اگر بارہ ۱۲ اور دس کے درمیان ہو تو قحط پڑجاتا ہے۔ اگر اٹھارہ ۱۸ بالشت تک پانی بلند ہوجائے تو طوبت بہت زیادہ ہوجائیگی اور اگر اس سے بھی بڑھ جائے تو مصر کے غرق ہوجانے کا خطرہ ہے۔

حال کی کتب جغرافیہ مین لکھا ہوا ہے کہ سب سے بہتر طغیانی وہ ہے جو معمولی سطح سے سولہ ۱۶ فیٹ بلندی پر ہو۔ اگر اس سے زیادہ ہوجائے تو اردگرد کا علاقہ غرقاب ہوجاتا ہے۔ بہ نسبت شمال کے جنوبی ممالک مین چڑھاؤ خوب بلند ہوتا ہے۔ اسکے بعد دریا کو سمندر سے جسقدر قرب ہوتا جاتا ہے بلندی کم ہوتی جاتی ہے۔

ایام طغیانی مین نیل کا پانی بہت تیزی کے ساتھ بہتا ہے چند سال پہلے اسکی تحقیقات کی گئی تھی تو معلوم ہوا کہ قاہرہ مین جزیرۃ الروضہ کے پاس ایک گھنٹہ مین جو بیس ہزار ملیں پانی گذر جاتا ہے۔

مقیاس النیل | طغیانی کی روزانہ زیادتی کا اندازہ کرنے کیلئے فراعنۂ مصر نے ممفس Memphis کے بڑے مندر مین ایک پیمانہ لگایا تھا۔ یہ پیمانہ اصل مین ایک مینار تھا اور اسپر زیادتی کے درجے بنے ہوئے تھے۔ شہنشاہ قسطنطین Constantine نے اپنے زمانۂ حکومت مین اس مینار کو سندر سے اٹھوا کر اسکندریہ کے ایک گرجا مین نصب کرادیا جسکی وجہ سے مصریون مین بیحد ناراضگی پھیل گئی۔ اسکے بعد شہنشاہ جولین Julian جب تخت نشین ہوا تو مینار کو اسی مندر مین بھجوادیا مگر شہنشاہ تھیوڈوسیس Theodosius نے پھر اسکو وہان سے اٹھوا منگایا۔

عہد اسلام مین عبدالعزیز بن مروان نے جو خلیفہ عبدالملک کیطرف سے مصر مین حاکم تھا سب سے پہلے ۷۰ھ مین بمقام حلوان مقیاس بنایا۔ جب یہ عمارت گرگئی تو ۹۵ھ مین سلیمان بن عبدالملک کے زمانے مین اسامہ بن یزید والی مصر نے جزیرۃ الروضہ مین اسی قسم کی ایک نئی عمارت تعمیر کی۔ ۲۱۵ھ مین جب مامون الرشید مصر مین داخل ہوا تو اسکے حکم سے اس عمارت مین بہت کچھ ترمیم کی گئی خلیفہ الواثق باللہ کے عہد مین ۲۳۲ھ مین اسکو منہدم کرکے از سر نو بنایا گیا اور اسکا نام مقیاس الجدید قرار پایا۔ اسکے بعد ۲۴۶ھ مین عہد متوکل باللہ اسکی شکست و ریخت کی مرمت کی گئی خلفائے فاطمیہ کے زمانہ مین ۴۸۰ھ خلیفہ مستنصر باللہ کے حکم سے منہدم کرنیکے بعد اسکی از سر نو تعمیر ہوئی۔ اسکے بعد آمین وقتاً فوقتاً ترمیمات ہوتی رہین۔

حسن الفاسی نے اس پیمانہ کی نسبت لکھا ہے کہ یہ ایک چہار بالشت مربع حوض ہے اور اسکا عمق اٹھارہ ۱۸ بالشت ہے اسکے درمیان ایک ستون ہے جسپر نشانات بنے ہوئے ہین۔ آمین ایک اندرونی نل کے ذریعہ سے دریا کا پانی آتا ہے اور نیل مین روزانہ جسقدر طغیانی ہوتی ہے اسمین اُسیقدر پانی بلند ہوتا جاتا ہے۔

اسوقت خاص مصر مین چار مقیاس بنے ہوئے ہین ایک قناطر الخیریہ مین۔ دوسرا قاہرہ کے پاس جزیرۃ الروضہ مین۔ تیسرا جزیرہ الفنٹین Elephantine مین جو کھتا وادی حلفہ Wady Halfa مین۔ انکے علاوہ خرطوم Khartoom اور بربر Berber مین بھی دو مقیاس لگے ہوئے ہین۔ جہان سے وقتاً فوقتاً تیلیگراف کے ذریعہ سے قاہرہ مین خبر بھیجی جاتی ہین۔

وادی النیل

وادی النیل سے وہ آراضی مراد ہے جو دریاے نیل کی طغیانی سے سیراب ہوتی ہے۔ دریاے نیل حبش اور نوبیہ کے ملکون مین دو صحراؤن کے درمیان سے گذرتا ہے۔ لہذا یہان سوائے اُن جزیرون کے جو اسکے وسط مین ہین۔ ان اطراف مین کہین زراعت

نہین ہوتی - البتہ کسی کسی مقام پر لب ساحل چند وسیع قطعات موجود ہین جو قابل زراعت ہین - پہلے آبشار تک نیل کے اطراف کی زمینون کا یہی حال ہے - اس جگہ سے وہ گویا سرزمین مصر مین داخل ہوتا ہے اور پھر اسکی وادی وسیع ہوجاتی ہے اور بیشمار باغون - چراگاہون اور سبزہ زارون سے ہوکر گذرتا ہے -

دریائے نیل کے سبب سے مصر کی زرخیزی

دُنیا کے عموماً تمام ممالک کی یہ حالت ہے کہ وہان بارش کے پانی سے پیداوار ہوتی ہے - اگر کسی سال بارش نہو تو زمین بنجر اور افتادہ ہوجاتی ہے - لیکن مصر کی حالت اسکے خلاف ہے - اس ملک مین بارش نہین ہوتی تاہم وہ دُنیا کے بڑے سرسبز زرخیز ملکون مین شمار ہوتا ہے - سبب اسکا دریائے نیل ہے - کیونکہ طغیانی سے تمام زمین سیراب ہوجاتی ہے اور بارش کے نہ ہونے سے جو نقصان ہوتا ہے اُسکا بدلہ اس دریا سے اسطرح مل جاتا ہے - دوسرے دریاؤن کا یہ دستور ہے کہ وہ جب کسی زمین سے گذرتے ہین تو اُنکی رو مین عمدہ مٹی بجکر ریت یعنی ناکارہ مٹی رہجاتی ہے - برخلاف اسکے دریائے نیل اپنی رو مین سوڈان اور نوبیہ کے علاقون سے جو چکنی مٹی بہالاتا ہے - مصر کی زمینون پر اُسکی تہ جم جاتی ہے اور گذشتہ فصل سے زمین جسقدر کمزور ہوگئی تھی اسکی وجہ سے اُتنی ہی زوردار ہوجاتی ہے -

دریائے نیل کا پانی چونکہ تمام ملک مین نہین پھیل سکتا ہے اسلئے اہل مصر نے دریا سے بہت سی نہرین کاٹی ہین اور اُنسے زراعت کیلئے تمام بلند علاقون کو سیراب کرتے ہین - چنانچہ اسمٰعیل علی آفندی نے اپنے جغرافیہ نخبۃ الانہر یہ مین اس قسم کی نہرون کا مفصل ذکر درج کیا ہے -

ساحل نیل کے شہر

نیل کے کنارے حسب ذیل بڑے بڑے شہر آباد ہین -

القاہرہ (Cairo) ملک مصر اور براعظم افریقہ کا سب سے بڑا شہر ہے - دریائے نیل کے مشرقی ساحل پر واقع ہے خلیفہ معز لدین باللہ فاطمی کے سپہ سالار جوہر الصقلی نے ۳۵۸ھ/۹۶۹ء مین اسکو آباد کرایا تھا - اس عہد سے آجتک شاہان اسلام کا دارالحکومت ہے - موجودہ مردم شماری اندازاً چار لاکھ ہے - اسمین ملکی اور اجنبی دونون شامل ہین -

قاہرہ مین مسلمانون کی یادگار عمارات کثرت سے ہین اور اپنی صنعت کے لحاظ سے اسقدر مشہور ہین کہ متقدمین کی بےنظیر یادگار سمجھی جاتی ہین - یہان بعض صحابہ کرام اور ائمہ و عظماے عظام کے مزارات بھی ہین - حضرت عمرو بن العاص (فاتح مصر) حضرت زینب (ہمشیرہ امام حسینؓ) حضرت کلثوم - امام شافعی - امام لیث کے مقبرے بڑی شان و شوکت کے ہین - ایک مسجد مشہد حسین کے نام سے مشہور ہے - کہتے ہین کہ اسمین امام حسینؓ کا سر مبارک مدفون ہے -

قسطاط جسکو مصر العتیقہ بھی کہتے ہین قاہرہ کے شمال مین نیل کے مشرقی ساحل پر آباد ہے - قدیم زمانے مین جبل مقطم اور نیل کے درمیان کف دست میدان تھا - جسمین دریا کے کنارے رومیون نے ایک قلعہ بنایا تھا جو قصر الشمع کہلاتا تھا - مسلمانون نے ۲۰ھ/۶۴۱ء مین مصر پر حملہ کیا تو سب سے پہلے قصر الشمع کا محاصرہ کیا اور اُسکے میدان مین لشکر کے خیمے نصب کئے جب قلعہ فتح ہوگیا تو فوج اسکندریہ کیطرف روانہ ہوئی اور خیمے اُکھاڑے جانے لگے تو معلوم ہوا کہ ایک خیمہ کے گوشہ مین کبوتری نے انڈے دئے ہین - تو حضرت عمرو بن عاص نے خیمہ کے اُکھاڑنے سے منع کردیا اور اُسکو یہین چھوڑکر اسکندریہ چلے گئے - اسکندریہ کے فتح کے بعد جب واپس آئے تو اُس خیمہ کے پاس ۲۱ھ مین ایک شہر کی بنیاد ڈالی اور ایک جامع مسجد بھی تعمیر کرائی جو اب تک جامع عمرو کے نام سے مشہور ہے اور یہ سب سے پہلی مسجد ہے جسے مسلمانون نے مصر مین تعمیر کرایا - خیمہ کو عربی زبان مین فسطاط کہتے ہین - اسی مناسبت سے شہر کا نام بھی فسطاط مشہور ہوگیا - فسطاط پہلے زمانہ مین بڑا اخبار شہر سمجھا جاتا تھا - علامہ بشاری نے اپنے جغرافیہ مین لکھا ہے کہ یہ شہر بغداد کا

تاریخ اور اسلام کا فخر ہے۔ تمام بلاد اسلام مین یہان سے زیادہ کسی جامع مسجد مین علمی مجلسین نہین ہوتین اور نہ یہان سے زیادہ کسی شہر کے ساحل پر جہاز لنگر ڈالتے ہین۔ فاطمیون نے جب قاہرہ کو بسا کر اُسے اپنا تخت گاہ بنایا تو اسکی بہ رونق کم ہو گئی اور رفتہ رفتہ قاہرہ کے مضافات مین شامل ہو کر مصر العتیقہ سے نام زد ہو گیا۔

الجیزہ El Gizah دریاے نیل کے بائین جانب آباد ہے۔ اسلامی فوج جب اسکندریہ سے فسطاط مین واپس آئی تو حمیر اور ہمدان کے قبیلون نے اپنی سکونت کیلئے نیل کے مغربی ساحل کو پسند کیا۔ حضرت عمرو بن العاص نے اس آبادی کے اطراف حصار کھینچکر قلعہ بنوادیا جو الجیزہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ الجیزہ کے مغرب مین تینون وہ اہرام[1] استادہ ہین جو دنیا کے سات عجائبات مین شمار کئے جاتے ہین۔

ممفس Memphis قراعنۂ مصر کا تخت گاہ ہے نیل کے مغربی کنارے پر آباد تھا۔ توراۃ مین موف מף یا نوف נף کہلاتا ہے۔ اسکے جائے وقوع کو ظاہر کرنے کے لئے ایک بھاری بت اور چند گرے ٹوٹے پتھر کے ٹکڑے باقی رہ گئے ہین۔ حال مین اسکے پاس ایک عجیب و غریب قبرستان برآمد ہوا ہے جو ہزار فیٹ لمبی چٹان تراش کر بنایا گیا ہے۔ اسمین سنگ مرمر کے بہت سے خوبصورت صندوق نکلے ہین اور اُنمین اُن سانڈون کی لاشین رکھی ہوئی ہین جنھین قدیم مصری متبرک سمجھکر پوجتے تھے۔

بنی سویف Bani Sooif مصر صعید کی مدیریت دویم کا صدر مقام ہے۔ اسکی آبادی تقریباً (۲۲۰۰۰) ہو گی۔ یہان قالین۔ دُھتے اور تمباکو بہت اچھے بُنے جاتے ہین۔ علاوہ ازین روئی اور اناج کی تجارت بھی بہ کثرت ہوتی ہے۔

المینا El Mina مصر صعید کی مدیریت چہارم کا صدر مقام ہے۔ قدیم زمانہ مین اسکا نام اطمون تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید کے عہد مین خطیب بن عبد الحمید یہان کا حاکم ہو کر آیا تو اسکا نام المینۃ الخطیب ہو گیا۔ اسوقت اسکی آبادی (۱۵۰۰۰) نفوس ہے اور یہان شکر سازی کے بڑے بڑے کارخانے ہین۔

اسیوط Sioot مصر صعید کی مدیریت پنجم کا صدر مقام ہے۔ اسکی آبادی (۵۶۲۰۰۰) ہو گی۔ تجارت کی بہت بڑی منڈی اور صنعت و حرفت کا مرکز ہے۔ اس شہر مین بہت سے فاضل پیدا ہوئے ہین منجملہ اُنکے امام سیوطی بہت مشہور ہین۔ امام سیوطی کا نام جلال الدین ہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، ادب وغیرہ کے بہت بڑے عالم تھے۔ ۶۰ کتابین مین فوت ہوئے سو سے زیادہ انکی تصنیفات ہین۔

سوہاج Soohag مصر صعید کی مدیریت ششم کا بندرگاہ ہے یہان کی رنگی ہوئی کھالین اور لکڑی کا کام بہت مشہور ہے۔ سعید پاشا خدیو نے یہان بہت سی عمارات بنوائی ہین (۵۲۱۰۰) اسکی مردم شماری ہو گی۔ اسکے پاس نہر سوہاجیہ کا منبع ہے۔

قنا (Kenah) مصر صعید کی مدیریت ہفتم کا صدر مقام اور تجارت کی بہت بڑی منڈی ہے۔ اسمین بہت سے بزرگان دین کے مزار ہین جنمین سب سے زیادہ مشہور عارف باللہ سید عبد الرحیم بن احمد انفادی المتوفی ۱۰۹۳ھ کا مزار ہے۔

تیبس (Thebes) مصر کا قدیم شہر ہے کسی زمانے مین ساحل نیل کے تمام ملک کا دار الحکومت تھا۔ توراۃ مین اسکا نام تو آمون נא אמון آیا ہے۔ کہتے ہین کہ یہ شہر چودہ میل کے حلقہ مین تھا۔ اور اسکے سو دروازے تھے اور اسکے بیچ مین دریاے نیل بہتا تھا۔ اب اس

---

[1] مصر مین سترہ سے زیادہ اہرام ہین مگر انمین الجیزہ۔ ہرم سہ سے بڑے ہین اور اسوجہ سے الہرمان کہلاتے ہین۔ یہ بنیاد اصل مین فراعنۂ مصر کے مقبرے ہین۔ انکے زمانۂ تعمیر کی نسبت اختلاف ہے۔ یا قوت حموی انکو طوفان نوح سے پہلے کی عمارت بتاتا ہے۔ حال کی تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ ۳۰۰۰ ق م اور ۲۸۰۰ ق م کے درمیان بنے ہین انمین سب سے بڑا مینار جو ہرمان کبیر کہلاتا ہے شاہ خوفو Chufu کا بنایا ہوا ہے۔ دوسرے مینار کو جو اس سے کسیقدر چھوٹا ہے چوفو کے بیٹے چیفرس Chafers نے تعمیر کرایا تھا۔ تیسرا مینار منکرس Mincares کی تعمیرات سے ہے۔ یہ بنیاد مخروطی شکل کے ہین اور تیجرون سے بنے ہوئے ہین اور انمین تھوڑی سطح وصل کیا ہے کہ جڑیا در ز کا معلوم ہوتا تو ایک حرارت جو نایا مصالح کا بھی اثر نہین معلوم ہوتا اور اس سے استحکام کا یہ حال ہے کہ ہزارہا برس ہو چکے جوڑون مین بال برابر فصل نہین پیدا ہوا ہے۔

مقام پر حسب ذیل چار قرے بستے ہین اور انمین اسکے کھنڈر اپنی گذشتہ شان و شوکت یاد دلانے کے لئے ابتک موجود ہین۔ الاقصر (Luxor) نیل کے ساحل راست پر آباد ہے اور اسمین بہت سے عجیب و غریب عراقی یادگار پائے جاتے ہین۔ اسکے شمال مین قصبہ کرنک Carnac ہے جسمین ایک عجیب و غریب مندر واقع ہے۔ مغربی ساحل پر فراعنۂ مصر کا قبرستان ہے جسے بیبان الملوک کہتے ہین۔ اسکے پاس ایک قصبہ آبو کے نام سے مشہور ہے اسمین بھی بہت سی یادگار عمارات کے شکستہ آثار نظر آتے ہین۔

قفط Coptos آثار تھیبس کے پاس ساحل راست پر آباد ہے۔ یہ بھی قدیم شہر ہے اور گذشتہ زمانے مے بہت سے آثار اسمین موجود ہین۔ اسکے پاس ایک وادی کا منبع واقع ہے۔ کہتے ہین کہ بطلیموس نے اسی خلیج کو کھود کر دریاے نیل کو بحر احمر سے ملایا تھا جسکی وجہ سے شہر بہت بڑی تجارتگاہ بن گیا تھا۔ ہندوستان۔ عرب۔ ابیسینیا کے شہرون سے بحری راستہ سے یہان سامان تجارت آتا تھا۔ قدیم مصریون کو اسی قصبہ کیطرف منسوب کرکے قفطی یا قبطی کہتے ہین

اسوان Assouan نیل کے دائین ساحل پر آبشار ششم کے قریب واقع ہے۔ تجارت یہان خوب ہوتی ہے اسکے سامنے ایک جزیرہ ہے جسے الفینتین Elephantine کہتے ہین۔ اسمین پرانے زمانہ کا ایک عظیم الشان مندر اور بہت سے ستون استادہ ہین۔

وادی حلفہ Wadi Halfa مغرصعید کی مدیریت ہشتم کے چوتھے مرکز کا صدر مقام ہے۔ اسکے پاس نیل کا پانچوان آبشار واقع ہے جسے "شلال وادی حلفہ" کہتے ہین۔ اس شہر پر مصر کی سرحد ختم ہوکر نوبیہ کا علاقہ شروع ہوتا ہے۔

حانک Hannek اسی شہر مین مہدی سوڈانی پیدا ہوئے تھے۔

ابوالحمد Abo Hammed نوبیہ کا مشہور شہر ہے نیل کے دائین کنارے صحراے عقود کے سرے پر آباد ہے بربر Berber سے کروسکو Cearoses کو جانیوالے قافلے یہان ٹھہرکر تے ہین۔

بربر Berber جسکو الخیر ف بھی کہتے ہین نیل کے دائین ساحل پر تجارت کی بہت بڑی منڈی ہے خرطوم Khartoom سواکن Suakin کو جانے والے قافلے یہان ٹھہرا کرتے ہین۔

الدام El Damer نیل اور نہر عطبرہ کے سنگم پر واقع ہے۔

شندی Shendy حبش۔ کردوفان Kordofan اور دارفور Darfur سے آنے جانے والے قافلون کا مرکز ہے۔

خرطوم Khartoom نہر الابیض اور نہر الازرق کے مقام اتصال پر آباد ہے۔ اسکو محمد علی پاشا نے آباد کیا تھا۔ اسمٰعیل پاشا نے یہان بہت سی عمارتین بنوائی تھین۔ یہ شہر سوڈان مصری کا پایہ تخت تھا۔ ۱۸۸۴ء مین جب مہدی سوڈانی نے علم بغاوت بلند کیا تو اسکی حالت خراب ہوگئی اور بہت سی عمارتین منہدم ہوگئین۔ مہدی نے دریا کے ساحل راست پر خرطوم کے سامنے ایک شہر ام درمان Omdarman کو اپنا مستقر بنایا لیکن جب مہدی کا استیصال ہو گیا تو مصریون نے خرطوم کو از سر نو رونق دیکر پھر اپنا مقام بنالیا اور تھوڑے ہی عرصہ مین اسکو پہلے سے بھی زیادہ ترقی ہوگئی۔

حکیم سید شمس اللہ قادری

مہتاب الدولہ درخشان

حضرت واجد علی شاہ طاب ثراہ کے منتخب کئے ہوئے شاعروں مین تھے۔ تدبیر الدولہ منشی مظفر علی اسیر سے انھون نے فن شعر کو حاصل کیا تھا۔ انکی سخن سنجی و خوش گوئی پر اُستاد کو بھی ناز تھا۔ یہی سبب ہوا کہ جب فتح الدولہ برق نے اپنے ایک خوش فکر شاگرد مرزا محمد رضا طور کو دربار شاہی مین پیش کیا تو منشی صاحب نے متاالیہ درخشان کو پیش کر دیا۔ مہتاب الدولہ خود بیان کرتے تھے کہ میری اور آفتاب الدولہ قلق کی نذر ساتھ ہی ہوئی اور ہم دونون کو خطاب بھی ساتھ ہی ملے۔ الحاق اودھ کے بعد قلق اور اسیر لکھنؤ مین رہ گئے۔ طور کربلائے معلّی چلے گئے۔ برق و درخشان بادشاہ کے ساتھ مٹیا برج مین رہے اور وہین مرحبی گئے۔ بادشاہ کے قلعہ سے چھوٹنے اور ۵۷ء کے فتنہ و فساد فرو ہونے کے بعد لکھنؤ سے اور بھی شعرا پہونچے اور ملازمان شاہی مین منسلک ہوئے۔ سات شاعر اُنھین سے سبعہ سیارہ کہلاتے تھے۔ یہ امتیاز حضرت کا دیا ہوا تھا۔ درخشان بھی ان ساتون مین داخل تھے۔ یہ سب لوگ بڑے نازک خیال تھے۔ اس سبب سے کہ بادشاہ کو وہی رنگ زیادہ تر پسند تھا۔ مرزا داغ مرحوم بارہا ذکر کرتے تھے کہ مین جب رامپور سے چلا تو لکھنؤ و عظیم آباد وغیرہ مین ٹھہرتا ہوا اور مشاعرون مین سب جگہ شریک ہوتا ہوا کلکتہ پہونچا جو مزہ مجھے مٹیا برج کے مشاعرون مین آیا وہ لطف لکھنؤ مین بھی نہ پایا۔ درخشان نہایت پرگو شخص تھے۔ جمیع اصناف سخن پر انکا کلام مشتمل تھا۔ بنگالیان لوگون کے لئے ایسا کودہ تھا کہ کسی نے یہ بھی نہ جانا کہ لکھنؤ کے کچھ اہل کمال یہان پڑے ہوئے ہین کسی کے کلام کا بھی کچھ پتہ نہین ہے۔ مجھے ایک عرصہ کے بعد شاہزادہ مرزا محمد مقیم بہادر کے حسب طلب کلکتہ جانے کا اتفاق ہوا۔ وہان ایک ایک سے پوچھا کہ عیش و بہار و ہنر و درخشان وغیرہ کے دیوان کسی کے پاس ہین۔ ایک مصرع بھی نہ ملا۔ مستورات مین سے ایک صاحب کے پاس درخشان کے چند شعر نکلے۔ دیکھا تو سب الف کی ردیف کے ہین اور یہ معلوم ہوا کہ کسی نے فقط اپنی پسند کے شعر لکھ لئے ہین۔ پوری غزل کوئی نہین ہے۔ مین نے اُنھین اشعار کو مغتنم سمجھا اور سب لکھ لئے۔ اگر محسنات کلام کے بیان مین میرے قلم سے کہین مبالغہ تراوش کرے تو اہل فن اُسکو مقتضائے محبت و حسن صحبت پر محمول فرمائین۔

اشعار

ہر مصرع ہو جو حاصل مصرع تر دوسرا — مرغ معنی کے لئے پیدا ہو شہپر دوسرا

حال ابناے زمان ہے شکل سنگ آسیا — ایک ہے آرام مین کھاتا ہے چکر دوسرا

نیک پر ہے فوق بد کو بحر عالم مین تو کیا — خس نظر آتا ہے مجھکو ایک گوہر دوسرا

گلشن عالم مین کی اک وضع پر ہم نے بسر — پیرہن بدلا نہ مانند صنوبر دوسرا

کیون پئے روزی کسی ناکس سے کرتا ہے رجوع — بند کر سکتا نہین رزق مقدر دوسرا

دست رس پیرا جو ہو تیغ سے تو وان آئینہ — دیکھنے پائے نہ تیرا روے انور دوسرا

کام وہ کر جس سے راحت گور کی منزل مین ہو — تا قیامت تو رہے جیسین نہین گھر دوسرا

ذبح کیا کرتے ہو چھوڑو باندھکر پایم پر — ایک کو دیکھے تو آ بیٹھے کبو تر دوسرا

اے درخشان ہیکے مضمون سے ہے روشن اک جہان
شاہ انجم سا نہین دیکھا سخنور دوسرا

اس غزل مین حسن بندش لطف تغزل شان مشق دیکھنے کی

چیزین ہین۔ غزل مین زبان کا مزہ ردیف کے چمکنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اسکے ہر شعر مین ردیف ایسا مزہ دے رہی ہے جیسے ترانہ مین سم۔ ہر شعر کے حاصل معنی کو دیکھئے کیسے پُر مغز مضامین ہین۔ مطلع مین شہرت کا استعارہ شہپر ہے۔ سنگ آسیا کی تشبیہ خس کا پانی کے اوپر بہنا اور گوہر کا تہ نشین ہونا۔ صنوبر اور مقدر کے قافیہ مین قناعت کا اور آئینہ والے شعر مین غیرت کا مضمون داد طلب ہے۔ گھر کا قافیہ بھی ردیف سے خوب لپٹا ہے اور مضمون بھی عبرت خیز ہے۔ ایک کبوتر کو دیکھکر دوسرے کا آبیٹھنا کیا اچھی تخیل ہے، اور تخیل ہی شعر کی جان ہے ورنہ شاعر کوئی واعظ نہین ہے کہ سارا کلام اُسکا پند ناصح ہو۔ مقطع مین بادشاہ کی مدح ہے۔ ذوالفقار الدولہ بادشاہ کے مقرب و رفیق خاص تھے۔ اُنکے یہان مشاعرہ تھا اور سب کو معلوم تھا کہ جہان پناہ بھی رونق افروز ہونگے۔ غزلین بھی شعرا نے فکر سے کہین اور ایک آدھ شعر مین اُنکی مدح بھی کی ہے۔ بادشاہ کہتے تو بہت تھے مگر مشاعرہ مین آنے کا ذوق نہ تھا اسی سبب سے یہ مشاعرہ ٹوٹ گیا۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ ہوا دار پر سوار چلے جارہے ہین شعر کو بار یابی کا موقع مل گیا باتون باتون مین کوئی مصرع حضرت کی زبان سے نکل گیا۔ سب نے ملکر اُسے طرح قرار دے لیا۔ پھر جو سواری ہوئی تو اپنی اپنی غزلین سناتے ہوئے ہوادار یا بوچے کے ساتھ ساتھ چلے۔ بوچے کے کہار مزاج شناس تھے۔ آہستہ آہستہ قدم اُٹھانے لگے۔ سیدھی راہ کو چھوڑکر باغون کے اندر ہوتے ہوئے گزرے۔ شعر اجب پڑھ چکے اور دادے چکے تو رئیس الدولہ جو خوشنویسون کے افسر اور مطبع سلطانی کے مہتمم تھے بوچے کے قریب آئے اور بادشاہ کی غزل صاف کی ہوئی گزران دی۔ اُنسے غزل لیکر حضرت نے پڑھنا شروع کی۔ کلام الملوک ملوک الکلام کا شور بلند ہوا۔ لیجئے مشاعرہ ہوگیا۔ جہان پناہ رہس منزل مین داخل ہوگئے۔ رئیس الدولہ بھی شعر کہتے تھے اور مہتاب الدولہ سے مشورہ تھا۔

ولہ

کیا نام خدا قبلہ نما دل نظر آیا — محراب سے ابرو کے مقابل نظر آیا
دریاے محبت کا نہ پوچھو حد و پایان — جی ڈوب گیا جب مجھے ساحل نظر آیا
مرجانے سے بدتر ہے غم دوریِ احباب — دیدار فنا ذیست کا حاصل نظر آیا
نالان ہے جراحت سے نہین طالب مرہم — دل صورت منقار عنادل نظر آیا

نازک ہے فن شعر نہایت ہی درخشان
کہنے سے سمجھنا مجھے مشکل نظر آیا

محراب ابرو کی گنجائش وزن مین تھی۔ محراب سا ابرو باندھ دیا۔ نام خدا کا لفظ محض قبلہ و محراب کی رعایت سے رکھا ہے اور بھرتی کا لفظ معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے شعر مین جی ڈوب جانا بھی دریا کی رعایت سے لائے ہین مگر وہ بُرا نہین معلوم ہوتا۔ رعایت لفظ کرنے مین اتنا سلیقہ شاعر کو ضرور ہونا چاہیئے کہ رعایت مبتذل و ہنکر مین تمیز کرے۔ یورپ کے شاعرون کی تقلید مین جو لوگ رعایت سے مطلقاً نفرت ظاہر کرتے ہین اُنکی راے یہ ہے کہ کسی محل پر رعایت اچھی نہین معلوم ہوتی۔ مگر تجربہ اسکے خلاف ہے۔ مین اسکو ویسی ہی بات سمجھتا ہون کہ کسی کو اوبلا ہوا گوشت پسند ہے کسی کو بھُنا ہوا۔ حد و پایان مین ایک لفظ مؤنث ایک مذکر ہے۔ مگر دونون ملکر مذکر ہی بولے جائین گے۔ دل و دنیم کی تشبیہ منقار عنادل سے اور مقطع مین بندش کی صفائی و طرز بیان نہایت پُر لطف ہے۔

ولہ

کبھی تم نے بھی گل کھایا تو ہوتا — جلانے کا مزہ پایا تو ہوتا
کوئی میرے لئے ہے بے خور و خواب — تمہین اتنا خیال آیا تو ہوتا

کہین سکتہ نہ عاشق کو ہوا ہو اُسے آئینہ دکھلایا تو ہوتا
پلائی گر نہ ساقی نے مجھے مے دکھا کر جام ڈھکایا تو ہوتا

جلانے کا مزہ دیکھ لیا ہوتا یا چکھا ہوتا تو یہ وہ تراس محل پر بولتے ہین۔ پایا تو ہوتا ضرور قافیہ کے سبب سے کہہ گئے ہین۔ خواب وخیال مین مراعات النظیر بھی موجود ہے اور بیشک بُری معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اُسکے بُرا معلوم ہونے کی لم یہ نہین ہے کہ رعایت لفظی اصل مین بُری چیز ہے بلکہ مبتذل ہونے کی وجہ سے بُری معلوم ہورہی ہے یعنی خواب کے ساتھ خیال کا لفظ دو لاکھ دفعہ کہا گیا ہے اب سُنتے سُنتے جی اُکتا گیا۔ تیسرے شعر مین عاشق کا لفظ مبتذل ہے۔ انکا ایک شعر مجھے یاد آیا اسی مضمون کو کیا اچھی طرح کہا ہے۔ ؎

سکتہ مین وہ آئینہ دکھا کر مجھے بولے پتھر پڑین اے شخص تری بے خبری پر

ڈھکانے کا شعر بہت صاف ہے مگر ایک پرہنرگار کہہ رہا ہے کہ مجھے مے نہ پلائی تھی تو ڈھکایا ہی ہوتا اسکے معنی کیا معنی اسکے یہ ہین کہ شراب کا مضمون فارسی واُردو کی شاعری مین معرکۂ شعرا ہے خواہ کوئی شراب پیئے یا نہ پیئے ان مضامین کا کہنا ضرور ہے۔ ایسے ہی اور بھی اسرار ہین جو ہر زبان کی شاعری مین پائے جاتے ہین۔ یورپ کی شاعری بھی اس رنگ مین ڈوبی ہوئی ہے۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ ایسے مضامین کہنا ضرور ہی کیا ہے۔ آغا بیخود شرف مرحوم نے شراب ساقی پیمانہ مے خانہ واعظ زاہد سبحہ زُنار مسجد بُت خانہ وغیرہ کا ذکر غزل مین ترک کر دیا تھا۔ کہتے تھے آخر اسکے معنی کیا کہ شراب سے نفرت واعظ سے عقیدت اور پھر اُسکی تعریف کرین اور اسکی مذمت۔ اس قسم کے شعر سراسر غیر واقعی ہوا کرتے ہین مجھے اُس سے کچھ لطف نہین ملتا۔ اُسی زمانہ مین مرزا غالب کا دیوان پہلی دفعہ لکھنؤ سے چھپکر نکلا۔ ایک دن کیا دیکھتا ہون کہ شرف مسکرا رہے ہین اور بے چین ہوئے جاتے ہین۔ مجھے دیکھکر کہنے لگے بھئی مرزا نوشہ نے ایک شعر کہا ہے کہ مین نے کلیجہ پکڑ لیا ہے۔ ؎

نظر لگے نہ کہین اُسکے دست وبازو کو ✻ یہ لوگ کیون مرے زخم جگر کو دیکھتے ہین

مین نے کہا کہ اس مضمون غیر واقعی سے آپ کو لطف کیون آرہا ہے۔ کہنے لگے اسکا تو جواب ہی نہین ایسا غیر واقعی ہو تو کیا پوچھنا یہ غزل بھی اُسی طرح کے مشاعرہ کی ہے جو سواری کے ساتھ ساتھ ہوا کرتا تھا۔ بادشاہ کی غزل بھی اسی طرح مین ہے۔ مجھسے رئیس الدولہ نے ذکر کیا کہ اپنی غزل پڑھکر حضرت نے خواجہ حیدر علی آتش کا مطلع پڑھا۔ ؎

کبھی وہ سرو قد آیا تو ہوتا کوئی دم گور پر سایہ تو ہوتا

اور مہتاب الدولہ سے فرمایا کہ دیکھو بظاہر یہ مطلع دو سخت معلوم ہوتا ہے۔ اُنھون نے عرض کیا بجا ارشاد ہوتا ہے۔ کہنے لگے نہین۔ سرو کو گور سے اک مناسبت ہے۔ یہ درخت قبرستان مین اکثر لگاتے ہین۔ یہ ایران کی رسم ہے۔ مہتاب الدولہ نے کہا کہ کوئی دم کا لفظ بھی سرو کے مناسب حال ہے کہ اُسکا سایہ دیر تک نہین رہتا۔ پھر فرمانے لگے کہ فارسی کے اساتذہ سایہ اور آیا کبھی قافیہ نہ کرینگے۔ اُردو مین کوئی اسکا خیال نہین کرتا۔ مین نے بھی یہی اختیار کر لیا۔ مہتاب الدولہ نے ناسخ کا مطلع پڑھا کہ۔ ؎

گھر مرا فرقت مین سونا ہوگیا گنج مرقد کا نمونہ ہوگیا

اور عرض کیا کہ دیکھئے شیخ نے بھی ہائے تختی کو روی قرار دیا ہے۔ جناب مفتی میر عباس صاحب کے پاس یہ ذکر پہونچا۔ اُنھون نے اس مسئلہ مین یہ اجتہاد فرمایا کہ دیکھا اور سایہ اور نمونہ اور اچھا قافیہ نہ کرنا چاہیے لیکن سایہ اور آیا اور نمونہ اور سونا مین کچھ قباحت نہین۔ ایک بادشاہ کے دم سے میٹابرج مین عجب دلچسپ مجمع رہا۔ کیسے کیسے دقائق چھن گئے اور کتنے لوگ شاعر وطبیب و علامہ بنگئے۔ رئیس الدولہ نے مجھسے پوچھا کہ جناب مفتی صاحب نے

یہ تفصیل جو کی میری سمجھ مین اسکی وجہ نہ آئی - دیکھا اور سایہ قافیہ غلط اور آیا اور سایہ صحیح - مین نے کہا کہ دیکھا اور سایہ مین ہائے مختفی کو سواروی قرار دینے کے اور کوئی صورت نہین اور فارسی والے کبھی ہائے مختفی کو روی نہین قرار دیتے - کہنے لگے ہمین فارسی والون سے کیا غرض - میر انیس اور مرزا دبیر ہمارے زمانہ کے بڑے شاعر ہین یہ لوگ تو ہائے مختفی اور الف کو ایک چیز سمجھتے ہین اور بے تکلف دریا کے ساتھ چشمہ باندھا کرتے ہین اور صحرا کا قافیہ سبزہ کر دیا کرتے ہین اور کچھ بُرا بھی نہین معلوم ہوتا - مین نے کہا اگر چشمہ کا قافیہ مجمع یا کون و مکان کا قافیہ ارض و سما کر دیجئے تو بُرا تو جب بھی نہ معلوم ہوگا - کہنے لگے تو پھر سونا اور نمونہ بھی غلط ہے - الف ہو تو سب جگہ الف ہی ہو ہ ہو تو سب جگہ بس ہ ہو - مین نے اُنھین سمجھایا کہ سب قاعدہ کلیہن ہ ہونا ہی نہ چاہیئے - خصوصاً ترکیب فارسی مین ہو تو نہایت محل پر معلوم ہوتا ہے اور جناب مفتی صاحب قبلہ کا مقصود یہی ہے کہ فقط اُردو کیواسطے اجازت ہے کہ سونا اور نمونہ قافیہ کرلین ورنہ فارسی مین ایسا نہین ہو سکتا جیسا کہ بادشاہ نے ارشاد فرمایا -

وله

کیا شرف ذات کا گر فیض کا جوہر نہوا — آب گوہر سے لب خشک کبھی تر نہوا
جامۂ سلطنت و فقر برابر نہ ہوا — خسل آئینہ مذہوش سکندر نہوا
بحر ہستی مین ہے دن رات رواں کشتی عمر — خواب سنگین کبھی اسکے لئے لنگر نہوا
بخیہ در کار نہین چشم مروت کے لئے — آشنا باز کی وحشت سے کبوتر نہوا
بیشتر حال جہان ہم نے پریشان دیکھا — گھر ہوا در نہوا زور ہوا زر نہوا
دیکھئے کب نظر آتا ہے ہمین قامت یار — وقت فردائے قیامت کا مقرر نہوا
طالب بوسۂ ابرو کو دیا مُنھ نے جواب — کیا کہون ہاتھ مین اسدم مرے خنجر نہوا
سادہ رویون سے نہین چشم وفا دُنیا مین — آئینہ مرگ سکندر سے مکدر نہوا

آب گوہر والا مطلع - انصاف یہ ہے کہ خوب کہا ہے لیکن اڈیسن کی رائے کے موافق یہ صنعت بھی قابل ترک ہے - اس سبب سے کہ محض فارسی مین یہ ایک لفظ دو معنون مین مشترک پایا جاتا ہے کہ آب چمک کو بھی کہتے ہین اور پانی کو بھی کہتے ہین - اشتراک معنی کے سبب سے یہ صنعت پیدا ہو گئی ہے - اسکی خوبی محض دھوکا ہی دھوکا ہے - اصل مین کچھ بھی نہین - اس آب مین نمائش سُراب ہے - اڈیسن کی اس نکتہ سنجی کے آگے صائب کا بھی یہ مشہور **شعر**

دست طمع چو پیش کسان کردۂ دراز — پل بستہ کہ گیری از آب روے خویش

خاک مین مل گیا یہان بھی لفظ آب کے مشترک ہونے سے یہ حیرت انگیز صنعت پیدا ہوئی ہے - مگر اسکی کیا وجہ کہ ہم اڈیسن کا تتبع کرین اور شیکسپیر کی تقلید نہ کرین وہ تو اُنکی زبان کا فردوسی ہے اور اس صنعت کا دلدادہ ہے اور اڈیسن کا مرتبہ شعر مین اُس سے بہت ہی پست ہے - اسکی فلسفیانہ نثر ین البتہ مقبول ہین -

آئینہ نمد پوش کو درویش صاف باطن خیال کرنا اور سکندر پر اُسکا تفوق ثابت کرنا نہایت بلند مضمون ہے کہ تعریف نہین ہو سکتی - خواب سنگین یعنی غفلت کا بے سود ہونا بھی اچھی طرح نظم کیا - کبوتر کی آنکھ سے مروّت کے معنی نکالنا کیا اچھی تخییل ہے - ایسی تخیلین پیدا ہو سکین تو زبان اُردو مین جان پڑ جاے - حال جہان کی پریشانی کی تفصیل سے دوسرے مصرع مین بیان کی ہے یہ صنعت معنوی اور بندش کی برجستگی داد خوش بیانی کی طالب و سزاوار ہے - فردائے قیامت والا شعر بھی مشاقانہ ہے لیکن قامت کے ساتھ قیامت کا ذکر اس کثرت سے کیا گیا ہے کہ اب سُننے کو جی نہین چاہتا - بوسہ ابرو مین نہایت تصرّف کو دخل دیا ہے - بوسہ لینے کے مقامات جو ہین اُنمین ابرو نہین داخل - شمشیر و خنجر کے ساتھ دم کا لفظ مبتذل ہو چکا ہے اس سبب سے بُرا معلوم ہوتا ہے - سادہ رویون کا ذکر ایک

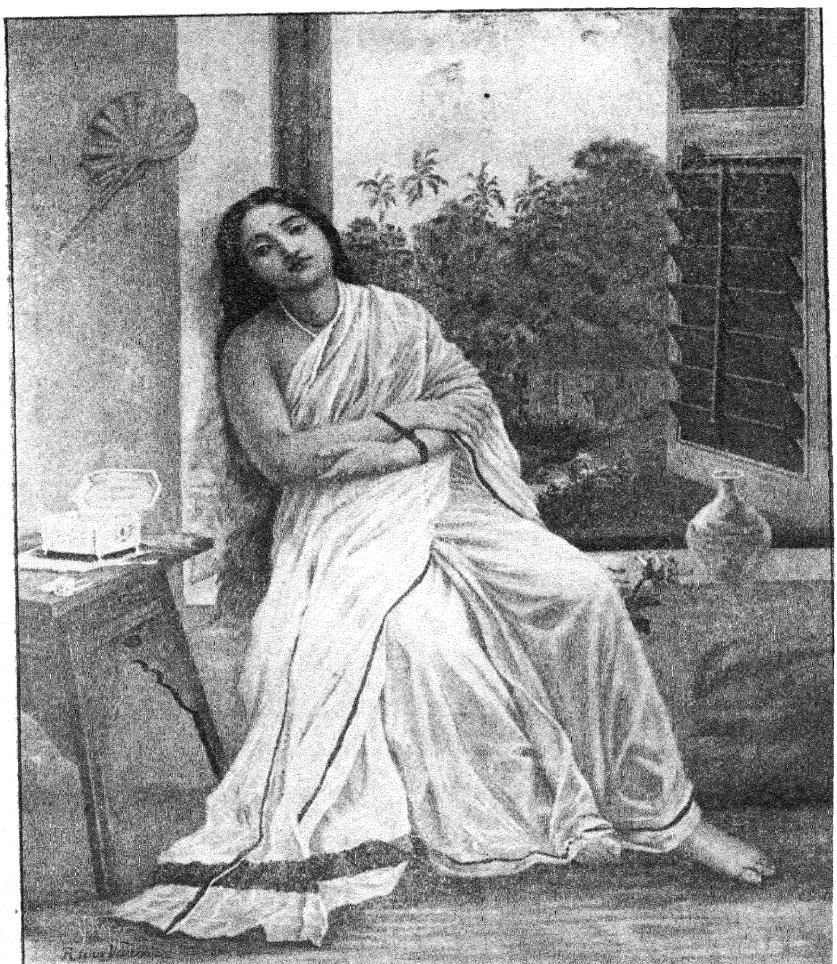

عظیم جمیل

انڈین پریس الٰہ آباد

ثقہ شاعر کے قلم سے نکلنا اور اُنکی بیوفائی کا گلہ کرنا البتہ گرفت کے قابل ہے لیکن لکھنؤ مین زیادہ تر اور دہلی مین بھی مہذب شاعرون کا رنگ سخن صاف دلالت کرتا ہے کہ قصد شاعر کا کیا ہے۔ بقول غالب ایک سخن گسترانہ بات ہے۔ یہ غزل ان مرحوم کو کئی مرتبہ پڑھتے ہوئے مین نے سُنا ہے ہمیشہ مشاعرہ مین رنگ دیتی تھی۔

ولہ

قلم خطِ شعاع مہر کا ہو دستِ مانی مین — بھرے تصویر جانان مین سپیدہ روز روشن کا
یہ طاقت جوش وحشت نے دکھائی ناتوانی پر — گریبان سے مرے کرتا ہے باہین چاک دامن کا
طریقِ عشق مین ہرگز نہین چلتی ہے طرّاری — یہ وہ منزل ہے لُٹ جائے جہان اسباب ہُرن کا
دلِ بے رحم سے اعجاز دعا بھی عاجز ہو — بہت مشکل ہے کرنا موم ایسے سخت آہن کا
برنگِ بوے گل ہو پنجہ سبک وحی سے اُس جا ہم — دکھائے برچھیان سبزہ جہان دیوار گلشن کا
ہمیشہ ریخ مین رکھتی ہے اپنی ہمّت عالی — ہین ہے دوست کا احسان۔ گویا ظلم دشمن کا
فروماید کو ہو عکسِ فیضِ صحبتِ عمدہ — عقونت ہیشہ لاتا ہے پانی چاہ گلشن کا
نہین چھپتا ترا چوری سے جانا غیر کے گھر مین — بڑھایا جب قدم دروازہ سے ماتھا اٹھنکا
بسر کرتا ہے تنگی سے کوئی۔ کوئی فراغت سے — ہوا ہے ساتھ یارا ن جہان مین چولی دامن کا
مسی آلودہ لب سے اُس پری کے شرم یا رب — اُڑا تختِ سلیمان کیطرح ہر تختہ سوسن کا

خط شعاعی کا قلم روز روشن کا سپیدہ اُسکی تصویر کے لئے چاہئے۔ صد ہا رنگ سے یہ مضمون کہا جا چکا ہے اسکے مبتذل ہونے مین شک نہین۔ چاک دامن کا گریبان سے باتین کرنا ایک بات ہے مگر مصرع بالکل پیش پا اُفتادہ اُٹھا کر چپکا دیا ہے۔ رہزن والا شعر بے عیب ہے۔ بے رحم کی مذمت لطف سے کی ہے۔ سبزہ کا برچھیان دکھانا اچھی تخئیل ہے خصوصاً وہ سبزہ جو دیوار پر اُگا ہو۔ دیوار و در پر حفاظت کے لئے سنانون کی شکل کی آہنین سلاخین لگا دیا کرتے ہین۔ مطلب یہ ہے کہ سبک روحی حاصل ہو تو گلشن عرفان تک رسائی ممکن ہے۔ مجھے یہ شعر پسند ہے خصوصاً اسکی تشبیہ۔ دشمن کا قافیہ بھی خوب کہا۔ اخلاقی مضمون ہے۔ چاہ گلشن کا بیشتر متعفن ہو جانا مسلم امر ہے۔ ایسا معشوق جو غیر کے گھر چوری سے جائے قابل نفرت ہے۔ اس قسم کے مضامین کچھ بازاری لوگون کو اچھے معلوم ہوتے ہونگے مگر اس شعر سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کو محض یہ محاورہ صرف کرنا تھا کہ ماتھا اٹھنکا اور اُسکا محل استعمال دکھانا تھا ورنہ لکھنؤ کے شعرا رشک کے مضامین جسمین معشوق کا شاہد بازاری ہونا نکلے بہت کم کہتے ہین۔ مرزا داغ نے قیامت کی کہتے ہین۔ ؎

تم کو ہے وصل غیر کا انکار — اور اگر ہم نے آ کے دیکھ لیا

آتش نے بھی ایک جگہ رشک کا مضمون غضب کا کہا ہے مگر اسکے برعکس ہے۔ ؎

مرتے ہین رشک کے مارے پسِ دیوار رقیب — شور کرتا ہے جو یا زیب کا دانہ شب وصل

چولی کی تنگی اور دامن کی فراخی اچھی تخئیل ہے۔ چولی دامن کا ساتھ فقیر و لا انگہ کا خوب کہا۔ کئی شعر اس غزل مین مثالی ہین اور اخلاقی ہین۔ آخری شعر مین مطلب مبہم رہ گیا اور اغراق بھی ہے۔ شرم سے رنگ اُڑنا کہنا چاہتے تھا اور یہ کا لفظ اسقدر کے محل پر عجز طبع پر دلالت کرتا ہے۔ جہان سامعین کو یہ معلوم ہوا کہ فلان لفظ مین شاعر عاجز ہو گیا پھر شعر و شاعر دونون نظر سے گر جاتے ہین اور اُس شعر کے ساتھ اچھے شعرون کا بھی خون ہو جاتا ہے۔

ولہ

عاشق کے دل کو دامِ ہوس مین پھنسا دیا — کیا باغ سبز سبزۂ خط نے دکھا دیا
آئی قریب گوشۂ ابرو جو زلف یار — اُتری ہوئی کمان پہ چلّہ چڑھا دیا
سیماب وار پاک ہین آلودگی سے ہم — گردون نے گرچہ خاک مین ہمکو ملا دیا
جام مئی مین صورت دستِ سوال تھی — گردن کو اپنی شیشہ مے نے جھکا دیا
پیدا ہے میرے نالۂ جان سوز سے صدا — بس اے تپ فراق کہ تو نے جلا دیا

سرمہ نہ ہر عنیہ ہوتا خاک راہ یار — آنکھوں سے بھنے نقش قدم کو مٹا دیا
ہم اُس سے تقد بوسہ کے اُمیدوار تھے — قیمت مین دل کی یار نے خنجر لگا دیا
مزا بھی اہل ہوش کا ہے غافلون کو پند — ہم سو رہے تو یار دن کو اپنے جگا دیا
غالب ہوئی جو نکہتِ گل پر شمیم زلف — غنچون نے چٹکیون مین صبا کو اُڑا دیا
آتا ہے صبح حشر ہین شاید کہ اے اجل — میرا چراغ عمر جو تو نے بجھا دیا

کسطرح سوز دل کا درخشان گلہ کرون
جب آہ سرد نے بھی کلیجہ بجھا دیا

اس غزل کے سب قافیون مین روی الف تقدیہ ہے۔ اہل فن کے نظر مین ساری غزل ایک ہی قافیہ مین ہے مگر دکھا دیا اور جگا دیا مین الف جزو غیر منفک ہو گیا ہے۔ اس سبب سے ان دونون قافیون مین سے ایک کا مطلع مین آجانا تکرار قافیہ کے عیب کو چھپا دیتا ہے۔ سبز و سبزہ مین تجنیس متبذل ہے اور جو صنعت متبذل ہو گئی ہو اُس سے احتراز چاہئے۔ اس سے کلام مین امتیاز پیدا ہوتا ہے۔ مشکل یہ ہوتی ہے کہ لوگ یہ دیکھتے رہتے ہین کہ کوئی لفظ مناسب اس سے چھوٹ تو نہین گیا۔ جہان دیکھا کہ لفظ بدلنے سے تجنیس یا مراعات یا ایہام تناسب پیدا ہوتا ہے فوراً اعتراض کرنے کو موجود ہو گئے۔ صنعت کو کیا چھوڑا گویا بڑی غلطی کی مین نے ایک جگہ "بیان نکہت گل" باندھا تھا۔ ایک صاحب نے مجھے کہا بیان بہ رنگ نکہت گل کہنا بہتر تھا۔ مین نے یہ جواب دیا کہ مین نے عمداً ترک کیا ہے۔ جس بات کو ہزار دفعہ لوگ کہہ چکے اُسکے باندھنے مین اب لطف کیا رہا۔ بلکہ سراسر بے لطفی و ابتذال ہے۔ تجنیس بھی اُنھین صنعتون مین ہے جنکو یورپ کے شعرا نے ترک کر دیا ہے۔ نواب عماد الملک بہادر ایک دفعہ فرماتے تھے کہ مجھے بھی یہ صنعت بہت مکروہ معلوم ہوتی ہے۔ مین نے یہ مصرع پڑھا ع نقش قدم بسنگفت سجدہ گہ بسنگین۔ اسکو اُنھون نے بہت پسند کیا۔ اصل بات یہی ہے کہ مبتذل ہونا صنعت کو خراب کر دیتا ہے۔ اُتری ہوئی کمان کی تشبیہ اور زلف کے ابرو پر آجانے سے کمان پر چلّہ چڑھ جانا یعنی تیر افگنی کا سامان ہو جانا سزاوار ستائش ہے۔ سیماب کا خاک مین بھی آلودگی سے پاک رہنا مضمون نفیس ہے۔ جام کا ہاتھ پھیلانا اور شیشہ کا گردن جھکانا بھی بہت اچھی تخییل ہے۔ آگ مین صدا پیدا ہونا شدت اشتعال کی علامت ہے اور بہت اچھی بات ہے۔ نقش قدم والا شعر بھی خوب کہا۔ قیمت لگانے اور خنجر لگانے مین اشتراک فعل سے صنعت پیدا ہوئی ہے۔ دہلی و لکھنؤ کے شاعر اس صنعت پر مٹے ہوئے ہین۔ یہ بات ضرور ہے کہ سامعین سُنکر پھڑک جاتے ہین۔ پند والا شعر بھی بُرا نہین ہے۔ صبا جو نکہت گل لئے ہوئے تھی شمیم زلف کے سامنے غنچون نے اُسے چٹکیون مین اُڑا دیا یہ شعر محض تخییل ظاہر کرنے کے لئے کہا گیا ہے کہ غنچہ کا چٹکنا چٹکی بجانا ہے اور بہت اچھی تخییل ہے۔ جس وقت اپنا چراغ عمر بجھ جائے بس اُسی کو صبح حشر سمجھنا چاہئے۔ لطف سے خالی نہین۔ ٹھنڈی سانسین بھی کلیجہ بجھا دینے کے لئے سوز دل سے کم نہین ہین سچا مضمون ہے اور مضمون کا سچا ہونا بڑی خوبی ہے۔

ولہ

ذرہے انتہا ناحق ملایا خاک مین اُسنے — مگر شداد کے ہاتھ آگیا تھا مال قارون کا
نہین رہتے ہین دانشمند رہ جانا ہے افسانہ — خم گردون ہے جبتک۔ نام باقی ہے فلاطون کا
خط عبرت کا ہے آرائش تعمیر نو مہنم — کہ خشت کہن ہے آئینہ قصر فریدون کا
کہا یہ ساربان سے نجد کے وادی مین لیلی نے — کہ پہچانا نہین جاتا ہوا کیا حال مجنون کا
نگاہ ناز سے مارے۔ جلائے جنبش لب سے — جواب آسان ہے اُسکو مسیحا و افسون کا
نہ ہو گی فکر معنی آشنا محتاج غواصی — گہر افشان ہے خود دامن مرے دریائے مضمون کا
حریفان سخن کا مین کبھی شکوہ نہین کرتا — مرے مضمون کا سرقہ ہے قصد قتل موزون کا

قارون والے شعر مین ایک مضمون یہ نکلتا ہے کہ بخیل کی جمع کی ہوئی دولت بہت بُری طرح لٹا دیجاتی ہے۔ خلاطون و فریدون کے قافیے بھی مشاقانہ کہے ہین۔ لیکن خشتِ کہن اور آئینہ یہ دونون قصر فریدون کی طرف مضاف ہین اور حرف اضافت مین تنازع واقع ہوا ہے۔ شاعر نے آئینہ کو قرب کے سبب سے عمل دیا۔ مجھے متنبّی کا ایک شعر یاد آیا۔ ؎

طلبتہم علی الاہواہِ حتّی تخوّف اُن تنتشہٗ السحائب

اسنے اپنی زبان مین پہلے عامل کو عمل دیا ہے اگرچہ وہ بعید ہے۔ غرض تنازع کا واقع ہونا بھی شعر مین گنجلک پیدا کرتا ہے۔ مجنون والا شعر بہت سیدھا سادہ ہے۔ ایسے شعر کے لئے ضرور ہے کہ بندش برجستہ ہو نہیں تو کہنے سے کیا فائدہ۔ نگاہ سے مارنا اور لب سے جلانا مضمون مبتذل اور پامال ہے مگر دوسرے مصرع نے کچھ بنا لیا۔ شعر سے تباد رمعنی کی یہ تشبیہ کہ "گہر افشان ہے خود دامن مرے دریائے مضمون کا" نہایت پُر لطف ہے۔ مضمون کا سرقہ طبع موزون کا صدقہ ہے۔ شوخی سے خالی نہین۔

ولہ

پیرہن ہے تن عریان میرا زخم گردن ہے گریبان میرا
ظلم کرتا ہے کتابی چہرہ خط کوفی مین ہے قرآن میرا
خود پرستی ہے پرستش بُت کی کم نہین کفر سے ایمان میرا
کیون نہین برق کرم کرتی ہے وقف غارت ہے گلستان میرا
کیون ہون انگشت نماے دشت کیا مہ نو ہے گریبان میرا
لے کے دل مجھسے نہ چین بجبین فائدہ تیرا ہے نقصان میرا

زخم گردن کی وجہ ظاہر ہونی شعر سست ہوگیا۔ اسکو یون سمجھنا چاہیے کہ گریبان سے مجھے ایسی نفرت ہے کہ زخم گردن سے تصوّر کرتا ہون۔ کوفی کے لفظ سے معنی ظلم کا تبادر ہوتا ہے جیسے اصطلاح مین لزوم ذہنی کہتے ہین۔ اپنے اوپر خود پرستی کا الزام رکھکر دوسرون کو نصیحت کرنا مقصود ہے۔ برق والا شعر نہایت پُر درد ہے۔ وحشت کو مخاطب بناکر انگشت نما ہونے کی وجہ ظاہر کردی اسطرح سے مطلب کو ادا کردینا شاعر ہی کو آتا ہے چین بجبین ہونے سے یہ مطلب نکالا ہے کہ وہ دل کو جنس ناروا سمجھا۔ ناپسند کیا۔

ولہ

حال کم فرصتی عمر گریزان جانا عیسیٰ و خضر کو دور زکا مہمان جانا
آدمیت کو فقط جوہر انسان جانا جسمین اخلاق نہ پائے اُسے حیوان جانا
نہ فراغت کی خوشی ہے نہ مصیبت کا قلق راحت و رنج کو جب دست و گریبان جانا
ہکو فیضی ہوا عشق رخ و گیسو سے گبر نے گبر۔ مسلمان نے مسلمان جانا
شر سے نفرت ہے ہین خیر سے عزلت ہے مدام کفر سمجھا اُسے جسنے اسے ایمان جانا
حُسن معنی سے جو واقف نہوا صورت دوست پڑھ کے قرآن کو نہ کچھ رتبہ قرآن جانا
خشک مکاڑون پہ کرے شکر جو اہل زبان ہم نے یہ مطلب آواز لب نان جانا
جب تلک ضعف نہ تھا بادیہ پیمائی کی اب تو دشوار ہے تا کوچہ جانان جانا

دونون مطلع اس غزل کے خوب کہے ہین۔ کم فرصتی کے لفظ مین یاے مصدری دیکھکر مجھے خیال آیا کہ اسی قیاس پر لوگ قطرتی اور قدرتی بھی لکھنے لگے ہین۔ اسمین مصدری ت موجود ہے پھر مصدری ی کیونکر آسکتی ہے۔ لامحالہ اس ی کو یاے نسبت کہئے گا اور یاے نسبت جب لگاتے ہین تو ت کو گرا دیتے ہین۔ پس فطرتی کہنا یقینا غلط ہے۔ صحیح لفظ فطری ہے۔ ہان بلندہمتی و پست فطرتی کہنے مین قباحت نہین ہے کہ اب ہمت اور فطرت ترکیب فارسی کا جز ہوگئی ہے۔ اُسمین فارسی کی یاے مصدری لگا سکتے ہین اور خود اہل فارس اسطرح استعمال کیا کرتے ہین۔ لیکن فطرتی وقدرتی وہ بھی نہین کہتے۔ غرض کہ یہ لفظ نہ عربی مین صحیح ہین نہ فارسی مین۔ یہان مجھے خود خلجان ہوتا ہے کہ اُردو زبان کیا اسقدر مشکل

ہے کہ جب تک عربی و فارسی کے قواعد پر عبور نہو کوئی شخص صحیح عبارت لکھ نہین سکتا۔ بلکہ مین تو یہ دیکھتا ہون کہ اکثر عربی خوان و فارسی دان بھی ناواقفون کیطرح غلط الفاظ گڑھ لیا کرتے ہین۔ مثلاً وقعت کا لفظ عربی ہے۔ جنگ و جدال و فتنہ و فساد کے معنی پر آتا ہے اُردو زبان کے مضمون نگار اور اہل قلم اس لفظ کو توقیر و اعتبار کے معنی پر لکھنے لگے۔ ایک کے قلم سے نکلا اور دوسرے نے فوراً اُڑا لیا۔ اُس پر طرہ یہ کہ اسم صفت بھی اُس سے بنالیا یعنی وقیع بھی ایک مہمل لفظ اب اُردو مین داخل ہوا چاہتا ہے۔ انداز اور نمونہ خوب جانتے ہین کہ دونون لفظ فارسی ہین اُسمین عربی کی تنوین لگا کر اندازاً کہا اور اسمین تنوین کے ساتھ تاے مصدری بھی لے آئے نمونتہً کہنے لگے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ اسطرح کے محرف الفاظ پہلے وہی لوگ بناتے ہین جنھین کچھ شُد بُد عربی فارسی آتی ہے اور مقصود اُنکا یہ ہوتا ہے کہ تحریر مین اظہار علم کرین اور الفاظ کے تراشنے پر اپنی قدرت دکھائین۔ اگر یہ کہئے کہ یہ الفاظ بوضع ثانوی اُردو ہوگئے ہین تو اُردو ہوجانے کے معنی یہ ہین کہ عام و خاص کی زبان پر چڑھ گئے ہون۔ ایسا ہرگز نہین ہے اور اس سے اُردو کی زبان پوچ ہوتی جاتی ہے۔ جو عربی فارسی نہ جانے اُسے اظہار علم کرنا کیا ضرور ہے۔ اُردو کے زبان زد الفاظ محاورہ کے جچے ہوئے کلمات استعمال کئے جائین تو اُردو لکھنا کچھ مشکل نہین ہے۔ اس سے تحریر مین زبان کا لطف بھی آئیگا۔ اسیطرح ترکیب الفاظ مین بھی احتیاط چاہیئے۔ اُردو مین جسطرح سب بولتے ہون اُسیطرح قلم سے بھی ادا کرین تو کبھی غلطی نہین ہوسکتی۔ آفت تو یہ ہے کہ مثلاً خطون کا صندوق کہنا اور لکھنا شان کے خلاف سمجھتے ہین۔ بس ذرا سی فارسی دانی قیامت ہوگئی۔ صندوق خطوط انداز کی ایک مہمل ترکیب بنالی اور اُسے جزو زبان بنا دیا۔ اسیطرح تخت نشینی کیلئے تاج پوشی کا لفظ حال مین وضع کیا گیا ہے۔ دیکھئے تعلیم کا نہونا تعلیم ناقص اور بقول ابوالفضل علمک ناقص سے ہزار درجے بہتر ہے۔ انگریزی کے الفاظ مانوس اگر اُردو مین شریک کرلئے جائین تو کہین بہتر ہے اس سے کہ ایسے فارسی و عربی کے الفاظ بڑھائے جائین۔ کم فرصتی و بے عزتی و خوش قسمتی وغیرہ صحیح ترکیبین ہین۔ زیادتی کا لفظ غلط العام کے درجہ مین ہے اور اُسی کے مقابلہ مین کمتی بھی صحیح و فصیح اُردو کے الفاظ ہین۔ فوراً دفعتہً شکایتہً رعایتہً وغیرہ صحیح الفاظ ہین۔ اندازاً نمونتہً غلط و تمسخر آمیز۔ جیسے نعمت خان عالی نے دل لگی کی ہے۔ ؎

للہ الحمد کہ ما عجمیدیم مرفد ختم رسل طوفیدیم

اُردو کی شاعری فارسی سے ماخوذ ہے فارسی الفاظ اور فارسی ترکیبین اسیوجہ سے اُردو کے اشعار مین مزہ دیتی ہین۔ مگر صحیح ترکیب پیدا کرنے کے لئے بہت کچھ فارسی جاننے کی ضرورت ہے۔ اگر اچھی طرح فارسی نہ آتی ہو تو فارسی ترکیبون تراشنے سے کنارہ کرنا چاہئے۔ سیدھی سادی اُردو لکھنے مین کبھی غلطی نہین ہوسکتی۔ غلطی تو اس سبب سے ہوتی ہے کہ اُردو لکھنے مین عربی یا فارسی بولنے کا قصد کیا جاتا ہے۔

اس غزل مین راحت و رنج والا شعر خلاصہ تہذیب اخلاق ہے۔ گبر و مسلمان کا مضمون مبتذل ہے۔ خیر و شر کی خوبی و بدی کس لطف سے بیان کی ہے اور کس طرز سے ادا کی ہے۔ کہ وجد کرنے کے قابل ہے۔ صورت دوست کی ترکیب صحیح ہے مگر مانوس نہین۔ صورت پرست اس سے بہتر ہے لیکن وزن مساعد نہ تھا۔ سو کھے ٹکڑون کے توڑنے مین جو آواز پیدا ہوتی ہے کیا اچھا مطلب اُس سے نکالا ہے۔ اس صنعت کو حُسن تعلیل کہتے ہین۔ یہ بھی تخییل کی ایک صورت ہے۔ لکھنؤ مین چند لوگون نے اتفاق

کرکے فلک کے لفظ کو غیر فصیح قرار دیا ہے۔ درخشان مرحوم اس سے ناواقف رہے ورنہ ضرور اتباع کرتے لیکن اس قسم کے متروکات کو کوئی غلط نہیں کہہ سکتا۔ بڑی چیز تو کلام کو غلطی سے پاک کرنا ہے۔ یوسف حسین کوئی شخص شیخ علی حزین کی ملاقات کو گئے شیخ اُسوقت پاؤں پھیلائے ہوئے بے تکلف بیٹھا ہوا تھا۔ انکو دیکھکر پاؤں سمیٹ لئے سیدھا ہو بیٹھا۔ پوچھکر اسم شریف۔ اُنھوں نے کہا ایسف حسین۔ یہ سُنکر ناوک دماغی سے اُسنے مُنہ پھیر لیا اور پھر پاؤں پھیلا دئے۔ اسکے قریب قریب ایک نقل اصمعی بیان کرتا ہے کہ زمانۂ حج مین ایک شخص کو زتی عملا مین دیکھا کہ لوگ اُسکے گھیرے ہوئے ہین۔ مین سمجھا کہ کسی ملک کا عالم متبحر ہے۔ ملاقات کا مشتاق ہو کر اُسکے خیمہ مین گیا۔ پہلے مین نے نام دریافت کیا تو اُسنے کہا ابو عبدالرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین۔ اس جواب سے علم و تبحر کی ساری حقیقت کھُل گئی۔

زبان کا پاک ہونا بڑے امتیاز کی بات ہے۔ لفظ تو لفظ ہے کسی حرف کا مخرج اگر صحیح نہ ادا ہو تو زبان کا بڑا سقم سمجھا جاتا ہے شریف و رذیل ذرا سے مین پہچان لیا جاتا ہے۔ آب حیات مین آزاد اس نکتہ کو سمجھکر بہت تہذیب سے لکھنؤ کی زبان پر حملہ کرتے ہین۔ پہلے ناسخ کے کچھ اشعار نقل کرتے ہین۔ ؎

شہسواری کا جو اُس چاند کے نکلے کہ چڑھ چلی — چاندنی نام ہے شبدیز کی اندھیاری کا
نام سُنتا ہون جو مین گور کی اندھیاری کا — دل دھڑکتا ہے مجھا کی شب تار نہو

آتش۔ لے خط اُسکے گورے گالون پہ تو نے کیا — چاندنی راتین یکایک ہوگئین اندھیاریان

پھر لکھتے ہین کس کا مُنہ ہے کہ لکھنؤ کی زبان پہ حرف رکھ سکے۔ دلّی کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ اندھیاری گھوڑے کی ہوتی ہے اور رات اندھیری کہی جاتی ہے۔ مطلب اسکا یہ ہے کہ لکھنؤ کے اساتذہ بھی لفظ کے محل استعمال سے ناواقف ہین۔ مگر تعجب ہے کہ ایک تذکرہ نگار زبان اُردو کی تاریخ کا مصنف اس بات سے ناواقف رہا کہ یہ خاص دلّی کا محاورہ ہے جو ناسخ و آتش کے قلم سے نکلا ہے۔ سودا۔ ؎

ہوگی کب تک بچا تجرد داری — چڑھ جاتے رہے کہ اندھیاری

درخشان کے کلام کے جو لوگ مشتاق ہین اُنھین میرا دوسرے وادی مین نکل جانا اور اسقدر سامعہ خراشی کرنا ضرور شاق ہوا ہوگا مگر مین دیکھتا ہون کہ کچھ اُردو کے دن بھلے آئے ہین۔ ساری قوم اُسکی طرف دفعۃً متوجہ ہوگئی ہے جب گوش شنوا ہو تو کیونکر درد دل نہ کہون۔

وله

کروں کیا لطف پر کیسے۔ رہون کیا قہر سے غافل — امید و بیم مین عالم نظر آیا ترازو کا
دلِ نالان کی ہمکو مرثیہ خوانی پسند آئی — جوانی کا نہ یہ محتاج۔ تماشے نہ بازو کا

دونون شعر مشاقانہ ہین۔ بندش مین ذرا جھول نہین آنے پایا مشاعرہ کی غزل ہے۔ مین نے سُنا کہ بادشاہ نے مائل[1] کے مطلع کو بہت پسند کیا کئی دفعہ پڑھوایا وہ مطلع یہ ہے۔ ؎

لعل و گہر تھا جو رہے مین گلوے یار مرد کا — ہر قطرہ اشک ہو گیا صرف گہر مروارید کا

وله

کل وہ جو مجھکو دیکھکے بیگانہ بن گیا — مین بھی تو ہو شیدا ہون دیوانہ بن گیا
غفلت پہ اپنی کیون نہ مین خون مل ملون — جامِ شراب عمر کا پیمانہ بن گیا
دیکھی نہ بخت بد نے مری شکل انقلاب — گو آشنا یگر گئے بیگانہ بن گیا

رونق فزا ہوا جو درخشان وہ بت کبھی
آئینہ خانہ رشک صنم خانہ بن گیا

اس عاشقانہ مطلع مین بیان کا طرز دیکھنے کے قابل ہے۔ یہ باتین وہ ہین جنسے شعر مین جان پڑ جاتی ہے۔ اسکے آگے صنائع و بدائع کی کچھ حقیقت نہین جو لوگ عاشقانہ اشعار سُنکر زہد خشک سے

---

[1] مولوی صادق علیخان مائل مرحوم جو بادشاہ کی حیات تک کلکتہ مین رہے اور اُنکی وفات پر لکھنؤ مین آکر دادِ سخن گستری دیتے رہے۔

کام لیتے ہین اس شعر کی ادا اُنکو بھانہ لے ممکن نہین۔ شعر کی ماہیت کو نظر دقیق سے دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ عشقبازی بُت پرستی بادہ خواری کے مضامین ہون یا معارف و مکارم کا بیان ہو یا عبرت و حسرت کا مضمون ہو جب تک کہ شاعر کے طرز بیان نے اُسمین جان نہ ڈالدی ہو وہ کلام موزون ہے۔ شعر نہین ہے اور جہان شعر مین اسطرح کا سحر پیدا ہوا ہے معانی اُسکے کیسے ہی رکیک و سقیم ہون وہ شعر عزود لینٹین ہوتا ہے۔ فن شعر و فن خطابت مین یہی بڑا فرق ہے کہ شاعر کے بیان مین شوخی اور خطیب کے بیان مین سُستی ہوتی ہے۔ شاعر کو معانی سے چندان غرض نہین وہ طرز بیان کے کوچون مین دوڑتا پھرتا ہے اور اسی دُھن مین اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اُسکا کلام بے معنی ہوجاتا ہے۔ خطیب کا موضوع بحث فقط معانی ہوتے ہین اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اُسکے بیان مین طرز دلکش نہین پیدا ہوتا۔ شاعر اس بات کی مشق کرتا ہے کہ تادیہ معانی بطرق متعددہ ہونا چاہیئے اسکی تصریح کتب بلاغت مین موجود ہے پھر اُسکے ضمن مین پند و حکمت آجائے تو آجائے اور خطیب کا مقصود اصلی یہی ہوتا ہے کہ پند و حکمت کا افادہ استفادہ ہو۔ بیان مین لذت ہو یا نہ ہو جیسے کوئی شخص فن موسیقی کا ماہر ہو وہ ایک ہی مصرع کو بار بار نئی نئی ترکیبون سے پڑھ رہا ہے اور اپنا کمال دکھا رہا ہے۔ اہل مجلس مین جنکو ذوق نہین وہ یہ اعتراض کرتے ہین کہ مرثیہ کا لطف جاتا ہے۔ رقت سلب ہوئی جاتی ہے۔ بول سمجھائی نہین دیتے۔ اُنکی خاطر سے چند بند سیدھے سُرون مین وہ پڑھ دیتا ہے اور لوگ خوش ہوجاتے ہین۔ اسوقت اُردو کی مجلس ادب مین ایسے ہی لوگون کا مجمع نظر آرہا ہے۔ جو چاہتے ہین کہ شعر کو خطابت اور شاعر کو خطیب بنا دین۔ شاعر کی ترانہ سنجی اُنکے کانون کو ناگوار ہوتی ہے۔ اپنے مطلب سے کام ہے۔ اب ضرور ہے کہ اُردو کی شاعری کا رنگ بدل جاے۔ سامعین شاعر کو اپنے رنگ پر کھینچ لیتے ہین مگر پھر شعر بھی حیرت انگیز و طرب خیز نہین رہتا۔ کہتا کیا تھا اور کہنے لگا کیا۔

حافظ

بنفشہ طرۂ مفتول خود گرہ می زد صبا حکایت زلف تو در میان انداخت

مصحفی

تھے تھے تھین گے آنسو رونا ہے یہ کچھ ہنسی نہین ہے

طرز بیان ہی مین جدت مقصود ہوتی ہے کہ شاعر تضمن سے کام لیتا ہے۔ اس مضمون کو کہ ممدوح کی درگاہ کو وہ شرف حاصل ہے کہ جب کوئی قسم کھاتا ہے اُسی کے در کی قسم کھاتا ہے۔ عرفی اسطرح ادا کرتا ہے۔ ؎

چرخ از شرف خاک درش ساخت طلسمے کز درگہش آن سو نبود راہ قسم را

طرز بیان مین شکوہ پیدا کرنے کے لئے شاعر تشبیہ وغیرہ سے کام لیتا ہے۔ یہ مضمون کہ جب فضل خدا ہوتا ہے تو سب کام بن پڑتے ہین۔ حافظ اسطرح ادا کرتا ہے۔ ؎

کار دانیکو بود بد قداش لطف خدائے بجمال بنشیند بجلالت برود

غرض مختلف کوچے ہین جنمین شاعر اسی چیز کو ڈھونڈھتا ہے۔ مجھے اس دُر مکنون کی جھلک کبھی برجستگی ردیف مین دکھائی دیتی ہے کبھی باب الانشا مین۔ شراب کے ذکر مین مدام کا لفظ ایہام تناسب کے لئے لانا ایسا ہی ہے جو وہ معلوم ہوتا ہے جیسے زبان کے ساتھ گویا کا لفظ صرف کرنا۔ ایہام تناسب مزے کی چیز ہے لیکن جب تازگی پائی جاے جہان اسقدر کمزوری و ابتذال پیدا ہوگیا ہو وہان احتراز واجب ہے۔ مگر مضمون بہت اچھا ہے جب حاصل عمر غفلت و بے خبری ہو تو پیمانۂ عمر و جام شراب مین فرق کیا رہا۔ شکایت بخت کی بندش مین شان مشق پیدا ہے۔ مقطع بھی خوب کہا ہے۔

یہ زمین بھی بادشاہ کی نکالی ہوئی ہے اُنکی عادت تھی جہان دیکھا کہ شعرائے سبعہ سیارہ مین سے کچھ لوگ سلام کو حاضر ہوئے ہین باتون باتون مین کوئی مصرع نظم کر دیا۔ یہ لوگ اکثر کوئی قطعہ یا رباعی جسمین اعادۂ سلطنت کی دعا ہوتی تھی پڑھ دیا کرتے تھے۔ جس سے اُنکا زخم کہن تازہ ہو جاتا تھا اور اپنا درد دل کسی مصرع مین ظاہر کرتے تھے۔ ایک دفعہ یہ مصرع زبان سے نکلا۔ ع

رہیگا نجم آخر تا کجا اے چرخ گردش مین

بادشاہ ابھی ہوا دار سے اُتر کر سلطان خانہ مین داخل ہوئے تھے کہ مہتاب الدولہ نے یہ مصرعے پڑھے۔ ؎

نہ ہے اسطرح سنگ آسیا اے چرخ گردش مین نہ ہے یون ساغر بادہ صدا اے چرخ گردش مین
نہ یون تسبیح دست پارسا اے چرخ گردش مین رہیگا نجم آخر تا کجا اے چرخ گردش مین

ان مصرعون کو بہت پسند کیا فرمایا کہ قافیے بدل بدلکر اور مصرعے لگاؤ اور میرے مصرع کو مصرع ترجیع قرار دو۔ پھر جو ملاقات و حضوری حاصل ہوئی تو مہتاب الدولہ نے ایک خمسہ پڑھا جسمین بہت سے بند تھے ہر بند مین چوتھا مصرع خمسہ کا گرہ کا مصرع تھا صلہ بھی ملا اور خمسہ مطبع سلطانی مین چھاپا گیا۔ مین نے بھی دیکھا تھا۔ مطلع کے یہ تین مصرعے مجھے یاد رہ گئے

ایک صحبت مین مین بھی موجود تھا اور تمام شعرا و ندماے شاہی کا مجمع تھا۔ اعادۂ ملک کی دعائین لوگ دے رہے تھے کہ حضرت نے دست دعا بلند کئے اور یہ مصرع پڑھا۔ ع

بازا تقصیر سے بس گوشمالی ہو چکی

شگفتہ ایک شاعر حامد علی مرزا کوکب ولی عہد بہادر کے مصاحبون مین تھے اُنھون نے عرض کیا کہ خانہ زاد نے مصرع لگایا ہے حکم ہوا کہ پڑھو۔ ؎

شان توقی اللک دکھلا۔ دیکھی شان تخم بازا تقصیر سے بس گوشمالی ہو چکی

اس صحبت مین بادشاہ نے کچھ اپنا کلام بھی سُنایا تھا۔ دو شعر مجھے یاد رہ گئے۔ ایک مطلع

ایک حسرت طور پر بھی ہر موسی رہ گئی ایسا کچھ دیکھا کہ آنکھون کو تمنا رہ گئی

اور ایک غزل کا یہ شعر

جوانی مین یہ موتھے سفیدی ہے یہ دندان کی ضعیفی ہنس رہی ہے مجھے کیون اندوہگین ہونا

یہ شعر پڑھکر مہتاب الدولہ سے مخاطب ہوئے کہ معنی بیان کرو اُنھون نے عرض کیا کہ بالون کی سفیدی نہین ہے بلکہ ضعیفی کا خندۂ دندان نما ہے۔ فرمایا وہ تو خندۂ دندان نما کر رہی ہے مگر سمجھ رہا ہون کہ مجھسے ہنس رہی ہے۔ اب اندوہگین ہونے کی کوئی وجہ نہین۔ اس نکتہ کے ارشاد فرمانے پر مہتاب الدولہ فوراً اُٹھے اور آداب بجالائے گویا حضرت نے اُنکی شرح پر اصلاح دی اور اُنھون نے اصلاح کا سلام کیا۔

ولہ

مشکِ شبرنگ کی چوٹی ہے گیسو حور کا یار کی گر دسواری مین ہے عالم لزر کا
خلق مین جبکا یہ بیضا ہوا مشہور نام آگیا گل ہاتھ موسیٰ کو کہ پیراغ طور کا
دیکھئے گر شیر عبرت سے بڑی تنبیہ ہے نیند کی شدت بھلا دیتی ہے سر مزور کا
جب نگاہ مست اُسکی غیر پر پڑنے لگی ہو گیا ثابت بہکنا نرگس مخمور کا
خوان نعمت دیکھکر فاقہ کشون کی یاد کی کاسۂ چینی سے دھیان آیا مرقعفور کا
چارہ سازی خلق کی کرتا ہون گر دیوانہ ہون بے مرمت بیشتر رہتا ہے گھر مزور کا

مطلع مین "چوٹی" کا لفظ ہے لیکن گرد جولان کو تتق نور کہنا مضمون مبتذل ہے۔ معجزۂ ید بیضا طور پر عنایت ہوا ہے اس سبب سے اُسے شمع طور کا گل کہنا لطف سے خالی نہین۔ یہان ہاتھ آجانے کی اصطلاح مین ایہام تناسب ہے اور اچھا معلوم ہوتا ہے۔ تنبیہ کے معنی جگا دینے کے ہین یہان یہ رعایت کوئی کہہ سکتا ہے کہ لطف نہین دیتی۔ بیکنے کے ثبوت مین تازگی نمایان ہے

محض اسواسطے غیر پر آنکھ پڑنے کا مضمون ناپسندیدہ گوارا کرلیا ورنہ مقصود بالذات یہ مضمون نہین ہے۔ مزدور و فغفور کے دونون شعرون مین اخلاقی مضمون ہے اور شاعرانہ لہجے مین ہے۔ غزل مین اخلاقی مضامین اگر واعظانہ طرز کے ہون تو وہ غزل غزل نہین ہے موعظہ ہے۔

ولہ

مطلب کے آشنا ہین فقط یار آشنا — معدوم ہین جہان مین وفادار آشنا
کہنے کیواسطے ہین بہت یار آشنا — لاکھون مین یان نکلتے ہین دو چار آشنا
ناحق نہین سمجھتے ہین اغیار آشنا — ہوتے نہین کسی کے طرح دار آشنا
رکھیں نہ بعد مرگ سر و کار آشنا — کب ہو سر بریدہ سے دستار آشنا
قاتل سے ہے اشارہ ابرو سے ماہ نو — دو دن تو ہو نیام سے تلوار آشنا
کب ہے برادران حقیقی کا اعتماد — بے فائدہ برستے ہین دستار آشنا
تکیہ نہ اتفاق عناصر پہ آج کر — کل چار سمت جائینگے یہ چار آشنا
ہے دشمن وصال فلک - پھینک دیگا دور — کیا چلّہ کمان سے ہو سوفار آشنا
پوچھون مین لطف بوسہ و گوش یار سے — کانون سے ہو اگر لب گفتار آشنا

مجھے لفظ فقط اردو مین بہت ثقیل معلوم ہوتا ہے لیکن محاورہ مین داخل ہے مین خود بھی اسکو ترک نہ کرسکا طرح دار اور صورتدار اور سمجھ دار اور تابعدار یہ سب ترکیبین غلط ہین مگر زبان اردو کا جزو ہوگئی ہین پھر بھی اہل قلم ان لفظون کے استعمال سے احتراز کرتے ہین خصوصا فارسی کی اضافت و عطف کے ساتھ تو ہرگز نہ استعمال کرنا چاہیئے۔

دستار و الا مطلع مثالی شعر ہے اور خوب کہا ہے۔ تلوار کے قافیہ مین چاند کے دو دن چھپنے کا اشارہ لطف دیتا ہے۔ دستار و الا شعر بھی اخلاقی مضمون سے خالی نہین۔ عناصر کے جدا ہونے کی صورت دکھادی ہے یہ بندش بھی واہ طلب ہے۔ سوفار کا قافیہ بھی خوب کہا حاصل زمین ہے۔ شعر آخر مین در گوش سے باتین کرنے کی تمنا کیا اچھی تخئیل ہے۔

ولہ

ہے جائے گریہ حال جہان خراب کا — ہو چشم مہر و ماہ پہ دامن سحاب کا
تکیہ پہ لطف عارض رنگین کو دیکھنا — گویا روش پہ پھول پڑا ہے گلاب کا
کب تک پیون مین غلغلہ شب سے اسکے گھونٹ — چھلکائے شیر صبح قدح آفتاب کا
مسجد سے میکدہ کو بک کر چلا ہون رات — گویا چراغ غول ہے ساغر شراب کا
کیا آئینہ مین عارض رنگین کی ہے بہار — پانی مین پھول تیر رہا ہے گلاب کا
ہم حلۂ بہشت پہنکر چلے گئے — ڈھونڈھا کیا کفن مین فرشتہ عذاب کا
تزئین حسن مین ہے سروست نقص عیب — اُنگلی پہ رنگ آتا ہے پہلے خضاب کا
روز سیہ دکھائے نہ لیل و نہار دہر — اک صفحہ تو سفید رہے اس کتاب کا
رخسار آتشین نے ترے شب کو اے پری — دکھلا دیا چراغ سے اُڑتا شراب کا
تجنیس خط ہے لفظ شباب و شتاب مین — کسطرح جلد جائے نہ موسم شباب کا

مجھے اس غزل کا مطلع عبرت انگیز معلوم ہوتا ہے نہایت خوب کہا ہے۔ ہو کا لفظ ہونا چاہیئے کے محل پر لکھ گئے ہین اسپر بھی مطلع کی خوبی مین فرق نہین آیا۔ دوسرے شعر مین عارض کو گلاب کا پھول کہنا تشبیہ مبتذل ہے مگر شب مین یہ قید لگانا کہ جب تکیہ پر سر رکھا ہو تخئیل تازہ ہے۔ قدح آفتاب سے شیر صبح کا چھلکنا نہایت دلکش تخئیل ہے۔ ساغر شراب کو چراغ غول بھی خوب کہا رات کا لفظ بغیر کہے استعمال کرنا اگلے زمانہ کی روش تقریر ہے۔ ناسخ ؎

تنگیِ محفل کے باعث بعد رخصت بیٹھا مجھسے یار — رات اہل بزم کی کثرت کا احسان ہوگیا

مہتاب الدولہ من شخص تھے ناسخ و آتش کے مشاعرون کا ذکر کیا کرتے تھے۔ شاید یہ غزل اُنکی اُنھین مشاعرون کی ہے۔ اس زمانہ مین رات کو کوئی اسطرح نہ باندھے گا۔ آئینہ والے شعر مین عارض کو پھر گلاب کے پھول سے تشبیہ دی لیکن یہان بھی تشبیہ مرکب ہے۔

اور وجہ شبہہ مین حرکت بھی داخل ہے اگر آئینہ ہاتھ مین ہو تو۔ کفن کے اندر ہی حلۂ بہشت پہن بھی لیا اور اندر ہی اندر بہشت مین چلے جانے کی راہ بھی پیدا کر لی گہری تخییل ہے۔ سرو دست کی رعایت مبتذل ہے اور قابل ترک۔ آرزو کی ہے کہ فلک روز سیہ نہ دکھائے تو اس کتاب لیل و نہار کا ایک صفحہ سفید رہے اور ایک سیاہ۔ چراغ سے شراب کا اُڑنا انکے حصّہ کا مضمون تھا۔ اے پری اے صنم اے جان اے مہر اے گلرو اے گلبدن بھرتی کے الفاظ سمجھے جاتے ہین اور بھرتی کا لفظ شعر مین ہونا شاعر کے عجز طبع پر دلالت کرتا ہے۔ تجنیس لفظی البتہ اگر تازہ ہو تو چھوڑنے کی چیز نہین ہے گو یورپ کی تقلید مطلقاً مانع ہے مگر تجنیس خطی کے مہمل ہونے مین کوئی شک نہین۔

ولہ

داغ سودائے محبت سکۂ زر ہو گیا — عشق کی دولت سے مفلس بھی تونگر ہو گیا
شکوہ لب بستہ و بلند و ہر تھا و زبان — اشک کے طوفان مین اک عالم برابر ہو گیا
رتبۂ اعلیٰ نہ پائے الاکہ گرداں پڑ رہے — تر آدم آئینہ کس دن سکندر ہو گیا
خامۂ تحریر نے اُگلا شکایت کا زہر — لے کے خط جس دم اُڑا نیلا کبوتر ہو گیا
مثل دشمن دوستون کو ہے ستانے کا خیال — کیا مرا جوہر بھی آئینے کا جوہر ہو گیا
زخمی تیغ ادا شب بھر تڑپ کر مر گئے — چاندنی کا لکھیت وہ پھولون کا نیزہ ہو گیا

برابر اور سکندر اور زیور کے قافیون مین اچھے شعر نکالے ہین۔

علی حیدر طباطبائی

رنج و راحت - اس نام کا ایک نتیجہ خیز ناول حال ہی مین شائع ہوا ہے جو مسٹر آفتاب عمر صاحب - بی اے - کی تراوش دماغ کا نتیجہ ہے۔ اسکا سین ۱۸۵۷ء کے ہولناک غدر سے تعلق رکھتا ہے۔ جو کاہر واقعہ بجائے خود ایک دردانگیز افسانہ ہے۔ قابل مصنف نے اپنے قصّے کو اسی عبرتناک ہنگامے سے شروع کیا ہے جسمین ضمنی واقعات کے ساتھ غدر کا ایک دھندلا خاکہ پیش نظر ہو جاتا ہے۔ ناول کی ہیروئن جمیلہ کے واقعات سے نوجوان لڑکیون کو یہ سبق حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ لاوارث بچون کو اپنی اولاد کیطرح پالنے مین غلطی کرتی ہین۔ اسلئے کہ جب خود اُنکے کوئی اولاد ہوتی ہے تو وہ محبت باقی نہین رہتی اور اس سے جو زیبان پیدا ہوتی ہین اُنکی تفصیل اس ناول مین موجود ہے۔ ناول کا اختتام ۱۸۷۷ء کے دربار قیصری کے موقع پر ہوا ہے جب اشخاص قصّہ کے مصائب کا خاتمہ ہو گیا اور سب بچھڑے یکبارگی مل گئے۔ اسطرح "رنج و راحت" ہو گئی ہین اور انسانی زندگی سے ایک بڑی حد تک تعلق رکھتے ہین اس قصّے پر صادق آ گئے۔ آخر مین ہمین اتنا افسوس ہے کہ روشن خیال مصنف نے ایک جگہ بلاضرورت بھی ہندؤن کو متعصب لکھدیا۔ حالانکہ سارے قصّے سے کسی ہندو کو کوئی تعلق نہین۔ چھوٹی تقطیع کے ۱۹۲ صفحات پر قیمت ۸ر ہے اور نظامی پریس بدایون سے مل سکتا ہے۔

مقصدِ حیات

سمۂ ہستی پر اس سے پہلے جو میرا مضمون شائع ہو چکا ہے اُسمین مختلف عقائد کا ذکر کرکے آخر مین یہ بتایا گیا ہے کہ اندوے عقیدہ اودیت و یدانت یعنی وحدت الوجود حقیقی ہستی صرف ایک آتما کی ہے جو سب چیزون کی عین حقیقت ہے اور جو فرداً فرداً روحین یا اجسام محسوس ہوتے ہین وہ صرف نمودی ہین اور اس نمود کی بھی بود صرف وہی آتما یا حقیقت ہے اور اگر وہ بود نمود تو یہ ظاہری نمود بھی نمود لیکن چونکہ ہمنے اسی نمود کو سچا سمجھ رکھا ہے اور جو عین حقیقت ہے اُسکو بھول گئے ہین اسلئے یہ زندگی و موت، یہ تکلیف و آرام، یہ گرمی و سردی وغیرہ ہمکو محسوس ہوتی ہین ہنکی فی الحقیقت کوئی ہستی نہین ہے۔ یہ اجسام یہ روحین جو فرداً فرداً ہمکو محسوس ہوتی ہین اُنکا کوئی حقیقی وجود نہین ہے بلکہ یہ سب جھوٹی ہین اور سچ ہے تو صرف وہی ایک ذاتِ مطلق جو سب کی عین حقیقت ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک ہی ذات سچی ہے اور یہ فرداً فرداً اجسام اور روحین محض نمودی یا ظاہری ہین جنکو ہماری انانیت نے پیدا کر لیا ہے اور اگر انانیت کا یہ خیال مٹ جاے تو وہ بھی نہ رہین تو پھر اس جھوٹے یا نمودی عالم کی نمود کا مقصد یا مختصراً ہماری اس حیات یا زندگی کا کیا مدعا ہے۔ بعض دہریہ خیالات کے لوگ یہ سوال کر اُٹھتے ہین کہ اگر اس دُنیا کا پیدا کرنے والا کوئی خدا ہے تو اُس خدا نے اس دُنیا کو پیدا کرنے کا عبث فعل کیون کیا۔ کیونکہ جسکو وہ ایک دن پیدا کرتا ہے اُسی کو دوسرے دن مٹا دیتا ہے اور اسلئے ہماری نگاہ مین یہ فعل خدا کا عبث معلوم ہوتا ہے۔ جیسے بچے کھیل مین لکیرین بناتے اور مٹاتے ہین۔ ایسا ہی فعل خدا کا ہے کہ وہ اس دُنیا کو پیدا کرتا ہے اور مٹاتا ہے۔ جنکے ایسے خیالات ہین اُنکی تشفی کرنا کوئی آسان کام نہین۔ مگر پھر بھی ہم اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہین۔

دُنیا کی پیدایش کا یا یون کہو کہ زندگی کا مدعا ہر ایک کی نگاہ مین ہر ایک کے مختلف خیالات کے مطابق جُدا جُدا ہے جنکی دُنیا ہری بھری ہے اور جو لذائذ دُنیا سے بہرہ ور ہین وہ یہ سمجھتے ہین کہ ہماری حیات کا عین مقصود صرف یہ ہے کہ باغ ہو، بہار یا برسات کا سُہانا موسم ہو، ساقی ہوش ہو اور دورِ شراب چلتا ہو۔ بمصداق اشعار میان نظیر۔

اشعار

چمن مین چل کے بیٹھو اور صراحی جام منگواؤ — پیو بچھر کے ساغر تم بھی اور ہمکو بھی پلواؤ
گلے لپٹو ہمارے اور ہمین ہنس ہنس کے بوسہ دو — اجل کا ذکر کھی ہے سریہ لے دلدار سنتے ہو

نہ چلین نہ یہ دھوین نہ یہ چرچے ہم ہونگے
میان اک دن وہ آئیگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

پھول لو کہ دلو جب تلک یہ زور نیلوین مین — غنیمت ہے وہی دم اب جو گزرے رنگ لیوین مین
ہمین لوسا خط اور سیرین کرو پھولونکی کلیون مین — پھر بگی پھر تو آعرتن کی اُڑتی خاک گلیون مین

نہ چلین نہ یہ دھوین نہ یہ چرچے ہم ہونگے
میان اک دن وہ آئیگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

ایسے لوگون کے نزدیک زندگی کے معنی یہی ہین کہ کھالے، پی لے، اور چین کرلے، یہ حیات چندروزہ ہے۔ ایک چشم زدن مین موت سے سامنا ہوگا۔ پھر کہان ایسا وقت ملیگا۔ بقول میان نظیر

اشعار

دل لگا الفت مین اور کر لے پریزادون کی چاہ چاند سے گھڑیون سے مل موج و شون پر نگاہ
کچھ مزے کچھ لوٹ حظ یہ وقت کب ملتا ہے آہ کھالے پی لے سکھ دے اور دے لے دلا دے واہ وا

دیکھ لے دُنیا کو غافل یہ تماشے پھر کہان

اور اُنھین شاعر کا یہ بھی قول ہے۔

اشعار

کبھی ہین دیکھتے رخسار یار کو منہ ہنس کبھی خوشی سے ہین چھو لیتے اُسکی زُلف دوتا
کبھی ہین یار کے چشم و نگاہ سے پیتے خوشی سے عیش کے بھر بھر کے ساغر صہبا
کبھی ہین اُسکے تکلم سے دل کو خوش کرتے کبھی ہین اُسکے تبسم پہ جی سے ہوتے فدا
جو دیکھتا ہے ہمین اسطرح کی عشرت مین تو یہ سخن وہ رہ منصفی سے ہے کہتا

نظیر تم نے جو حاصل یہ شادمانی کی
یہی بہار ہے بُستان زندگانی کی

لیکن جو مبتلائے مصیبت و آلام ہین اُنمین جو لوگ مذہبی عقیدہ رکھتے ہین اُنکے نزدیک یہ دُنیا یہ حیات چند روزہ، صرف آزمائش کے لئے ہے۔ یہ اسلئے ہے کہ کھوٹے کھرے کا امتحان ہو۔ جو امتحان مین پورا اُترگیا وہ جنّتی اور مستحق حیات ابدی ہوا اور جو نہ پورا اُترا وہ ناری ہوا۔ ان مین سے بعض کا یہ قول ہے کہ جو لوگ اس دُنیا مین مال اور دولت سے مالامال ہین وہ عقبیٰ مین ضرور مبتلائے مصیبت ہونگے۔ لزارس Lazarus جو اس دنیا مین مفلوک الحال ہے اور کھانے پینے سے محتاج اور کپڑون مین ہزارون پیوند لگائے ہوئے ہے، ضرور داخل جنّت ہوگا اور دولتمند ضرور داخل دوزخ ہونگے۔ بقول حضرت عیسیٰؑ "مین سچ سچ کہتا ہون کہ جیسے ایک اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گزرنا ممکن نہین ہے ویسے ہی دولتمند کا داخل جنّت ہونا محال ہے"۔ انمین سے جو لوگ کسی عقبیٰ یا مذہب کے قائل نہین وہ تو یہ سمجھے ہوئے ہین کہ یہ زندگی اور موت، خُدا کے کہو۔ نیچر کے کہو۔ محض عبث فعل ہین۔ اسکا کوئی مدعا نہین ہے۔ اس مصیبت بھری دُنیا کا پیدا کرنے والا اگر کوئی ہے تو وہ رحیم و کریم نہین ہوسکتا بلکہ وہ کوئی ظالم ہی ہوگا جسکا مقصد صرف مخلوق کو تکلیف اور مصائب پہونچانے کا ہے۔

ان دونون سے الگ ایک تیسرا فرقہ حکما اور عُلما کا ہے اور اسمین بھی مقصد حیات یا مدعاے عالم کے متعلق جُدا جُدا خیالات ہین۔

انمین سے وہ علما جنھون نے اپنی زندگی کو سائنٹفک ایجادون کے لئے وقف کر دیا ہے۔ اس خیال مین مست ہین کہ ہم اپنی ایجادون ہی سے اپنی حیات کو ہمیشہ کے لئے قائم رکھ سکتے ہین اور اسلئے ہماری زندگی کا مدعا غائی یہ ہونا چاہئے کہ ہم ایسے ایجادات وضع کرین جنسے ہمارے جسم کی حفاظت ہو اور اُسکو آسائش ملے اور اگر ہوسکے تو ایجادات وضع کرتے کرتے اس درجے پر ترقی کر جائین کہ ہمارے یہ اجسام فنا نہونے پائین اور اس جسم کے ساتھ ہمکو حیات ابدی حاصل ہو۔ موت کا جو بھیانک خوف ہر دم دامنگیر رہتا ہے۔ وہ ہمیشہ کے لئے جاتا رہے، کیونکہ اُنکے نزدیک جو کچھ ہے جسم ہی ہے۔

کچھ لوگ جو اولیوشن یعنی ارتقا کے قائل ہین یہ سمجھے ہوئے ہین کہ عالم کے دَور ہوتے ہین۔ ایک دَور مین وہ لطیف سے کثیف ہوتا ہے اور دوسرے دَور مین وہ کثیف سے پھر لطیف ہو جاتا ہے اور یہی سلسلہ لطیف اور کثیف کا جاری رہتا ہے جسکی کوئی انتہا نہین۔ اسمین کوئی خاص مقصد کسی خالق یا مخلوق کا نہین ہے۔ فطرت اپنے ڈھرّے پر تابع قوانین مقررہ چلی جاتی ہے۔ انمین مسز اینی بیسنٹ اور اُن لوگون کا جو مداخلت خُدا کے بھی قائل ہین۔ یہ عقیدہ ہے کہ اس ریولیوشن مین خُدا کا

دخل ہے اور اُسکا کچھ مدعا ہے جو یہ ہے کہ سارے جاندار جو اس ایوولیوشن کے زنجیرے مین پڑے ہوئے ہین خدا کی طرف کو جو مرجع عالم ہے بڑھے چلے آرہے ہین اور آخر مین اُسکی ذات مین فنا ہوجائینگے اور یہ ایوولیوشن جسمانی اور روحانی دونون ہوتا ہے لیکن جرمنی کے فلاسفر ہیجل صاحب کا یہ عقیدہ ہے کہ آفرینش یا ظہور سے پہلے یہ عالم بالقوی ذات خدا مین موجود تھا اور خود خدا ہی مرعی اور تغیر پذیر ہوکر عالم محسوسات بنجاتا ہے جسمین حضرت انسان کی شکل مین پہونچکر وہ کامل ہوجاتا ہے - اس عقیدہ مین سب چیزون کا انسان کامل ہی کی شکل مین متبدل ہونا عین مدعاے عالم ہے - اسی سے اس طریقہ مین پرستش انسان ہی سب سے بڑی پرستش سمجھی گئی ہے اور یہی پرستش جو انواع و اقسام کے طریق مین کیجاسکتی ہے عین مدعاے حیات ہے - مگر وہ جو خدا پرست ہین اُنکے نزدیک خدا پرستی ہی حیات کا عین مدعا ہونا چاہئے نہ کہ پرستش انسان جو ایک مخلوق ہے - بقول میان **نظیر**

ملی جہان مین تجھے یہ جو زندگانی ہے یہ چند روزہ ہے اے جان نہ جاودانی ہے
عبادت اُسکی یہان جسنے دل مین ٹھانی ہے اُسی کو دونون جہان بیچ شادمانی ہے
خدا کا نام لیا کر تو آن آن میان

اِن خدا پرستون مین جو لوگ ہمدردی انسان کے قائل ہین اُنکا یہ قول ہے کہ انسان کا مقصد حیات ہمدردی ہے کیونکہ خدمت بندہ عین عبادت خدا ہے بقول شخصے

درد دل کیواسطے پیدا کیا انسان کو ورنہ طاعت کیلئے کچھ کم نہ تھے کروبیان

لیکن بودھون کے نزدیک جو کسی عبادت خدا وغیرہ کے قائل نہین اور جنکے یہان زندگی اور مصیبت دو مترادف الفاظ ہین مصیبت تب ہی جاسکتی ہے جب زندگی نہ رہے اور اسلئے اُنکے عقیدہ مین عدم ہی عین مدعاے حیات ہے جسکو وہ نروان کے نام سے موسوم کرتے ہین اور یہ نروان ہمکو صرف ہمدردی انسان ہی نہین بلکہ کُل جاندارون کی ہمدردی سے حاصل ہوسکتا ہے -

غرضکہ جیسا جسکا خیال یا جیسا جسکا عقیدہ ہے ویسا ہی وہ اپنا مقصد حیات سمجھے ہوئے ہے اور اُسی کے مطابق وہ عمل کرتا ہے - لیکن اس مسئلے کا حل ادویت ویدانت نے کیا ہے وہ کچھ ایک عجیب و غریب حل ہے اور ایسا ہے جسپر اگر غور کامل کیا جاے تو جیسی تشفی اُس سے حاصل ہوتی ہے کسی دوسرے خیال سے ویسی حاصل نہین ہوتی - اس عقیدہ کے بموجب عدم یا نیست ہوجانا ہماری زندگی کا مدعا کبھی نہین ہوسکتا جیسا کہ بودھون کا خیال ہے - کیونکہ نیستی کوئی معنی نہین رکھتی ہے - اگر ہم موجود یعنی ہست ہین تو پھر ہم نیست کبھی نہین ہوسکتے - یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ جو حقیقت مین ہست ہے وہ نیست اور جو حقیقت مین نیست ہے وہ ہست نہین ہوسکتا - اسلئے اسکو ضرور ماننا پڑے گا کہ حقیقی ہستی کوئی ضرور ہے جسکے یہ سب مظہر ہین - اس حقیقی ہستی کا نام ویدانت مین آتما یا برہم ब्रह्म ہے - یہ آتما محل صفات سے مبرا ہے - وہ کیول ست چت آنند سروپ ہے - یعنی یہ کہ وہ ہستی مطلق علم مطلق اور سرور مطلق ہے - جب ہستی مطلق ہی مطلق ہے تو پھر نیستی کہان رہی اور جب علم مطلق ہی مطلق ہے تو پھر جہل کہان - ہا اور جب سرور مطلق ہی مطلق ہے تو پھر دُکھ کہان رہا نیستی جہل اور دُکھ اگر ہین تو صرف اسوجہ سے کہ ہمنے بہ نتیجہ علائق اپنی اصلی حقیقت کو یعنی اسکو کہ ہم ہستی مطلق علم مطلق اور سرور مطلق ہین بھولکر اپنے کو کچھ اور سمجھ لیا ہے جو ہم فی الحقیقت نہین ہین - یہ علائق کیسے پیدا ہوئے اور کہان سے آئے یعنی یہ کہ جسکو ویدانت کی اصطلاح مین مایا کہتے ہین - اُسکی ابتدا کیسے ہوئی - اسکا جواب دینے کیلئے ایک بہت بڑا مضمون چاہئے - اسکا جواب چند الفاظ مین شری شنکراچارج نے صرف یہ دیا ہے کہ شمل بانگیر کے شعبدے کے اودیا अविद्या

یعنی جبل نہ اصلی ہے اور نہ بے اصل بلکہ وہ کچھ کچھ ہمارے اُس دُھوکے کے مشابہ ہے جبکہ مثلاً ہمکو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہم سانپ کو دیکھ رہے ہین - جس حالت مین کہ ہم جو کچھ دیکھتے ہین وہ فی الحقیقت رسّی ہے اور پھر بھی ہم اُس سے ڈر کر ایسے بھاگتے ہین کہ گویا وہ سچ مچ سانپ ہے - شنکراچارج یہ نہین کہتے کہ مایا حقیقی ہے یا غیر حقیقی - جو کچھ وہ کہتے ہین وہ صرف یہ ہے کہ وہ موجود ہے اور ویدانت کا مقصد یہ ہے کہ وہ ودیا یعنی عرفان سے مٹائی جائے اور چونکہ ودیا یعنی عرفان سے مٹ سکتی ہے اسلئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اُسکا کوئی اصلی وجود نہین ہے - مگر چونکہ وہ عرفان سے پہلے محسوس ہوتی ہے اسلئے وہ غیر حقیقی یعنی نیستی مطلق بھی نہین ہے - انھین علائق دُنیا کا دوسرا نام حیات ہے - وہ جو سُت چِت آنند سروپ آتما ہے اُسکا نام جب سے جیو ہوا جسکا کوئی زمانہ مقرر نہین کیا جاسکتا تب ہی سے کہنا چاہیئے کہ سلسلۂ حیات شروع ہوا - اس جیو کی اُپادھیان (یعنی علائق) تین قسم کی ہین - (۱) کارن یعنی علّتی - (۲) سوکشم (یعنی لطیف) - (۳) استھول (یعنی کثیف) اگیان من جو چیتن **चेतन** کا عکس ہے اور اگیان کا ادھشٹان[1] **अधिष्ठान** جو کوٹ استھ ہے **कूटस्थ** ان دونون کو ویدانت کی اصطلاح مین جیو کہتے ہین - اسکے یہ معنی ہین کہ چیتن یعنی عین حقیقت یا ذات مطلق کا جب تعلق اگیان سے ہوا تو وہ چیتن جیو کہلایا اور یہ جیو کی کارن اُپادھی ہے - پانچ گیان اندریہ یعنی حواس خمسہ جو ذریعۂ احساس ہین اور پانچ کرم اندریہ جنکے ذریعہ سے ہاتھ پاؤن وغیرہ کو حرکت ہوتی ہے اور پانچ پران اور من بُدھی، چت اہنکار (یعنی قوت خیال - ادراک وانانیت وغیرہ) یہ سب ملکر جیو کی سوکشم اُپادھی ہے اور یہ ہمارا جسم کثیف اور اُسکی استھول اُپادھی ہے - سوکشم اُپادھی کو لنگ دیہ بھی کہتے ہین - کچھ جسم کثیف کے اندر داخل ہونا ہی حیات نہین ہے بلکہ ان تینون شریرون یعنی اجسام مین جیو کی موجودگی کو حیات کہین گے - چونکہ جسم کثیف کے اندر جیو ایک قلیل مدت تک رہتا ہے جسکی انتہا آجکل کے زمانہ مین سَو سال سمجھی گئی ہے - اسلئے جبتک اس اُپادھی مین رہتا ہے اُسکی حیات بخیال اسکے کہ نہ معلوم جسم کثیف کب چھوٹ جاے - چند روز دیکھی جاتی ہے - بلکہ اُس سے بھی کم اور اسی لئے شاعرون نے عمر کی تشبیہ حباب وغیرہ سے دی ہے - لیکن چونکہ جسم کثیف کے چھوٹنے کے بعد سوکشم اُپادھی یعنی جسم لطیف باقی رہتا ہے - اسلئے حیات کا سلسلہ ختم نہین ہو جاتا بلکہ وہ آگے کو بڑھتا ہے - کیونکہ جسم لطیف دوسرے اجسام کثیفہ کو اختیار کرتا رہتا ہے اور یہ سلسلۂ حیات ازلی ہونیکے علاوہ ایک معنی مین ابدی بھی ہے کیونکہ جب تک عرفان سے اس جسم لطیف کی انتہا نہو یہ سلسلۂ حیات خود اس جسم لطیف کے ذریعہ سے اور ایک غیر محدود اجسام کثیفہ کے ذریعہ سے کلپون تک یعنی عالم کے بیشمار دَورون تک برابر قائم رہتا ہے - پس عمر خیام کی رباعیات ذیل صرف مجازی معنی مین صحیح ہو سکتی ہین نہ کہ حقیقی معنی مین -

(۱)

از آمدن و رفتن ما سودے کو وز تار و وجود عمر ما پودے کو
در سینۂ چرخ جسم چندین پاکان میسوزد و خاک میشود دودے کو

(۲)

از منزل کفر تا بدین یک نفس است وز عالم شک تا بہ یقین یک نفس است
این یک نفس عزیز را خوش بگذار کز حاصل عمرما ہمین یک نفس است

اس سے یہ مراد ہے کہ زندگی نام ہے سانس کا جو اگر بند ہو جاے تو پھر اُسکا خاتمہ ہے لیکن اگر یہ سانس ایک دفعہ

[1] جسپر کوئی چیز قائم ہو اُسکو ادھشٹان کہتے ہین -

بند ہو کر زندگی کا خاتمہ کر بھی دے تو بھی اسکا امکان باقی رہتا ہے کہ پھر اور سانس کے ذریعہ سے شروع ہو کر دوسری زندگی کا آغاز ہو جاے۔ کیا مضائقہ اگر ہمارا ایک جسم چھوٹ گیا۔ ہمکو پھر اسکا موقع حاصل ہے کہ ہم دوسرا جسم اختیار کر کے اپنے مقصود کو (جو وہ ہو) پھر حاصل کر سکین۔ اب بیان دو سوال پیدا ہوتے ہین ایک یہ کہ اس سلسلۂ حیات کی علت کیا ہے اور دوسرا یہ کہ اسکا مقصد کیا ہے۔

پہلا سوال یہ ہے کہ اس سلسلۂ حیات کی علت کیا ہے۔

علت اسکی ہمارے افعال ہین۔ بقول شنکر بھاشہ یہ نام اور روپ پرپنچ **प्रपंच** یعنی یہ عالم افعال کے پھاون کا نتیجہ ہے اور اس حرکت کا نام کریا کارک **क्रिया कारक** پھل ہے۔ کوئی ایسا فعل نہین جسکا پھل نہو اور کوئی فعل بغیر سزا و جزا کے نہین رہ سکتا چاہے اسکا پھل کرنے والے کو کلپ انتروں مین کیون نہ ملے۔ حال کا سائنس بھی ہمارے اس خیال کا موید ہے۔ جسطرح مادی دنیا مین ہر علت کا کوئی معلول ہوتا ہے اور اس طریق مین ایک ازلی وابدی سلسلہ نامتناہی علل و معلول کا جاری رہتا ہے اسی طرح ہمارے خیالات ہمارے کلام اور ہمارے افعال کا بھی ایک سلسلۂ نامتناہی ازلی وابدی جاری ہے۔ اگر ہمارے خیالات ہمارے کلام یا ہمارے افعال۔ بہ نتیجہ کسی سابق خیال کلام یا افعال کے غلیظ و ناپاک ہین تو انکا اثر ہمارے من پر ایسا پڑے گا کہ اُسپر سے غلیظ تر و ناپاک تر خیالات کلام اور افعال کی آئندہ تحریک ہو یا وہ خیالات تبدیل بہ کلام یا افعال ہو جائین۔ غرض کہ اسطرح خیالات و کلام و افعال کا ایک ازلی وابدی سلسلۂ نامتناہی علل و معلول قائم ہے جو ایک ہی زندگی پر منتہی نہین ہو جاتا بلکہ بیشمار زندگیون اور دورہاے عالم تک جاری رہتا ہے۔ اگر بہ نتیجہ عرفان اسکا خاتمہ نہ ہو جاے اور جسطرح ایک زندگی کے افعال کے اثر سے جنکے کوئی نتائج ظاہر نہین ہوئے ہین دوسری زندگی ہوتی ہے اُسیطرح ایک دور عالم کے اُن افعال کے اثر سے جنکے نتائج ظاہر نہین ہوئے ہین۔ دوسرے عالم کا آغاز ہوتا ہے۔ بعض حضرات یہ سوال کیا کرتے ہین کہ دُنیا کی غایت کیا ہے؟ اُنکے لئے یہی جواب ہے کہ گذشتہ دور کے اُن افعال کی جزا و سزا پانے کے لئے جنکے کوئی نتائج ظاہر نہین ہوئے ہین۔ کسی دور عالم کا آغاز ہوتا ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔

اب رہا دوسرا سوال کہ اس سلسلۂ حیات کا مقصد کیا ہے؟ یہ ہست مرنا اور جینا کیون آخر اسکا کوئی مدعا ہے یا نہین؟ یہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ یہ دُنیا نتیجۂ عذاب و ثواب ہے۔ کیونکہ عذاب و ثواب دونون کا پھل لازمی ہے۔ اس عذاب و ثواب کے اثر سے جیہ ساری ہوتا ہے یعنی یہ کہ اپنے کئے ہوئے افعال کی جزا یا سزا پانے کے لئے اُسکو اجسام اختیار کرنا پڑتے ہین جنمین وہ دُکھ اور سُکھ اپنے حسب اعمال بھوگتا ہے۔ بموجب عقیدۂ رامانج اچارج اس عذاب و ثواب یعنی پُن اور پاپ کے نتیجہ سے خود آتما مین سنکوچ **संकोच** اور وکاس **विकास** ہوتا رہتا ہے۔ یعنی یہ کہ آتما پاپ کے اثر سے سکڑ جاتا ہے جسکے یہ معنی ہین کہ اُسمین تنزل ہونے لگتا ہے اور پُن کے اثر سے وہ ترقی پاتا ہے۔ لیکن سدھانت مت یعنی عقیدۂ ادویت مین ایسا نہین ہے۔ آتما مین کوئی سنکوچ **संकोच** اور وکاس **विकास** نہین کیونکہ وہ ایک رس ہے یعنی ہمیشہ ایک حالت پر رہتا ہے نہ اُسمین بہ نتیجۂ عذاب کوئی تنزل ممکن ہے اور نہ بہ نتیجۂ ثواب کوئی ترقی۔ اُسپر نہ پُن کا اثر پڑ سکتا ہے اور نہ پاپ کا۔ یہ سنکوچ اور وکاس یعنی تنزل و ترقی اگر ہین تو لنگ دیہ **लिङ्गदेह** ہین جسکو سوکشم شریر یعنی جسم لطیف بھی کہتے ہین۔ یہ جسم لطیف پاپ سے متاثر ہو کر ادنیٰ قالبون مین یعنی حیوانات من اور پُن کے اثر سے اشرف تر

آدمی یا دیوتا کی جون مین پیدا ہوتا ہے یہ کسطرح پیدا ہوتا ہے اگر اسکا مفصل ذکر کیا جاے تو مضمون بہت بڑھ جائیگا پس جو لوگ شاہراہ حیات مین پڑے ہوئے ہین اُنکو چاہئے کہ پہلے گناہ سے پاک ہوکر ثواب کے طریقہ کو اختیار کرین جس سے وہ اس سلسلۂ حیات مین اونچے منازل کو پہونچین اور جب اُنکی خاطر خواہ ترقی ہوجاے تو وہ پاپ اور پُن دونون خیال سے درگزرین کیونکہ جس حالت کو وہ پہونچنا چاہتے ہین یا یون کہو کہ اُنکا جو اصل مقصود ہے وہان پُن اور پاپ دونون کا کوئی خیال ہی نہین ہے۔ وہ حالت ایسی ہے جو سرور دائمی ہے۔ اگرچہ یہ سرور دائمی یعنی پرمانند جیو کو ہمیشہ حاصل ہے اور جو کوئی دُنیوی سُکھ اُسکو کبھی محسوس بھی ہوتے ہین وہ عکس ہین یا سایہ ہین اسی پرمانند کے جو اُسکی عین حالت ہے۔ لیکن بھول سے اُسنے آپنے آپ کو کچھ اور سمجھ لیا ہے جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ اس سلسلۂ حیات مین پڑکر انواع و اقسام کے دُکھ اُٹھا رہا ہے۔ جسوقت یہ بھول یہ بھرم کہ مین وہ ہے یعنی جسم ہون دُور ہوگیا تو جو حالت ایسے گیان سے پیدا ہوتی ہے کہ مین وہ نہین سچدانند سروپ آتما ہون اور اس دُنیا مین میرا کوئی نہین اور نہ مین کسی کا۔ اُس حالت کو میان نظیر نے اپنے ذیل کے اشعار مین کیا خوب بیان کیا ہے۔ ؎

نہ کوئی طالب ہوا ہمارا نہ ہمنے دل سے کسی کو چاہا نہ ہمنے دیکھین خوشی کی لہرین نہ دردوغم سے کبھی کراہا
نہ ہمنے بویا نہ ہمنے کاٹا نہ ہمنے جوتا نہ ہمنے گاہا اُٹھا جو دل سے بھرم کا پردہ تو اُسکے اُٹھتے ہی جھٹ سدھارا

نہ باپ بیٹے نہ دوست دشمن نہ عاشق اور صنم کسیکے
عجب طرح کی ہوئی ہے غفلت نہ کوئی ہمارا نہ ہم کسیکے

پس ہماری حیات کا اصل مقصد یہ ہے کہ ہم جو اب مین ست چت آنند سروپ ہین۔ اُس اپنی اصلی حالت کو پہچانین جسکو ہم بھول گئے ہین اور جس بھول کی وجہ سے ہم اسقدر دُکھ سہ رہے ہین یا عام الفاظ مین یہ کہ ہم اپنے کو سمجھ رہے ہین کہ ہم کیا ہین اور اس معنی مین یہی مقصد حیات اُنکا بھی ہوسکتا ہے جو دوئی کے قائل ہین۔ یہ بات ایک ہی زندگی مین حاصل ہونا ممکن نہین ہے۔ کیونکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے جیو پاپ کی حالت مین یا یوں کہو کہ اس دُنیا مین اپنے کئے ہوئے پاپ کی سزا پائے بغیر مرجاتے ہین پھر کیا اسکے یہ معنی ہونگے کہ وہ عقبیٰ مین ہمیشہ کیلئے مقہور ہی رہینگے۔ یعنی اپنے پاپ کی دائمی سزا ہی پاتے رہین گے سوامی دویکانند نے اپنے ایک لکچر مین یہ فرمایا ہے۔

"ہم دیکھتے ہین کہ اُس زمانۂ قدیم مین بھی ہمارے یہان کارن کا رکا یہ یعنی علت و معلول کا خیال کیسی خوبصورتی کے ساتھ رکھا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ جیسی علت ویسا ہی معلول ہوگا۔ جب علت محدود ہے تو اُسکا معلول بھی محدود ہونا چاہئے۔ مثلاً نیکی کرنا ایک عمدہ کام ہے مگر وہ پھر بھی ایک محدود شے ہے۔ یعنی یہ کہ اگرچہ مین تمام زندگی نیک کام کرتا رہون مگر تو بھی بوجہ اسکے کہ میرے یہ نیک کام محدود ہی ہونگے مجھے اُنکے نتیجہ سے کوئی خیر محدود پھل یعنی جنت دائمی نہین مل سکتی اور اسیطرح اگر مین بُرا کام کرونگا جسکی سزا نہ جہنم ہے تو اُسکی سزا مین مجھے دوامی دوزخ نہ ملے گی۔"

ہندو فلاسفی نے ہر ایک کی نجات کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ ایسے لوگون کے لئے جو پاپ کرتے کرتے مرگئے ہین پھر اصلاح اور ترقی کا دروازہ کھُلا ہوا ہے۔ یعنی یہ کہ اونی قالبون مین اپنے کئے ہوئے پاپ کا کفارہ کرکے وہ پھر آدمی پیدا ہوسکتے ہین اور اسی قالب مین اُنکو نجات پانا ممکن ہے۔ اگر اُنکے افعال ایسے ڈھرّے پر پڑ جائین کہ اُنکی حالت رو بہ اصلاح ہوجاے اور اگر مدد خدا بھی اُنکے شامل حال ہے تو اُنکے لئے منزل مقصود کو پہنچنا کوئی دشوار امر نہین۔ لیکن دیکھنا چاہئے کہ کتنے آدمی اپنی حیات کا یہ مدعا

بتاتے ہین جسکا ذکر اوپر ہوا۔ اس دُنیا مین ایک بڑی تعداد مبتلاے معصیت اور گناہ ہی پائی جاتی ہے۔ ایسے لوگ اس بھوساگر یعنی زندگی کے سمندر مین خواہشات کے امواج سے تکدّرین کھا کھا کر وہ تھپیڑے کھاتے رہتے ہین کہ جسکے نتیجے سے اکثر بہت ہی گہرائی مین نیچے چلے جاتے ہین۔ مگر انکا بھی کبھی نہ کبھی گومدتون بعد پھر اوپر کو اُبھرنا اور پھر کبھی نہ کبھی کنارے لگ جانا لازمی ہے۔ کیونکہ جس ذات پاک کے وہ مظہر ہین اُسکو کبھی کوئی فنا یا زوال نہین جس سے مراد یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے نہین ڈوب سکتے۔ گو جب تک گیان یعنی عرفان نہو اُنکا نہ نتیجہ اعمال اسطرح غوطے کھاتے رہنا لازمی ہے۔

اب آخر مین یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مقصد حیات کے حصول کا کیا طریقہ ہے۔ اس سنسار سے جنہین جیو پڑے ہوئے ہین رہائی کیسے حاصل ہو۔ مگر یہ ایک ایسا سوال ہے جسکے جواب دینے کے لئے ایک علٰحدہ ہی مضمون چاہیئے۔ اب ہم اس مضمون کو گوسائین تلسی داس کے مندرجہ ذیل اشعار پر ختم کرتے ہین۔

جیے جب تین ہرتین بلگانیو । جیو جب سے جیونام ہوا تب سے اُسنے جسم کو ہی اپنا گھر سمجھ لیا ہے۔
تب تین دیہ گیہ نج جانیو ॥

یعنی جیو جب سے ذاتِ مطلق سے جُدا ہوا جسکے یہ معنی ہین کہ جب سے جیونام ہوا تب سے اُسنے جسم کو ہی اپنا گھر سمجھ لیا ہے۔

مایا بس سروپ بسرایو । مایا بس سروپ بسرایو
تہہ بھرم تین دارن دُکھ پایو ॥ تہہ بھرم تین دارن دُکھ پایو

یعنی یہ کہ مایا کے قابو مین ہو کر اور جسم کو سچا سمجھکر وہ اپنے اصلی ست چت آنند سُروپ کو بھول گیا ہے اور اس بھرم کی وجہ سے سخت مصائب اور تکلیفین جھیل رہا ہے

آنند سندھ مدھ رہیہ تو ہا سا । آنند سندھ مدھ رہیہ تو ہا سا
ہن جانے کت مرسی پیاسا ॥ ہن جانے کت مرسی پیاسا

یعنی آنند کا جو سمندر ہے اُسکے بیچ مین تیرا رہنا ہے۔ پھر جب ایسا ہے تو تو کیون اگیان سے پیاسا مر رہا ہے اسکے یہ معنی ہین کہ پرمانند سُروپ آپ ہو کر تو کیون یہ مصیبتین اور تکلیفین اُٹھا رہا ہے۔

مرگ بہرم وارسیہ جے جانی । مرگ بہرم وارسیہ جے جانی
تہان تو مگن بھیو سکھ مانی ॥ تہان تو مگن بھیو سکھ مانی

یعنی جیسے مُراب کو سچا پانی سمجھکر پیاسا ہرن پانی پینے کے لئے اُسکی طرف دوڑتا ہے۔ ایسے ہی تو بھی ہوا و ہوس کے مُراب کو سچا سُکھ دینے والا سمجھکر سُکھ پانے کے لئے اُسمین غرق ہو رہا ہے۔ اسکے یہ معنی ہین کہ مُراب کی جسطرح کوئی اصلیت نہین ہے اور اُس سے پیاس نہین بُجھ سکتی۔ اُسی طرح خواہشات نفسانی مین کوئی حقیقی سُکھ نہین ہے اور اُنسے تکلیف رفع نہین ہو سکتی۔

تین نیچ کرم ڈور دڑھ کینھی । تین نیچ کرم ڈور دڑھ کینھی
اپنے کرن گانٹھ گہہ دینھی । اپنے کرن گانٹھ گہہ دینھی
تاتین پرس پڑیو آ بھاگے । تاتین پرس پڑیو آ بھاگے
تا پھل گربھ واس دُکھ آگے ॥ تا پھل گربھ واس دُکھ آگے

یعنی تو نے اپنے افعال سے اُس رسّی کو جو تجھے باندھے ہوئے ہے مضبوط کر دیا ہے اور اسوجہ سے تو بدنصیب پرائے قبضے مین ہے اور اسکا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ تجھکو بار بار قید حمل کا دُکھ اُٹھانا پڑتا ہے۔

اب یہ دُکھ کیسے مٹین اور اپنے اصلی سُروپ کو جیو کیسے پہچانین اسکی نسبت گوسائین جی فرماتے ہین۔

سیوت سادھو دویت بھے بھاگے । سیوت سادھو دویت بھے بھاگے
سری رگھبیر چرن لے لاگے । سری رگھبیر چرن لے لاگے
دیہ جیت وکار سب تیاگے । دیہ جیت وکار سب تیاگے
تب پھر نج سُروپ آنوراگے ॥ تب پھر نج سُروپ آنوراگے

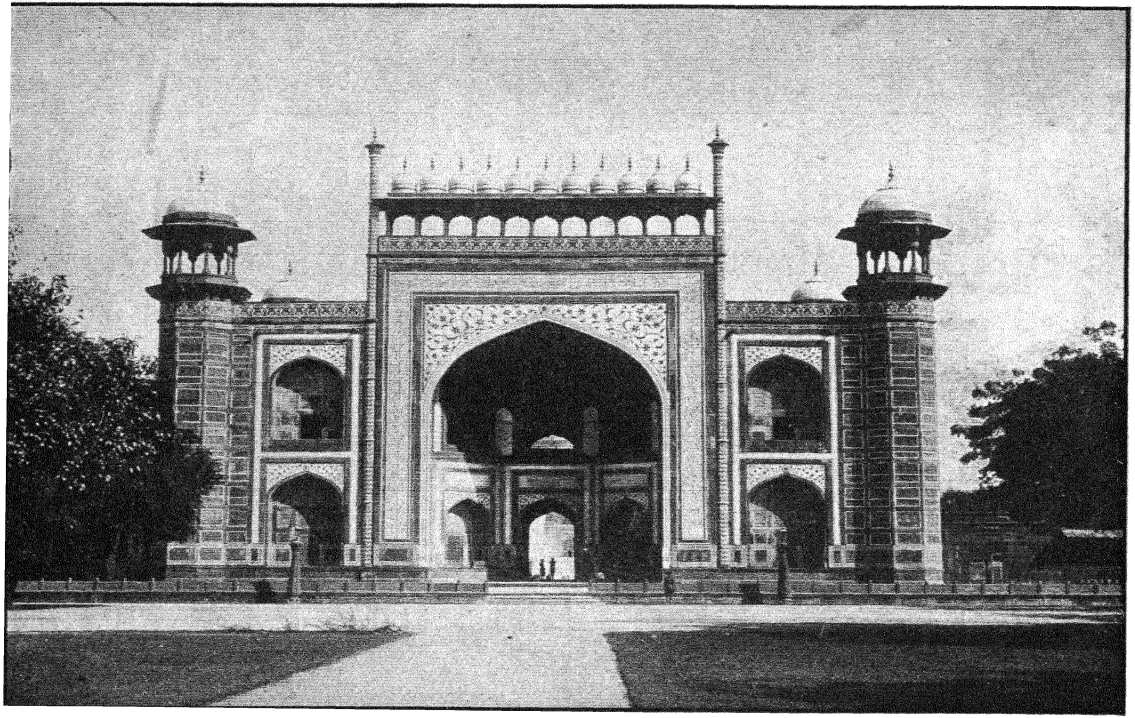

دروازۂ تاج محل

انقین پریس الہ آباد

یعنی سادھوؤن کی سیوا سے وہ دُکھ جو دوئی کے خیال سے پیدا ہوتا ہے دُور ہو جاتا ہے اور پھر شری رگھویر کے چرنون مین من لگتا ہے - اس سے وہ خرابیان جو جسم کو سچا ماننے سے پیدا ہوتی ہین دُور ہو جاتی ہین اور پھر جو اپنا اصلی ست چت آنند سروپ ہے اُسکو پہچانا جاتا ہے -

پربھو لال

ایلورا کے غار

ایلورا اور اجنٹا کے غارون کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کیسی بے مثل صنّاعی سے پہاڑون کو تراش کر اُنمین کئی کئی منزلین نکالی گئی ہین اور کیسی کیسی تصویرین اور مورتین بنائی گئی ہین اور کیسے لاثانی نقش و نگار سے ہر درجہ کو آراستہ کیا گیا ہے - سنگتراشی کے کیسے کیسے عجیب و غریب کمالات ظاہر کئے ہین جنمین کرورون روپیے کی دولت صرف ہوئی ہوگی - لفظون کے ذریعہ سے اُنکی صنعت و کمال کو نہین دکھایا جا سکتا - انگریزی اقوال مین مذکور ہے کہ دُنیا مین سات عمارتین لاثانی ہین جیسے تاج بی بی کا روضہ اور اہرام مصر وغیرہ لیکن یہ اُسوقت کا خیال ہے جب انگریزی قوم نے ایلورا اور اجنٹا کے غارون کی سیر نہین کی ورنہ انکو بھی اُنمین عجائبات دُنیا مین داخل کر کے سات کی جگہہ نو کہا جاتا اور جب اہرام مصر کے ساتھ ان غارون کی خانقاہون اور پرستشگاہون کو مقابلہ کر کے دیکھا جاے تو انکی عظمت اور استحکام اور فنّ تعمیر کے کمالات سنگتراشی کا اندازہ ہو سکتا ہے - یہان یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ دنیا کی اور بڑی بڑی یادگارین بادشاہون نے اپنے لئے بنوائین یا کسی بادشاہ کی یادگارین بنائی گئین اور ہندوستان کی یہ یادگارین خوش عقیدہ راجاؤن اور دولتمندون نے فقیرون کیلئے وقف کین

بہ بین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

جس ٹیلے پر یہ غار واقع ہین اُسکی شکل ہلالی ہے مسٹر فرگوسن اجنٹا اور ایلورا کے غارون کا مقابلہ کرتے ہوئے کہتے ہین کہ ازروے علم تعمیر ایلورا کے غار اجنٹا کے غارون سے امتیاز رکھتے ہین - کیونکہ یہ ایک ٹیلے (پہاڑ) کے ڈھالوان طرف بنے ہوئے ہین - تقریباً ایک عمودی ٹیلے پر زمین کی اسطرح بناوٹ سے تمام ایلورا کے غارون کے سامنے صحن ہین اور علاوہ اسکے چٹان کے باہر اکثر غارون کی دیوار بھی ہے اور دروازے بھی - لیکن باوجود اسکے وہ باہر سے بالکل نظر نہین آتے اور جب تک لوگون کو اُنکی کیفیت سے آگاہی نہو وہان سے گزرتے ہوئے کبھی اُنکو یہ خیال بھی نہین ہو سکتا کہ وہان "اندرا" کے چوک مین دو خوش آیند ستون ہین جو دیکھنے والون کو معلوم نہین ہوتے اور نہ اُنپر کبھی انکی نظر پڑتی ہے -

ایلورا کے غار بہت بڑے پہاڑی مندرون پر مشتمل ہین انمین تین گروہ کے مندر ہین - بودھ، برہمن، جین اور تینون کی تعمیرین نہایت عمدہ اور قابل دید صنّاعی کے نمونے پائے جاتے ہین - ایلورا کا قصبہ قلمرو نظام مین اورنگ آباد سے شمال و مغرب جانب چودہ میل پر واقع ہے -

پہاڑ کے ایک بڑے ٹیلے کے ڈھالوان پہلو مین یہ غار

کھودے گئے ہین جنکی قطار شمال وجنوب مین سوا میل تک لمبی چلی گئی ہے۔ جنوبی حصہ مین سولہ غار بودھ لوگون کے ہین اور شمالی جانب اُتنے ہی غار برہمن اور جین مذہب کے ہین۔ بودھ لوگون کے غار ۳۰۰ء سے ۵۰۰ء تک کے بنے ہوئے معلوم ہوتے ہین۔

غار نمبر ۱

یہ ایک چھوٹی سی خانقاہ ہے جو غالباً بہت قدیم زمانے کی ہے اسمین جوگیون کے لئے حجرے بنے ہوئے ہین اور اندر اندر غار نمبر ۲ سے ملی ہوئی ہے۔

غار نمبر ۲

یہ ایک بہت بڑا غار ہے۔ اسمین وسیع پرستشگاہ بنی ہوئی ہے اور پرستشگاہ کے سامنے سیڑھیان ہین۔ یہان مہاتما بدھ کی ایک بہت بڑی مورت رکھی ہوئی ہے جسمین وہ شیر ببر کے تخت پر بیٹھا ہوا ہے اور اُسکے دہنے بائین دو فرشتون اور اُسکے خدمتگارون اور خدمتگار عورتون کی مورتین ہین۔ اس غار کے اکثر مقامات اور تمام در و دیوار اور پرستشگاہ کے سامنے کا حصہ بدھ کی مختلف شکلون اور دوسری مورتون اور تصویرون سے بھرا ہوا ہے۔ اس غار کی تاریخ کو روشنی مین لانا سخت مشکل ہے شاید اسکی تعمیر تیسری یا چوتھی صدی عیسوی مین شروع کی گئی اور چھٹی صدی مین بنکر تمام ہوئی ہو۔

غار نمبر ۳

اسکے اور غار نمبر ۲ کے درمیان ایک منہدم پانی کا حوض ہے۔ یہ غار بھی ایک خانقاہ ہے جو تکمیل کو نہین پہونچی۔ اسکی چھت کے نیچے بارہ مربع ستون ہین۔ اسکی پرستشگاہ مین بدھ کی ایک مورت ہے جسکو تخت پر بٹھلایا گیا ہے اور معمولی خدمتگار اُسکے دونون طرف کھڑے ہین اور اُسکے سر پر فرشتے ہین۔ اُس تخت کو دو ہاتھی اُٹھائے ہوئے ہین۔ اس تخت کے سیدھی طرف اُن مورتون کی ایک قطار ہے جو مصروف پرستش ہین۔

غار نمبر ۴

اسکا اکثر حصہ منہدم ہوگیا ہے اور اسکی پرستشگاہ مین بدھ کی ایک مورت ہے اُسکے سر پر ایک ہالہ ہے اور وہ مورت تخت پر بیٹھی ہے اور خدام اپنے فرائض ادا کر رہے ہین اور ایک حسن کی دیوی مالا جپ رہی ہے۔

غار نمبر ۵

یہ ایک بڑی خانقاہ ہے۔ اُسکے بیچ مین ایک وسیع دالان ہے۔ چھت کے نیچے ۲۴ مربع ستون ہین۔ اس غار مین جوگیون کے لئے بہت سے حجرے بنے ہوئے ہین اور ستونون کے درمیان دو لمبی قطارین نشستگاہون کی ہین جو کھانے یا پڑھنے پڑھانے کے کام مین آتی ہونگی اسکی پرستشگاہ مین بدھ کی ایک مورت بنی ہوئی ہے۔

غار نمبر ۶

یہ غار سیڑھیون کے ذریعہ سے غار نمبر ۵ سے ملا ہوا ہے۔ اسمین چند حجرے ہین اسکی پرستشگاہ کے پیش دالان مین بہت سی مورتین ہین جنمین ایک مورت خوبصورت عورت کی ہے اُسکے بازو مین ایک مور ہے اور اُسکے نیچے ایک پنڈت کچھ پڑھ رہا ہے پرستشگاہ مین بدھ کی ایک بڑی مورت مع اُسکے ملازمونکے ہے۔

غار نمبر ۷

یہ ایک نامکمل خانقاہ ہے جسمین آٹھ حجرے ہین اور چھت کے نیچے چار ستون۔

غار نمبر ۸

اسمین سے غار نمبر ۷ کو راستہ جاتا ہے۔ اس غار کی پرستشگاہ

مین بُدھ کی ایک مورت ہے اور بُدھ کے پوجاریون اور خدمتگارون اور خدمتگذار عورتون اور فرشتون کی شکلین نمایان کی گئی ہین۔

غار نمبر ۹

غار نمبر ۷ اور غار نمبر ۸ سے اسکو اندر اندر الحاق ہے۔ اسمین بُدھ کی ایک بیٹھی ہوئی مورت مع معمولی ملازمون اور فرشتون کے ہے۔

غار نمبر ۱۰

اس غار کے سامنے کے چوک کے اطراف برآمدے ہین جسکے ستونون مین بہت سی مورتین تراشی گئی ہین۔ اس غار مین ایک بڑی اونچی چوکی ہے اُسپر بُدھ کی مورت بیٹھی ہوئی ہے۔ یہ مورت گیارہ فیٹ اونچی ہے اُسکے آس پاس اُسکے معمولی خدمتگار اور سر پر ایک جھاڑ تراشا ہوا ہے۔ اس غار مین ایک ستون پر تاریخ کھدی ہوئی ہے۔ شاکا ۱۲۲۸ جو سنہ عیسوی کے ۱۳۰۶ کے مطابق ہے۔

غار نمبر ۱۱

یہ دو منزلہ غار ہے اور سنگھ کا بنا ہوا کہا جاتا ہے۔ اسکے نیچے سے ایک تیسری منزل نکلی ہے جو مدت سے دبی پڑی تھی۔ اسمین ایک لمبا برآمدہ ہے جسمین دو حجرے ہین اور ایک پرستشگاہ۔ پرستشگاہ مین بُدھ کی مورت مع خدمتگارون کے بنائی گئی ہے۔ دوسری منزل پر بھی ایسا ہی برآمدہ ہے جسکے پیچھے کیطرف پانچ دروازے ہین۔ انمیں سے دوسرا دروازہ ایک پرستشگاہ کو جاتا ہے جہان بُدھ کی ایک بڑی مورت ہے جو تخت پر چارزانو بیٹھی ہوئی ہے۔ اسیطرح اس غار اور پرستشگاہ کے مناسب مقامات پر بُدھ اور اُسکے خدمتگارون اور خدمتگذار عورتون کی مورتین کثرت سے بنائی گئی ہین۔

غار نمبر ۱۲-۱۳-۱۴

ایسے ہی عجائبات سنگتراشی اور نقش ونگار اور پرشیدہ راستون اور حجرون اور مہاتما بُدھ کی مورتون اور دوسری مورتون سے بھرے پڑے ہین کس کس کی تعریف کیجاے اور اُنکی خوبیون کو قلم کے ذریعہ سے کیونکر دکھایا جاے۔

غار نمبر ۱۵

اسکا نام دسس اوتارا ہے اور ٹیلے کے اوپر واقع ہے۔ جس پر چڑھنے کے لئے زینے کھدے ہوئے ہین۔ اسمین بہت سی پرستشگاہین مع ایک پانی کے حوض کے ہین نیچے کی منزل مین شیو۔ وشنو۔ پاروتی۔ بھوانی اور گنپتی کی بہت سی مورتین ہین اور اوپر کی منزل مین ایک بڑی تعداد شیو کی مورتون کی ہے انمین سب سے زیادہ عجیب مہادیو کی غضب آلود مورت ہے۔ جنوبی دیوار مین اوتارون کی شکلین دکھائی گئی ہین۔ غار کیا ہے ایک تاریخ کا نمونہ ہے۔

غار نمبر ۱۶

اس غار کا نام "کیلا سا" یا "رنگ محل ہے" یہ ایک بہت بڑا اور ایک ہی پتھر مین تراشا ہوا مندر ہے جسکو حیرت خانہ کہہ سکتے ہین۔ اسکی لمبائی ۲۰۰ فیٹ اور چوڑائی ۱۵۰ فیٹ کی ہے۔ اسکے درمیانی حصے نہایت اعلیٰ درجہ کے نقش ونگار سے مزین کئے گئے ہین جو اکثر اسوقت تک اپنی حالت پر برقرار ہین۔ مندر مین بڑے بڑے ہاتھیون۔ شیرون اور سیمرغون کی عمدہ عمدہ مورتین ہین جنمین کوئی چر رہا ہے اور کوئی ایک دوسرے کو پھاڑ رہا ہے۔ اُس کے اوپر دالان ہے۔ اُس مین سترہ ستون انواع واقسام کے نقش ونگار سے اُسوقت کا کمال صنعت ظاہر کرتے ہین اُسکے جانبین کے سائبانی برآمدے، اُسکا گنبد دار خیمہ اُسکی ڈیوڑھی اور اُسکے پانچ معبد جو بڑے مندر کے باہر چاروطرف

ایک ہی چبوترے پر ہین اس بات کی شہادت دے رہے ہین کہ اسکو اس غرض سے بنایا گیا ہے کہ اسکے پیشتر جتنے ایسے غار بنے ہوئے ہین انھین مات کر دے اور اُن سب پر فوقیت لیجاے۔ داخلی دروازے پر لکشمی کی ایک بڑی مورت ہے جو کنول کے پتون پر بیٹھی ہوئی ہے۔ جنوبی زینے کے شمال و جنوب کی دیوارون پر رامائن اور مہابھارت کے بیانات کی صورتین ظاہر کی گئی ہین۔ اسکے پیچھے مندر کا نیچا درجہ سات ہاتھیون اور شیرون کی مورتون کے ساتھ بنا ہوا ہے۔ جنوبی برآمدے کے جو ۱۱۸ فیٹ لمبا ہے بارہ حصے ہین اور ہر ایک حصے مین عجیب و غریب تراشین اُسوقت کی صناعی کا تماشا دکھاتی ہین۔ دالان کے مشرقی کنارہ پر معبد واقع ہے اُسکے پیچھے جو چبوترہ ہے اُسپر سے مندر کی لاٹ اُٹھی ہوئی معلوم ہوتی ہے جو تقریباً سو فیٹ اونچی ہے۔ یہ لاٹ نیچے سے اوپر تک نہایت عمدہ نقش و نگار سے آراستہ ہے۔ غرض اس عالیشان غار کو مذہبی خیالات کا قابل دید نمونہ بنایا گیا ہے۔ جسمین ان گنتی تصویرین اور مورتین نظر آتی ہین اور ہر ایک منزل مین حیرت انگیز صناعی کا اظہار کیا گیا ہے جو دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہے اور اُنکے نکات اور اُنکی معنوی خوبیون کو ایک بہت بڑا پنڈت ہی سمجھ سکتا ہے بلکہ ممکن ہے کہ اسوقت کے اعلیٰ سے اعلیٰ پنڈت بھی بعض مفہومات کے سمجھنے سے عاجز ہون۔

غار نمبر ۱۷

یہ غار شیو کا مندر ہے اسمین بارہ ستون ہین اور ایک پرستشگاہ مندر کے برآمدے مین منقش طاق ہین جنمین برہما، وشنو اور اُنکے ملازمون کی مورتین ہین۔

غار نمبر ۱۸-۱۹-۲۰

یہ تین چھوٹے چھوٹے غار ہین انمین سے کسی مین دلچسپ نقش و نگار نہین بلکہ وہ صرف گوشہ گزینی و عبادت سے مخصوص معلوم ہوتے ہین۔

غار نمبر ۲۱

اسکا نام رامیشور ہے اسکا دالان بہت لمبا ہے اور اسکے ہر ایک کنارے پر ایک پرستشگاہ ہے جسکے اطراف کالی گنیش۔ شیو اور پاروتی کی مع اُنکے خدمتگارون اور قوالونکے مورتین بنی ہوئی ہین۔

غار نمبر ۲۲-۲۳-۲۴-۲۵-۲۶

انمین برہما اور گنیش کی تصویرین اور مورتین اور معمولی پرستشگاہین بنی ہوئی ہین۔ بعض کے نشانات منہدم ہوگئے ہین۔

غار نمبر ۲۷-۲۸

انمین سے پہلے غار مین وشنو کا مندر ہے اسمین وشنو۔ لکشمی اور برہما کی مورتین ہین اور دو حجرے اور معبدون کے آثار باقی رہ گئے ہین۔

غار نمبر ۲۹

یہ غار جسمین ایک بڑا دالان ۱۵۰ فیٹ مربع ہے اُسمین بہت سا نقش و نگار در و دیوار کو آراستہ کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اسمین شیو اور پاروتی کی شادی کا نقشہ دکھایا گیا ہے۔

اس سلسلہ کے اخیر مین تین جین کے غار ہین جنھین اندر سبھا کہتے ہین۔ دو منزلہ غار ہین اور ایک چھوٹا سا غار مع اُنکے متعلقات کے ہے۔ انمین کے پہلے غار مین پرشناتھ اور ایک سات سر کے سانپ اور مہاویر اور جین دھرم کے ترتن کہارون کی مورتین ہین اندر ایک جھاڑ کے نیچے ایک ہاتھی پر بیٹھا ہوا ہے اور صحن مین ایک بہت بڑے ہاتھی کا مجسمہ بنایا گیا ہے۔

اوپر کی منزل مین بڑ اور آم کے درختون کے جھنڈ ہین۔ اندر اور اندرائی کی بڑی بڑی مورتین ہین اور بیشمار طاق ہین جنمین

مہارشی دیوندرو ناتھہ ٹگور

بابو کیشب چندر سین

انڈین پریس الہ آباد

جین لوگون کی مذہبی تصویرین ہین - دوسرا مندر جگناتھ سبھا کے نام سے مشہور ہے - اُسمین اندر - اندرانی - اُنکے ملازمون - مہاویر اور پرشناتھ کی مورتین اور تصویرین ہین - صحن کے برآمدے مین چند عبارتین کندہ ہین - مگر پڑھی نہین جاتین - حروف کنڑی ہین اور آٹھوین صدی سے تعلق رکھتے ہین - ٹیلے کے اس حصے مین جین لوگون کے اور عمارتین ہین جو کم و بیش منہدم ہوگئے ہین اور اُنمین دوسرے غارونکے مقابل کوئی خاص دلچسپی اور نقش و نگار کی صنعت نہین کہ خصوصیت سے اُنکا ذکر کیا جاے

سیّد امجد علی اشہری

کیشب چندر سین

پیدائش بلحاظ تعلیم -

بابو کیشب چندر سین ۱۹ - نومبر ۱۸۳۸ء کو کلکتہ مین پیدا ہوے تھے - دس برس کی عمر مین باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور اُنکی تربیت زیادہ تر اُنکی مان سارو دا سُندری کے ہاتھون ہوئی کہا جاتا ہے کہ کیشب چندر سین بچپن ہی سے نہایت فہیم و ذکی تھے - تھوڑے دن گرو جی کے یہان تعلیم پاکر ۱۸۴۸ء مین انکو ہندو کالج مین داخل کرادیا گیا اور جبتک وہان پڑھتے رہے انگریزی اور ریاضی مین اول نمبر حاصل کرتے رہے -

۱۸۵۶ء مین منتظمین کے اندرونی اختلاف کیوجہ سے ایک دوسری تعلیم گاہ میٹرپالیٹین کالج کے نام سے قائم کیگئی اور کچھ دنون کے لیے کیشب چندر کو وہان پڑھنا پڑا - مگر چند ہی روز بعد یہ کالج بند ہوگیا اور اس کے طلبا اپنے پرانے مدرسے مین واپس آگئے - آخر کار ۱۸۵۸ء میں کیشب چندر نے کالج چھوڑ دیا اور ایک سال بعد اُنکی شادی ایک نو دس برس کی لڑکی سے اُنکے خلاف مرضی کردی گئی -

حق کی تفتیش - برہمو سماج کی شرکت

زمانۂ تعلیم کے آخری حصہ مین کیشب چندر سین کو فلسفہ کا شوق پیدا ہوگیا تھا اور یہ شوق کالج چھوڑنے کے بعد بھی قائم رہا فلسفہ کے مطالعہ نے اُنکے مزاج کو نہایت سنجیدہ بنا دیا اور ان میں غور و خوض کا خاص شوق اور ملکہ پیدا کردیا - اُسوقت اُنکی عمر بیس برس کی تھی - لیکن وہ اُن اشغال سے جو شباب کے زمانہ میں اکثر نوجوانوں کے مرغوب طبع ہوتے ہین کوسون بھاگتے تھے - پہلے وہ ستار بجایا کرتے تھے مگر اب انھون نے اسکو توڑ کر پھینک دیا - تماشہ کو خیرباد کہا - گوشت کھانا ترک کردیا - ناچ رنگ کی طرف مطلق توجہ نہ تھی - اس زمانہ میں وہ اکثر بیقرار رہتے تھے اور اکیلے بیٹھے رویا کرتے تھے - ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا کسی چیز کی بڑی تلاش ہے اور اُسکے نہ ملنے سے سخت بے چینی ہے - پرارتھنا یعنی عبادت سے البتہ بہت رغبت تھی - چنانچہ وہ خود فرماتے ہین کہ " مجھے بالکل معلوم نہ تھا کہ سچا مذہب اور سچا چرچ کونسا ہے - مجھے یہ بھی علم نہ تھا کہ مین کس چیز کے لیے دعا مانگتا تھا - صرف اس تھوڑی سی روشنی سے جو مجھپر ظاہر ہوئی مجھے یہ آواز آئی کہ پرارتھنا اور دعا مین لگا رہ کیونکہ اسکے سوا اور کوئی طریقہ نہین ہے "

اسی زمانہ میں اُنھون نے اپنے مکان پر ایک ایوننگ اسکول کھولا جو تین چار سال تک بڑی رونق کیساتھ جاری رہا۔ ۱۸۵۸ء مین اُنھون نے ایک نوجوانون کی انجمن قائم کی جس مین تصوف اور معرفت کے مضامین پر مباحثہ ہوتا تھا اور سب ممبر اکٹھا بیٹھکر پرارتھنا کرتے تھے۔ اس جلسے مین ایک مرتبہ مہارشی دیوندر وناتھ ٹگور بھی تشریف لے گئے تھے اور اُنکی تشریف آوری کو کیشب چندر سین اور اُنکے ساتھیون نے بہت بڑا اعزاز خیال کیا تھا۔ ان مختلف اشغال میں کیشب چندر سین اپنا وقت گذارتے تھے۔ لیکن جس روحانی امن کی اُنکو جستجو تھی وہ اُنکو ابھی تک حاصل نہیں ہوا تھا۔

آخر کار ایک روز اپنے شناسا ؤن میں سے ایک سے اُنکو ایک کتاب موسومہ "برہمہ دھرم" کیہنکی اسکو پڑھکر وہ نہایت خوش ہوئے کیونکہ برہمو سماج کے اصولون کو انھون نے اپنے خیالات کے مطابق پایا۔ اب انتظار کی کوئی ضرورت نہ تھی چنانچہ کیشب چندر سین ۱۸۵۸ء مین برہمو سماج مین داخل ہو گئے۔

دیوندر وناتھ ٹگور

قبل اس کے برہمو سماج کے متعلق بابو کیشب چندر سین کے کارنامے تحریر کیے جائین یہ مناسب معلوم ہوتا ہی کہ برہمو سماج کے کچھ تاریخی حالات بیان کر دئے جائین۔ راجہ رام موہن رائے کو برہمو سماج قایم کرنے کے تھوڑے ہی دن بعد انگلستان جانا پڑا اور وہین اُن کا انتقال ہو گیا۔ اُن کے انتقال کے بعد سماج کی حالت نہایت نازک ہو گئی تھی عوام کو اسکی طرف کچھ توجہ نہ تھی اور جو لوگ شریک تھے اُن مین سے بہتیرے محض نام کے واسطے ممبر تھے نہ تو اُس کے قواعد اچھی طرح منضبط ہوئے تھے اور نہ اُس کے اصول کی عمدہ طور سے پابندی کیجاتی تھی۔ سماج کا وجود محض ایک غریب پنڈت رامچندر ودیا بگیش کی کوشش کا نتیجہ تھا جسوقت برہمو سماج کی یہ حالت تھی اُسوقت مہارشی دیوندر وناتھ ٹگور نے برہمو سماج مین شریک ہو کر اُس کے ساتھ مسیحا کا کام کیا۔ اُنکے شامل ہوتے ہی سماج کا رنگ بدل گیا اور روز بروز شرکا کی تعداد بڑھنے لگی۔ مہارشی دیوندر وناتھ ٹگور نے برہمو سماجیون کا بے اصولایون دیکھکر ممبری کے لیئے چند شرائط مقرر کیے جن مین سے سب سے اہم شرط یہ تھی کہ "مین کسی پیدائی ہوئی چیز کو معبود سمجھکر اُسکی پرستش نہ کرون گا"، اور اسکی پابندی نے عملی طور سے ممبرون کو بت پرستی چھوڑنے کے لیئے مجبور کیا۔ زمان بعد برہمو سماج مین یہ سوال پیدا ہوا کہ آیا وید الہامی ہین یا نہین۔ اس مسئلہ پر برہمو سماج مین اختلاف تھا مہارشی دیوندر وناتھ نے چار پنڈتون کو وید پڑھنے کے لیے اپنے صرف سے بنارس بھیجا اور خود بھی اس کے متعلق تحقیقات شروع کی۔ آخر کار یہ قرار پایا کہ کوئی کتاب برہمو سماج مین الہامی نہین قرار دیجا سکتی۔ ویدیا دیگر کتب مقدس کے قابل قدر و منزلت ہین اور اُنکی تعلیم سے فائدہ اٹھانا نہایت مناسب ہے لیکن یہ نہین کہا جا سکتا کہ وہ خدا کے بنائے ہوئے ہین اور اُنمین کوئی نقص یا غلطی نہین ہی۔

برہمو سماج کی ترقی کی کوشش

جب کیشب چندر سین برہمو سماج مین داخل ہوئے تو دیوندر وناتھ ٹگور نے نہایت کشادہ پیشانی سے ان کا خیر مقدم کیا اور دونون لیڈر ترقی خصوصاً مذہبی اور روحانی ترقی کی سعی مین مصروف ہو گئے۔ اپریل ۱۸۵۹ء مین انھون نے برہمو اسکول قائم کیا جسمین کیشب چندر سین تو انگریزی مین علم الٰہی پر لکچر دیا کرتے تھے اور

اور مہارشی دیوندر وناتھ بنگالی زبان مین برہمو سماج کے اصول پر وعظ دیتے تھے۔ اس اسکول کے طلبا مین سے کئی ایک برہمو سماج کے واعظ ہوئے جنھون نے اپنی ساری زندگی سماج کی خدمت میں صرف کردی کیشب چندر سین نے اپنے چچا کے کہنے سننے سے اس زمانے میں کچھ دن کے لیئے بنگال بنک میں نوکری کرلی۔ لیکن ۱۸۵۸ء مین مستعفی ہوگئے اور پھر کبھی اُنھون نے نوکری نہین کی۔ برہمو اسکول مین کام کرنیکے علاوہ کیشب چندر سین نے بکچرون اور رسالون کے ذریعہ سے اشاعت کا کام کرنا شروع کیا ۱۸۵۶ء مین انھون نے لکچر شروع میں جاکر ایک نہایت پُرجوش لکچر دیا۔ کلکتہ میں رد وھانی اور مذہبی تربیت کے واسطے ایک انجمن سنگت سبھا کے نام سے قائم کی جس کے جلسون مین ممبر جمع ہوکر ایک دوسرے کے سامنے اپنے قصورون کا اقرار کرتے، اپنے گناہون سے توبہ کرتے، اور ایشور کی پرارتھنا کرتے تھے کیشب چندر کی کوشش سے ۱۸۶۱ء مین انڈین مرر نامی اخبار قائم ہوا جو اوقت تک کلکتہ کے نامی روزانہ اخبارون مین ہے۔ اس کے ایک سال بعد اُنھین کی سعی اور مہارشی دیوندر وناتھ ٹگور کی مالی امداد سے ایک کالج قائم ہوا جس مین اُنکے چند دوست بلا تنخواہ کام کرتے تھے اور جب پانچ چھ سال چلکر یہ کالج بند ہوگیا تو ۱۸۶۷ء مین اُنھون نے موجودہ البرٹ کالج قائم کیا۔ ان تمام واقعات کو پڑھنے سے یہ اچھی طرح معلوم ہوسکتا ہے کہ کیشب چندر سین کو اپنے ہم وطنون کی ترقی کی کیسی دھن تھی اور وہ کس طرح قومی ترقی کے ہر حصے مین کچھ نہ کچھ کام کیئے جاتے تھے۔ اُنکی لیاقت اور ایثار کی قدر مہارشی دیوندر وناتھ ٹگور دل سے کرتے تھے۔ رشی جی موصوف اُسوقت آریہ سماج کے سردار تھے۔ چنانچہ اُنھون نے کیشب چندر سین کو اس کا اہل سمجھ کر ۱۸۶۲ء مین برہمو سماج کا آچاریہ مقرر کیا۔ مہارشی جی کا یہ فعل برہمو سماج کے بعض سن رسیدہ ممبرون کو ناگوار معلوم ہوا۔ لیکن اُن کے لحاظ سے کسی نے کچھ نہیں کہا۔ اس موقع پر کیشب چندر سین اپنی بیوی کو اپنے ساتھ اس جلسہ مین لیگئے جہان اُن کو آچاریہ کا رتبہ ملنے والا تھا۔ اُن کی اس حرکت سے اُن کے اہل خاندان نہایت ناراض ہوئے اور اُنھون نے کیشب چندر سین سے قطع تعلق کرلیا۔ کیشب چندر سین کو گھر سے علیحدہ ہوکر مہارشی دیوندر وناتھ ٹگور کے یہان کچھ عرصہ تک رہنا پڑا۔ آچاریہ کا رتبہ حاصل کرنے کے بعد ۱۸۶۶ء مین برہمو سماج کے مذہب کی اشاعت کی غرض سے ہندوستان مین ایک بڑا لمبا دورہ کیا اور بمبئی، پونا، مدراس وغیرہ مین متعدد لکچر دیئے اسی دورہ مین مدراس والون نے کیشب چندر سین کو "برق بنگال" کا لقب عطا کیا تھا۔ کیشب چندر سین انگریزی کے نہایت اعلیٰ درجہ کے مقرر تھے اور بڑے بڑے انگریز اُن کی فصاحت اور بلاغت کا لوہا مانتے تھے۔ وہ جہان جاتے تھے لوگون کو اپنی شیرین بیانی سے گرویدہ بنا لیتے تھے۔ اسی وجہ سے تھوڑے ہی عرصے مین اُن کا اثر سارے ملک میں عموماً اور بنگال میں خصوصاً پھیل گیا تھا۔

برہمو سماج آف انڈیا کی بنیاد

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ دیوندر وناتھ ٹگور و دیگر دوستون کے الہامی حیثیت سے منکر ہوچکے تھے۔ لیکن تاہم اُن کو سوشل اور مذہبی اصلاح کے معاملے مین تیز رفتاری پسند نہ تھی وہ نہین چاہتے تھے کہ برہمو سماج والے اپنے کو ہندوؤن سے قطعی طور سے الگ کرلین اور اپنے بزرگون کے مذہب سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھین برخلاف اسکے کیشب چندر سین کے مزاج مین جوش زیادہ تھا اور وہ برہمو سماج کی مذہبی اور سوشل زندگی میں تیزی کیساتھ اصلاح کرنا چاہتے تھے۔ وہ برہمو سماج کا دروازہ ہر شخص کے لیئے کھلا رکھنا

چاہتے تھے اور اسکو عالمگیر مذہب بنانا چاہتے تھے۔ وہ صرف ہندؤن سے نہین بلکہ ہر قوم اور ملک سے فیض حاصل کرنا چاہتے تھے۔ یہی فرق ان دونون بزرگون کے اختلاف کی جڑ تھا۔ اختلاف کی فوری وجہ یہ ہوئی کہ کیشب چندر سین اور اُن کے ہم خیالون نے دیوندر ناتھ کے واعظون کو جنیئو اُتار کر پھینک چکے تھے برہمو سماج کی بیدی پر بٹھلانا چاہا۔ کیونکہ وہ ذات کے اصول کو محض لغو سمجھتے تھے اور برہمو سماج کو اس کے قیود سے آزاد کرتے تھے۔ یہ امر مہارشی دیوندر ناتھ ٹگور اور برہمو سماج کے پُرانے ممبرون کو ناگوار تھا۔ اتفاق سے برہمو سماج کا وہ جلسہ جس میں یہ جھگڑا ہوا مہارشی دیوندر ناتھ ٹگور کے مکان پر منعقد کیا گیا تھا۔ اور رشی جی نے قبل اس کے کہ وہ دو واعظ جنھون نے جنیئو اُتار ڈالا تھا آئین، دو جنیئو والے آچاریون کو بیدی پر بٹھادیا۔ جب کیشب چندر سین اور اُن کے ساتھی جلسے میں پہونچے تو اُنھون نے اس پر اعتراض کیا۔ رشی جی نے جواب دیا کہ چونکہ یہ میرا مکان ہی اس لیئے مجھکو ہر طرح کا اختیار ہی۔ کیشب چندر سین کی طرف سے نہایت معقول جواب دیا گیا کہ اور حقیقت برہمو سماج کا جلسہ ہی۔ یہ محض ایک اتفاقی امر ہی کہ اس کا انعقاد آپ کے مکان پر ہوا ہی۔ اِس مین ذاتی اثر کو کوئی دخل نہین ہی۔ آخر کیشب چندر سین اور اُن کے دوستون نے اس جلسہ میں شریک ہونے سے انکار کر دیا اور وہان سے اُٹھکر چلے گئے۔ اور جب خط و کتابت سے بھی گتھی نہ سلجھی تو ۱۱ر نومبر ۱۸۶۶ء کو ایک بہت بڑا جلسہ کر کے کیشب چندر سین نے مہارشی دیوندر ناتھ ٹگور سے الگ ہو کر برہمو سماج آف انڈیا قائم کی۔ اس نئی سماج کے قائم ہونے پر برہمو سماج کے پُرانے ممبرون نے اپنی انجمن کا نام آدی برہمو سماج رکھ لیا

برہمو سماج آف انڈیا کے اصول حسب ذیل قرار دیئے گئے

(۱) برہمو سماج کے ممبرون کی ایک باقاعدہ سوسائٹی بنائی جائے اور اس کا نام برہمو سماج آف انڈیا رکھا جائے۔ جو روپیہ اس سماج مین جمع ہو وہ ممبرون کی کثرت رائے کی بموجب برہمہ دھرم کی ترقی میں خرچ کیا جائے۔

(۲) ہر شخص جو برہمہ دھرم کو مانتا ہی بلا کسی تمیز کے اس سماج مین شامل ہو سکتا ہی۔

(۳) ہر مذہب کی متبرک کتب سے جو جو پند و نصائح برہمہ دھرم کے مطابق ہون جمع کئے جائین۔

کیشب چندر سین اس نئی سماج کے سکرٹری مقرر کئے گئے اور اُنھون نے اپنے مذہب کی اشاعت اور اُس کے اصول کو ترقی دینے کی کوشش شروع کی۔ چنانچہ ۱۸۶۶ء میں اُنھون نے مشرقی بنگال کے مشہور شہرون مثلاً فرید پور۔ ڈھاکہ۔ میمن سنگھ وغیرہ مین دورہ کیا۔ اپنے پرزور لکچرون کے ذریعہ سے اُنھون نے لوگون کے دلون کو ہلا دیا اور مشرقی بنگال میں برہمو سماج قائم کر دی۔

اِسی زمانے مین اُنھون نے ایک رسالہ Faith یا بشواس پر لکھا جس مین اُنھون نے اپنا یہ عقیدہ ظاہر کیا کہ بشواس سے انسان کو خدا کی حضوری نصیب ہو سکتی ہی اور معبود اور عبادت کرنے والے مین ذاتی تعلق پیدا ہو سکتا ہی۔ برہمہ دھرم کی اشاعت کے لیئے ۱۸۶۸ء مین نگر کیرتن کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ کیشب چندر سین اور اُنکے دوست بازارون اور گلی کوچون مین عشق الٰہی کے بھجن گاتے ہوئے پھرا کرتے تھے اور اسی ذریعہ سے عوام کو اپنی طرف اور اپنے پاکیزہ اصول کی طرف متوجہ کرتے تھے اسی غرض سے اُنھون نے شمالی ہندوستان میں دورہ کر کے بہت سے لکچر دیئے اور ہندوستان کے اس

حصے مین برہمو سماج مین قائم کین ۱۸۶۶ء مین کیشب چندر سین کی ایک بہت پرانی آرزو بر آئی - اُنھون نے ایک مرتبہ مہاشی دیوندر و ناتھ ٹگور سے کہا تھا کہ برہمو سماج کے ممبرون کی جو شادیان نئے طریقے سے ہوتی ہین اُن کو بعض مقتنین قانوناً ناجائز سمجھتے ہین چنانچہ ۱۸۷۲ء مین کوشش کر کے اُنھون نے برہمو میرج بل پیش کرایا - اس پر بہت کچھ بحث مباحثہ ہوا اور صرف ہندؤن کی طرف سے نہین بلکہ آدی برہمو سماج کی طرف سے بھی اسکی مخالفت ہوئی - آخر کار ۱۸۷۲ء مین یہ قانون پاس ہوگیا - اسکی رو سے برہمو سماج مین ایک سے زیادہ شادیان قانوناً ناجائز ٹھہرائی گئین - صغر سنی کی شادی قطعی طور پر بند کر دی گئی - لڑکے کی عمر کم از کم ۱۸ سال اور لڑکی کی عمر کم از کم ۱۴ سال قرار پائی - شادی کے رسومات سے بت پرستی بالکل نکال دیگئی - اور بدھوا بواہ اور غیر ذات کی شادیان جائز ٹھہرائی گئین اس قانون سے برہمو سماج کے ممبرون کو بہت کچھ سہولت ہوگئی لیکن گورنمنٹ نے اِس کا نفاذ برہمو سماج کے ممبرون تک محدود کر دیا - اگر کوئی ہندو جو برہمو سماج کا ممبر نہیں ہو اس قانون سے فائدہ اُٹھانا چاہے تو وہ جبتک اپنے تئین برہمو نہ بنائے اس سے فائدہ نہین اُٹھا سکتا - فی الحال بعض مصلحان قوم کی توجہ اس طرف مبذول ہو چلی ہو اور اس بات کی کوشش ہو رہی ہو کہ گورنمنٹ سے درخواست کی جائے کہ جس طرح اور ممالک میں اگر عورت اور مرد چاہین تو بلا کسی مذہبی رسم کے شادی کر سکتے ہین اُسی طرح ہندوستان میں بھی ان شادیون کو جائز ٹھہرانے کے لیے قانون پاس ہونا چاہیے -

ولایت کا سفر

بابو کیشب چندر سین کا ارادہ عرصہ سے ولایت جانے کا تھا اور انگلستان کے یونیٹیرین ان کے دیدار کے بہت مشتاق تھے - آخر ۱۸۷۰ء مین وہ ولایت تشریف لے گیے جہان اُنکے لکچرون نے لوگون کو بیحد محظوظ کیا اور تعلیم یافتہ گروہ کی طرف سے انکی بہت کچھ قدر دانی ہوئی - انگلستان کے مشہور معروف حکیم جان اسٹوارٹ مل اور دہان کے شیر دل مدبر مسٹر گلیڈ اسٹون سے ملاقات ہوئی - لارڈ لارنس اور پروفیسر میکس مولر سے دوستانہ ارتباط قائم ہوا - اور صرف ملکہ معظمہ وکٹوریہ کی حضوری میں باریاب ہی ہونے کا شرف نہین حاصل ہوا بلکہ انھون نے اپنی تصنیف شدہ کتابین بابو کیشب چندر کو ہدیتہً عطا کین - ہندوستان کی سچی ہی خواہ مس میری کارپنٹر نے انکی یادگار میں "انڈین ایسوسی ایشن" قائم کی جو ابتک لندن میں قائم ہے

شادی کو پرچ بہار اور ساودھارن برہمو سماج

ولایت کی واپسی کے بعد بابو کیشب چندر سین نے ۱۸۷۲ء مین بھارت آشرم قائم کیا جہان قریب قریب ۲۵ برہمو گھرانے اکٹھا رہنے لگے - غرض یہ تھی کہ ممبرون میں ارتباط بڑھے ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شریک ہون اور مشترکہ عبادت کے طریق کو ترقی دیجائے - اس زمانے میں اُن کی خاص کوشش یہ تھی کہ عیسائی پادریون کی طرح برہمو مشنری بھی اپنے مذہب کی اشاعت کے واسطے جماعت تیار کرین اسی غرض سے اُنھون نے بھارت آشرم اور منگل باڑی اور اسی قسم کی اور جماعتین قائم کی تھین - محض دنیاوی کامون سے ہٹکر ریاضت کی طرف اب اُن کا میلان بڑھ گیا تھا اور عبادت کے جوش کو روز بروز ترقی ہوتی جاتی

تھی - یہان تک کہ بعض اشخاص کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ کیشب چندر سین گورو بنکر اپنی پرستش کرانا چاہتے ہین

۱۸۷۸ء مین ایک ایسا واقعہ ظہور مین آیا جس نے برہمو سماج مین ہلچل پیدا کر دی اور کیشب چندر سین کی طرف سے اُن کے بہت سے مریدون کا دل پھیر دیا - اس کی بنا یون ہوئی کہ مہاراجہ صاحب کوچ بہار کی اُس وقت نابالغ تھے اور اُن کی ریاست کا انتظام بنگال گورنمنٹ کے سپرد تھا - گورنمنٹ کی طرف سے یہ تجویز ہوئی کہ مہاراجہ صاحب کی شادی بابو کیشب چندر سین کی لڑکی سے کی جائے اور بابو کیشب چندر سین نے اس تجویز کو بدین شرائط منظور کیا کہ شادی کے رسومات مین بت پرستی کو مطلق دخل نہ دیا جائے - اور چونکہ دولہا دُلہن کی عمر کم ہی اس لیئے اسوقت محض نسبت کر دی جائے - لیکن اس کے بعد ہی فوراً مہاراجہ صاحب ولایت بھیجدیے جائین - اِس تجویز نے برہمو سماجیون کو نہایت برہم کر دیا - وہ لوگ کہتے تھے کہ کوچ بہار ایسے خاندان مین بلا بُت پرستی کے رسومات ادا کیے شادی ہونا ناممکن ہی اور واقعی جیسا ان لوگون نے کہا تھا ویسا ہی ہوا - دوسرا زبردست اعتراض یہ تھا کہ لڑکی کی عمر چودہ برس سے کم ہی - لہذا یہ شادی اُن اصول کے خلاف ہی جو کیشب چندر سین نے خود برہمو میرج ایکٹ مین قائم کرایا ہی - ؎ چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی -

لیکن کیشب چندر سین کو اس شادی کی ایسی دھن تھی کہ باوجود اس مخالفت کے انھون نے اس تجویز کو قائم رکھا اور ۶ مارچ ۱۸۷۸ء کو کوچ بہار جا کر اپنی لڑکی کی شادی مہاراجہ صاحب کے ساتھ کر دی - ان کی سماج کے بہت سے ممبرون نے ان کی اس حرکت کو اسقدر ناپسند کیا کہ ۱۴ مئی ۱۸۷۸ء کو کلکتہ کے ٹاون ہال میں ایک جلسہ کر کے اپنی سماج الگ قائم کر لی اور اس کا نام سادھارن برہمو سماج رکھا -

بابو کیشب چندر سین کے مدحون کو بھی اس بات کا اقرار ہے کہ اصولاً کوچ بہار کی شادی نہایت سخت غلطی تھی اور ہر انسان کو مجبوراً ایسی رائے قائم کرنی پڑیگی کہ اس موقع پر برہمو لیڈر نے اپنے عقائد کو دنیوی جاہ و حشم پر قربان کر دیا - لیکن اس کے اور زیادہ خطرناک نتائج اُس وقت سمجھ مین آتے ہین جب کہ ہم یہ دیکھتے ہین کہ اُن کو اپنی بات کو نبھانے کے لیے شادی کے بعد کیا دتیرہ اختیار کرنا پڑا انھون نے اب اپنی سماج کا نام نیو ڈسپنسیشن (New dispensation) رکھا اور ساتھ ہی یہ خیال ظاہر کیا کہ ایشور نے خاص مہربانی کر کے ملک کی ضرورت کو مدنظر رکھکر یہ چرچ قائم کیا ہی - آدی برہمو سماج مین مہارشی دیوندر ناتھ کی ذاتی رائے کو بہت کچھ رسوخ تھا اور برہمو سماج کے نوجوان ممبرون کو ان سے اختلاف کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی تھی - لیکن کیشب چندر سین کی برہمو سماج مین تو ہر ایک معاملہ کا انحصار انھین کی رائے پر رکھا جاتا تھا اور عام رائے کی کوئی وقعت نہ تھی - جو بات ان کے دل مین آتی تھی اس کو وہ خدا کی وحی سمجھتے تھے اس مسئلہ کا نام انھون نے آدیش رکھا تھا جس کو سادھارن برہمو سماج والے نہایت پرخطر خیال کرتے تھے - اسی مسئلہ کی بنا پر کوچ بہار کی شادی کی حمایت کی جاتی تھی - کہا جاتا تھا کہ اس شادی کا خیال خدا کی طرف سے کیشب چندر سین کے دل میں پیدا کیا گیا ہی

اور اس وجہ سے باوجود ظاہری نقائص کے اس میں کوئی خاص مصلحت ہی۔ ظاہر ہی کہ اس اصول کو قبول کرنے کے بعد نیک و بد کی تمیز اُٹھ جاتی ہی۔ انسان بُری باتیں کر کے کھو سکتا ہی گو یہ بظاہر بُری ہین لیکن اِن میں ایک ایسی مصلحت ہی کہ جو عوام کی نگاہون سے مخفی ہی۔ اس لیئے اس پر اعتراض ہونا چاہئیے پُرانے زمانے کے مذہبی سرگروہ اکثر اس غلطی مین پھنس چکے ہین اور آج بھی تھیاسوفیکل سوسائٹی کے لیڈ بیزنٹ والے جھگڑے مین اسی خطرناک اصول کا جلوہ نظر آتا ہی۔

کیشب چندر سین کی وفات

اس جھگڑے کے بعد کیشب چندر سین اور بھی زیادہ ریاضت کے شائق ہو گئے۔ انھون نے اپنے مذہب کی اشاعت کے واسطے بچہ دینا اور مضامین لکھنا برابر جاری رکھا۔ لیکن اُن کے خیالات فقر و فاقہ کے طرف زیادہ مائل نظر آتے تھے ۱۸۷۹ء مین اُنھون نے اپنے شاگردون کو لے کر شمالی بنگال مین چھ سو میل کا دورہ کیا اور کہین کہین مذہب مسیحی کے تتبع میں بعض مذہبی رسومات ادا کین۔ کبھی کبھی وہ نفس کشی کی غرض سے بھارت آشرم مین رہنے والون سے بھیک مانگ کر لاتے تھے اور جو کچھ اس طریقے سے ملتا تھا اُسی کو پکا کر کھاتے تھے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ کیشب چندر سین کا یہ مدعا تھا کہ لوگ خدا کی پرستش چھوڑ کر اُنکی پرستش کرین۔ لیکن یہ ضرور ہی کہ اپنی سماج مین وہ غور و سنجیدگی جاتے تھے اور اُن کے احکام سے کسی کو سرتابی کی مجال نہ تھی۔

اس بات کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہی کہ باوجود علحدگی کے مہارشی دیوندر ناتھ ٹگور سے اُن کے تعلقات بہت اچھے تھے اور وہ مہارشی جی کا آخر وقت تک نہایت ادب و لحاظ کرتے رہے۔ اس کا اندازہ ناظرین یون کر سکتے ہین کہ ۱۸۷۳ء مین بابو کیشب چندر سین بیمار ہو کر شملہ چلے گئے تھے ۱۸۷۳ء مین جب وہ کلکتہ واپس آئے تو رشی جی اُن کو دیکھنے کے واسطے گئے بابو کیشب چندر سین نے اُن کو دنڈوت کی اور ان کا ہاتھ اپنے ماتھے پر رکھا اُن سے دعا کی خواہش کی لیکن ہماری کچھ ایسی سخت تھی کہ دواکار گر ہوتی تھی نہ دعا بلکہ حالت روز بروز ابتر ہوتی گئی اور جنوری ۱۸۸۴ء کو کیشب چندر سین اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

بابو کیشب چندر سین کی زندگی بہت سے پہلوؤن سے قابل قدر ہی۔ ان میں لڑکپن سے مذہبی تحقیقات کا مادہ تھا اور جب اُن کو وہ مذہب جس کو وہ سچا سمجھتے تھے مل گیا تو اُسے اختیار کرنے مین اُنھون نے ذرا بھی تامل نہ کیا۔ اُن کو سختیان اور مصیبتین جھیلنا پڑین لیکن اس کی اُنھون نے کچھ پروا نہ کی۔ آخر وقت تک اُن کو برہمو دھرم کی اشاعت کی دُھن رہی۔ اور وہ مختلف طریقون سے اُس کی ترقی کی کوشش کرتے رہے۔ کیونکہ برہمو سماج کے اصول کو وہ صرف سچا ہی نہین سمجھتے تھے بلکہ ملک کی ترقی کا ذریعہ جانتے تھے۔ ان سے کوچ بہار کے معاملہ مین بے شک غلطی ہوئی جس سے ہمکو یہ سبق اخذ کرنا پڑا کہ بڑا سے بڑا انسان بھی خطا سے مبرا نہین ہو سکتا اور یہ کہ جب ایک مرتبہ انسان کوئی غلطی کر بیٹھتا ہی تو اسکو سنبھالنے کیلئے اور بھی غلطیان کرنا پڑتی ہین۔

بابو کیشب چندر سین کی زندگی سے ہمکو نیک اصول کی پابندی کی ہدایت ہوتی ہی اور ساتھ ہی ساتھ اخلاقی غلطیون کے پُرخطر نتائج کا بھی اظہار ہوتا ہی بشرطیکہ ہم مین اس سے سبق اخذ کرنیکی لیاقت ہو

منوہر لال زتشی

دسہرہ

ہو دسہرہ یادگار عظمت ہندوستان — ہندوؤں کی اک قدیمی فتح و نصرت کا نشان
اک مٹی سی یہ نشانی دولت و اقبال کی — یاد دلاتی ہے اُن ایام فرخ فال کی
جبکہ تھی ہم میں بھی ایسے زور و طاقت کی نمود — بیچ تھی دیوان دین تنکی جس سے ہست و بود
جب اکیلے اٹھ کھڑے ہوتے تھے ہم بہر نبرد — اور کر دیتے تھے اپنے دشمنوں کو گرد برد
دل میں ہمت ہاتھ میں اپنے قضا تیر و کمان — لشکر کفار میں جن سے تھا شور الامان
باندھ کر وہ پل سمندر کو کیا ہم نے عبور — جسکو حیران دیکھا رہیں آج بھی اہل شعور
فوج راون لاکھ تھی ریگ صحرا کی طرح — اور اُسمنہ آئی تھی وقت جنگ دریا کی طرح
راون خونخوار دردہ کو پیکر اُسکے دیو — جنکی خونخواری کا تھا سارے زمانے میں غریو
قلعہ وہ لنکا کا جو ناقابل التسخیر تھا — جس پہ نازاں اپنے دلمیں راون بے پیر تھا
تھے طلائی برج جسکے اور مرصع بام و در — جنکی چوٹی تک ہے پہونچی کوئی مرغ تیز پر
سورۂ حسن و زر دمکتی وہاں کی خاک بھی — اک طلسم ایسا کہ قاصر تھا جہاں ادراک بھی
ہم نے لیلے دشمنوں پر فتح پائی تھی کبھی — اپنے حصے میں بھی یہ معجز نمائی تھی کبھی
آج وہ دن ہے کہ ہم اس یاد کو تازہ کریں — روئے زیبائے عروس فتح پر غازہ کریں
ملک گائین رام کے مُن دلین — ہو جوش سرور — قلب صافی مخزن وحدت ہو سینہ تنگ طور

یہ دسہرہ عشرۂ عشرت ہے اپنے واسطے
خالق کونین کی نعمت ہے اپنے واسطے

نظیر

مسافر کی عید

جہان میں روشنی صبح الہی پھیلی تھی — خوشی میں زیدی موذن نے پہلی دی اذان
گھر و نین بچے جو پچھلے پہر سے جاگے تھے — ہیں شوق عید میں بیتاب اُنکو نیند کہاں
اذان کے سنتے ہی اُٹھتے ہوئے یہ اُٹھ بیٹھے — کریں گے غسل سویرے سے کپڑے لا اماں

کہا کسی نے کہ سردی ہے دھوپ تو نکلے — مچلکے بولے نہائیں گے ہم ابھی ہاں ہاں
وہ دیکھو صبح بھی اب صاف ہو گئی ظاہر — ہوا و مطلع مشرق سے ہر نور افشاں
ہر ایک سمت سے ظاہر خوشی کے ہیں آثار — ہے آج جمع مسرت کا ہر طرف سامان
ہر اک ہے بننے سنورنیکی فکر میں مصروف — بنا ہوا ہے خوشی کا چمن ہر ایک مکان
وہ دیکھو غسل کوئی کر رہا ہے فرش فگر — بدل رہا ہے کوئی کپڑے اور ہو شادان
سنور رہا ہے کوئی مل رہا ہے عطر کوئی — کوئی حسین ہے آئینہ دیکھکر نازان
مسکرا رہا ہے کوئی خود ہی خود کے کپڑوں کو — وہ جا رہا ہے کوئی دوڑا ہو بیوں کے یہاں
پھٹے وہ کپڑے کوئی سی رہا ہے جلد میں — یہ خوش ہے ایسا ہے گویا خوشی اسیکے یہاں
خوشی میں صبح ہی سے کام ہے ہر ایک کا بند — کھلی ہوئی ہیں مگر آج در زیوں کی دکان
بہت سے لوگوں کے ہیں انکے ہاتھ میں دامان — بہت سے لوگوں کے ہیں انکے ہاتھ میں دامان
لو! آفتاب بھی اب ہو گیا کچھ اور بلند — نماز کیلئے نکلا ہر ایک خورد و کلان
کوئی فٹن پہ ہے بگھی پہ کوئی ٹٹم پر، — پیادہ پا ہے کوئی سوئے عید گاہ روان
بغل میں کوئی لئے جا رہا ہے بچوں کو — کسیکی تھامے ہوئے انگلی طفل اجد جوان
خوشی ہر ایک کے چہرے سے پھٹی پڑتی ہے — ہنسی خوشی کی ہے جہاں خوشی بھی ہے خنداں
وہ کون ہے کہ نہیں آج جس کے دلمیں خوشی — وہ کون ہے کہ ہنسی ہو نہ جس کے لب پہ عیاں
گرد دیکھئے کونے میں صحن مسجد کے — الگ سبھوں سے کھڑا ہے کوئی غریب جہان
اُداس چہرہ پریشان و مضطر صورت — ہر ایک شکل سے ہے دل کا انتشار عیاں
غبار دل میں ہے کپڑے پھٹے ہوئے میلے — خموش ایسا کہ گویا نہیں ہے منہ میں زبان
ہیں ڈبڈبائے ہوئے اشک گرم آنکھوں میں — عجیب یاس ہے ہر اک طرف ہے وہ گراں
غریب کوئی مصیبت زدہ مسافر ہے — سفر میں اس طرف آ نکلا بے سر و سامان
نہ کوئی دوست نہ مونس نہ آشنا کوئی — غم جدائی احباب دل میں ہے پنہاں
ہر اک کو دیکھکے خوش دوستوں عزیزوں میں — ہے یاد آگیا غربت میں شاید اپنا مکان
وہ دیکھو آنکھوں میں آنسو بھی ڈبڈبا آئے — ہر ار ضبط کیا پر رُکے نہ اشک رواں
وضو کے حیلے سے دیکھا گیا وہ حوض کے پاس — کہ اپنے چہرے سے دھو ڈالے آنسو و نکلے نہاں
ہزار چاہا کہ ظاہر نہ ہو پریشانی، — کہیں چھپائے سے چھپتے ہیں دل کے ارمان

نماز عید بھی آپ دیکھو ہو گئی وہ شروع
شریک ہی صف آخر میں با دل یریان

نہ پوچھو ہائے کہ خطبہ کے ختم ہونے پر
گلے جو ملنے لگا ایک دوسرے دہان

کہو نہیں کیا کہ دل ہو طن پہ کیا گذری
وہ دیکھو اشک بھر آنکھوں سے ہو گئی ہیں رواں

نہیں رفیق کوئی عید جس کے ساتھ منائے
نہ کوئی دست گلے ملکے جس سے ہو شاداں

غبار کچھ تو دل غمزدہ کا دھو جاتا
کوئی بناتا اگر عید میں اسے مہماں

مگر خوشی میں ہیں یوں مست وطن والے
کسی نے بھی نہ پوچھا تمہارا گھر ہے کہاں

وہ بیکسی وہ وطن کا خیال وہ غربت
وہ ہائے عید کا دن اور بے سر و سامان

کوئی تو جلکے ذرا کہدے اس سماں سے
شریک حال اک انجم بھی ہو وطن ہی یہاں

سفر میں عید گئی اب کے سال اے انجم
وہ لطف جلسۂ احباب کا نصیب کہاں

نور محمد انجم

جگنو

اے ننھی سی جان میں ہمت و بیتابی کیسی پائی
اک جھلک میں کر دئے ہیں تو نے روشن باغ و راغ

یہ ہوا اور گھٹا تھی بوندیاں برسات کی
یہ گھٹا گھنگھرالے بالوں پر سیاہی رات کی

یہ چمکتا تارا اڑ اڑ کر ہوائے دشت میں
قدرتی یہ روشنی تیری فضائے دشت میں

ہے زر افشاں تجھ سے دامن شب تیرہ کا
تجھ سے پھیلا ہے اندھیرے میں اجالا نور کا

اپنی آب و تاب میں تو شمع ظلمات ہے
شمع کی بھی خوشنمائی تیرے آگے مات ہے

تو نہیں وہ شمع گل کر دے جسے موج ہوا
یا بجھا دے جھلکے پروانہ پر دے کی بنکیا

اے طرح افشاں چنی تو نے جبین خاک پر
گر پڑے جیسے زمین پر کوئی تارا ٹوٹکر

تو نے شاخوں پر درختوں کو لگائی ہے کرن
پہنے ہیں ہونے کا زیور یا عروسان چمن

طائروں کے بھی نشیمن پر ہے تیرا ہی عمل
جل رہی ہیں اپنے اپنے آشیانوں میں کنول

یہ کرشمے اور یہ جلوے اک ذرا سی جان پر
دیکھنے والو نہ کو حیرت ہے خدا کی شان پر

نور کا پتلا ہے تو چھوٹا سا یا کیڑا ہے تو
ذرے میں سورج ہے تو گوہر ہے میں اک دریا ہے تو

کلام ابر

از افکار تازہ پنڈت بشن نرائن صاحب دَر

چشم عبرت سے جو عالم کا تماشائی ہو
ہوش جاتے رہیں دیوانہ ہو سودائی ہو

اُس سے کسطرح سے دنیا میں شناسائی ہو
جس نے صورت نہ کبھی خواب میں دکھلائی ہو

دیکھتی ساری خدائی ہے تماشا جس کا
کوئی بتلاؤ تو وہ کس کا تماشائی ہو

موت دنیا پہ دکھانا وہ دن یا اللہ
ہم قفس میں ہوں نہ گلشن میں بہار آئی ہو

جان یہ کہتی ہوئی بحر میں تن سے نکلی
سایہ بھی ساتھ نہ ہو ایسی تو تنہائی ہو

نئی صورت سے ہر اک جا ہے تمہارا جلوہ
گل میں بو شمع میں نور آنکھ میں بینائی ہو

شمع گو سر سے قدم تک ہے زبان کی صورت
کاٹئے ایسی زبان جس میں نہ گویائی ہو

لطف ہر چیز کا ہے وقت پر اپنے موقوف
کیا مزا اس میں جو ہو وقت کی شہنائی ہو

کیوں بخار اپنا وہ رو رو کے نکالے یارد
آبر کے دل میں اگر صبر و شکیبائی ہو

رباعیات

نفس امارہ نے کیا یہ گمراہ؛ اللہ کو بھول کر بتوں کی ہوئی چاہ
شیطان نے کیسا ورغلا تا کہو لاحول ولا قوۃ الا باللہ

حاکم کیسا اگر عدالت نہ ہوئی محکوم وہ کیا اگر اطاعت نہ ہوئی

کس کام کی آنکھ اگر مروت نہ ہوئی وہ آدمی کیا گر آدمیت نہ ہوئی

محنت کرین یہ جاہ و ثروت ہو جائے کچھ کام نہ ہم سے ہو یہ شہرت ہو جائے
مل جائے خوشامد سے کہین کوئی خطاب عزت سرکار کی بدولت ہو جائے

ہم عمر عزیز اس طرح کھوتے ہین سب جاگتے اور ہم پڑے سوتے ہین
تدبیر ترقی مین ہی عالم مصروف بیٹھے ہوئے تقدیر کو ہم روتے ہین

دورِ انقلاب

چلن دنیا کا بدلا وضع شیخ برہمن بدلی پرانے لوگ اٹھے انجمن کی انجمن بدلی
رواج نو ہوا جاری ہر اک رسم کہن بدلی نئے الفاظ کی ہندش سے ترکیب سخن بدلی
سب اگلی صورتین خواب پریشان ہوگئین محشر
عدم کے پردے مین جا جا کے پنہان ہوگئین محشر

حسینان جہان کا بدلا انداز جفاکاری رہی عشاق مین باقی نہ اگلی سی وفاداری
نئی دنیا ہوئی آباد زیر چرخ نیرنگی نظام کار عالم بھی بطرز نو ہوا جاری؛
پلٹتے ہی ہوا کے آئی وہ جدت طبیعت مین
نئی امنگ پیدا ہو رہے ہین رنج و راحت مین

جناب شیخ کا منبر پہ انداز بیان بدلا نئی حورین ہوئین پیدا گلستان جنان بدلا
ہوئے دل مطمئن ایسے خیال این و آن بدلا بزور فلسفہ رنگ زمین و آسمان بدلا
ہر اک سر مین بھری ہو قوت سودائے آزادی
جسے دیکھو وہ جان و دل سے ہی شیدائے آزادی

ہوئی تخئیل شایستہ مذاق شاعری بدلا مہذب ناولون سے رنگ افسانہ گری بدلا
کرشمون سے مسون کے جلوہ حسن پری بدلا ادائے مغربی سے کہنہ رنگ دلبری بدلا
نگاہ اہل تقاضا خبر لے آئی لندن کی

ہے برقی روشنی مین جستجو عیسیٰ کی سوزن کی
مسیحا سے مریض ہجر اچھا ہو نہین سکتا ہوا ہی شربت دیدار جانان کا مزا بھیجا
کیا دار وئے صحت نے اثر تقدیر سے الٹا سر بالین پہ ہم مشورہ ہی چارہ ساز دنگا
ہو لب جن کو لاؤ سینہ اگر امن کرے آکر
جگر مین زخم کتنے ہین یہ دل ہی کس لئے مضطر

گئے وہ دن کہ روز ہجر جب تھا آفت جانی شب فرقت حیات خضر کی صورت تھی طولانی
مضامین تکلم ہوتے تھے خلاف عقل انسانی معاذ اللہ بتان دہر مین اوصاف ربانی
یہ سب باتین فقط اگلے زمانے ہی پہ زیبا تھین
کہانتک کہہ سکے کوئی خدا معلوم کیا باتین

مگر اے دلربا کاہی کو کوئی نیچا سمان باندھو سمجھ مین آسکے اسطرح جو آسمان باندھو
میان شعر ایسے حسن سے حسن بتان باندھو قرین عقل ہون مضمون یون تم میرجان باندھو
سنانے جسکو مطلب واقعہ پیش نظر ہو جائے
اثر ایسا ہو جس سے سیکڑون ٹکڑے جگر ہو جائے

جو مین جدت پسند اب اُنکے سامان دگر کرین خیالات اور ہی کچھ اور لکھے ارمان اور ہی کچھ کرین
ترقی کے ارادے تابہ امکان اور ہی کچھ ہین، طلسم سعی و کوشش کے یہ انسان اور ہی کچھ ہین
معطل لوگون کو سب صاحب آزار کہتے ہین؛
جنھین ہے عقل وہ بیکار کو بیمار کہتے ہین

نہین دنیا کے زندون کی کبھی بیکار جین مہر مگر ہم ہین لب گور اور پھر بیکار سر تا سر
ہمین سے سب نے سیکھا سیکھکر بیٹھے کاریگر ہمارے نام سے اب بک رہی ہین ہو کے نامور
وہ سب کچھ ہین مگر ہم کچھ نہین اپنی جہالت سے
یہ کیا ہے صرف لاعلمی ہے اپنے علم و صنعت سے

نہوئے پر بھی ہم ہین بہت روشن دماغ ایسے کہ جسکے سامنے جنھون نے عمر کھو کر علم یورپ کے
کمال اپنے وہ ظاہر کر رہی ہین قوم کے آگے غرض یہ ہے سکھائین ہم جو کوئی سیکھنے آئے
مگر رستے نئی تعلیم کے بد سمجھے جاتے ہین
جو کال ہین وہ اُن پر قہقہے کیا کیا لگاتے ہین

کوئی رفتار پر ہنستا ہی اور گفتار پر کوئی بناتا ہی انھیں اپنی جگہ پر فتنہ گر کوئی
سخن کو دیکھ کہتا ہی کلام بے اثر کوئی ہنر کو کہتا ہی ترکیب کسب مال و زر کوئی

مقدر پھر دسہرہ کر کے شل بن بیٹھنا آیا
نثار اس زندگانی کے اگر آیا تو کیا آیا

اٹھو اے کاہلی کے نازبردارو بلا اٹھو اٹھو اے قید ہستی کے گرفتارو بس اب اٹھو
اٹھو آزار بیکاری کے بیمارو بس اب اٹھو اٹھو اے بادہ مستی کے سرشارو بس اب اٹھو

مثل النوم اخ الموت کی گو سنتے آتے ہو
مگر اس کان سے سنتے ہو اور اس کان اڑاتے ہو

حریفان جہان کی تازہ کاری دیکھو اٹھکر بمیدان ترقی یورپ کی دیکھو لو اٹھکر
حصول علم و فن میں جانسپاری دیکھو اٹھکر تحصیل تک محنت شماری دیکھ لو اٹھکر

اٹھو بس مل کے آنکھیں لو سبق روشن دماغی کا
ہوئی ہی اور ہی کچھ صورت دنیا و مافیہا

پرانا تھا جو دنیا کا وہ دستور العمل بدلا مفید مدعا کا ہو تو امر بے عمل بدلا
نہ بدلے زندگی کیونکر کہ انداز اجل بدلا زہے جدت جو فیشن آج جاری ہی وہ کل بدلا

لیے بیٹھے رہیں ہم سب پرانی پونجیاں اپنی
رہیں دن رات طوطے کی طرح سے داستاں اپنی

شکایت ہی اگر افراط اور تفریط کی پیدا تو آؤ انتخابی عقل سے لیں کام تھوڑا سا
موافق رسم و ملت کے ہو کل سکتی جتنا نکالیں بس اسی سے تین اک سرتر ترقی کا

کریں جی توڑ کوشش معین اپنا خدا ہوگا
عمل خود ما صفا پر کون کہتا ہے برا ہوگا؟

محشر

شالامار باغ

چل رہی ہو گلشن عالم میں عبرت کی ہوا آہی ہو ہر گل شگفتہ سے روئے فنا
نغمہ حسرت ہی ورد عندلیب خوشنوا غنچہ لب بستہ ہی پیدا ہو ماتم کی صدا

قمری کوکو نوا کی گفتگو سے ہے عیاں
ہائے پہلا سا ہی اب وہ منظر گلشن کہاں

کچھ نون پیدا کیا نرگس نے رنگ انتظار چار دن دکھلا گیا لالہ بھی داغوں کی بہار
چند روز آرائش گلشن ہی سرو و چنار مقدم گل سے رہا کچھ عرصہ شاخو نخا کھار

فرش استبرق کوئی دن سبزۂ بیگانہ تھا
الغرض افسون نیرنگ چمن افسانہ تھا

تھا جلوس قہرمان گل سریر شاخ پر لذت مدحت سے سوسن کی زبان ہر وقت تر
دیدہ بانی پہ مقرر نرگس آتش نظر پیش و چاوشں کی مانند تھی باد سحر

نسترن۔ نسرین۔ سمن۔ صدبرگ سنبل یکقلم
موکب عالی میں تھے ہم رتبہ جیش و خدم

سوز و ساز نغمہ مرغان خوش آہنگ تھا سرو تھا طنبور ہر برگ شجر اک چنگ تھا
رقص طاؤسان بستان کا زلا دھنگ تھا لالہ کم کیفیت جام مئے گل رنگ تھا

تھی صبا بحرانی دربار شاہنشاہ گل
مرجع بلبل نگاہان تھی کبھی درگاہ گل

کیا غضب ڈھایا یکایک جنگلے دوران خزاں کر دیا اس جنت اضی کو پامال خزاں
اب وہ سبزہ نہ وہ لالہ نہ وہ سرو و چناں تختہ ہائے گل اڑائے صورت تخت رواں

اے فلک کیا تھا اسی صورت میں شہوار باغ
یونہیں بے برگ و نوا تھا آہ شالامار باغ

ہر گل رنگین قبا تھا غیرت روئے نگار قامت شمشاد رشک قامت دلجوئے یار
چشم عاشق کیطرح نرگس تھی محو انتظار تھیں برنگ زلف سنبل کی جبائیں تابدار

قطرۂ شبنم سر ہر گل دُر شہوار تھا
بالمقابل ہر روش اک مصر کا بازار تھا

آبشاروں کی روانی اور نہروں کی جھلک
پانی پانی کیوں نہ ہوتے کوثر و تسنیم تک

گوہر شبنم کی زینت اور زر گل کی چمک
ہائے کیوں دیکھی گئی تجھ سے اے چشم فلک

محو شالامار تھیں پریان پرستان چھوڑ کر
دیکھنے آئی تھیں حوریں باغ رضوان چھوڑ کر

آ ذیں صدا آ ذیں اے ہمت شاہ جہان
ہے زمانہ میں یہ تیری سبز بختی کا نشان

یادگار ہے تری جب تک نقش بوستان
تری عالی ہمتی ہے اس عمارت سے عیان

سات تختوں میں سجائی تو نے ایسی گل زمین
آٹھ گلشن خلد کے ہوتے تھے جس سے شرمگین

حشمت و شوکت تری آخر ہوا کو کر
خط ریحان میں لکھی ہے صفحۂ تاریخ پر

گرچہ تیری روح ہے اب طائر بے بال و پر
دیکھتی ہوگی جہان کے انقلابوں کو مگر

تھا ہمایوں جلوہ تیرا جس جگہ سایہ فگن،
اب وہاں رکھتے ہیں طرح آشیاں زاغ و زغن

آج اے بسمل وہ شیدائے قدامت ہیں کہاں
دیکھتے ہیں جو اس آئینہ میں آثار جہاں

اسطرف بھی اے بلند عزم کی پھیریں عنان
مٹ نہ جائے آہ نقش یادگار رفتگان

نام نیک رفتگان ضائع مکن اے ہوشیار
تا بماند نام نیکت تا قیامت برقرار

بسمل ہوشیارپوری

تصریح تصاویر

شہزادی فرخ ناز - پرشین ٹیلس کی ہیروئن ہے - اس نے مردوں کی بیوفائی کے افسانے سُنکر عہد کرلیا تھا کہ عمر بھر شادی نکرونگی جب اسکے باپ کو یہ حال معلوم ہوا تو اُس نے اپنے وزرا اور اُمرا سے ذکر کیا اور سب نے بالاتفاق یہ رائے دی کہ شہزادی کے سامنے ایسے قصے بیان کئے جائیں جنمین مرد کی وفاداری کی زبردست مثالیں ہوں تاکہ اُسکا خیال بدل جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور پرشین ٹیلس انھیں حکایات کا مجموعہ ہے - تصویر مین شہزادی کے سامنے دو عورتین بیٹھی ہوئی کہانیاں سنا رہی ہین اور انڈین پریس کے مصور نے اس کیفیت کو کامیابی کے ساتھ دکھایا ہے -

عالم خیال - کی تصویر مین راوی ورما مرحوم نے ایک عورت کو ایسے عالم مین دکھایا ہے جب وہ اپنے شوہر کے فراق مین اُسکا تصور کر رہی ہے - اسکے متعلق ایک نظم بھی حاصل کی گئی تھی لیکن اُردو مین چونکہ زن و شوہر کی محبت کے جذبات مختفانہ ہیں لہذا یہ نظم بالکل عاشقانہ ہوگئی جو مجبوراً ادیب مین داخل نہو سکی -

باقی تصاویر کی تصریح ضروری نہین ہے جنمین بعض کے متعلق مفصل مضامین درج ہین -

ادیب

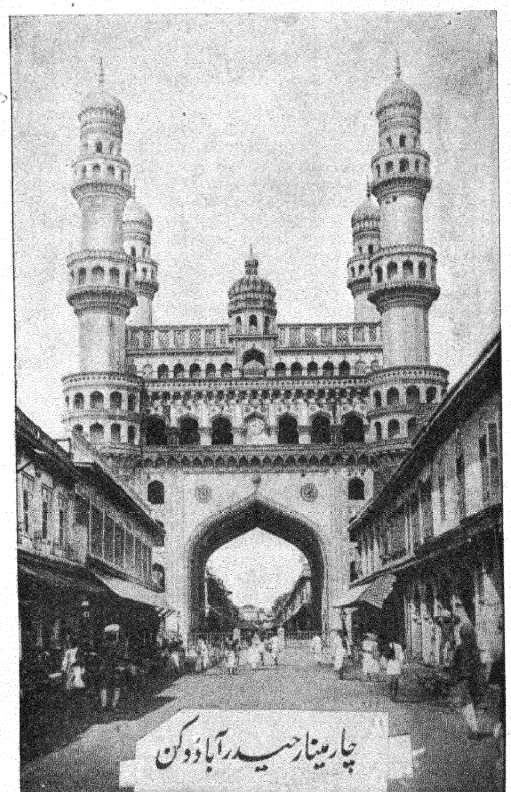

چار مینار حیدر آباد دکن

انتخین پریس الہ آباد

مرکب الکتالیس فوائد

جسکی تصدیق حکیموں ڈاکٹروں اور دی علم صاحبان نے کی ہے

فائدہ ۱ جس کی تصدیق پینتالیس مختلف ملکوں اور مختلف عمر کے لوگوں نے کی ہے۔ وہ یہ خرابی معدہ و جگر بھوک بند ہو جانے سے دن بدن لاغر ہوتے جاتے تھے۔ چہرہ پیلے سوکھی اور سردی پن پیدا ہو جاتا تھا۔ ہاتھ پاؤں جلتے تھے۔ معدہ پر بوجھ کبھی دست کبھی قے کبھی نبض ہو جاتی تھی۔ وہ سب اس کے استعمال سے دور ہو گئے۔

فائدہ ۲ جسکی تصدیق دو سو مریض آزما کرتے ہیں۔ خون گندہ ہونے سے چہرہ پر چھائیاں جسم پر دانے۔ پھوڑے۔ پھنسیاں کثرت سے مختلف جگہ میں پیدا ہو کر ان سے لیلا پانی بہ کر جہاں وہ پانی لگتا تھا زخم ہو جاتے تھے۔

فائدہ ۳ جسکی تصدیق پینتالیس آدمی کرتے ہیں۔ ان کی رانوں کا چمڑہ سیاہ اور موٹا ہو گیا تھا۔ اور پسینہ آنے سے سخت خارش ہوتی تھی۔ ہر وقت ہاتھ پاؤں میں رہتا تھا۔ اور ان سے بدبو آتی تھی۔

فائدہ ۴ جسکی تصدیق گیارہ مریض کرتے ہیں۔ خانہ بدوش مختلف حصہ جسم میں بغل اور گردن میں ان بدن گلٹیاں بڑھتی جاتی تھیں۔ اس کے استعمال سے بڑی گلٹیاں بیٹھ گئیں۔ اور آگے پیدا ہونی بند ہو گئیں۔

فائدہ ۵ جسکی تصدیق بتیس مرد مریض کرتے ہیں۔ عرصے نامور اور جگر سے نیلی سی پیپ جاری تھی۔ اس کے استعمال سے نامور سوکھ گیا۔

فائدہ ۶ جس کی تصدیق پینتالیس مریض کرتے ہیں۔ ان کو چوتھے اٹھ کر درد تمام ران اور پنڈلیوں میں پہنچا کرتا تھا جس سے ٹانگ دن بدن سوکھتی جاتی تھی۔ اس کی ایک شیشی سے درد اور سنگن بادجھاتا رہا۔

الغرض یہ مرکب چوب چینی اور عشبہ وغیرہ کا سب سے بہتر اور سب سے عمدہ مصفی خون ہے۔ جہاں بہت سے انگریزی مشبے ناکارہ اور نقصان رساں ثابت ہوئے ہیں کیونکہ وہ بلا کھائے اس ملک کے شراب وغیرہ میں ملائے جاتے ہیں۔ جس سے خون زیادہ غلیظ اور تیز ہو جاتا ہے) اس نے سریع العمل نامے دکھلائے ہیں۔ اس جوہر کا اعضائے رئیسہ اندرونی پر بہت اچھا اثر ہوتا ہے۔ جس سے تمام چمڑے کی بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔ ہر ترکیب عشبہ ۵۰ سال سے مختلف حصوں ملک میں تجربہ کیا گیا ہے۔ اگر آپ کو کوئی شکایت ہو۔ تو آپ تجربہ کر کے ہمارے بیانات کی تصدیق کیجئے۔ ثبوت کے لئے اس جوہر کے استعمال سے پہلے بدن کا وزن کر کے رکھ لو۔ اور ایک ماہ بعد وزن کرو۔ آپکا وزن ڈیوڑھا ہو جائیگا۔ قیمت بیشیشی کلاں ۱۲ بیشیشی خورد ۶

پتہ:۔ مینیجر شفاخانہ حاجی الحرمین حکیم۔ ڈاکٹر غلام نبی زبدۃ الحکماء لاہور

عالمگیر افسانہ ماہوار و ماہیسج

رسالہ اُردوے معلّیٰ علیگڈھ رسالہ ادیب الٰہ آباد۔ ماہ اگست سنہ ۱۹۱۰ء کا رسالہ ادیب حسب معمول کمال خوبی و خوشنمائی شائع ہوا ہے۔ مضامین نظم و نثر کے علاوہ آٹھ تصویرین بھی شامل رسالہ ہین جنمین سے شیخ سعدیؒ شیرازی کی رنگین تصویر شاہ عالم ثانی کا دربار، مولوی سید علی حیدر صاحب طباطبائی بن باس اور برکھارت خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہین۔ حصۂ نظم مین منشی درگا سہاے صاحب سرور جہان آبادی کے جادو نگار قلم نے بیر بہوٹی کی تصویر کشی مین بہت زور پسندیدہ الفاظ اور نئی زالی تشبیہون سے کام لیا ہے۔ .....

حضرت شاد عظیم آبادی، پنڈت برج نرائن چکبست لکھنوی اور پنڈت دتاتریہ کیفی نرائن صاحب درلکھنوی کی غزلین بھی اچھی ہین۔

اخبار دوالقرنین بدایون۔ گذشتہ پانچ ماہ سے اس نام کا ایک سلاائڈین پریس الٰہ آباد سے ماہوار شائع ہوتا ہے جسکے ایڈیٹر منشی نوبت راے صاحب نظر لکھنوی ہین.....

لکھائی چھپائی قابل تعریف ہے۔ اُردو دان پبلک کے لئے اس رسالہ مین ہر ذوق کے مضامین مہیا کرنیکی کوشش کیجاتی ہے۔ علم ادب۔ شعر و سخن۔ مشاہیر کی سوانح عمری دوسری زبانون سے علمی مضامین کے ترجمے شائع کرکے قابل ایڈیٹر اُسکو مکمل بنانیکی کوشش کرتے ہین۔ ہر مہینہ مین خوشنما تصویرین دیکر اُسکے حُسن کو دوبالا کیا جاتا ہے۔ خدا اُنکی کوشش کو مین برکت دے اور پبلک کو اسکی قدردانی کی توفیق۔

رسالہ نظام المشائخ دہلی۔ ادیب، اس نام کا ایک ماہوار رسالہ مابین پریس الٰہ آباد سے نکلنا شروع ہوا ہے منشی نوبت راے صاحب نظر جو ایک کہنہ مشق انشا پرداز ہین۔ اسکی ایڈیٹری پر ماہر ہوئے ہین۔ اُردو علم ادب کے عصر حاضر مین اس پایہ و شان کا کوئی رسالہ موجود نہ تھا جو انگریزی کے اعلےٰ رسالون کا بلحاظ شکل و صورت و بلحاظ خوبی مضامین مقابلہ کر سکتا۔ ہر ماہ متعدد دلچسپ و دلکش تصاویر مع حالات شائع کیجاتی ہین لکھائی چھپائی صاف مجموعی سائز انگریزی رسالون کے شکل

رسالہ اصلاح سخن لاہور ادیب۔ اسوقت اُردو کے سب رسالون مین زیادہ بڑا اور زیادہ سجیلا ہے۔ ایک نمبر مین کئی کئی رنگین اور ملکی تصویرین ہوتی ہین۔ اگر یہ رسالہ چل نکلا تو سمجھا جائیگا۔ کہ ملک مین اُردو کے قدرشناس موجود ہین۔ جنجیری سے اب تک اسکا ہر نمبر خوب چمک دمک اور آب و تاب سے نکلا ہے۔

رسالہ ترقی لاہور (دوبارہ) ادیب الٰہ آباد کے پہلے چار نمبرون کو سرسری طور پر دیکھنے سے جو راے ہم نے قائم کی تھی۔ خوشی کی بات ہے کہ اسمین ترمیم کرنیکی ضرورت نہین محسوس ہوئی۔ باقی نمبر ایک دوسرے پر سبقت لیجانیکی کوشش کر رہے ہین۔ تصاویر رنگین و سادہ کا التزام بہت تعریف کا مستحق ہے۔ اگست کے پرچہ مین شیخ سعدیؒ کی رنگین اور رام چندر جی کی مع بن باس اور برکھارت کی سادہ تصویر بہت دلفریب اور قابل قدر ہے۔ اگر آخر الذکر رنگین شائع کیجاتی تو نہایت دلکش اور قدر کے لائق ہوتی۔ لائق مصوّر نے جنگل کا منظر بڑی خوبی سے دکھایا ہے۔ کُل آٹھ تصاویر ہین۔ مضامین نثر و نظم اچھے ہین۔ اچھے اچھے اصحاب لکھنے والے ہین۔ بعض حضرات کہنہ مشق مضامین ہین۔ ادیب اُردو ادبیات کی بہت اچھی خدمات انجام دے رہا ہے۔ جسکی قدر اہل ذوق کو عملاً کرنا چاہیئے۔ اسکی سرپرستی خود کرنا چاہیئے اور اپنے احباب کو ترغیب دینا چاہیئے۔ ادیب نے لٹریچر کے وسیع معنی لئے ہین اور اسکی تمام اہم شاخون کی ترقی کا تہیہ کیا ہے مبین آرٹ (صنعت) کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ بڑے بڑے اہل کمال ایک جامع خیال کو ایک تصویر مین ظاہر کرتے ہین اور اسے لٹریچر کا ایک شعبہ سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہ طریقہ مصوّرون کے خط تصویر سے مختلف اور بدرجہا معقول اور پاکیزہ ہے کاغذ عمدہ۔ کتابت صاف اور چھپائی وغیرہ محاسن ظاہری سب اچھے ہین۔

جلد ۲ — نومبر ۱۹۱۰ء — نمبر ۵

ادیب

ادب اُردو کا تصویر ماہوار رسالہ — ایڈیٹر نوبت رائے نظر لکھنوی

فہرست تصاویر

(۱) شکنتلا (رنگین) (۲) محلات فتحپور سیکری (۳) سحابی مادّہ (۴) دُمدار ستارہ
(۵) قرص آفتاب (۶) آفتاب کے داغ (۷) سنٹرل سید کالج الٰہ آباد (۸) ستی کا نقارہ

فہرست مضامین

صفحہ
۱ — تذکرۂ شعر و سخن — از پنڈت برجن نرائن صاحب دَر بیرسٹرایٹ لا لکھنؤ ... ۱۹۵
۲ — عالم و مافی العالم — از مسٹر جے۔ آر۔ راے ۲۰۶
۳ — شمس البیان — از حکیم حبیب الرحمٰن صاحب مُیشر طبی آنریبل نواب صاحب ڈھاکہ ۲۱۸
۴ — پیکرِ وفا — از مولوی سیّد اللہ بخش صاحب مہدوی ۲۲۱
۵ — تصویرِ ریاض — از شاہ سیّد نظام الدین صاحب دلگیر اکبرآبادی ... ۲۲۸
۶ — قدیم ہندوستان کی تہذیب (ریویو) از پنڈت منوہر لال صاحب زتشی۔ ایم۔ اے۔ ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول شاہجہانپور ۲۳۱
۷ — تاجِ سخن پر ایک نظر — از سیّد امین الحسن صاحب عضو جائنٹ مجسٹریٹ ۔ ۲۳۳
۸ — ستی (نظم) از منشی درگا سہاے صاحب سُرور جہان آبادی ... ۲۳۶
۹ — پان — از مولانا شفق عماد پوری ..... ״
۱۰ — سنکیسر — از مولوی محمد سیف الدین صاحب شباب ۲۳۷
۱۱ — دار فانی — از ک۔ ع۔ خ ..... ״
۱۲ — عید کا دن — از مولوی سیّد تصور حسین صاحب واصف ... ۲۳۹
۱۳ — کلام ایمر — از پنڈت برجن نرائن صاحب دَر ۲۴۰
۱۴ — کلام اکبر — از خان بہادر سید اکبر حسین صاحب جج پنشنر ۲۴۱
۱۵ — شمع زندگانی — از حافظ محمد یعقوب صاحب اوج گیاوی .... ״
۱۶ — ایڈیٹوریل ..... ״

قیمت سالانہ چار روپیہ — پنچکوڑی سٹرایٹ پرنٹر و پبلشر نے انڈین پریس الٰہ آباد میں چھاپکر شائع کیا — فی پرچہ چھ آنہ

لڑکیون کا تعلیمی کورس

خوشی کا مقام ہے کہ ہندوستان مین لڑکیون کی تعلیم ترقی کر رہی ہے اور ہر شہر اور ہر قصبہ اور ہر گانون مین لڑکیون کے مدرسے جاری ہو رہے ہین۔ اس ترقی تعلیم کا نتیجہ جسقدر مفید ثابت ہوا ہے وہ محتاج تشریح نہین۔ تاہم عام طور پر یہ شکایت بھی سُنی جاتی تھی کہ لڑکیون کی تعلیم کے لئے ابھی تک کوئی ایسا نصاب نہین تیار ہوا ہے جو اُنکی دماغی اور اخلاقی حالت کے مناسب حال ہو اور اُنھین خاطر خواہ فائدہ پہونچا سکے۔ اسی شکایت کی بنا پر ہمنے لڑکیون کے لئے ایک ایسا نصاب بصرف کثیر تیار کرایا ہے جو ہر طرح اور ہر حیثیت سے مکمل ہے اور جسے صوبہ ہذا کی تعلیمی کمیٹی نے نہ صرف پسند کرکے بلکہ تمام دیگر ریڈروں پر ترجیح دیکر مدارس نسوان مین جاری کر دیا ہے۔ ان ریڈرون کی زبان کی نسبت اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ ایڈیٹر صاحب ادیب کی اصلاح و نظر ثانی سے مزین ہین۔ انمین اخلاقی اور تعلیمی آمیز کہانیون اور سبقون کے علاوہ تیمارداری۔ معاشرت۔ امور خانہ داری۔ بچون کی پرورش۔ مریضون کی تیمارداری۔ خاوند کی اطاعت۔ شرم و حیا۔ عفت و عصمت اور بیشمار کارآمد باتین لکھی گئی ہین۔ علاوہ برین ریڈرون مین سیتا جی۔ دمینتی۔ سکنتلا۔ ساوتری۔ لیلاوتی۔ اہلیا بائی وغیرہ کی سوانح عمریان اور چین و جاپان کی لڑکیون کے حالات نہایت سلیس اور عمدہ زبان مین درج ہین۔ کاغذ۔ لکھائی چھپائی وغیرہ سب اعلیٰ درجے کی ہین جو انڈین پریس کا حصہ ہے۔ ان ریڈرون مین ۱۱۸ تصاویر ہین جنمین ۳۲ تصاویر پورے صفحون پر علیحدہ چھاپکر شامل کی گئی ہین۔ پورا نصاب حسب ذیل ہے

۱۔ اُردو کا نیا قاعدہ ..... قیمت ۹ پے

۲۔ لور پرائمری ریڈر (پہلی اور دوسری جماعت کا نصاب) ۶/

۳۔ اپر پرائمری ریڈر (تیسری اور چوتھی جماعت کا نصاب) ۷/

۴۔ لور مڈل ریڈر (پانچوین اور چھیٹی جماعت کا نصاب) ۸/

منیجر انڈین پریس الہ آباد

ممیرے کا سرمہ

(مصدقہ جناب اسسٹنٹ کیمکل آگزمینر صاحب گورنمنٹ پنجاب)

معزز انگریزون ڈیکل کالج کے پروفیسرون نامور ڈاکٹرون والیان ریاست اور ولایت کی یونیورسٹی کے سند یافتہ اور یورپین ڈاکٹرون نے بعد تجربہ اس سرمہ کی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ سرمہ امراض قبل کے لئے اکسیر ہے۔ ضعف بصارت۔ تاریکی چشم۔ جالا۔ پردہ ال عنابہ۔ پھولا۔ سیل مُرغی۔ ابتدائی موتیا بند۔ پانی جانا۔ خارش وغیرہ معزز ڈاکٹر و حکیم بجائے اور ادویہ کے آنکھون کے مریضون پر اب اس سرمہ کا استعمال کرتے ہین۔ چند روز کے استعمال سے بینائی بہت بڑھ جاتی ہے اور عینک کی بھی ضرورت نہین رہتی۔ بچے سے بوڑھے تک کو یہ سرمہ یکسان مفید ہے۔ قیمت اسلئے کم رکھی گئی ہے کہ خاص و عام اس سے فائدہ اُٹھائین۔ قیمت فی تولہ چوسال بھر کے لئے کافی ہے۔

مبلغ (۱۶) ممیرے کا سفید سرمہ اعلیٰ قسم فی تولہ (تے) خالص میرہ فی ماشہ پیش روپیہ خرچ ڈاک بذمہ خریدار درخواست کرتے وقت اخبار کا حوالہ ضرور دین۔

المشتہر پروفیسر سیا سنگھ الہ الیہ مقام بٹالہ ضلع گورداس پور پنجاب (اسنے جڑھکاور معتبر شہادتون کیا ہوسکتی ہے) جناب پروفیسر سیا سنگھ صاحب تسلیم مین نے آپ کے یہان سے سفید سرمہ ممیرے کا منگوا کر استعمال کیا بہت درجہ کا فائدہ ہوا۔ بالکل صحت حاصل ہوگئی آپ کا سرمہ جملہ امراض چشم کو مفید ہے۔ بصارت کو طاقت بخشتا ہے تیسرے دن فائدہ معلوم ہوجاتا ہے واقعی یہ سرمہ اکسیر کا حکم رکھتا ہے اسلئے مین بڑی خوشی سے تصدیق کرتا ہون کہ اس سے بڑھکر آنکھ کے لئے اور کوئی دوائی نہین ہے الراقم کنور جھنڈا سنگھ صاحب بہادر ریاست مچھگون ادوھ (۳) مین نے ممیرے کا سرمہ جو کہ سردار میا سنگھ نے تیار کیا ہے۔ ان مریضون پر جنکی آنکھین بہت کمزور اور بیمار تھین استعمال کرکے مفید پایا۔ میری رائے مین خاصکر مریضون کے واسطے جنکی آنکھون سے پانی جاری رہتا ہے اور دھندلا بکمزوری نظر ہو یہ سرمہ نہایت ہی مفید ہے۔ الراقم ڈاکٹر بچے لال گھوش ایم بہادر۔ ایل۔ ایم۔ اسسٹنٹ سرجن و پروفیسر میڈیکل کالج لاہور حال آنریری سرجن گورنر جنرل ہند

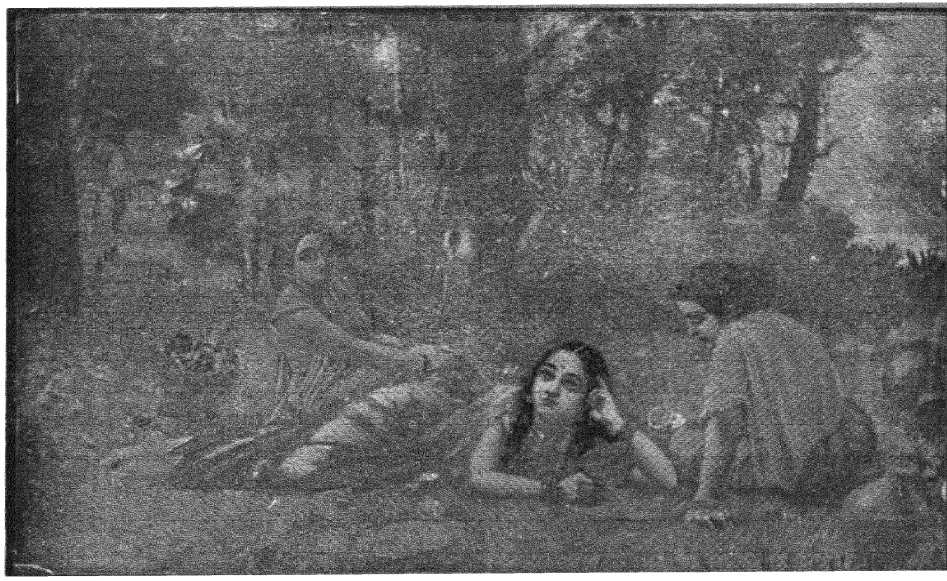

سکنتلا

انڈین پریس الہ آباد

نومبر ۱۹۱۰ء

ادیب

جلد ۲ — نمبر ۵

تذکرۂ شعر و سخن

اسوقت کی اُردو شاعری کا حال قابل افسوس ہے بیسیوں گلدستے نکلتے ہیں۔ اکثر رسالون اور اخبارون میں طرح طرح کی نظمین چھپتی ہیں مگر یکانام شاعری ہے اُسکا کہین پتہ نہین۔ اگر آجکل کے مشاعرون مین جائیے تو اکثر اصحاب نظر آئینگے جنکو بجاے خود دعواے اُستادی ہے۔ لیکن گو میرے واسطے یہ کہنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے مگر اسوقت کوئی اُستاد شاعر نظر نہین آتا لکھنؤ مین البتہ ایک دو اصحاب ہین جو مرثیہ گوئی مین بہت لائق ہین اور اگر اُردو شاعری بالفعل کچھ ہے تو وہ مرثیون ہی مین ہے۔ گو اس میدان مین بھی بہ صورت سے انیس اور دبیر ہی گوے سبقت لے گئے مگر پھر بھی میر نفیس مرحوم حضرت رشید۔ مرزا اوج پر اہل لکھنؤ کا ناز بجا ہے۔ مگر یہ حضرات بھی مقلد ہین کسی طرز شاعری کے موجد نہین۔ اب اگر غزل کو دیکھئے تو یہان کوسون پٹ پر میدان پڑا ہوا ہے۔ خصوصاً داغ اور امیر جب سے چل بسے اُسوقت سے تو بالکل ہو کا عالم ہے۔ برسون مین کہین کوئی اچھا شعر دیکھنے یا سُننے مین آتا ہے۔ ابھی حال ہی مین ایک مشاعرہ شیش محل لکھنؤ مین ہوا جسمین یہ طرح تھی۔

"پھر مین اپنا بستر ہم سے شمشاد کرتے ہین"

اور لکھنؤ کے بعض بعض مشہور شاعر تشریف رکھتے تھے جنھون نے غزلین بھی کہی تھین۔ اس مشاعرہ کا گلدستہ چھپا ہے جو بہت دلچسپ ہے۔ اسمین بعض بعض غزلین بہت اچھی ہین اور چونکہ اس طرح مین آتش اور اسیر ایسے مشہور اُستادون کی غزلین تھین لہذا اس مشاعرہ مین لوگون نے بہت فکر سے غزلین کہین۔ لیکن جو فرق ماضی و حال مین ہے وہ ذیل کے اشعار سے ظاہر ہوگا۔

آتش

خدا بخشے صنم یہ کہکے مجھکو یاد کرتے ہین — دعاے مغفرت میرے لئے جاؤ کرتے ہین

خدا جانے یہ آرائش کرینگی قتل کس کس کو — مطلب ہوتا ہے شمشاد آئینے کو یاد کرتے ہین

امیر

عنایت بعد مرگ اتنی تو یہ جلاد کرتے ہین کسی کو ذبح کرتے ہین تو مجھکو یاد کرتے ہین

جو حال کا رنگ ہے وہ اہل سخن کو گلدستہ مذکور دیکھنے سے ظاہر ہوگا - یہ اُن حضرات والا منش پر کوئی خاص اعتراض نہین ہے جنکی غزلین اس گلدستے مین ہین - بلکہ جبکہ اُردو شاعری مین پُرانے اُستادون کی تقلید ہوگی اور فرسودہ زمینون مین فکر کیجائیگی تو کامل سا کامل شخص بھی کیا کرسکتا ہے -

زمانۂ شاہی کو گذرے ہوئے اب پچاس برس ہوئے - اس عرصے مین بہت سی ایسی نئی نئی باتین ایجاد ہوئین جنکا اثر اُردو زبان اور لٹریچر پر پڑنا لازم تھا اور پڑا - مگر یہ عجیب بات ہے کہ گو اُردو نثر نے ترقی کی مگر شاعری پر زوال آگیا - اس مضمون مین کسی خاص مسئلہ پر بحث کرنیکی غرض نہین ہے - اس سبب سے جو نظم و نثر اُردو مین تغیر ہوا ہے اُنکے اسباب کے نسبت کچھ نہین لکھا جاتا ہے گو یہ امر شاید سب پر ظاہر ہوگا کہ وہ نئے خیالات اور نئی بندشین نثر لکھنے والون نے جلدی اور کثرت سے اختیار کرلین جنسے شاعرون کو اسوقت تک گریز ہے - تھوڑے عرصے سے البتہ بعض انگریزی تعلیم یافتہ اور بعض ایسے جنپر کچھ انگریزی کا اثر پڑ چلا ہے شاعری مین نئی باتون کی طرف رجوع ہوئے ہین اور نئے ڈھنگ کی نظمین کبھی کبھی بہت ہی دلچسپ شائع ہوتی ہین - مولانا حالی جو خود انگریزی داں نہین ہین مگر جنپر علیگڈھ کی عمدہ سوسائٹی کا اثر پڑا ہے اُنھون نے البتہ طرز جدید اختیار کرنیکی کوشش کی ہے - اپنے کلیات مین اُنھون نے جو مقدمہ لکھا ہے اور جسمین شاعری پر بحث کی ہے وہ بہت خوب ہے اور اُردو والون کو عموماً اور اُردو شاعرون کو خصوصاً اُسکو بغور پڑھنا چاہیے - یہ فرض نہین ہے کہ مولانا حالی کی سب باتون سے اتفاق کرلیا جاے مگر اُنھون نے اُردو والون کو ایک نئی راہ ضرور دکھائی ہے اور زبان اُردو پر یہ اُنکا بہت بڑا احسان ہے - البتہ چونکہ اُنکی طبیعت درحقیقت شاعرانہ واقع نہین ہوئی ہے اس لحاظ سے اُنکا جتنا کلام طرز جدید مین ہے وہ سب پھیکا ہے - اُنکا مسدس بہت مشہور ہے اور مسلمانون پر واقعی اُسکا عمدہ اثر ہوا لیکن وہ لکچر منظوم ہے شاعری نہین ہے -

اگر گذشتہ پچاس برس کی تاریخ اُردو شاعری کی لکھی جاے تو خالی از دلچسپی نہوگی - اور ایسی کتاب کی سخت ضرورت ہے مولانا آزاد کی آبحیات زبان اُردو مین اک بے مثل کتاب ہے - بلحاظ عبارت وہ غالب کی نثر سے ٹکر کھاتی ہے اور جن اصول پر اُنھون نے اُردو شاعری کی تنقید کی ہے وہ اُردو والون کے واسطے بالکل نئی ہے - مگر اُنکی کتاب ذوق و غالب اور آتش و ناسخ کے دور تک پہونچی ہے - انیس اور دبیر[1] رند و صبا اور نسیم و وزیر و اسیر وغیرہ جو لکھنؤ کے مشہور شاعر تھے اُنکی شاعری کا اُسمین کچھ ذکر نہین ہے - ان شاعرون کے بعد داغ اور اسیر بھی اپنے فن مین کامل ہوئے اگر ایسی کوئی کتاب لکھی جائے جسمین ان شعراء کے تذکرے ہون اور اُنکی شاعری کی منصفانہ جانچ کیجاے تو غالباً اُردو زبان کو بہت فائدہ ہوگا اور قدردانان سخن کی تفریح طبع بھی ہوگی - میرے نزدیک آتش کے بعد غزل مین اسیر سا اُستاد کوئی نہین ہوا - اُنکے پانچ دیوان ہین تین مطبوعہ اور دو غیر مطبوعہ مجھے ان دیوانون کے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اور واقعی بہت سی غزلین بڑے مزے کی ہین تعجب ہے کہ اتنے بڑے لائق اُستاد کا کلام مقبول عام نہین ہوا - لکھنؤ مین بھی اُنکے شعر کم سُننے مین آتے ہین - مگر حقیقت امر یہ ہے کہ یہ کلام کا نقص نہین ہے بلکہ مذاق عام کا - ہان ایک بات البتہ اُنکی مقبولیت کی سدراہ ہوئی جو اُنکی پُرگوئی تھی - ناسخ کی طرح اُنمین بھی کوسون مزا نہین ہے مگر جو اُنکی معرکہ کی غزلین یا اشعار

[1] جمع ثانی مین انیس و دبیر پر بھی مختصر مضمون لکھنے کے گئے ہین - (ایڈیٹر)

مین وہ اُردو شاعری کے لئے مایۂ ناز ہین - اسیر نے گو کوئی بات اپنے متقدمین سے بڑھکر نہین کی - لیکن جس پایہ پر اُردو شاعری تھی اُس سے گرنے بھی نہین دیا - گو اُنکے کلام مین ناسخ کا رنگ زیادہ ہے یعنی بلاغت اور مضمون آفرینی - مگر پھر بھی مرزے سے خالی نہین - چند اشعار جو اُنکے اصلی رنگ میں ہین وہ تمثیلاً ذیل مین درج کئے جاتے ہین - ؎

تنگیٔ غم دل کو آخر باعثِ راحت ہوئی — استقدر سمٹی پریشانی کہ جمعیت ہوئی
چھین لیگا کیا بھلا ہم سے زبردستی کوئی — مفلسی بھی کیا کسی زردار کی دولت ہوئی
میرے مرنے سے کہا زندان مین کس نے کہا — بندگی کو طوق و زنجیر سے فرصت ہوئی
بھوک کا غم بھوک مین کھایا کئے ہم عمر بھر — جب ہوئی ہمکو تلاشِ رزق بے منت ہوئی
مین وہ غش مین چلتا ہون کہ چلتی ہے زمین — ہر قدم پاؤن کے نیچے سے نکلتی ہے زمین
خوب معادم ہوا وہ بھی کوئی ناگن ہے — اپنے ہی بچون کو کمبخت نگلتی ہے زمین
کوہستی سے ہر اک مرغ چمن زاد ہوا — جو کھلا پھول چراغِ کفِ صیاد ہوا
رگِ گردن جو لہو دیتی ہے تھوڑا تھوڑا — تیغ قاتل نہوئی نشتر فصاد ہوا

صاف رنگ مین بھی خوب کہتے ہین ملاحظہ فرمائیے - ؎

بلبلِ خستہ سویدا اُڑ چلا نامہ — کچھ کہا نا ہی رہا میں کہ نامہ بر لینا
ذرا سی بات مین ہوتے ہین اپنے بیگانے — بڑا کمال ہے اپنا کسی کو کر لینا
بے ستون سے جو کوئی شیر کی جو آتی ہے — اب بھی خونِ سرِ فرہاد کی بو آتی ہے
اشک جب چاہتے ہین سیر مین کرتے ہین — آہ جب چاہتی ہے عرش کو چھو آتی ہے
آنسو زمین کو آہ فلک کو روانہ ہے — الفت مین بھی نشیب و فراز زمانہ ہے
آج ساقی مین نہین گو کہ مروت باقی — خیر زندہ ہے اگر یار تو صحبت باقی
بعض بیمار جو اسے رشکِ مسیحا دیکھی — آج کیا آپ نے جاتی ہوئی دُنیا دیکھی
خزان تھی جب تلک مشہور تھے پرہیزگار مین — بہار آتے ہی کیسے جا ملے ہم بادہ خوارون مین

اسیر کے جو دو دیوان غیر مطبوعہ ہین اُنمین صفائی زیادہ ہے گو یہ اُنکا اصلی رنگ نہین ہے مگر اُس زمانے کا کلام ہے جب رامپور مین مشاعرون کی گرما گرمی تھی اور داغ اپنی غزلین پڑھتے تھے - ناسخ اور آتش کی طرح مین اسیر کا یہ اتنا مطلع مشہور ہے ؎

ازل سے سلسلہ ہے اس جنونِ فتنہ سامان کا — شگاف خامۂ کُن چاک ہے اپنے گریبان کا

جو آخر زمانے مین اسی زمین مین غزل کہی ہے اُسکا رنگ ذیل کے شعر سے ظاہر ہوگا - ؎

خداوندا فلک کو کیا یہی دو کام آتے ہین — گھٹانا وصل کی شب کا بڑھانا روز ہجران کا

اسی غیر مطبوعہ دیوان مین ایک غزل کیا خوب کہی ہے جسکے تین شعر ہدیۂ ناظرین ہیں - ؎

چمن تو اب وہ کش کا گھر ہے غیر بلبل کو کیا خبر ہے — ہزار چھپنے کے ہین ٹھکانے جہان ہے سبزہ کا کہ ہے
سخن ہے اپنا غریب شاعر سخن پہ اور ونکے کب نظر ہے — مثل ہے مشہور فی الحقیقت جگر بجگر ہے دگر دگر ہے
عجب طلسمی ہے یہ سمانی کہ دونون جانب ہے حیرانی — خدا کے گھر مین جو آکے بیٹھا ہے اُسکے دین خدا کا گھر ہے

جیسے شعر اوپر لکھے گئے ہین ویسے اسیر کے دیوان مین بہت ہین مگر اُسکے ساتھ ہی بھرتی کا کلام بھی اتنا ہے کہ جسکا اثر اُنکی شہرت پر پڑا - میرا خیال ہے کہ اگر ان تمام دیوانون کا اک انتخاب چھاپا جاے تو وہ مقبول عام ہو اور میرے نزدیک اب مذاق شاعری مین داغ کا اثر کم ہو چلا ہے اور وہ رنگ پیدا ہوتا جاتا ہے جو لوگون کو اسیر کے عمدہ کلام کی جانب متوجہ کرے -

اسیر ہی کے ہمعصر وزیر اور صبا اور نسیم اور رند اور خلیل اور قلق بھی تھے - گو اُس پایہ کے نہ تھے مگر ایسے تھے کہ اس پچاس برس مین اگر اُنکا مقابلہ کسی سے ہو سکتا ہے تو صرف داغ اور امیر سے - وزیر مین اپنے اُستاد کا رنگ تھا مگر اُنسے مزہ زیادہ تھا - آورد کے بادشاہ تھے اور اُنکے کلام سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ آورد مین کہانتک خوبی پیدا ہو سکتی ہے - یہ اُنکا مشہور شعر ہے ؎

ٹھہرا ے بخشش گریہ کہ گلا کٹ جاے — آب شمشیر نکل جاے نہ اُچھو ہو کر

لیکن جو بناوٹ اپنے حد سے گذر جاتی ہے اُسکی مثال بھی

اسی زمین مین موجود ہے۔

جان پڑ جاتی ہے زیور مین پسینے سے ترے کہین اُڑ جاے نہ جگنو کی طرح جگنو ہو کر

یہ شعر بھی وزیر نے کیا خوب کہا ہے۔

ترچھی نظرون سے دیکھو عاشق دلگیر کو کیسے تیر انداز ہو سیدھا تاکو تو میر کو

مگر ملاحظہ فرمایئے کہ میر نے اسی مضمون کو کس خوبی سے ادا کیا ہے۔

چاک پہلو کو کرو دیکھو دل دلگیر کو یہ ہی دو جا کہین پھر کیا کھا گیا تین میر کو

دو چار شعر وزیر کے بطور تفنن طبع ناظرین لکھے جاتے ہین

جواب نامہ کیا لایا تن بیجان مین جان آئی گیا یان سے کبوتر وان سے آیا مغ جان ہو کر

کیا خونرو نے قتل اسنے موے ہم پر شک کے مارے اجل بھی دو ستو آئی نصیب دشمنان ہو کر

انکھین کھلی ہوئی ہین عجب خواب ناز ہے فتنہ تو سو گیا ہے پر فتنہ باز ہے

ادھر تسلیم کی مین نے اُدھر تعظیم کی اسنے تجھکائی مین نے جب گردن تو اُٹھایا نہ قفا کا

آتش کے شاگردون مین رند و صبا نے غزلین خوب کہی ہین خلیل بھی اُنکے مشہور شاگرد تھے مگر یہ عجیب بات ہے کہ جو دیوان اُنکا چھپا ہے اُسمین بالکل عامیانہ کلام ہے۔ زبان البتہ صاف ہے اور کہین کہین شعر اچھے ہین مگر اس دیوان سے یہ بات سمجھ مین نہین آتی ہے کہ رند و صبا کے مقابلہ مین کسطرح اُنکو ترجیح دیجاتی ہوگی۔ رند کے کلام مین صفائی اور شوخی ہے جسمین داغ کی آمد کے آثار موجود ہین مگر پھر بھی آجکل کے مذاق کے دیکھتے ہوئے اُنمین سنجیدگی ہے صیاد کی ردیف مین اُنکی غزل بہت مشہور ہے۔

کھلی ہے کنج قفس مین مری زبان صیاد مین ماجرا سے چمن کیا کرون بیان صیاد

گیا جہان مین گیا دام لیکے دان صیاد پھر اتلاش مین میری کمان کمان صیاد

دکھایا کنج قفس مجھکو آب و دانہ نے وگرنہ دام کمان مین کہان کہان صیاد

اُداس دیکھکے مجھکو چمن دکھاتا ہے کئی برس میں ہوا ہے مزاجدان صیاد

مرا بیان وہ سُن کے کانپ اُٹھتا غضب یہ ہے کہ سمجھتا نہین زبان صیاد

منقار سے ہزار شقت سے پر کھلے یارب نہ یہ قفس مرے صیاد پر کھلے

دیکھا جو روے یار تو صورت تھی حور کی بند نقاب کیا کھلے جنت کے در کھلے

صبا کے کلام مین بھی انتہا درجے کی شوخی اور صفائی ہے مگر رند سے انکا رنگ الگ ہے۔ طرز رندانہ ہے اور جابجا رنگ خلیفہ اور ہر مقام پر انداز دبیا کانہ۔ آور دکا کمین نام نہین ہے بلند پروازیان کم ہین مگر خوبی زبان کی وجہ سے سیدھے سیدھے شعرون مین بھی لطف ملتا ہے۔ مین نے سُنا ہے کہ اُنکے دو ہی شغل زندگی تھے شعر کہنا اور گانا سُننا اور انکے یہان شعر و سخن کی صحبتین اکثر گرم رہتی تھین۔ ذیل کے اشعار سے انکا رنگ کلام معلوم ہوگا

آیا جو موسم گل تو یہ حساب ہوگا ہم ہونگے یار ہوگا جام شراب ہوگا

کلیے کی کیا خبر تھی یہ کون جانتا تھا بلبل کے ساتھ پھر مجنون خراب ہوگا

نزع مین صبح کی باتین کیسی ملک الموت سے لڑا آیا

آدم سے باغ خلد چھٹا ہم سے کوے یار وہ اجد اسے رنج تھی یہ انتہاے رنج

اچھے یہ تھے نہین غاشق کے حال پر دیکھو ہنسی ہنسی مین کہین ہو نہ جاے رنج

موسیٰ نہ طور پر نہ مسیح آسمان پر دونون ڈھوئے ہین ترے آستان پر

آتے تو دیکھتے لب جانان کے معجزے اچھے مسیح جاکے جے آسمان پر

جناب یوسف اگر بزم دلستان دیکھین جو خراب مین بھی نہ دیکھا ہو وہ سمان دیکھین

ہزارون بار غم اگر شت استخوان کیلئے مری بساط تو یہ ہفت آسمان دیکھین

فکر کو نین کی رتی نہین میخوارون مین غم غلط ہوگیا جب بیٹھ گئے یارون مین

دھوم ہے پیرہن یار کی بازارون مین چپھیان پڑی ہین یوسف کے خریدارون مین

شیخ صاحب کبھی بقیے کا بھی دھیان آتا ہے کچھ وہان کے بھی لئے کشت و کرامات رہے

زخم کہن نئے ہوئے کبھو شراب سے انگور پھٹ گئے تپش آفتاب سے

طوفان یہ اُٹھا مری چشم پرآب سے بدلی ہے آفتاب نے ٹوپی حباب سے

میکشو ابکی تو رنگ ایسا جمایا چاہیے واعظ آئین پھٹیون پر ہولیان گاتے ہوے

جنون کا داغ لگا گھر چھٹا اسیر ہوے ہزار رنگ کی آفت بہار مین گزری

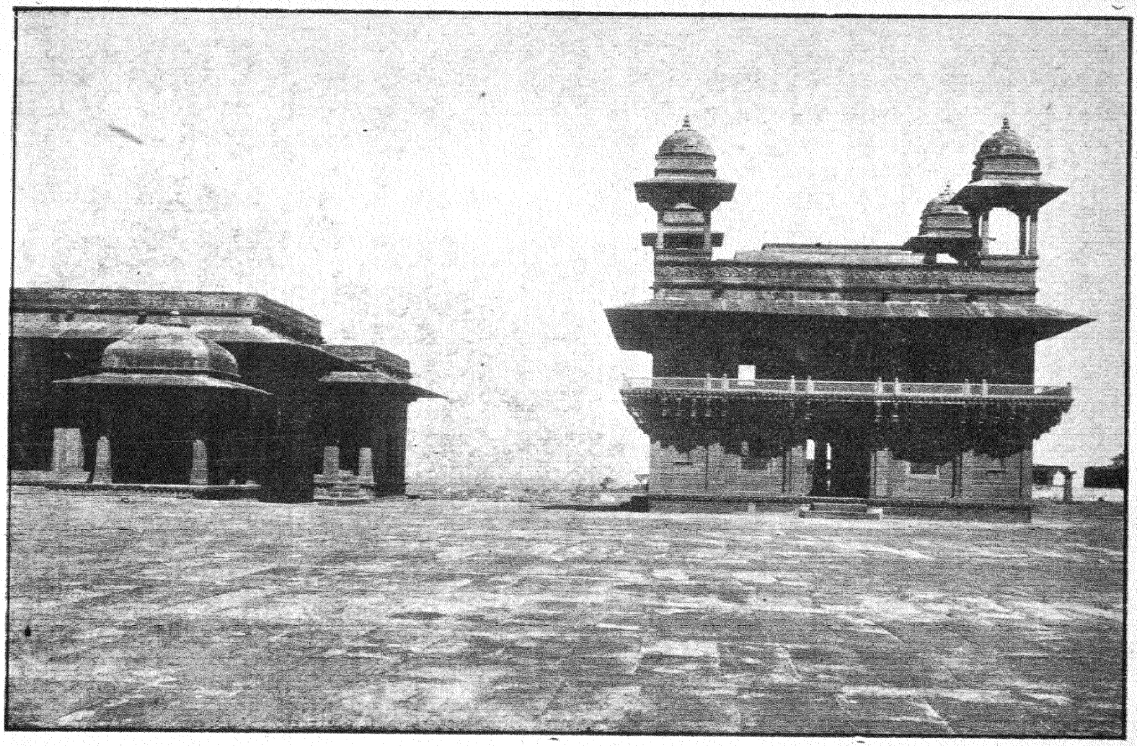

محلات فتحپور سیکری

ادیس پریس، الہ آباد

صبا کوئی نہ پس مرگ پوچھنے آیا کہو فرشتوں سے کیسی مزار میں گذری

نسیم کی شاعری کی شہرت انکی مثنوی سے ہے جسکو مقبولِ عام کی سند مل چکی ہے۔ مگر عوام کو یہ نہیں معلوم ہے کہ وہ غزل بھی خوب کہتے تھے۔ تینتیس برس کی عمر میں انتقال کیا لہٰذا زیادہ کہنے کا موقع نہیں ملا۔ لیکن جو کچھ کہا بھی اُسکو بھی اُنھوں نے حتی الامکان اپنے پاس نہیں رہنے دیا۔ اُنکے اعزّا و احباب کو مشکل سے اُنکی غزل ہاتھ آتی تھی اور جب کوئی کہتا تھا کہ اپنا کلام رکھئے تاکہ کسی وقت میں آپکا دیوان چھپے تو یہی جواب دیتے تھے کہ اگر میرا نام رہیگا تو مثنوی سے۔ دیوان بڑے بڑے اُستادوں نے کہے ہیں اُنسے بڑھکے کہنا مشکل ہے اور اگر معمولی دیوان ہوا تو اُس سے کیا حاصل۔ یہ رائے اُنکی نہایت منصفانہ تھی گو اُنھوں نے حد سے زیادہ سختی کے ساتھ اسپر عمل کیا لیکن کیا خوب بات ہوتی اگر بہت سے شاعر اس رائے پر عمل کرتے تو اسوقت بہت سے فضول دیوان اُردو میں کم ہوتے۔ نسیم کی کچھ غزلیں اُنکے عزیزوں کے ہاتھ لگ گئیں اور اُنکا ایک مختصر مجموعہ چھپا ہے جو سراسر حجاب کی غلطیوں سے بھرا ہوا ہے۔ لیکن پھر بھی بہت سے اشعار خالی از لطف نہیں ہیں اور اُنمیں وہی رنگ طبیعت ہے جسنے مثنوی میں بہار دکھائی ہے۔ بلکہ بعض شعر ایسے ہیں جو بڑے بڑے اُستادوں کے کلام کے ہمپایہ ہیں۔ مثلاً آتش کی طرح میں غزل کہی ہے مگر مطلع ایسا کہا ہے کہ آتش بھی اپنے شاگرد کی طبیعت داری پر خوش ہوئے ہونگے۔ آتش کا مطلع ہے۔ ؎

جانِ بخش لب کے عشق میں ایذا اُٹھائیے بیمار ہو کے نازِ مسیحا اُٹھائیے

نسیم

منت دلا کسیکی نہ اصلاً اُٹھائیے مرجائیے نہ نازِ مسیحا اُٹھائیے

نسیم کا ذیل کا شعر صبا کے شعر کے ساتھ جو اُسی زمین میں ہے اور جو اوپر درج ہو چکا ہے دیکھنے کے قابل ہے۔ ؎

یا تنگی کنار تھی یا ہے فشارِ قبر وہ ابتدائے عیش تھی یہ انتہائے رنج

نسیم کے چند شعر جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ اکثر ناظرین کے لئے وہ نئے ہونگے۔ ؎

جب ہو چکی شراب تو میں مست مر گیا ... شیشے کے خالی ہوتے ہی پیمانہ بھر گیا

بتوں کو جو دیکھا گنہ کیا ہمارا ... خدا کی خدائی تماشا ہمارا

بتوں کی گلی چھوڑ کر کون جائے ... یہیں سے ہے کعبے کو سجدا ہمارا

اک عمر سے وظیفہ ہے صاحب کے نام کا ... ناخن کے خط ہیں انگلیوں کی پور پور پر

دل تو کہاں وہ مہوش نامہربان کہاں ... نادان ہے زمین کہاں آسمان کہاں

ظلمت کدہ میں میرے جو اے خضر آئے ہو ... کیا راہ بھولے خیر تو ہے تم یہاں کہاں

کعبہ کہیں کنشت کہیں بتکدہ کہیں ... تیرے لئے خراب ہوئے ہم کہاں کہاں

ہنس بول لو یہ وقت غنیمت ہے بلبلو ... پھر گل کہاں بہار کہاں آشیاں کہاں

خم نہ بنکر خود غرض ہو جایئے ... مثل ساغر اور کے کام آیئے

ابر رحمت سنتے ہیں نام آپ کا ... خاکسارو ں پر کرم فرمایئے

آپ آہو چشم ہیں - آہو نہیں ... ہم سے وحشت کی نہ لیجئے - آیئے

صبر رخصت ہو تو جانے دیجئے ... بیقراری آئے تو ٹھہرایئے

جب نہ جیتے جی مرے کام آئیگی ... کیا یہ دُنیا عاقبت بخشائیگی

جب ملے دو دل محل پھر کون ہے ... بیٹھ جاؤ خود حیا اُٹھ جائیگی

یا ہاتھ توڑے جائینگے یا کھو لیگئے نقاب ... سلطان عشق کی یہی فتح و شکست ہے

باغِ جنین بیڑیاں ہیں تو ہاتھوں میں ہتکڑی ... کیا کشورِ جنوں میں مراتبِ دولت ہے

تھے محوِ لطف دیدۂ تر دل بھی جا پھنسا ... مچھلی کو کیا خبر تھی کہ پانی میں شست ہے

شاگردِ خواجہ آتش ہندی جو ہے نسیم ... کہتے ہیں پارسی کہ یہ آتش پرست ہے

لائے اُس بُت کو التجا کر کے ... کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

حق ترے آب و دانہ کا صیاد ... جاؤنگا دام دام ادا کر کے

مین وہ بے آس ہون کہ پھر سے پاس یاس آتی ہے آسرا کر کے

روایت ہے کہ ذیل کا شعر قسیم نے مرتے وقت کہا تھا ؎

پہونچی نہ راحت ہمسے کبھو ایسی اذیت کو ہے جان بڑی تب باتسکم تھے مرکے وبال دشمن ہے

افسوس کہ قسیم کی عمر نے وفا نہ کی ورنہ انکی مثنوی گلزار نسیم زبان اُردو مین مدت تک آپ ہی اپنا نظیر رہیگی لیکن جو اشعار لکھے گئے ہین اُنسے ظاہر ہوگا کہ اگر انکی مشق جاری رہتی تو غزل مین بھی کس مرتبے کے شاعر ہوتے۔

گو اس پچاس برس مین اُردو شاعری کی حالت روز بروز ابتر ہوتی گئی مگر حقیقت یہ ہے کہ اسکا میدان ہمیشہ سے تنگ رہا۔ کچھ فارسی اُستادون کی حد سے زیادہ تقلید نے خراب کیا اور کچھ سوسائٹی کا ایسا رنگ تھا کہ ہر قسم کے خیالات آزادی سے ظاہر نہین ہوسکتے تھے اور جن باتون مین کچھ آزادی تھی اُنمین اُن بداخلاقیون کا رنگ آگیا جو ہر سوسائٹی کے زمانۂ زوال مین پیدا ہوجاتی ہین۔ مگر پھر بھی یہ بات ضرور تھی کہ پُرانے شاعرون کے عقائد اور خیالات وہی تھے جو اُنکی سوسائٹی کے تھے اور جو سمان وہ اپنی آنکھون سے دیکھتے تھے اُسیکی تصویر اُنکی شاعری مین ہوتی تھی۔ لہذا جو کچھ وہ کہتے تھے وہ اپنے اصلی جذبات ظاہر کرتے تھے اور اسیوجہ سے اُنکے کلام مین اثر ہوتا تھا اور اسوقت تک اُسمین لطف باقی ہے۔ جو باتین اُنکی سوسائٹی مین نہ تھین اُسکا اُنکے کلام مین بھی کہین پتہ نہین ہے۔ حُبِّ قوم، حُبِّ وطن، پولیٹکل آزادی وغیرہ پُرانی سوسائٹی کے اصول مین داخل نہ تھے۔ لہذا اُسوقت کے شاعرون مین بھی ایسے مضامین نہین ہین۔ مگر تصوف۔ عشق۔ دُنیا کی ناپائداری ابنائے دہر کی بیمہری۔ رندی۔ جوش عیش و مستی یہ باتین موجود ہین اور نہایت خوبی کے ساتھ اُن شاعرون نے انکو ادا کیا ہے۔

گو فارسی کی تقلید سے سبزۂ عارض ترک یکہ تاز۔ شاہد نیزہ باز۔ افسانۂ محمود و ایاز کی بھرمار اُردو مین ہوگئی۔ نرگس و نافرمان۔ دشت ہامون و دریائے جیحون کے مضامین آگئے۔ ہندوستان کے باغ و صحرا مین آہوے تتار چرنے لگے۔ شفق شام پھولنے لگی۔ موسم بہار مین بلبلین بولنے لگین۔ محفل رندان مین مفتی و محتسب کی پگڑی اُچھلنے لگی۔ جب کسی برق جمال کو دیکھا جلوۂ طور یاد آیا۔ گرم بازاری حسینان کا اگر ذکر آیا تو قصۂ یوسف و زلیخا کا مضمون یاد آگیا۔ ان سب باتون کیوجہ سے شاعری نیچر یا اپنی اصلیت سے ضرور ہٹ گئی مگر پھر بھی جو خیالات ان مصنوعی تشبیہون اور استعارون کے پیرہن مین ظاہر ہوتے تھے وہ شاعر کے اصلی اور سچے خیالات تھے اور جو گو فارسی اُستادون کے طرز کی تقلید تھی مگر چونکہ پہلی پہلی تقلید تھی وہ بھی ایک قسم کی جدت تھی اور بھلی معلوم ہوتی تھی۔ اب وہی باتین سُنتے سُنتے بے لطف ہوگئی ہین بلکہ تقلید نے اسقدر ترقی کی کہ جس سے جو کچھ جدت ہوتی تھی وہ بھی تشریف لے گئی اور پُرانے مضامین کو حال کے شاعر کچھ تھوڑا سا لفظی ردوبدل کرکے باندھنے لگے اور بوجہ عام فیشن ہوجانے کے یہ بات چندان معیوب نہین رہی مثلاً سودا کا شعر ہے۔ ؎

ہر سنگ مین شرار ہے تیرے ظہور کا موسیٰ نہین کہ سیر کرون کوہ طور کا

آتش کا بھی اسی زمین مین شعر ہے اور اسمین شک نہین کہ سودا کے شعر سے پیدا ہوا ہے مگر بہت خوبی سے کہا ہے ؎

مشتاق اسقدر ہون خدا کے ظہور کا سجدہ کرون جو بت بھی بنے سنگ طور کا

لیکن اب امیر کا شعر ملاحظہ فرمایئے جسمین آتش کے شعر کا پورا نقشہ نظر آتا ہے۔ امیر

اسقدر مشتاق ہون زاہد خدا کے نور کا بُت بھی بنوایا کبھی مین نے تو سنگ طور کا

اسوقت کے اکثر شاعرون کے کلام مین ایسی مثالین صدہا ملینگی۔ بہرحال باوجود فارسی تقلید اور محدود خیالات کے جو لطف پرانے اُستادون کے کلام مین ہے وہ متاخرین مین بہت کم ہے۔ سودا کے دو چار شعر ملاحظہ فرمائیے۔ ؎

نہ بار خاطر یہ دل ہے گل کا ناز بردار گلستان کا — بزنگ شبنم ہے خود بکف زیر فرمائے لامکان کا
چمن پہ ابر بہار ہے اب شراب ٹپکے تو کیا عجب ہے — ہوا ہے رنا قبل ساقی جناب عالی مین بیکسان کا
آراستہ جو بزم ہوئی دور فلک مین — وان جام بجز گردش ایام نہ آیا
کیسکی مرگ پر ایدل نہ کیجیے چشم تر ہرگز — بہت سا رویئے اُنکو جو اس جینے پہ مرتے ہین
بولا وہ جسے تیری تصویر نظر آئی — یہ خواب زلیخا کی تعبیر نظر آئی
ہے گردش چشم اُسکی حلقہ در محشر کا — موج خط پیشانی زنجیر نظر آئی
مک رہروان قافلہ سے کہیو اے صبا — ایسے ہی گر قدم ہین تمہارے تو ہم رہے
جب سے کہ چشم خلق صنم تجھسے جا لگی — کہتا نہین ہے بات کوئی یان خدا لگی
تنزل سے بھی ہم ہرگز ترقی مین نہ کم ہوتے — جو ہوتے کوہ سے پتھر تو پتھر سے صنم ہوتے

میر تقی کے بھی دو شعر تبرکاً لکھے جاتے ہین۔ ؎

شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے — دل ہوا ہے چراغ مفلس کا
کچھ موج ہوا پیچان اسے میر نظر آئی — شاید کہ بہار آئی زنجیر نظر آئی

میر درد نے بھی کیا خوب شعر کہا ہے۔ ؎

نزدامنی پہ تیغ تو میری نہ جایئو — دامن نچوڑ دون تو فرشتے وضو کرین

آتش کے بھی دو شعر اس زمین مین بہت خوب ہین

گو میر درد کا شعر بڑھا ہوا ہے۔ ؎

دیدار عام کیجیے پردہ اُٹھایئے — تا چند بندہ ہاے خدا آزمو کرین
مستی مین مجھسے بے ادبی ہوگی یا سبے — مجھکو گنہا ہگار نہ جام و سبو کرین

ذوق کا رنگ ذیل کے اشعار سے ظاہر ہوگا۔ ؎

سراغ عشق پر از سبکدلی ثابت ہے قدم میرا — دم شمشیر قاتل پر بھی خون جاتا ہے جم میرا
وہ ہون مین رہ نور دشوق میرے ساتھ جاتا ہے — بزنگ سایہ مرغ ہما نقش قدم میرا

کہا پتنگ نے یہ دار شمع پر چڑھکر — عجب مزہ ہے جو مرئیے کیسکے سر پڑھکر
وقت پیری شباب کی باتین — ایسی ہین جیسی خواب کی باتین
اُس حور وش کا گھر مجھے جنت سے ہے بھلا — لیکن رقیب ہے تو جہنم سے کم نہین
پھول تو دو دن بہار جانفزا دکھلا گئے — حسرت اُن غنچون پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے
جو جانتے یہ کہ چن کے ہم کو توڑ لینگے — تو گل کبھی نہ تمنائے رنگ و بو کرتے
سراغ عمر گذشتہ جو ڈھونڈھتے اے ذوق — تمام عمر گزر جائے جستجو کرتے
الٰہی کان مین کیا اُس صنم نے پھونکدیا — کہ ہاتھ رکھتے ہین کانون پہ سب اذان کیلئے
بنایا آدمی کو ذوق ایک جزو ضعیف — اور اس ضعیف سے کل کام دو جہان کیلئے

غالب کا اصلی کمال تو اُنکے فارسی کلام مین ہے لیکن اُردو مین بھی جہان صاف کہا ہے اُسکا جواب نہین ہے۔ اُنکا اُردو دیوان نہایت مختصر ہے اور اُسمین بھی کثرت سے ایسے اشعار ہین کہ جنمین اُردو زبان کا کوئی مزا نہین ہے اور اگر اُنکی فارسی بندشون مین کوئی نزاکت ہے تو میرے احاطہ فہم سے باہر ہے۔ اگر بعض معتقدین غالب محض اسی بات پر اکتفا کرین کہ جتنا کلام اُنکا صاف ہے وہ نہایت عمدہ ہے، فارسی مین بڑے رتبہ کے شاعر ہین اور اُردو نثر کے موجد، تو غالب کیلئے یہ کم تعریف نہوگی اور بہت صحیح تعریف ہوگی۔ مگر اُنکے مشکل شعر مین معنی پنہانا اور اُنکے اُردو دیوان کی شرحین لکھنا کسیطرح اُنکی شاعری کا مرتبہ بڑھاتا نہین ہے۔ بلکہ معمولی سمجھ کے لوگ اپنی جگہہ پر یہ کہہ سکتے ہین کہ وہ اُردو شعر ہی کیا جو بغیر شرح کے سمجھ ہی مین نہ آئے۔ مگر اسمین شک نہین کہ غالب اپنے رنگ مین بیمثیل ہین۔ شاید اُردو مین ایسا ظریف شاعر کوئی نہین ہوا۔ سودا بہت اچھی ہجو کہتے تھے مگر غالب کی ظرافت کچھ اور ہی چیز ہے۔ اُنکے دو چار شعر لکھتا ہون۔ ؎

محرم نہین ہے تو ہی نوا ہاے راز کا — یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

مُنہ نہ کھلنے پر ہے وہ عالم کہ دیکھا ہی نہیں ۔۔۔ زلف سے بڑھکر نقاب اُس شمع کے مُنہ پر کھلا

کی مرے قتل کے بعد اُسنے جفا سے توبہ ۔۔۔ ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

مین جو کہتا ہون کہ ہم لینگے قیامت مین تمہیں ۔۔۔ کس عزت سے وہ کہتے ہین کہ ہم جھوٹے نہین

نیند اُسکی ہے دماغ اُسکا ہے راتین اُسکی ہین ۔۔۔ جسکے بازو پر تری زلفین پریشان ہوگئین

وہ نگاہین کیون ہوئی جاتی ہین یارب لگ گیا ۔۔۔ جو مری کوتاہیٔ قسمت سے قربان ہوگئین

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا ۔۔۔ لڑتے ہین اور ہاتھ مین تلوار بھی نہین

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو ۔۔۔ اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے

آگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ غالب ۔۔۔ ہم بیاباں مین ہین اور گھر مین بہار آئی ہے

موت کا ایک دن معیّن ہے ۔۔۔ نیند کیون رات بھر نہین آتی

رگون مین دوڑنے پھرنے کے ہم نہین قائل ۔۔۔ جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

اُنکے دیکھے سے جو آجاتی ہے مُنہ پر رونق ۔۔۔ وہ سمجھتے ہین کہ بیمار کا حال اچھا ہے

اُردو شاعری مین بمقابلۂ فارسی کے ظرافت کا مادہ کم پایا جاتا ہے۔ مشہور شاعرون مین سودا۔ انشا اور غالب ظریف الطبع ہوئے مگر تینون کا رنگ جداگانہ تھا۔ انشا کا کلام بھی بلحاظ ظرافت اور نیز صفائی و آمد اور شوخی کے لحاظ سے بڑے مرتبے کا ہے۔ اُنھون نے اپنی شاعری مین ہندی الفاظ۔ محاورے بہت استعمال کئے ہین اور اکثر تشبیہین بھی ایسی ہین جو خاص اسی ملک کی ہین۔ افسوس ہے کہ اور شاعرون نے اُنکے اصول پر اُردو زبان اور شاعری کو وسعت نہین دی اور جسکا نتیجہ آج ہم دیکھ رہے ہین۔ دیکھئے انشا کے اشعار کس لطف کے ہین۔ ریختہ اور ریختی دونون قسم کا مذاق ہے۔ ؎

ہے ہے پھر تیری پیلے تیرا یہ کہتے جانا ۔۔۔ چلتی ہے ٹھنڈی ٹھنڈی کیا ہی ہوا چمن مین

چھیڑنے کا تو مزہ تب ہے کہا اور سُنو ۔۔۔ بات مین تم تو خفا ہوگئے لو اور سُنو

اُنکے دو مجھسے کبوتر کے جو چڑے اُڑ گئے ۔۔۔ تو یہ بولے کیا کیا ہے جو مگو تڑے اُڑ گئے

غنچۂ گُل کی صبا گو دھجی جاتی ہے ۔۔۔ اک پری آتی ہے اور ایک پری جاتی ہے

یہ پیاس اپنی بجھی برف سے نہ شربت سے ۔۔۔ بجھی تو نرگس ساقی کے آبجو رے سے

نشے مین کیون نہ کردن غش دکھا دے تجھے ۔۔۔ وہ دو لونڈے دیدے شراب کے کٹورے سے

گرمی کی جو شکوہ تھی سب گرد ہوگئی ۔۔۔ دو چار بوندیون مین ہوا سرد ہوگئی

یہ بات سب پر ظاہر ہے کہ ناسخ اور آتش نے اُردو زبان کو نہایت صاف کیا۔ گو دونون شاعرون کا رنگ مختلف ہے۔ ایک مین شوکت الفاظ اور مضمون آفرینی دوسرے مین مضامین شوخ و پُر درد اور زبان کی پاکیزگی اور روانی۔ چونکہ مضمون طویل ہوگیا ہے لہذا صرف آتش کی شاعری کا کچھ ذکر کیا جاتا ہے۔

آب حیات مین جو آتش کے حالات لکھے ہین وہ بہت صحیح ہین۔ مین نے بعض بزرگون سے سُنا ہے کہ خواجہ صاحب کی واقعی حالت یہ تھی کہ سرائے معالی خان مین ایک ٹوٹے مکان مین رہتے تھے۔ دالان مین چٹائی بچھی ہوئی اور اک دروازہ کا پٹ اُلٹا پڑا ہوا اُسی پر جو صاحب آتے تھے بیٹھتے تھے۔ مٹّی کی ہانڈی مین روٹی کے ٹکڑے بھیگا کرتے تھے معمولی غذا یہی تھی۔ اگر کسی شاگرد نے اپنے ہان کا کھانا اصرار سے کھلایا تو کھا لیا۔ گو فخر لکھنؤ تھے اور بڑے بڑے رئیس شاگرد تھے لیکن زمانے کی قدردانی دیکھئے کہ ابھی صرف ساٹھ ہی پینسٹھ برس اُنکے انتقال کو ہوئے ہین مگر قبر تک کا نشان نہین۔ اُنھین کا شعر اُنکا مصداق حال ہے۔ ؎

بلند ہو نہ زمین سے مرا مزار آتش ۔۔۔ نشان قبر سے مقصود مجھکو نام نہین

اُنکا کلام بھی اس بے ترتیبی سے چھپا ہے کہ بہت سی غزلین گم ہوگئین کچھ شعر لوگون کو ادھر اُدھر سے یاد رہ گئے لیکن جسقدر مصطفائی مطبع مین چھپا تھا منشی نولکشور کے مطبع مین اُس سے بھی کم رہ گیا۔ وہ غزل جسکے دو شعر ذیل مین لکھے جاتے ہین مصطفائی مطبع والے دیوان مین بھی نہین ہے۔

جاکے گلزار سے صیاد پھر آیا اُلٹا کیا نصیبا ترا اے بُلبلِ شیدا اُلٹا
تن کی عریانی سے بہتر نہیں دُنیا میں لباس یہ وہ جامہ ہے کہ جسکا نہیں سیدھا اُلٹا

یا وہ غزل جسکا یہ شعر ہے۔ ؎

دُنیا میں آکے زہر ہی انسان کی چاہ ہے اس خوان کی نمک کفِ مارِ سیاہ ہے

یا وہ غزل جسکا یہ لاجواب مطلع ہے۔ ؎

بدگمانی جو ہوئی بزم میں پروانے کو شمع نے آگ رکھی سر پہ قسم کھانے کو

روایت ہے کہ ایک مشاعرہ میں انکے پڑھنے کی باری علی الصباح آئی سُنا جاتا ہے کہ حریفوں نے عمداً ایسا کیا تھا کہ یہ ایسے وقت پڑھیں جب مشاعرہ سرد ہو۔ پہلے اُنھوں نے پڑھنے میں کچھ تامل کیا اور کہا کہ اب صبح ہوگئی ہے لوگ تھک گئے ہیں پھر کسی موقع پر دیکھا جائیگا۔ مگر حاضرین نے اصرار کیا اُسوقت یہ شعر پڑھا۔ ؎

رات بھر ہر ثابت و سیارہ گرم لاف تھا صبح کو خورشید جب نکلا تو مطلع صاف تھا

شعر پڑھنا تھا کہ مشاعرہ جاگ اُٹھا اور حریفوں کے ہاں تڑکا ہوگیا۔ اسوقت اُردو زبان کی ترقی کے بہت سے لوگ ساعی ہیں مگر یہ کسی کو خیال نہیں آتا کہ ایسے اُستاد کا کلام تو سب جمع کرکے چھاپا جاے۔ کسی مشاعرے میں ناسخ و آتش دونوں موجود تھے ناسخ نے غزل پڑھی جسکا پہلا مطلع یہ ہے اور کس شان کا مطلع ہے۔ ؎

ہمصفیر اس باغ کی ایسی ہوا ناساز ہے طائر رنگ چمن تک مائل پرواز ہے

دوسرا مطلع یہ ہے۔ ؎

جوشش سودا میں بھی پوشیدہ اپنا راز ہے زلف جانان کی طرح زنجیر بے آواز ہے

روایت ہے کہ اس دوسرے مطلع پر آتش نے اُسی موقع پر یا بعد مشاعرہ کسی سے یہ کہا کہ مضمون چُرایا مگر چوری کرنا نہ آئی اور یہ فارسی شعر پڑھا۔ ؎

زنجیر شکل گیسوئے جانان ست بے صدا شاید غبار دشت جنون سُرمہ رنگ بود

ظاہر ہے کہ جو فارسی والے نے بات رکھی ہے وہ اُردو شعر میں نہ آسکی مگر جس درجہ کی تقلید اُستادوں نے بھی جائز رکھی ہے اُس لحاظ سے اسکو سرقہ کہنا قرین انصاف نہیں ہے چند سال ہوئے کسی مقام پر حکیم مرحوم لکھنوی اُنکے چھوٹے بھائی حضرت افضل اور ایک دو اور صاحب تھے میں بھی تھا شعر و سخن کی باتیں تھیں میں نے ذوق کا یہ مطلع پڑھا۔ ؎

ہوں میں وہ وحشت کُن مدت سے اس ویرانہ میں برسوں مسجد میں رہا برسوں رہا بتخانہ میں

جناب حکیم مرحوم نے اسپر فارسی کا شعر پڑھا۔ پہلے مصرعے کے ٹھیک الفاظ مجھے یاد نہیں مگر اپنے خیال کے موافق موزوں کئے دیتا ہوں۔ ؎

ہر کجا نشستے بہ بیں اُفتادہ در ویرانۂ ہست فرد فرد احوال صاحب خانۂ

ظاہر ہے کہ اُردو کے بڑے بڑے اُستاد شاعروں کو بھی فارسی مضامین سے بالکل الگ کہنا مشکل ہوتا ہے نیز یہ جملہ معترضہ تھا اب چند اشعار آتش کے بطور نمونہ پیش کرتا ہوں جس سے اُنکے رنگ کا اندازہ ہوگا۔ میرے نزدیک جو پہلی غزل حمدیہ ہے وہ اپنے رنگ میں بے مثل ہے۔ بہت مشہور غزل ہے لہذا اُسکے اشعار لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے اور متفرق شعر لکھتا ہوں۔ ؎

دکھایا آئینہ فکر نے جب صفائے آب دُرِ سخن کا دہن کو جوہر کھلا زبان کا زبان کو عقدہ کھلا دہن کا

برسنہ آیا تھا یاں عدم سے یہ برہنہ پا سے چلا عدم کو ترا لوے کا فوج میں لے سونگھی نہ داغ مجھکو لگا کفن کا

خواب بھی ہو کسی کو نہ مردود دوستاں ہو جلا ہوا شاخ سے جو پتا غبار خاطر ہوا چمن کا

لحد پہ یار آتا ہے مرے شرمندہ کرنے کو نہ کُہنہ دکھلا یکی جا ہے نہ موقع عذر خواہی کا

فنیت جان اسے دل جنبش ابرو سے قاتل کو بڑی معراج ہے تلوار سے مرنا سپاہی کا

چھڑائے سے نہ چھوٹیگا ارے قاتل نہ بن اپنا وفاداروں کے خون کا داغ کیا دھبا ہے چھپکا

شراب لالہ گون سے ساقیا جام صبوحی بھر — شفق اپنی مجھے دکھلا رہا ہے نور کا تڑکا
عجب محبوب باشوکت ہے اے باد بہاری تو — صدائے خندۂ گل ہے سواری کا تری کاکا
گل و بلبل کی حالت پر بجا ہے گریۂ شبنم — اسے گلچین کا اندیشہ اُسے صیاد کا دھڑکا
سمجھ لیتے ہیں مطلب اپنے اپنے طور پر سب اثر رکھتی ہے آتش کی غزل محبوب کی بانکا

یہ غزل کسقدر مشکل زمین میں ہے لیکن ساری غزل صاف ہے۔ اس زمین میں میں نے صرف نسیم دہلوی کی غزل دیکھی ہے لیکن دونوں میں کوئی نسبت نہیں ہے۔

آتش

شب اُسکی افئی گیسو کا جو فسانہ ہوا — ہوا کچھ ایسی بندھی کل چراغ خانہ ہوا
تو انگرون کو مبارک ہو شمع کافوری — قدم سے یار کے روشن غریب خانہ ہوا
نہ پوچھ حال مرا چوب خشک صحرا ہوں — لگا کے آگ مجھے کاروان روانہ ہوا
زبان یار خوشی نے میری کھلوائی — میں قفل بند کلید در خزانہ ہوا
خدا در لائے عرسہ رخ نیلی کی — یہ بکیسوں کے مزارون پہ شامیانہ ہوا

کل غزل لاجواب ہے۔ اس زمین میں اسیر اور امیر کی غزلیں بھی بہت اچھی ہیں۔ اسیر کا مجھے صرف اک مطلع یاد ہے۔

اسیر

حبسِ مزار میں بیگانہ و یگانہ ہوا — نظر پلٹتے ہی کیا منقلب زمانہ ہوا

امیر

قدوم قاصد جانان سے فخر خانہ ہوا — قدم رسول مرا سنگ آستانہ ہوا
ریاض دہر میں پوچھو نہ میری بربادی — یہ رنگ بو اد ھر آیا اُدھر روانہ ہوا
خدا کی راہ میں دینا ہے گھر کا بھر لینا — ادھر دیا کہ اُدھر داخل خزانہ ہوا
جنون کا جوش گھٹا تھا کہ بوے گل آئی — سمند ہوش رُکا تھا کہ تازیانہ ہوا

اسی زمین میں میر انیس کا سلام بھی ہے جسکے دو شعر یہ ہیں ؎

جوڑ نہ سے پھرتے ہیں قبروں پہ مُردے کہتے ہیں — کہ ہم بھی پھرتے تھے یوں ہی اسے زمانہ ہوا
کشان کشان مجھے جانا پڑا وہاں آخر — جہاں جہاں مری قسمت کا آب و دانہ ہوا

آتش

تری منانہ آنکھ نکی نہ گردش کا اثر دیکھا — مئے گلرنگ سے سو سو طرح پیمانہ بھر دیکھا
مسافر ہی نظر آیا۔ نظر آیا جو دنیا میں — جسے دیکھا اُسے آلودۂ گرد سفر دیکھا
خریدار محبت آئے ہیں بازار عالم میں — وہی سودا کیا ہے جسنے جسمیں درد سر دیکھا
اسے شیادۂ قفس میں نہ چمن یاد آیا — آنکھ کھلنے بھی نہ پائی تھی کہ صیاد آیا
رو دیا ابر بہاری جو برستے دیکھا — کرم سے یہ مزارات مجھے یاد آیا

اس زمین میں صبا کا ایک شعر بے مثل ہے۔ ؎

دل میں اک درد اُٹھا آنکھ میں آنسو بھر آئے — بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانے کیا یاد آیا

داغ نے بھی اس زمین میں دو غزلہ خوب کہا ہے۔

داغ

کبھی مسجد میں جو وہ شوخ پریزاد آیا — پھر نہ اللہ کے بندوں کو خدا یاد آیا
کونسا طائر گم گشتہ اُسے یاد آیا — دیکھنا بھالنا ہر شاخ کو صیاد آیا
دی موذن نے شب وصل اذان پچھلی رات — ہائے کمبخت کو کس وقت خدا یاد آیا

آتش

اسقدر آنکھیں مری محو تجلی ہو گئیں — پتلیاں چھرا کے آخر سنگ موسے ہو گئیں
بدن سا شہر نہیں دل سا بادشاہ نہیں — حواس خمسہ سے بہتر کوئی سپاہ نہیں
شمع گل ہوے جو صبح شب ہجراں مانگوں — اوس پڑی بھی ہو تو قوت جواں مانگوں
خاک میں بھی جو ملوں تو کسی محرم ہیں — تنکے مٹی بھی نہ اے گیسو مسلماں مانگوں
یہ کیفیت اُسے ملتی ہے ہو جسکے مقدر میں — سے الفت نہ خم میں ہے نہ شیشے میں نہ ساغر میں
جہاں چاہے بسیرا وقت کرلے چار دن بلبل — چمن میں آشیانہ ہے قفس صیاد کے گھر میں
زمانہ عاشق و معشوق سے نہیں خالی — گلوں کا قحط نہیں بلبلوں کا کال نہیں

اس زمین میں شیخ فضل احمد کمیت شاگرد میر وزیر علی صبا کا ایک شعر لاجواب ہے۔ ؎

یہ کسنے باغ جہاں میں تسکو نہ چھوڑ دیا
کہ آج تک گل و بلبل میں بول چال نہیں

آتش

یہ سودائے شہادت ہے ہمارے سر کو لے تا کل ۔۔۔ تری تلوار کا دم بھرتی ہے جوہر گرد گردن میں
نہیں روزن جو قصرِ یار میں پردا نہیں ہمکو ۔۔۔ نگاہِ شوق رخنہ کرتی ہے دیوارِ آہن میں

روایت ہے کہ جس مشاعرے میں آتش نے یہ غزل پڑھی وہاں اک لڑکے نے جو بالکل مبتدی شاعر تھا ذیل کا مطلع پڑھا جسپر آتش اور کل اہل مشاعرہ بہت ہی خوش ہوئے۔ ؎

اسیری ہی منظور تھی میری لڑکپن میں ۔۔۔ بنائے طوق منت کے بنائے میری گردن میں

غالب کی ایک غزل "پانون" کی ردیف میں ہے اور بہت اچھی غزل ہے اُسکا ایک شعر یہ ہے۔ ؎

اللہ رے شوق دشت نوردی کہ بعد مرگ ۔۔۔ ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پانون

دیکھئے اس زمین میں آتش نے بھی کس لطف کے ساتھ کہا ہے صرف تین شعر یہاں لکھتا ہون۔ ؎

یکسالہ راہ سے ہے چلی آئی باغ میں ۔۔۔ شبنم دُھلا رہی ہے بہارِ چمن کے پانون
دُنیا کو تھوکتے نہیں مردانِ راہ عشق ۔۔۔ نامرد دیکھیں آنکھوں پہ رکھ کر پیرزن کے پانون
آتش زمین شعر ہو ہر چند سنگلاخ ۔۔۔ لغزش سے آشنا نہیں اہل سخن کے پانون

دیکھئے کس مشکل اور بھدّی زمین میں کیسی عمدہ غزل کہی ہے جسکے تین چار شعر لکھے جاتے ہین۔ ؎

سروبستان تجھے گوارے بادِ صرصر تشک ہو ۔۔۔ غیر ممکن ہے ہمارا مصرع تر خشک ہو
خون ہوا جاتا ہے دل کیا دیدۂ تر خشک ہو ۔۔۔ روز ٹانکے ٹوٹتے ہین جخم کیونکر خشک ہو
غیر خالق کون کرتا ہے کسی کی پرورش ۔۔۔ دایہ پیدا ہو جو آتش شیر مادر خشک ہو

کام ہمت سے جوانمرد اگر لیتا ہے ۔۔۔ سانپ کو مار کے گنجینۂ زر لیتا ہے
وہ زبون بخت شجر ہون مین کہ دہقان میرا ۔۔۔ پیچھے بوتا ہے مجھے پہلے تبر لیتا ہے
ہجر مین وصل کا ملتا ہے مزا عاشق کو ۔۔۔ شوق کا مرتبہ جب حد سے گذر لیتا ہے

اثر رکھتی ہے گلگون کی کیفیت کا ہستی ہے ۔۔۔ اُبھرنے مین حباب بحر کے اک جوش مستی ہے
غم و شادی کی حالت دیکھ عالم کے مرقع مین ۔۔۔ کوئی تصویر روتی ہے کوئی تصویر ہنستی ہے

غنیمت جان یار آئے لحد پر جان کھو دے سے ۔۔۔ مرا دل لے کو نہیں تک دیکھ تو سستی ہے

پڑھا ہے جبکے بھی قرآن قسم ہے قرآن کی ۔۔۔ جواب ہی نہیں کھلتی ہے گفتگو تیری
یہ گردشِ فلک پیر سے ہوا ثابت ۔۔۔ قوی ضعیف کو کرتی ہے جستجو تیری
شب فراق مین اے روز وصل تا دم صبح ۔۔۔ چراغ ہاتھ مین ہے اور جستجو تیری

سبو سے غنچہ ہے معمور جام گل لبریز ۔۔۔ ٹپک رہی ہے شراب ابر نوبہاری سے

عالم اسباب سے حاصل ہوا آخر کفن ۔۔۔ چلتے چلتے آسمان سے ہم بھی خلعت لیگئے
دیدہ و دل نے گھسیٹا کو چہ محبوب مین ۔۔۔ کھینچکر مجھکو فرشتے سوے جنت لیگئے
باغ عالم مین ہے نا محرم کو بے برگی کا غم ۔۔۔ سبز پتے اس چمن سے زرد صورت لیگئے
دیکھ سکتے تھے کہان کافر مسلمان کی نمود ۔۔۔ کھود کر تربت ساز آتش سنگ تربت لیگئے

سرمہ لگا کے یار نے ترچھی نگاہ کی ۔۔۔ موت آئی پھر کسی نہ کسی بیگناہ کی
بیداد کی سنگھا نے صبا نے اُڑائے ہوش ۔۔۔ بادِ مراد نے مری کشتی تباہ کی
مجھ ناتوان کی خاک جو اُسمین ہوئی شریک ۔۔۔ اُٹھ اُٹھ کے بیٹھ بیٹھ گئی گرد راہ کی

اس زمین مین آسیر کا مطلع ہے۔ ؎

یارب دراز عمر ہو زلف سیاہ کی ۔۔۔ رنجیر بنگئی مرے پائے نگاہ کی

امیر

باندھی ہوا جو حشر کے دن ہمنے آہ کی ۔۔۔ اُڑتی پھر گئی فرد ہمارے گناہ کی

جناب نواب رضا حسین خانصاحب مشہدی خلف اکبر جناب نواب جعفر علیخانصاحب (شیش محل لکھنؤ) کا مطلع بھی بہت خوب ہے۔ ؎

پہلوے دل کو لاکھ جگہ دی پناہ کی ۔۔۔ آخر کو چھین لیگئی شوخی نگاہ کی

آتش

فسون کوئی نہ تو اعجاد یار رکھتا ہے ۔۔۔ فریب حسن سے عاشق کو مار رکھتا ہے
کھلا یہ یار کے الطاف غائبانہ سے ۔۔۔ خیال بندہ کا پروردگار رکھتا ہے
محل ادب کا ہے ٹھوکر کے چل نہ قبر کو ۔۔۔ پیادہ ہو کے قدم یان سوار رکھتا ہے

پرانے اُستادون کے جو چند اشعار اوپر لکھے گئے ہین اُنسے

یہ غرض ہے کہ باوجود محدود خیالات کے اُنکا مذاق کتنا عمدہ تھا اور اُنکے کلام مین کسقدر لطافت، درد اور سچا جوش ہے۔ طوالت کے لحاظ سے بہت سے پرانے شاعرون کا ذکر نہین کرسکا۔ خصوصاً میر انیس و مرزا دبیر کے نسبت کچھ لکھنے کی نوبت نہین آئی۔ میرا ارادہ تھا کہ کچھ انکے کلام کے نسبت بھی لکھون اور کچھ ان باتون کے تذکرے بھی ہون کہ جو سید محمود صاحب مرحوم (جو اپنے زمانہ مین فخر ہندوستان تھے) کی صحبتون کے متعلق ہین جبکہ وہ لکھنؤ مین تشریف رکھتے تھے اور مجھے شاید اُنسے قریب قریب روز گھنٹو گفتگو کا موقع ملتا تھا اور شعر و سخن کے تذکرے رہتے تھے۔ اُنکے بہت سے خیالات اس معاملے مین یاد رکھنے کے قابل ہین مگر وہ باتین بھی اب اس موقع پر نہین لکھی جاسکتین۔ نیز یہ خیال ضرور تھا کہ اس زمانہ کے شاعرون کے بھی کچھ تذکرے ہون اور اُنکے کلام کے نمونہ دکھائے جائین خصوصاً امیر و داغ و جلال کی شاعری پر روشنی ڈالی جاے مگر ناظرین ادیب کے تھکادینے کو یہی مضمون کافی ہے۔ لہذا انشاء اللہ پھر کبھی۔

بشن نرائن در۔

عالم وما فی العالم

تمہید

علوم جدیدہ کی ترقیون کے پہلو بہ پہلو ہماری عقلی اُفق نے بھی وسعت و کشادگی اختیار کی ہے۔ زمانہ ماسبق مین تمام بڑے بڑے مسائل کی نسبت ہمارے تصوّرات طفلانہ ہوتے تھے لیکن اب کمن سال اور جہاندیدہ لوگون کیطرح ہم وسیع النظر اور بالغ نظر ہوگئے ہین۔ ایک زمانہ تھا جب کرۂ ارض کی جغرافیائی کائنات یورپ، افریقہ کے نصف شمالی حصے ایشیاے کوچک، ایران، ہند اور چین تک محدود تھی۔ شمالی و جنوبی امریکہ، آسٹریلیا اور اوشینیا وغیرہ خشکی و تری کے عظیم الشان حصے از منۂ وسطی کی دُنیا مین شمار نہوتے تھے۔ مگر اب جغرافیائی انکشافات کی بدولت بیسوین صدی کی دُنیا کا رقبہ بہت وسیع ہوگیا ہے اور خشکی کے نئے نئے حصے اسمین شامل ہورہے ہین۔ کمانڈر رابرٹ پیری اور سر آرنسٹ شیکلٹن کی مساعی جمیلہ سے قطبین نے بھی کافی وسعت اختیار کرلی ہے اور کرۂ ارض کے حصص متعارفہ مین انکا ایک بڑا حصّہ شامل ہوگیا ہے۔

اسیطرح چند صدی پہلے کے لوگ زمین کو ساکن اور چاند سورج کو متحرک سمجھا کرتے تھے اور ہمارا کرۂ ارض سیّارون کا مرکز خیال کیا جاتا تھا۔ لیکن فلکیات کے جدید انکشافات سے اُن پرانے خیالات کی تردید ہوگئی ہے۔ اب یہ دُنیا نظام شمسی کا ایک چھوٹا سا رُکن قرار پاگئی ہے اور آفتاب ساکن مانا گیا ہے جسکے گرد تمام سیّارے طواف کیا کرتے ہین۔ محققان علم الافلاک کا خیال ہے کہ صرف کہکشان مین "تین کرور سے زائد سورج اور نظام ہاے شمسی ہین" لارڈ کیلون مرحوم کا قیاس تھا کہ کم از کم ایک ارب عالم میدان خلا مین اور بھی موجود ہین۔ آفتاب مع سیارگان ثوابت منارۂ قطب کی جانب فی سکنڈ سولہ میل کی رفتار سے بھاگا جارہا ہے۔ علم ہیئت کی تحقیق جدیدہ کی رو سے ہمارا "عالم" وسعت اختیار کرتا جاتا ہے۔ ماہ جولائی سنہ حال کے آغاز کا واقعہ ہے کہ جرمنی کے ایک منجم کے

ہیڈل برگ کی رصدگاہ مین تین روز کے اندر پانچ اور نئے سیارے ہمارے آسمان مین گردش کرتے ہوئے دیکھے ہین۔

ان علمی ترقیون کی بدولت ہمارے دماغون کو بھی کافی وسعت حاصل ہوئی ہے جو "عالم ومافی العالم" کا تصوّر باندھنا اور اُسکے مختلف حصّون پر غور کرتا ہے۔ ہمارا عالم جو کچھ عرصے سے بہت ہی محدود ہوگیا تھا بیسویں صدی کے عشرۂ اول مین بیسیون گنا وسیع ہوگیا ہے۔ عالمان علم ہیئت نے تمام اجرام فلکی اور دُنیا ومافیہا کا ایک مجموعہ بنالیا ہے اور اُسے برہانڈ (Universe) کے نام سے پُکارتے ہین۔ "عالم" کا لفظ اسکے مفہوم کو کماحقہٗ ادا نہین کرسکتا لہذا سنسکرت لفظ برہانڈ زیادہ موزون معلوم ہوتا ہے۔

تمام کائنات مین دو چیزین عام اور ہر جگہ محیط ہین۔ ایک "حرکت" (Motion) اور دوسرا مادّہ (Matter) برہانڈ کا کوئی حصّہ انسے خالی نہین۔ پہلے مادّہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

مادّہ کی تعریف

دُنیا ومافیہا کے تمام اشیا محسوسات اور منظورات اس لفظ کے تحت مین آجاتے ہین۔ یہ چار حالتون مین پایا جاتا ہے۔ (۱) ٹھوس۔ (۲) رقیق۔ (۳) گیس۔ (۴) لطیف ذرّون کی صورت مین جو برقی اثر قبول کرکے خلامین چلے جاتے ہین۔ مادّہ ایک نہایت لطیف صورت مین جسے ایتھر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے تمام برہانڈ مین موجود ہے۔ ان چار صورتون کے سوا مادّہ کی اور کوئی شکل اور حالت نہین ہوتی۔ اجسام کے اجزاے ترکیبی کو قوتین جس تناسب سے ایک دوسرے سے وابستہ رکھتی ہین اُسی مناسبت سے مادہ ایک نہ ایک حالت قبول کرتا ہے۔ مثلاً پانی کی حرارت اندرونی یا داخلی حرکت کے زوال وسلب سے منجمد ہوجاتی ہے اور جب حرارت بکثرت پہونچتی ہے تو اُسکے اجزا بخارات اور گیس بنکر ہوا مین ملجاتے ہین۔

یہ ہنوز معلوم نہین ہوا ہے کہ مادّہ فی الحقیقت کیا چیز ہے۔ اسکی ماہیت کا مسئلہ زمانۂ آیندہ کا سوال ہے۔ اسوقت تک جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ محض استخراج کے ذریعے سے تمام اجسام باریک باریک ریزون سے مرکب پائے گئے ہین جنھین اجزاء لایتجزیٰ کہا جاتا ہے۔ لیکن جب وہ خلامین بے روک ٹوک پھرتے ہین تو وہ سالمات اور پرمانو کہلاتے ہین۔ عناصر کی تعداد بقول ایڈورڈ کلاف ستّر اور اسّی کے درمیان ہے۔ مگر یہ، ٹل لینگ کی راے کے مطابق وہ اٹھتّر ہین۔ انمین سے بعض نادرالوجود ہین اور صرف ماہران کیمیا ہی انکے وجود اور حقیقت سے واقف ہین۔ پہلے انھین لایتجزیٰ ہونے کے باعث "عناصر" کہا جاتا تھا۔ مگر اب ثابت ہوگیا ہے کہ عنصر "الکٹرون"[1] (Electron) کا مجموعہ ہے جو بڑی تیزی سے حرکت کرتے رہتے ہین۔ سر آلیور انگلستان للج کے نہایت مشہور عالم طبیعات نے اپنے لکچر "مادّہ کی نسبت جدید خیالات" مین جو ۱۹۱۰ء مین اکسفورڈ مین دیا گیا تھا الکٹرون کے متعلق یہ خیال ظاہر فرمایا تھا۔

"یہ گمان بہت دلچسپ ہے کہ یہ (الکٹرون) قدیم کے مادّہ کے اجزا ترکیبی کا ہیولا ہین۔ اس خیال کی رو سے مادّہ کا اصل اصول برق کے سوا کچھ نہین ہوسکتا۔ تخمینہ کیا گیا ہے کہ ہیڈروجن کے ایک ذرّے مین سات سو، سوڈیم کے ایک پرمانو مین سولہ ہزار اور ریڈیم کے ایک سالمہ مین ایک لاکھ ساٹھ ہزار الکٹرون پائے جاتے ہین۔ انکی جسامت کے مقابل وہ گنجایش بہت وسیع ہے جو الکٹرون کے درمیان مین پائی جاتی ہے۔ اُس سے اسکی نسبت وہی ہے جو نظام شمسی کے بُعد درمیانی کو ایک دوسرے سے۔ مادّہ کے ذرات مین الکٹرون کا زائد جزو ہوتا ہے جسے "آیون" (Ion) کہتے

[1] الکٹرون سالمات کا آخری حصّہ اور اُنکا جزو لایتجزیٰ ہے۔

ہین۔ اسسے برق منفی کی رَو پیدا ہوتی ہے جس سے ذرّون کے اردگرد
نہایت تیز حرکت پیدا ہوجاتی ہے۔ اس اعتبار سے ہر ذرّہ نظام شمسی
سے مشابہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اسکے اردگرد بھی کئی چھوٹے چھوٹے آئین
اپنے اپنے محور پر گھومتے رہتے ہین" (سر آلیور نے یہ بھی فرمایا) "گمان
غالب ہے کہ برہماڈ کے بنیادی پھرون یعنی منتقل ابتدائی اجزا لاتجزی
مین جو تغیرات پیدا ہوتے رہے اُنکے واسطے عرصۂ دراز درکار ہوا
ہوگا جو کرۂ اصلیون کے برابر ہے۔"

اسّی سال کا عرصہ ہوا کہ انگلستان کے ایک نہایت نامور
اور ماہر علم کیمسٹری و طبیعیات "جان ڈالٹن" نے (جو ۱۷۶۶ء
مین پیدا ہوئے اور ۱۸۴۴ء مین فوت ہوئے) تجربات سے
یہ دریافت کیا تھا کہ ذرّے ایک تناسب اور خاص مقدار سے
ایک دوسرے کے ساتھ ارتباط پکڑتے ہین مثلاً پانی (خواہ مینہ کا
ہو خواہ سمندر کا، یا وہ جاندارون کا پسینہ ہو) اگر اُسے پھاڑا جاے
اور اُسکے اجزاے ترکیبی علیحدہ کردیے جائین تو اُسمین ۱۶ حصّے وزنی
آکسیجن اور دو حصّے وزنی ہیڈروجن ہوگی۔ اسیطرح نمک مین
(چاہے وہ سمندر کے پانی سے نکلا ہو خواہ جانورون کے خون سے)
کلورین اور سوڈیم ایک خاص وزن اور تناسب سے موجود ہوتی
ہے یعنی اول الذکر ساڑھے ۳۵ حصّے پینتیس حصّے اور ثانی الذکر تئیس ۲۳ حصّے
ہوگی اگر کوئی جزو تناسب مقررہ سے زائد ہو تو وہ ترکیب پکڑنے سے قاصر رہتی
ہے۔ اس دریافت سے علم کیمسٹری مین بہت بڑا انقلاب واقع ہوا۔ اجسام
کے خواص سے قطع نظر کیگئی اور مقدار سے سروکار رکھا گیا یعنی فلان
جسم مین فلان اشیا کس تناسب و مقدار سے پائے جاتے ہین
اس اصول کو پیش نظر رکھکر دوسرے محققین نے تحقیق شروع
کردی۔ پروٹ نے اپنے تجربون سے یہ نظریہ قائم کیا کہ ذرّات
کا جو وزن ہے وہ ہیڈروجن کے ذرّون کا حاصل ضرب ہے۔
اُسکے نزدیک آخر الذکر ذرّے سب سے ہلکے اور مادّی اجسام کا مبدا
تھے۔ لیکن گذشتہ چند سال کے انکشافات سے یہ معلوم ہوا ہے کہ بعض
عناصر مین کئی مشترکہ خصوصیات پائے جاتے ہین جنکی بنا پر انھین ایک
مجموعے مین شمار کرنا مناسب ہے۔

حال ہی مین ایک نامور روسی ماہر کیمسٹری "مندلیف"
کی کوششون سے ایک بات اور معلوم ہوئی جس سے عناصر کا
ایک ہی مبدا ظاہر ہوتا ہے۔ اُسنے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ اگر عناصر کو
اُنکے طبعی وزن کے مطابق مرتب کیا جاے (مثلاً ہیڈروجن کا
ایک اور ریڈیم کا بقول میڈم کیتورے دو سو چھپن وزن ہے)
تو یہ ظاہر ہوگا کہ تمام عناصر مسلسل اور علی الترتیب مرتب نہین ہونگے
بلکہ مجموعون مین بٹ جائینگے۔ اور انمین سے بعض دو سرون سے
موافقت کھاتے معلوم ہونگے۔ جب اس قاعدے سے تمام عناصر
(ا۔ ب۔ ج۔ د) وغیرہ قطارون مین باعتبار اوزان ذراتی منقسم
ہوئے تو جگہ خالی پائی گئی۔ مندلیف نے اسکی بابت یہ پیشینگوئی
کی کہ "ایسے عناصر دریافت ہونگے جنکے خواص انھین خالی جگہون
کو پُر کرنے کے حقدار ٹھہرائینگے"۔ اور یہ پیشینگوئی صحیح ثابت ہوئی۔

عناصر آزادانہ حالت مین بہت کم پائے جاتے ہین اجسام
اور مرکبات مین بالعموم ملتے ہین۔ چار سے زائد عناصر شاذ و نادر ہی
کسی جسم مین موجود ہونگے۔ آکسیجن سب سے زیادہ اور اہم درجہ
رکھتی ہے۔ غیر مرکب حالت مین بے ذائقہ اور غیر مرئی گیس ہوتی
ہے اور کرۂ ارض کے نصف طبقے پر یہی پائی جاتی ہے۔ اگرچہ
آسمان اور زمین پر بیشمار اشیا پائی جاتی ہین اور وہ سب ایک دوسرے
سے مختلف ہوتی ہین پھر بھی جو مادّہ عالم مین پایا جاتا ہے اور
جو اسپکٹروسکوپ (Spectroscope) کے ذریعے سے اجرام فلکی
مین بھی مجتمع دیکھا گیا ہے وہ کُل چودہ عناصر سے مرکب ہے۔

جانداروں کے اجسام مین کاربن - آکسیجن - ہیڈروجن اور نائٹروجن پائی جاتی ہے۔

سالمات کی ماہیت کے متعلق ہماری واقفیت ہنوز حالت طفلی مین ہے۔ یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ جو ذرّے بڑی سی بڑی خُردبین کے دسترس سے باہر ہین۔ کسی روز ایسے پیچیدہ اور مرکب معلوم ہون جیسے اجسام علوی بجاے خود عظیم الشان ہین۔ بہت سی کوششین کیگئی ہین کہ اُنکا حجم اور ساخت دریافت ہو لیکن ہنوز کامیابی نہین ہوئی ہے اور یہ مرحلہ اپنی پہلی منزل مین ہے۔ اگر ممکن العمل ہو تو تانبا یا جست کے ایک انچ پتر کا ستر[1] کروڑواں حصّہ اتنا ہوگا کہ وہ اپنے وجود سے بالکل محروم نہو جائیگا۔ کیونکہ بڑی خردبین سے اُسکو آسانی سے پہچان سکتے ہین۔ صابون کا جو بُلبلہ پانی مین اُٹھتا ہے اُسکی جھلّی دبازت مین انچ کا ۳۹۳۷ وان حصّہ ہوتی ہے۔ پانی کے ذرّے کا قطر انچ کا پچاس کروڑواں حصّہ ہوتا ہے۔ مکعب انچ کے ہزار وین حصے مین البومن (انڈے کی سفیدی) کے ذرّے ۱۰ ملین ہوتے ہین۔ ان تخمینون سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ باوجود اسقدر ترقی کرنے کے سالمات کی آخری ماہیت اور بناوٹ ہمین معلوم نہین ہوئی اور انسان کا دماغ اس مسئلے کو بجز بی سمجھنے کے قابل نہین ہے جو ان شمار اور اعداد سے پیدا ہوتا ہے۔ اس سے آگے بڑھکر صرف قیاس سے کام لینا پڑتا ہے کہ برہمانڈ کے اندر مادّہ خواہ اجسام و مرکبات کی حالت مین ہو، خواہ ذرّون اور پرمانون کی صورت مین، یا ایتھر بنکر خلا مین محیط ہو۔ اُسکے تمام تغیّرات وانقلابات "حرکت" سے وقوع مین آتے ہین۔

حرکت کی تعریف

عالم مین حرکت کا پیدا یا ضائع، تیز یا سُست ہونا دو متضاد

طاقتون پر منحصر ہے۔ اوّل زور Force، دوم قوت یا شکتی Energy

(۱) زور سے مراد ایسی طاقت ہے جو اجسام کے ریزون کی حرکتون کو تیز کرنیوالی ہے۔ جس سے وہ ایک دوسرے سے متحد رہتے ہین۔ اور جب علیحدگی اختیار کرنا چاہتے ہین تو یہ طاقت مانع آتی ہے۔ جب اس طاقت کا دو اجسام پر (خواہ وہ بڑے ہون یا چھوٹے دُور ہون یا نزدیک) اثر ہوتا ہے تو اسے کشش مرکز ثقل کے نام سے تعبیر کرتے ہین اور جب اسکا عمل ان اجسام کے اجزاے ترکیبی پر ہوتا ہے جس سے وہ ایک دوسرے سے باہم پیوست رہتے ہین تو اسے کشش اتصال کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جب اسکا تصرف ذرّون پر ہوتا ہے اور یہ اُنھین ایک دوسرے سے منخرط کرکے مرکبات پیدا کردیتی ہے تو اسے کشش کیمیائی کہتے ہین۔ قوت ہمیشہ ہر جسم یا ریزے کے اندر موجود رہتی ہے۔ اسیوجہ سے ہر ایک ذرّہ دوسرے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ قوت کا عمل مسلسل قائم رہتا ہے اور اسکے جملہ خواص و اعمال کو استقرار قوت (Persistence of force) کے نام سے موسوم کرتے ہین۔

(۲) شکتی یا انرجی سے ایک ایسی طاقت مراد ہے جو زور یا فورس کی نقیض ہے۔ یہ اجسام کے اجزاء ترکیبی کی اُن حرکتون کو تیز کرتی ہے جسکی وجہ سے اُنکے اندر انتشار پیدا ہوتا ہے اور کشش اتصال کی سختی سے مزاحمت کرتی ہے۔ انرجی کی مقدار متقرّر ہے مگر مادّہ سے اسکا کوئی تعلق نہین ہوتا۔ اسواسطے اسے منتقل کرنا دشوار ہے۔ انرجی معروف یا مجہول حالت مین پائی جاتی ہے۔ اسلئے اسے جمع کرنا ممکن ہے۔ انرجی معروف یا مجہول دو قسم کی ہوتی ہے جسے سائنس دان کنٹک Kinetic یعنی قوت بارز اور پوٹنشل Potential یعنی قوت مخفی کے نام سے تعبیر کرتے ہین۔ چھت یا پہاڑ پر پڑے ہوئے پتھر، بندگھڑی، کان کے کوئلے

[1] ماخوذ از "اسٹوری آف کری ایشن"

اور بارود کے پیسے وغیرہ وغیرہ مین جو ازجی ہے وہ پوٹنشل یعنی مخفی حالت مین ہے۔ مگر جب بارود دھڑاکے کے ساتھ اُڑتی ہے۔ کوئلہ جلتا ہے۔ گھڑی چلتی ہے اور پنچھی اُڑ سکتا ہے تو ازجی کنیٹک یعنی معروف یا بارز شکل اختیار کرلیتی ہے۔

ازجی کئی صورتین اختیار کرتی ہے۔ مجہول سے معروف ہوجاتی ہے اور پھر معروف بھی کئی طرح ظاہر ہوتی ہے یعنی حرکت سے حرارت مین حرارت سے روشنی مین اور پھر عمل کیمیائی مین عیان ہوتی ہے۔ ایک صورت مین بگڑتی ہے اور دوسری مین ظاہر ہوتی ہے۔ قوت مجہولہ طاقت معروفہ کی شکل مین تبدیل ہوجاتی ہے۔ تاوقتیکہ اسکی انتہا کا درجہ ظاہر نہو۔ یعنی مساوی تغیر پیچر کے اجسام مین یہ عمل معطل ہوجاتا ہے۔ کیونکہ انتشار پیدا کرنیوالی طاقت کے تمام اختلافات انمین سے بے خائب ہوجاتے ہین ہر ہمانڈ کے حشر کو ملحوظ خاطر رکھنے سے اس امر کی اہمیت اور جامعیت ظاہر ہوتی ہے۔ ازجی کے ضائع نہ ہونے بلکہ مختلف صورتون مین منتقل ہونیکے خواص کو "تحویل قوت" (Conservation of Energy) کہتے ہین۔ اسے ہمزاد قوت، اور تحویل قوت کو "بقائے حرکت" Indestructibility of motion کے نام سے تعبیر کرتے ہین۔ فورس "کشش الثقال" ہے اور ازجی "قوت انتشار"۔ انھین دونون متضاد و متناقص قوتون کے ذریعے سے ہر ہمانڈ کا کارخانہ جاری ہے کشش ثقل سے سب اجسام ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچتے ہین۔ کرۂ ارض ماہتاب کو۔ آفتاب زمین کو اور کوئی عظیم ستارہ سورج کو کھینچتا ہے۔ وعلی ہذا القیاس۔ اگر دوسری قوت کی مزاحمت نہو تو چاند زمین پر آگرے اور زمین سورج کے مرکز پر جارہے۔ اور یہی انکے محوردن کی ازجی ہے۔ جب بیل چھکڑا ایک چڑھائی پر چڑھتے ہین تو زمین بوجھ کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ مگر میلون کی عضلاتی قوت اُسکی مزاحمت کرتی ہے اور چھکڑا اوپر پہونچ جاتا ہے۔ جب حرارت کی قوت (جو ٹھوس کو سیال اور سیال کو گیس مین تبدیل کردیتی ہے) ختم ہوجاتی ہے تو کشش اتصال کی وجہ سے ذرے پھر ٹھوس صورت اختیار کرلیتے ہین۔

اگر فورس کی مزاحم کوئی دوسری قوت نہو تو عالم کے تمام سالمات کشش کے ذریعے سے مرکز ثقل پر جمع ہوکر ایک ایسا کرہ پیدا کردین جہان جاندارون کی زیست اور تمام کاروبار ایک دم سے معطل ہوجائین۔ اسیطرح اگر ازجی کو پوری آزادی حاصل ہوجائے تو ذرے کبھی ایک دوسرے سے ملکر ربط و ترکیب نہ پکڑ سکین اور پھر کوئی تغیر نہ پیدا ہو۔ ان دونون مخالف قوتون کی جدوجہد نیکی و بدی کی معرکہ آرائی یا قدیم ایرانیون کے اہرمن (خالق شر) اور آرمزد (خالق خیر) کی کشاکش سے مشابہ ہے جس سے "عالم دمافی العالم" کا سلسلہ قائم ہے۔ خواہ وہ ثوابت و سیارہ کی صورت مین ہو یا اجسام کے ذرون کے نظرنہ آنیوالے تنزل مین۔ خواہ ایتھری موجون کی لرزش کی صورت مین نہان ہو۔ یہ حرکت بہت ہی تیز ہوتی ہے۔ ہیڈروجن کا ذرہ ایک سکنڈ مین سترہ ہزار ملین (ایک کرور ستر لاکھ) مرتبہ حرکت کرتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر وہ خردبین کی رسائی کے اندر بھی ہوتا ہم کوئی اُسے نہین دیکھ سکتا۔ مگر ان ذرون کی تیزی حرکت روشنی کے ذرون کی سریع السیری کے مقابلے مین ہیچ ہے جو فی سکنڈ ہمارے حساب کے انتہائی اعداد سے بھی بڑھکر ہے۔[1]

آسمان کے ثوابت و سیارا اور دیگر اجسام بالائی کے درمیان جو فاصلہ پایا جاتا ہے وہ بے انتہا ہے۔ اُسے ناپنا یا اُسکا تخمینہ لگانا ممکن نہین۔ زمین کے حلقۂ گردش کے محور کا قطر اٹھارہ کرور اسی لاکھ میل ہے۔ تاہم اگر قریب ترین ستارہ پر نگاہ ڈالی جائے

[1] ماخوذ از "اسٹوری آف کری ایشن"

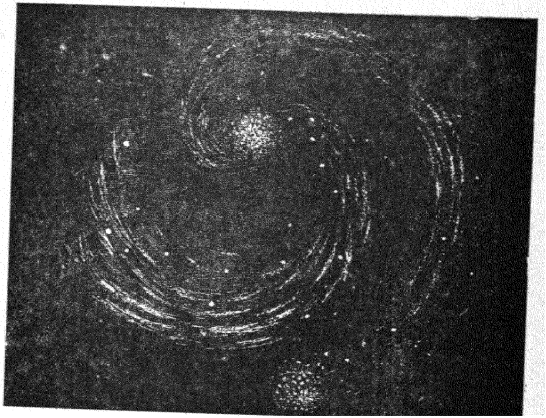

سحابی مادہ

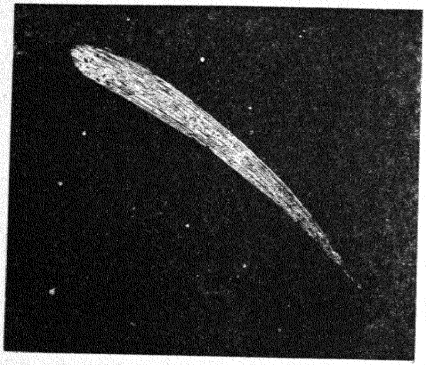

دمدار ستارہ

تو یہ ایک سوئی کے ناکے کے برابر معلوم ہوگا۔ اس سے کچھ اندازہ ہوسکتا ہے کہ اجرام سماوی کا بُعد فیما بین کتنا وسیع ہے۔ سر اسحٰق نیوٹن نے جو کشش ثقل کے مسئلے کے موجد تھے کشش کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ایک جسم کا دوسرے کو خلا مین بلا واسطہ کشش کرنا انسانی سمجھ سے باہر ہے۔ یہی اصول روشنی۔ حرارت اور انرجی کی دیگر صورتون پر بھی صادق آتا ہے جو ایک جسم سے دوسرے جسم تک جاتی اور اُسے مؤثر کرتی ہے۔ پس ان مظاہر کی توجیہ صرف اس نظریہ سے ہوسکتی ہے کہ ذرّون اور اجرام سماوی کے مابین جو خلا ہے وہ ایک نہایت لطیف شے سے مملو ہے جسے اتھر کہتے ہین۔ انرجی اسیکے ذریعے سے گزرتی ہے۔

مادّہ کے خواص اور کرشمے

مادّہ غیر مرئی اور غیر محسوس ہے۔ یہ نہایت لطیف گیس کی صورت مین پایا جاتا ہے۔ یہ غیر دیدنی ہونیکی وجہ سے ہوا مین آواز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہونچاتا ہے۔ بھاپ مین بھی یہی موجود ہے۔ جن اشیاء کو برقی قوت سے بخار بناکر اُڑایا جاتا ہے یہی مادّہ اُنمین بھی ہے۔ دُمدار ستارون کی دُم مین بھی یہی لطیف مادّہ ہوتا ہے جو کرورون میل لمبی ہوتی ہے، مگر اُسے دباکر ایک ٹرنک مین بند کیا جاسکتا ہے۔ پس اسکی ان صورتون پر غور کرکے ہمکو غیر مرئی حقائق فرض کرنے مین کوئی تامل نہین ہوسکتا۔ جہان واقعات کی سرحد ختم ہوجاتی ہے وہان سائنس تخیل سے کام لینے کی ہدایت کرتا ہے کہ اُن اشیا کی تہ تک پہونچو جنھین نہ کانون نے سُنا ہے اور نہ آنکھون نے دیکھا ہے۔

جو کچھ اوپر بیان ہوا اُسے ایک نقشے کے ذریعے سے واضح کیا جاتا ہے۔ تاکہ ناظرین مادّہ اور حرکت کی بحث کو ذہن نشین کرلین اور آیندہ بحثون کو شوق و دلچسپی کے ساتھ سمجھتے رہین۔

دو عالمگیر چیزین

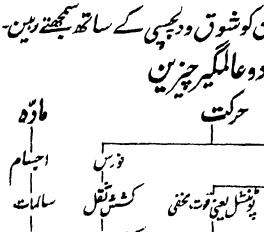

آسمانون مین مادّہ کن صورتون مین ہے

یہ پہلے بتایا گیا ہے کہ برہمانڈ مین دو چیزین عالمگیر طور پر محیط ہین۔ ایک کا نام مادّہ دوسری کا حرکت ہے۔ ان دونون کی اصلیت کا وضاحت کے ساتھ ذکر کرکے اب ہم اس امر کیطرف رجوع ہوتے ہین کہ آسمان مین مادّہ نے کیا کیا شکلین اختیار کی ہین یا بالفاظ دیگر مادّہ کے مظاہر سماوی کیا ہین۔

مادّہ (جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا) مرئی و غیر مرئی اور لطیف و کثیف حالتون مین پایا جاتا ہے۔ کثیف صورت مین تو تمام چھوٹے بڑے اجسام مین ہے جو خلا مین پائے جاتے ہین اور لطیف صورت مین اجسام کے بُعد فیما بین اور اجسام کے ذرّون کے درمیانی خلا مین پایا جاتا ہے۔ آسمان مین ایک تو ستارے یا ثوابت ہین

نوٹ۔ سالمات اور پرمانوؤن کی بابت سر آلیور لاج۔ سر ولیم کروکس۔ پروفیسر سر جے۔ جے تامسن اور دیگر عالمان طبیعیات کا نظریہ دیا گیا ہے جو بیسوین صدی کے اکتشافات مین اُنیسوین صدی کی تحقیقات سے بالکل مختلف ماہیت کے ثابت ہوئے ہین۔

یہ نقشہ "اسٹوری آف کری ایشن" سے منقول ہے۔

جو بظاہر ساکن مگر دراصل بڑی سرعت سے آگے کو بڑھ رہے ہین۔ ہر ستارہ اپنی طبعی روشنی کے سبب درخشان ہے۔ بعض بعض ایسے بھی ہین کہ بے انتہا زمانون کے دوران مین اُنکی روشنی صرف ہوتے ہوتے ختم ہوگئی ہے اور اب وہ "تاریک اجرام" مین داخل ہین۔ ماہرانِ علم ہیئت کا خیال ہے کہ ہر ایک ثابت یا ستارہ بجاے خود ایک آفتاب (اور اس لحاظ سے ہمارا سورج بھی ایک بڑا ستارہ کہا جاتا ہے) اور ایسے سیارون کا مرکز ثقل ہے جنکے متعلق متعدد چاند اور دیگر اجسام ہین

اسپکٹروسکوپ کے ذریعے سے تارون کے نہ صرف اجزاے ترکیبی ہی معلوم ہوگئے ہین بلکہ اُنکی حرکت کا بھی پتہ لگ گیا ہے۔ مثلاً فلان تارا ہمارے نظام شمسی کیطرف آرہا ہے یا پیچھے لوٹ رہا ہے۔ کوئی تارا خواہ کتنی دور کیون نہو لیکن اگر اُس سے روشنی نکلتی ہے تو اُسے اسپکٹروسکوپ مین منعکس کرکے منشور ثلثہ (Prism) سے منقسم کرلیا جاتا ہے، جس سے روشنی کی اصلیت اور اُن مادی اجزا کا پتہ لگ جاتا ہے جنسے تارا اور اُسکی روشنی مرکب ہے۔ اسپکٹروسکوپ غالباً تمام آلات ہیئت مین سب سے زیادہ مفید اور عجیب چیز ہے۔ اسکے ذریعے سے تمام اجرام فلکی کے اجزاے ترکیبی کی اصلیت ظاہر ہوجاتی ہے۔ سب سے قریبی ساکن ستارہ الفہ سنطاور ہے۔ اگر اسے زمین کے دو مختلف مقامات سے دیکھا جاے تو اُسکے مقام کے اختلاف سالانہ کا بُعد دو کروڑ میل ہے۔ اگر اس ستارے مین کھڑے ہوکر اپنے نظام شمسی پر نگاہ ڈالو تو وہ خلا مین صرف ایک نقطے کے برابر نظر آئیگا۔ اس سے آسمانون کی وسعت کا تھوڑا سا اندازہ ہوسکتا ہے۔ اس ستارے کی روشنی بحساب ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سکنڈ کی رفتار سے ساڑھے تین برس مین ہماری زمین تک پہونچتی ہے۔

تارون مین حجم، درخشانی، اور روشنی کے رنگ کا فرق ہے۔ آخر الذکر امتیاز سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ فلان ستارہ اپنے ارتقا کے کس مرحلے مین ہے۔ بعض تارے نوعمر ہین، بعض ادھیڑ، بعض بڈھے اور بعض فرسودہ ہوگئے ہین بعض سرد اور مردہ ہین انسے روشنی خارج نہین ہوتی۔ انکے وجود کا پتہ صرف اُس کشش سے ملتا ہے جو وہ اپنے ہمسایہ پر ڈالتے ہین۔

محققان علم الافلاک کو ابتک بالتحقیق نہین معلوم ہوا ہے کہ خلا مین مادّہ نے کون کون سی شکلین اختیار کر رکھی ہین۔ مگر اتنا دریافت ہوچکا ہے کہ دوہرے اور تہرے تارون کے علاوہ تارا منڈل۔ تارون کے جھرمٹ۔ روشنی اور سحابی مادّے کے تودے، وغیرہ ہین جنکی نسبت یہ گمان ہے کہ یہ بھی سورج ہین جو بہت قریب قریب اور تلے اوپر واقع ہوئے ہین کہکشان کے دونون جانب ایک قسم کا درخشان مادّہ ہے جسے "سحابی" کہتے ہین۔ دُوربین سے یہ ستارے اور گیس کی قسم کا چمکدار سحاب معلوم ہوتا ہے۔ بعض گول، بعض باقاعدہ، بعض بے قاعدہ، بعض بیضاوی اور بعض پیچیدہ۔ یہی وہ مادّہ ہے جس سے آفتاب سیارے، ستارے، اور دیگر اجرام فلکی معرض وجود مین آئے تھے۔ علاوہ برین سیاہ سحابی مادّہ بھی ہے جس سے کچھ روشنی تو منعکس ہوتی ہے اور کچھ تاریکی مین برباد ہوجاتی ہے۔

دُمدار ستارے اور شہاب ثاقب جنکے لمبے لمبے سلسلے اول الذکر کی دُمون سے منسلک ہوجایا کرتے ہین اور کئی چھوٹے چھوٹے اجسام جو خلا مین شتر بے مہار کیطرح گھومتے پھرتے ہین اور جنکے باہمی تصادم سے رات کے وقت ایک لمبا شعلہ چند سکنڈ تک ادھر سے اُدھر جاتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور باریک سماوی گرد جو قطبین کی برف پر پڑتی ہے اور سطح بحر پر گرکے سمندر

کی تہ مین جمع ہوتی رہتی ہے، مادّے کے مظاہر علوی اور مختلف صورتین ہین جنمین وہ محسوس اور مجسم حالتون مین موجود رہتا ہے۔

نظام شمسی

خلامین بے شمار نظام ہائے شمسی موجود ہین۔ بڑے بڑے عالمون کا خیال ہے کہ انکا شمار کرورون سے متجاوز ہے۔ مگر ہم یہان صرف اپنے نظام شمسی کا ذکر کرنا چاہتے ہین۔ جسمین (۱) آفتاب (۲) سیّارے۔ (۳) چاند (جو سیّارون کے گرد طواف کرتے ہین)۔ (۴) دُمدار ستارے ہین۔ تمام سیّارے ایک گول دائرے مین سورج کے گرد گھومتے ہین۔ مگر انکی سطحین (Planes) کناروں پر قدرے جھکی ہوئی ہین۔ ہر ایک سیّارے مین ایک طبعی قوت ہے جو آفتاب کی کشش کا مقابلہ کرتی ہے اور اُسے اپنے محور پر قائم رکھتی ہے۔ اگر ایسا نہو تو تمام سیّارے یکے بعد دیگرے کھینچکر سطح آفتاب پر جا گرین۔ چھوٹے چھوٹے تارون (Asteroids) سمیت سیّارون کا شمار بہت زائد ہے۔ انمین سے بعض سال بہ سال دریافت ہوکر باقاعدہ پُرانے سیّارون کے زمرے مین شامل ہوتے رہتے ہین۔ چنانچہ جولائی گذشتہ کے اوّل ہفتے مین ہیڈل برگ (جرمنی) کی رصد گاہ سے ایک جرمن عالم ہیئت نے پانچ اور سیّارے معلوم کئے ہین۔ یہ اجرام صغیرہ مختلف حجم اور رفتار کے ہوتے ہین اور اپنے ارتقا کے مختلف مرحلون مین ہین۔

شروع مین سحابی مادّہ تھا جو رفتہ رفتہ کرون مین بدل گیا اور ٹھوس عالمون کی صورت اختیار کرلی۔ پھر حرارت کے اخراج سے سرد ہوگیا۔ چنانچہ ہماری زمین بھی اخراج حرارت سے رفتہ رفتہ سرد ہوتی جاتی ہے۔ مریخ بہت سرد ہو رہا ہے۔ اُسکے اوپر ایک قسم کا سخت چھلکا نمودار ہوگیا ہے جسکی وجہ سے وہ جاندارون کا مسکن بن سکتا ہے۔ مشتری اور چند دیگر سیّارے ابھی کم و بیش گرم اور نیم روشن ہین۔ وہ اس قابل نہین ہین کہ وہان نباتاتی یا حیوانی زندگی قائم رہ سکے۔ چھوٹے چھوٹے سیارے مدت سے سرد ہوچکے ہین جیسے چاند کہ وہان نہ ہوا ہے نہ پانی۔ بلکہ خشک۔ سرد اور بنجر پڑا ہوا ہے۔ مگر سطحی علامات سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی زمانے مین وہ کرۂ تاراتھا ہولناک آتش فشانیون سے تباہ کُن مادّہ نکالا کرتا تھا اور آتشین کارندے اپنے کام مین مصروف تھے۔

اجرام فلکی کے کئی ارالکین کے ساتھ متعدد چاند متعلق ہین جو انکے گرد چکر لگاتے ہین۔ لیکن سب اُسی قوت کے تابع ہین جو سیّارون کو قابو مین رکھتی اور اُنھین باقاعدگی کے ساتھ آفتاب کے گرد چلاتی ہے۔ کسی سیّارہ کے ساتھ دو اور کسی کے ساتھ اس سے زیادہ چاند ہین جنکا ذکر اُسوقت آئیگا جب سیّارگان فلکی کا فرداً فرداً حال لکھا جائیگا۔ سحابی مادّہ جس سے دُمدار ستارے اور اُنکی دُمین مرکب ہین وہ غیر معیّن دائرون مین گھومتا ہے۔ شہاب ثاقب شُتُرے مُہار ہین۔ جدھر جی چاہا خلا کو خانہ بے تکلّف سمجھکر گھس آئے۔ یہ اکثر ایک دوسرے سے ٹکرا جاتے ہین۔ رات کو جو کبھی تارے ٹوٹنے کے دیکھنے مین آتے ہین اُنکی وجہ ان آسمانی وحشیون کا باہم تصادم ہے۔ حرکت کی ہر جگہ حکومت ہے۔ ایتھر۔ سیالات۔ ریزے اور اجرام سب اسکے تابع ہین۔ آفتاب اور اُسکے تمام متعلقین گروش مین ہین اور اُسکی تحریک سے چلتے ہین۔ وہ اپنی فطری طاقت سے انھین اپنے قابو مین رکھتا ہے۔ تمام اجرام فلکی مین عام اس سے کہ وہ بڑے ہون یا چھوٹے اپنے اندر ایک جبلّی قوت رکھتے ہین جو بڑے جسم کی کشش کو زائل کرتی ہے اور اُس سیّارہ یا ستارہ کا وجود قائم رکھتی ہے۔

اس تمہید کے بعد ہم سب سے پہلے نظام شمسی کے مرکز و مرجع کا ذکر کرتے ہین۔ بعد ازان اور سیارون پر یکے بعد دیگرے نظر ڈالین گے۔ اور انکی نسبت جو کچھ ماہران علم ہیئت کو معلوم ہوا ہے اُسے اختصار کے ساتھ بیان کرینگے۔ گویا ہیئت کی اہم اور مشہور تھیوریون کا اجمال اس قدرے مطول مضمون مین ہدیۂ ناظرین کیا جائیگا۔

آفتاب

کرۂ ارض اور سورج کے درمیان نو کرور اٹھائیس لاکھ پچاسی ہزار (۹۲۸۸۵۰۰۰) میل کا فاصلہ ہے۔ اسکا قطر (۳۲) ۴ ثانیہ بُعد آسمانی یعنی آٹھ لاکھ چھیاسٹھ ہزار چار سو میل ہے۔ کثافت ۱۴۱ اور آبی عنصر ۱۰ ہے۔ زمین اور آسمان کا درمیانی فاصلہ اجرام فلکی کی پیائش کا مقیاس قرار دیا گیا ہے۔ گو آفتاب کی جسامت نظام شمسی کے جملہ اراکین کی مجموعی ضخامت سے کئی سو گُنا زیادہ ہے تاہم یہ عالم بالا مین سب سے بڑا نہین ہے۔ درخشانی کے اعتبار سے درجۂ سوم اور درجۂ چہارم کے ستارون مین شمار ہوتا ہے۔ اسکے وجود سے کائنات مین کئی کیمیائی اور حیاتی عمل جاری ہین۔ اسکی روشنی سے نہ صرف کرۂ ارض ہی بہرہ ور ہوتا ہے بلکہ تمام آسمانی دُنیائین بھی مستفید ہوتی ہین۔ اسکی حرارت کا ۲۳ کرورواں حصہ سیارون وغیرہ کے حصے مین جاتا ہے اور صرف دو ارب تیرہ کرور ستر لاکھ واں جزو کرۂ ارض حاصل کرتا ہے۔ اسکی روشنی کا ایک بڑا حصہ خارج ہوتے ہی خلا مین پھیل کر رہ جاتا ہے۔ جو اس سے ٹکرا کر پھر کرۂ ہوائی پر پلٹ جاتا ہے اور وہان جاکر برباد ہو جاتا ہے۔ یہ کہنا دشوار ہے کہ آیا سورج کی روشنی اور حرارت سب طرف مساوی مقدار مین جاتی ہے یا نہین۔ سورج کا کرۂ ہوا کئی ہزار گز عمیق ہے اور ہمارے کرۂ ہوا سے تیرہ لاکھ گز زائد ہے۔

آفتاب کی طبعی صورت عرصے سے عالمان علم الافلاک آفتاب کی ہیئت طبعی اور ترکیب وغیرہ کے متعلق صحیح صحیح معلومات حاصل کرنے مین سخت کوشش کر رہے ہین اور جو کچھ اب تک معلوم ہوا ہے اور اُسکی بنا پر جو نظریہ قائم کیا گیا ہے وہ یہ ہے۔[1]

یہ جو منور اور درخشان قرص دکھائی دیتا ہے اور جس سے روشنی نکلتی ہے فوٹوس فیر (Photosphere) یعنی منطقۂ نور کہلاتا ہے۔ اسکی نسبت عالمون کا گمان ہے کہ یہ منور بادلون کا مخزن ہے۔ اسکے اندرونی حصّے مین گیس کی قسم کے مادّے کا انبار ہے اور اس سے نہایت گرم بخارات خارج ہو کر منطقۂ نور مین مجتمع رہتے ہین۔ اس کرہ کے باہر ایک اور گیسی مادّہ کا پتلا چھلکا ہے۔ اسمین کئی اجزا وہی ہین جو ہمارے کرۂ ارض پر پائے جاتے ہین۔ اسکا مشاہدہ کیا گیا ہے اور اسپکٹروسکوپ سے اسکا وجود ثابت ہو چکا ہے۔ کرفاف کا نظریہ یہ ہے کہ جب محترق مجسمات یا مائعات سے روشنی خارج ہو کر سحابی مادّہ سے گزرتی ہے تو اُسکے بعض اجزا بخارات یا سحاب مین جذب ہو کر باقی رہ جاتے ہین جو اسپکٹروسکوپ سے ظاہر ہو جاتے ہین۔ کروموس فیر Chromosphere یعنی رنگین خطہ گیسی مادّہ کے منطقہ سے باہر ہے اور نہایت گرم گیس بالخصوص ہیڈروجن سے مرکب ہے۔ یہ دونون کرے ایک دوسرے کے بہت قریب ہوتے ہین۔ صرف اتنا فرق ہے کہ بہت ہی بھاری اور گرم ترین گیسین امتیاز قائم کرتی ہین۔ جب پورا گہن واقع ہوتا ہے تو کروموس فیر اچھی طرح نظر آتا ہے اور صرف سُرخ شعلون سے بھرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یہ سُرخی ہیڈروجن کے سبب سے ہے۔ اسی وجہ سے اسے رنگین خطہ کہتے ہین۔ یہ ناری عمل طبعی ہے۔ کوئلے کے جلنے

[1] ماخوذ از "انٹرنیشنل انسائیکلوپیڈیا" جلد ۱۸۔ مطبوعہ ۱۹۰۲ء۔

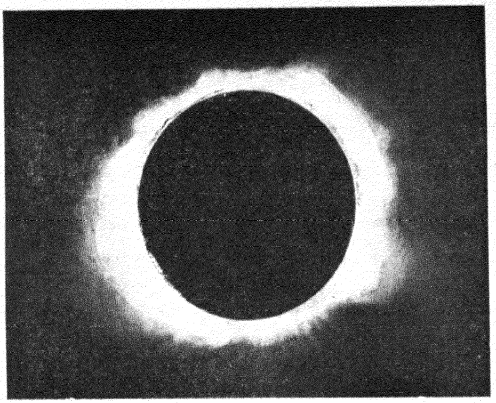

قرص آفتاب

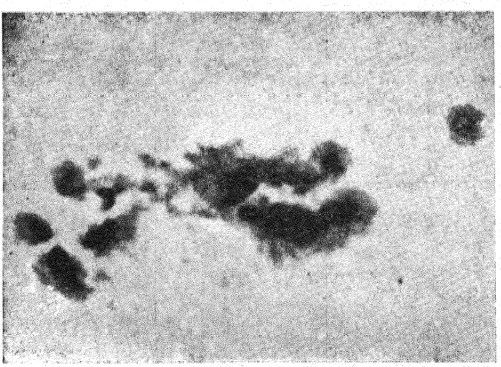

آفتاب کے داغ

انڈین پریس الہ آباد

سے اسے کوئی مشابہت نہین ہے جو ہوا کی آکسیجن بغیر ممکن العمل نہین۔ کروموس فیر مین دوسری چیز تھلیم ہے جسے پروفیسر رامزے نے ۱۸۹۵ء مین دریافت کیا تھا۔ اور جو سر ولیم و لیڈی ہگنس اور سر ولیم رامزے کی کوششون سے ریڈیم کے مثل ثابت ہوئی ہے۔

کروموس فیر مین سب سے عجیب چیز سُرخ شعلے ہین جو قرص آفتاب سے نکلکر خلا مین ایک ایک لاکھ میل تک پہونچتے ہین۔ یہ پہلے پہل گہن کیوقت دکھائی دیئے تھے جب سوٹی منور قرص چاند کے سامنے آجانے سے پوشیدہ ہوگیا تھا۔ عموماً اس خطے کی روشنی سے ہماری دُنیا کو گرمی اور اُجالا ملتا ہے۔ ۱۸۶۸ء مین جانسن۔ ڈنمارک کے نجومی لاکیر اور ہگنس نے بغیر دُوربین کے اس شمسی اعجوبہ کو مشاہدہ کیا تھا۔ بعدازان ۱۸۹۰ء مین ہیل اور ڈسلینڈ نے اسکا فوٹو اُتارا۔ یہ دونون منجم تشکاگو اور پیرس مین بیٹھے ہوئے اپنے طور پر قرص آفتاب اور اُسکے تغیرات کا مطالعہ کررہے تھے۔ یہ شعلے کئی سو میل فی سکنڈ کے حساب سے اوپر چڑھتے ہین۔ بعض علماء انھین آتش فشانیون سے منسوب کرتے ہین جو آفتاب مین واقع ہوتی ہین۔ آفتاب کا سب سے بیرونی منطقہ کرونہ (Corona) ہے۔ کیونکہ اسکی شکل تاج کے گول حلقے کی طرح ہوتی ہے۔ یہ پورے گہن کیوقت نظر آیا کرتا ہے۔ اُسوقت کائنات کا ایک سب سے بڑا اور شاندار کرشمہ دکھائی دیتا ہے۔ اسکا جو حصہ قرص آفتاب کے پاس واقع ہے وہ بہت ہی شفاف اور شاندار ہے۔ بیرونی حصہ ہلکی روشنی سے درخشان ہے اور اُسمین بہت پتلے پھریرے سے نظر آیا کرتے ہین۔ وہ خلا مین کرورون میل تک پھیلے ہوئے معلوم ہوتے ہین۔ اسپکٹروسکوپ سے معلوم ہوتا ہے کہ کرونہ مین منوپلین ہین جو مجمع یا رقیق مادہ کے متعلق بخارات سمجھے جاتے ہین۔ اب تک یہ معلوم نہین ہوا کہ یہ آفتاب کے ساتھ کس طرح وابستہ ہے۔ شاید مقناطیسی قوتون سے قائم ہو۔

آفتاب کی کیمیائی ترکیب کا بڑی ہوشیاری سے مطالعہ کیا گیا ہے اور اسپکٹروسکوپ سے پورا کام لیا جاتا ہے۔ شمسی روشنی کا مختلف دھاتون کی روشنیون سے جو سخت حرارت سے پیدا کیجاتی ہین مقابلہ کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ آفتاب مین کئی ایسی دھاتین پائی جاتی ہین جو ہماری دُنیا مین موجود ہین۔ نظریرین بعض علماء کا قیاس ہے کہ سورج اور زمین ایک ہی قسم کے مادّے سے مرکب ہین۔ اگر یہ قیاس درست ہو تو اسکا نظام شمسی کے ارتقائی اور ابتدائی نظریہ پر بہت اہم اثر پڑیگا۔

قرص آفتاب کے داغ

سطح آفتاب پر سب سے زیادہ عجیب کرشمہ وہ داغ ہین جو عموماً حظہ نور مین نمایان ہوا کرتے ہین۔ یہ بڑے بڑے غار ہوتے ہین جنکا قطر پانسو میل سے لیکر ساٹھ ہزار میل تک دیکھا گیا ہے۔ بعض اوقات یہ غار اتنے بڑے ہوتے ہین کہ برہنہ آنکھ بخوبی دیکھ سکتی ہے۔ انکا عمق ڈھائی ہزار میل تک پایا گیا ہے۔ شروع مین یہ اسقدر چھوٹے ہوتے ہین جیسے رخسار کے خال۔ لیکن رفتہ رفتہ فراخ اور عمیق ہوتے جاتے ہین۔ بعض وقت ایک ہی خطے مین کئی داغ ایک دوسرے کے قریب پیدا ہوجاتے ہین۔ انکی حرکت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آفتاب اپنے محور پر گھومتا ہے اور یہ گردش پچیس[۲۵] روز مین ختم[۱] ہوتی ہے۔ تمام داغ آفتاب کے خط استوا کے اردگرد ۴۵ کے اندر ہی اندر پائے جاتے ہین۔ گیارہ سال مین صرف ایک مرتبہ یہ داغ شمار اور وسعت مین انتہائی درجے کو پہونچتے ہین۔ جب یہ نمودار ہوتے ہین تو زمین پر غیر معمولی واقعات پیش آتے ہین۔ موسمون پر

---

[۱] از "اسٹاری آف کری ایشن" صفحہ ۲۱۔

اور اُنکی وجہ سے فصلون اور پھلون پر اثر پڑتا ہے ۱۸۰۸ء مین کئی بڑے بڑے داغ ظاہر ہوئے تھے اور غیر معمولی سردی اور دیگر ظہورات طبعی اُنھین سے منسوب کئے گئے تھے۔ عالمان ہیئت نے انھین برقی طوفان سے منسوب کیا تھا اور سب سے بڑے داغ کا رقبہ دو اور تین لاکھ مربع میل کے درمیان بیان کیا گیا تھا۔

حرارت شمسی کہان سے پیدا ہوتی ہے

سورج سے ہر روشنی خارج ہوتی ہے اُسکا تخمینہ کیا گیا ہے اور مقیاس معمولی بتی قرار دیگئی ہے۔ تجربون سے ثابت ہوگیا ہے کہ آفتاب کی روشنی کی کل مقدار ۱۵۷۵ کے دائین جانب چوبیس صفر لگانے سے ظاہر ہوتی ہے اور یہ گنتی ایسی ہے جو تمام اعداد کے حرف کر دینے پر بھی ظاہر نہین ہو سکتی۔ اسکی حرارت کی مقدار بھی کچھ کم نہین ہے۔ تخمینہ لگایا گیا ہے کہ جسقدر حرارت ایک گھنٹے مین خارج ہوتی ہے وہ اُس حرارت کے برابر ہے جو تمام سطح آفتاب پر کوئلے کی بیس فیٹ موٹی تہ بچھا کر جلانے سے پیدا ہو۔ اس حرارت کا منبع ابتک معلوم نہین ہوا۔ جرمنی کے سب سے بڑے عالم طبعیات ہیلم ہولٹس نے یہ قیاس قائم کیا تھا کہ آفتاب سکڑتا جاتا ہے اور اس سے جو انرجی نکلتی ہے وہ حرارت مین تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہ سال بھر مین ڈیڑھ سو فیٹ سکڑتا ہے اور اس سے وہ تمام حرارت پیدا ہوتی ہے جو نظام شمسی مین ہر سال جذب ہوتی ہے۔ یہ انقباض بڑی سی بڑی دوربین سے بھی ظاہر نہین ہو سکتا۔ تاوقتیکہ دس ہزار سال تک اسیطرح جاری نہ رہے۔ اس حساب سے ایک کرور سال کے بعد آفتاب سے اتنی حرارت نہ نکلے گی کہ اس سے کرۂ ارض پر حیوانی اور نباتاتی زندگی قائم رہے۔

سر جارلس لائل (جو علم الارض کے جدید اصول کے موجد سمجھے جاتے تھے) اور اُنکے ہمخیال یہ دعویٰ کرتے ہین کہ زیادہ سے زیادہ بیس کرور اور کم سے کم دس کرور برس گزرے کہ زمین پر نباتات اور جاندارون کی ابتدا ہوئی مگر لارڈ کیلون اور نیوکم ایسے مشہور و معروف عالمان ریاضیات کا یہ تخمینہ ہے کہ ایک اور دو کرور برس کا عرصہ گزرا جب زمین اس قابل ہوئی کہ اُسپر نباتاتی اور حیوانی زندگی قائم ہو۔ بہرنوع ہر دو قیاسات کے مطابق آفتاب کی حرارت ایک مدت دراز سے خارج ہو رہی ہے یہ کہان سے آتی ہے؟ اسکا منبع غیر متناہی ہے یا محدود؟

جرمنی کے مشہور عالم طبعیات ارمائر نے سب سے پہلے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ حرارت اور عمل میکینیک (Mechanical action) کے درمیان خاص تعلق ہے یعنی سطح آفتاب پر جو میکنیکل عمل جاری ہین اُن سے حرارت پیدا ہوتی ہے۔ انمین ایک سورج کا انقباض ہے۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ خلا سے ٹوٹنے والے تارے آفتاب کی سطح پر گرتے ہین جنسے حرارت پیدا ہوتی ہے۔ کچھ عرصے کے بعد اجرام فلکی آفتاب پر گر کے جلتے رہینگے۔ اور حرارت پیدا کرنے کے موجب ہونگے۔ نظریہ یہ ہے کہ ریڈیم اسکی حرارت کا غیر متناہی مصدر ہے۔ یہ بحث بہت دلچسپ اور طویل ہے اسواسطے مین اسے ایک جداگانہ مضمون کے لئے اُٹھائے رکھتا ہون۔ جسمین تمام تھیوریون پر مفصل بحث کیجائیگی۔

کیا آفتاب مین انسان رہتے ہین؟

پروفیسر ولسن، ولیم ہرشل، ہیولٹ، اور آراگو وغیرہ انگریزی جرمن اور فرنچ علماء فلکیات کہتے ہین کہ آفتاب کا ایک تاریک قلب ہے۔ اور ایک سیاہ خطہ ہوا اور ایک منور طبقہ ہوا ہے۔ فرانس کا ایک نامور فاضل لوئی فیگی اے (Figuier) آفتاب مین انسانی آبادی کے بارے مین لکھتا ہے کہ جو شخص

لہ بحوالہ "پاپولر ایسٹرانومی" مصنفہ سیمول نیوکم ۱۲ ۲ علم طبعیات عرضی و ساوی کے بھی زیست اہرتھ ۱۲ ۳ ورلڈس ان کلیشنگ (دنیاؤن کا ارتقا) مصنفہ سوانت آئیس صفحہ ۶۷۔

اس نظریہ کا قائل ہے جسکے حامی ہرشل اور ہمبولٹ وغیرہ تھے وہ تسلیم کرسکتا ہے کہ آفتاب مین ایسے انسانون کی بستی ناممکنات سے نہین ہے جو ہم سے قدرے مختلف ہین۔ اگر سطح آفتاب مین سردی مانی جاے اور یہ بھی تسلیم کیا جاے کہ خطۂ نار کی شعاعون سے ہوا کے ایک کرّے سے خنکی گزر سکتی ہے تو ہم یہ یقین کرسکتے ہین کہ وہان ایسے جاندار زندہ رہ سکتے ہین جو ہم سے بہت باتون مین مشابہ ہین۔ طبقۂ نور کی حرارت نشیبی گرۂ ہوا سے وہان پہونچ سکتی ہے اور جاندارون کی زندگی قائم رہ سکتی ہے۔ سطح جو روشنی صاف ہوکر جاتی ہے وہ شفاف تو ہوتی ہے مگر آنکھون کو خیرہ نہین کرتی۔ اسمین ہم ایسے انسان زندہ رہ سکتے ہین۔

فرنچ عالم ہیئت آراگو کہتا ہے کہ "اگر مجھسے پوچھا جاے کہ کیا سورج مین آبادی ہے؟ تو مین کہونگا کہ مجھے معلوم نہین لیکن اگر مجھسے یہ دریافت کیا جائے کہ آیا ہم ایسے انسان وہان زندہ رہ سکتے ہین تو اثبات مین جواب دینے سے گریز نہ کرونگا" فلے اپنی کتاب مین لکھتا ہے کہ "زمین سے جو روحین آزاد ہوتی ہین وہ مختلف سیارون مین جاکر یکے بعد دیگرے جنم لیتی ہین اور بتدریج لطافت اور پاکیزگی حاصل کرتی رہتی ہین۔ اسطرح کمال کو پہونچکر سطح آفتاب پر جا پہونچتی ہین اور وہان اپنی دائمی سکونت اختیار کرلیتی ہین۔ کئی عالم اور فلاسفر اسکے قائل ہین۔ جرمنی کے مشہور عالم فلکیات جاہن بوڈے (۱۷۴۷ء - ۱۸۲۶ء) کے خیال کے مطابق وہان کے انسان عقل و فراست مین ہمسے بدرجہا بہتر ہین چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "جو خوش نصیب اس ستارے کی سطح پر رہتے ہین انھین دن و رات کے تغیر و تبدل سے دو چار نہین ہونا پڑتا۔ لطیف اور راحت بخش روشنی جو کبھی معدوم نہین ہوتی وہان غالب رہتی ہے اور وہ سورج کے روشنی کے عین قلب مین خدائے قادر کے بازوؤن کے زیر حفاظت امن و امان اور عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے ہین"۔

سورج مین موسمی تبدیلیان واقع نہین ہوتی ہین اور وہان کا دن پچیس روز کے برابر ہوتا ہے۔ گو ہمارے یہان کی سطح وہان دن رات نہین ہوتے مگر دن" سے سورج کی گردش محوری کی میعاد مراد ہے۔ آفتاب کے رہنے والے مافوق العادت انسان ہین۔ اُنکے حواس ہمارے حواس سے کئی درجہ زیادہ تیز لطیف اور پاک ہین۔ اُنکے قواے عقلی ہماری ذہنی قابلیتون سے بہت ہی زیادہ بڑھے ہوئے ہین زمین سے نکلکر روح علی الترتیب اجرام فلکی مین جنم لیتی ہے اور انقلاب پکڑتی ہے متواتر ولادتون اور قیامتون سے اُسکے تمام کثیف اجزا زائل ہوجاتے ہین اور آخر مین خالص اور پاک روح رہ جاتی ہے جسطرح سونا بار بار آگ مین ڈالنے سے بالکل خالص ہوجاتا ہے اور اُسکے تمام ناقص اجزا خارج ہوجاتے ہین اُسیطرح روح بھی جسمانیت اور نفسانیت سے پاک اور منزہ ہوکر خالص بنجاتی ہے۔ وہ ایک شفاف شعلہ ہوجاتی ہے اور اُسکے ساتھ صرف خالص عقل تخیل اور فکر باقی رہ جاتی ہے۔ خالص روحانی جوہر کے سوا اور کوئی چیز باقی نہین رہتی۔ وہ روح مطلق ہے اور اُسمین جسمانیت کا نام و نشان بھی نہین۔ صرف یہی روح اس قابل ہے کہ آفتاب ایسے کرۂ نور مین سکونت اختیار کرے اور وہان زندگی بسر کرسکے۔

جے۔ آر۔ راے

فلے ماخوذ از "ڈے آفز آف تھیالوجی" صفحہ ۱۰۰ (حیات بعد الممات) مصنفہ ۔ مصنف نے اس کتاب مین اس مسئلے پر کہ مرنے کے بعد انسان کی کیا حالت ہوتی ہے سائنٹیفک طریقے سے بحث کی ہے ۱۲ - فلے منقول از "ڈے آفز آف تھیالوجی" ۱۲ - فلے بحوالہ موسیو فلے مریان فرانسیسی عالم فلکیات جسنے اپنی کتاب "عالم بالا" مین اسکا اقتباس دیا ہے ۱۲ -

شمس البیان فی مصطلحات ہندوستان

(قواعد و مصطلحات اُردو مین اہل زبان کی سب سے پہلی تصنیف)

طپش

تقریباً ۱۱۹۲ھ[1] مین مرزا محمد اسمٰعیل طپش مرزا یوسف بیگ کے گھر دہلی مین پیدا ہوئے۔ مرزا یوسف بیگ دہلی کے شرفا مین شمار ہوتے تھے اور اُنکا خاندان حضرت سید جلال بخاریؒ[2] سے نسبی نسبت رکھتا تھا۔ مرزا محمد اسمٰعیل جنھین گھر والے پیار سے "مرزا جان" کہتے تھے۔ لڑکپن سے تیز طبع اور شوقین تھے۔ مرزا کی فارسی تعلیم بہت اچھی ہوئی تھی اور اُسوقت کے شریف زادون کی طرح فنون سپہ[3] گری کو بھی حاصل کیا تھا۔ خدا جانے کب اور کہان طپش نے سنسکرت[4] بھی اچھی طرح پڑھی تھی۔ مسٹر الیف۔ اے۔ فیلن اپنے تذکرۂ شعرائے اُردو مین لکھتے ہین "طپش کو ۱۶ برس کی عمر سے شعر کہنے کا شوق تھا" طپش حضرت خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کے مشہور شاگردون اور حضرت خواجہ کی رحلت ۲۴ صفر یوم جمعہ ۱۱۹۹ھ کو ہوئی[5] ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طپش کو آپ سے استفادہ کا موقع بہت ہی کم ملا ہوگا اور غالباً اس کمی کو اُنھون نے مرتا محمد یار بیگ سائل تلمیذ سودا و حاتم کی شاگردی سے پورا کیا ہوگا۔ لیکن مشہور مستشرق ڈاکٹر اسپرنگر نے اپنی تصنیف "فہرست کتب خانہ اودھ" مین لکھا ہے کہ ۱۱۹۳ھ مین طپش بنارس مین علی ابراہیم خان خلیل سے ملے تھے اور اُسوقت وہ نوجوان اور اچھے شاعر تھے۔"

اسوقت دہلی کے اہل کمال ایک ایک کرکے لکھنؤ اور مرشد آباد چلے آرہے تھے۔ طپش بھی لکھنؤ پہونچے اور مرزا جوان بخت جہاندار شاہ خلف اکبر شاہ عالم کی سرکار مین نوکر ہوگئے۔ اُنھین کے ہمراہ وہ بنارس بھی آئے تھے اور غالباً بنارس سے ترک ملازمت کرکے سیدھے مرشد آباد پہونچے۔ مرشد آباد کے صوبہ دار اندلون نواب مبارک الدولہ تھے اور انکے عزیز نواب شمس الدولہ بھی وہین مقیم تھے۔ نواب شمس الدولہ کا پورا نام مع لقب "امیر الممالک شمس الدولہ سید احمد علی خان بہادر ذوالفقار جنگ" تھا اور یہ نواب عبارت خان والی ڈھاکہ کے نبیرہ تھے۔ نواب شمس الدولہ اپنے بھائی نواب نصرت جنگ کے بعد خود بھی نائب ناظم بنگالہ مقرر ہوئے تھے اور ڈھاکہ مین اخیر وقت تک رہے۔ نواب موصوف نے فرمائش کی کہ "توضیح اصطلاحات دربار کی دلی و روزمرہ فصحاے اُردو معلے" کیلئے کوئی کتاب لکھی جاے طپش نے اُنکی فرمایش پوری کی اور اُنکے نام پر شمس البیان تصنیف کی شمس البیان ۱۱۹۳ء مطابق ۱۷۷۹ء[6] مین لکھی گئی ہے۔ اس لحاظ سے یہ اُردو قواعد و مصطلحات کی پہلی کتاب ہے جو کسی اہل زبان نے لکھی ہے۔ سید انشا کی دریاے لطافت[7] گو اس سے زیادہ حجیم و ضخیم ہے

---

[1] مسٹر اے۔ ایف فیلن کا تذکرۂ شعرائے۔ پنجم ۱۲۔ [2] ڈاکٹر اسپرنگر کی فہرست کتب خانہ اودھ۔ [3] تذکرہ شعرائے اُردو دا گاسنڈ ٹیسی [4] نساخ جانگیر نگر یعنی کانپور کا مشہور تذکرہ سخن شعراء۔
[5] آب حیات مولانا آزاد مرحوم مگر مرزا علی لطف نے گلشن ہند مین لکھا ہے کہ آپ نے ۱۲۰۰ھ مین رحلت کی ہے۔ [6] از شمس البیان۔ [7] مولانا آزاد دہلوی کا یہ دعویٰ کہ دریاے لطافت اُردو قواعد و مصطلحات مین پہلی کتاب ہے صحیح نہین ہے۔ کیونکہ انشا نے دریاے لطافت کو ۱۲۲۱ھ مین تمام کیا ہے۔ بایین لحاظ دریاے لطافت ۱۵ برس عمر مین حجیمی ہے۔

لیکن شرفِ اولیت شمس البیان ہی کو حاصل ہے۔

ہم اس نادر الوجود کتاب کے متعلق آیندہ سطور مین بحث کرینگے لیکن اسکے قبل طپش کے حالات و دیگر تصانیف کے تعلق ہمکو جو کچھ معلوم ہے پیشکش ناظرین ہے۔

مرشد آباد سے وہ کلکتے آئے اور یہان کچھ دنون تک قید فرنگ مین دن گذارے۔ اُنکی قید کی کوئی وجہ معلوم نہو سکی مگر قیاس چاہتا ہے کہ وہ پولیٹکل قیدی بنائے گئے ہونگے۔ کیونکہ نواب شمس الدولہ کی رفاقت کا ایک نتیجہ یہ بھی ممکن ہے۔ نواب موصوف نہایت ذی حوصلہ۔ بلند خیال والیِ ملک تھے۔ وہ خود بھی انگریزون کے خلاف سازش مین کچھ دنون تک کلکتے مین نظر بند رہے تھے۔ میرزا علی لطف جسنے اُسوقت کے ایک ایک شاعر کا حال لکھا ہے۔ اُسنے طپش کے متعلق ایک لفظ بھی زبان سے نہین نکالا ہے۔ حالانکہ ۱۸۰۱ء گلشن ہند کا سنہ تالیف ہے اور اسوقت کلکتے مین طپش محبوس فرنگ تھے۔ کیونکہ اُنھون نے اسی حالت قید مین مثنوی یوسف و زلیخا اُردو مین لکھی ہے۔ مثنوی کا سنہ تصنیف ۱۸۰۱ء ہے۔ علاوہ بریں گلشن ہند کی بنیاد گذار ابراہیم پر رکھی گئی ہے۔ علی ابراہیم خود طپش سے مل چکا ہے۔ مین سمجھتا ہون کہ پولیٹکل قید کیوجہ سے ڈاکٹر گلکرسٹ نے پسند نہین کیا کہ طپش کا ذکر خیر گلشن ہند مین ہو۔

طپش نے ۱۸۰۲ء مین بعد آزادی ترجمۂ بہار دانش لکھا جسکا انگریزی ترجمہ بھی ہوگیا ہے۔ طپش تقریباً ۱۸۰۳ء مین ڈھاکہ چلے آئے اور نواب نصرت جنگ نائب ناظم ڈھاکہ کی رفاقت مین رہے۔ ۱۲۱۸ھ مین جب شاہزادہ علی بخت۔ میرزا ظہیر الدین اظفری تخلص دلّی کے لال قلعہ سے بھاگ کر اودے پور۔ جودھپور۔ اودے پور لکھنؤ وغیرہ ہوتے ہوئے مرشد آباد پہونچے ہین اُسوقت میرزا طپش کو نواب نصرت جنگ مرحوم نے بطور سفارت شاہزادہ کے پاس بھیجا تھا۔ شاہزادہ موصوف نے اپنے سیاحت نامہ مین طپش کی بڑی تعریف کی ہے اور اس ذکر مین تقریباً ایک صفحہ رنگ دیا ہے۔

کلیات طپش اُنکی زندگی ہی مین شائع ہوگیا تھا۔ وہ درحقیقت مشرقی بنگال و مرشد آباد کی اُردو شاعری کے حق مین آدم ہین۔ اور اب تک اُنکا خانوادۂ شاعری یہان آباد ہے۔ حضرت طپش نے ۱۸۳۹ء مین کلکتے مین رحلت کی اور وہین مدفون ہوئے۔

طپش سیاہی پیشہ۔ خوش طبع۔ نیک مزاج اور زبردست شاعر تھے۔ انکے قطعات عجب دلفریب ہوتے ہین۔

مرزا طپش کی تصنیفات طبع ہوگئین نہین مگر اب نہایت

---

۱ فہرست قلمی کتب خانہ اصفیہ مشہر قیہ شاہ اودھ از ڈاکٹر اسپرنگر بخزو تذکرہ قاسم۔ ۲ فہرست ہندی پنجابی دہندوستانی قلمی کتب خانہ برٹش میوزیم کلکتہ۔ ۳ مرزا انیسوین صدی سے لیکر فورٹ ولیم کالج کلکتہ کا ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی سرپرستی مین اُردو نثر لیسی کا یہ تاریخی دور شروع ہوتا ہے۔ ۱۸۰۱ء مین حیدری سے توتا کہانی پھر گل مغفرت پھر گلزار دانش ۱۸۰۲ء مین لطف نے گلشن ہند ۱۸۰۱ء مین حیرتی نے نثر بے نظیر اور اخلاق ہندی ۱۸۰۱ء مین میر آمن دہلوی نے باغ و بہار اور گنج خوبی ۱۸۰۱ء مین حقیقت نے خرد افروز ۱۸۰۲ء مین میر افسوس نے آرائش محفل اور ۱۸۰۲ء مین باغ اُردو ۱۸۰۲ء مین نہال چند نے مذہب عشق ۱۸۰۲ء مین جرأت نے اُردو سکندر نامہ لکھی۔ غرضکہ یہ فہرست بڑی لمبی ہوسکتی ہے اور نمونے اُردو یون چار کپڑے سے درست ہوگئی۔ ۴ یہ سیاحت نامہ قلمی میرے کتب خانہ مین موجود ہے اس سے اخیر دورۂ شاہان مغلیہ کے بہت سے اسرار حل ہوتے ہین اور بہت سے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ ۵ کلیات طپش کا خود مصنف کا دستخطی نسخہ مین نے کلکتے مین ایک کتب فروش کے پاس دیکھا تھا اگر اب پتہ نہین لگتا۔ ۶ ملاحظہ ہو فہرست کتب خانہ برٹش میوزیم کلکتہ۔ ۷ مثنوی کیلئے ملاحظہ ہو قطعات منتخب از نساخ جہانگیر نگری۔

کمیاب ہین۔ کلّیات کبھی طبع نہین ہوا۔ برٹش میوزیم کلکتہ کے قلمی کتب خانہ مین شمس البیان کا ایک ہی نسخہ تھا جو اب امپیریل لائبریری مین منتقل ہو گیا ہے۔ یہ نسخہ مصنّف کا دستخطی اور نواب شمس الدولہ کا مُہری ہے۔ یہ رسالہ گو زیادہ ضخیم نہین ہے لیکن بلحاظ فوائد اب بھی وہ اُسی قدر نافع اور فائدہ مند ہے جیسا تصنیف کے وقت تھا۔ سوا سو برس کے اندر ایک کتاب بھی اُردو کی دُنیا مین ایسی نہین لکھی گئی جو طالبین و شائقین نکات زبان کو اس رسالے سے مستغنی کر دیتی۔ کیونکہ اُردو اور فارسی محاورات کی تطبیق کی جو لاجواب کوشش اسمین کی گئی ہے اُس حیثیت سے یہ رسالہ اپنا آپ ہی نظیر ہے۔

شمس البیان مین نہایت کثرت سے قدیم شعرا کے اشعار اسناد کے لئے پیش کئے گئے ہین اور ایسے حضرات جنکا حوالہ دیا گیا ہے اُنکی تعداد ۵۱ ہے۔ جب کبھی میر درد کا نام آتا ہے تو نہایت ادب سے۔ "استادی و مولائی حضرت درد" لکھتے ہین۔ شاہ قدرت اللہ قدرت ان دنون مرشد آباد مین تھے اُنکو "عمدۃ معارفی آگاہ شاہ قدرت اللہ" لکھتے ہین۔ اسیطرح فدوی کو "مرزا فدوی سلمہ اللہ تعالیٰ" اور محمد شاکر ناجی کو "اخوی ناجی" لکھتے ہین۔

شمس البیان سے تھوڑی سی مثالون کے ذکر کے بعد ہم اس مضمون کو ختم کرتے ہین اگر زندگی و فرصت نے مساعدت کی تو طپش کی شاعری پر الگ ریویو لکھین گے۔

طپش آتش کے متعلق لکھتے ہین "طعامیست رقیق مثل شلہ از مختراعات اہل ولایت و ہم عموماً در محل طعام چنانکہ گویند "آب و آتش تیار ست" و "آتش پکانی" بتمامہ کنایہ از ان ست کہ برائے آزار کسے مفقد سازند۔ افصح الفصحا مرزا رفیع سودا گویند ؎

مجھ کو باورچی یون دہرا تے ہین ۔۔۔ رہ تیری آتش کیا پکاتے ہین

و بدین معنی در فارسیان ہم مستعمل۔ مولانا ظہوری ترشیزی فرماید ؎

کاسۂ خورشید لیسیدن نمی آید زمن ۔۔۔ کوفلک سے پز کہین ہر روز آش دیگرم

ایک جگہ لکھتے ہین "آگ لینے کو آئے تھے" در محلے گویند کہ دو ستے بدیدن دو ستے آید و بے توقف زود مراجعت کند۔ محمد تقی میر گوید ؎

جلد مجھ سوختہ کے پاس سے جاتا کیا تھا ۔۔۔ آگ لینے مگر آئے تھے یہ آنا کیا تھا

واز شعر سعیدا ے اشرف مستفاد شد کہ در اہل ولایت ہم این اصطلاح مستعمل ست اشرف گوید ؎

دل را بسینہ آن بت سرکش گرفت و رفت ۔۔۔ در خانہ من آمد و آتش گرفت و رفت

اگر گویند کہ در شعر سعیدا ے اشرف رعایت عجلت ظاہر نیست تایا اصطلاح ہندی مطابقت یابد گوئیم واو عطف کہ در گرفت و رفت واقع شدہ مفید این معنی است چنانچہ بر متامل ظاہر۔" ایک جگہ لکھتے ہین "بال بیکا نہو وے" تاکیداً در مبالغہ احتیاط خبرے بشخص حاضر گویند و این مخالف از محاورہ ہمان ست کہ در فارسی گویند۔ سر مو نقصان نشود۔ استادی و مولائی فرماید ؎

اے شانہ تو نہ ہو جو دشمن ہمارے جی کا ۔۔۔ ہان دیکھیو غہ ہووے زلفون کا بال بیکا

صفحہ ۷ پر ایک لطیف بحث لکھتے ہین۔ اور اسپر لکھنے کی اب بھی بہت کچھ گنجائش ہے۔ "بباید دانست کہ حروف چند با متزاج ہاے مختلط الترکیب در زبان ہندی بر اسہ علی حدہ قرار یافتہ اند و در تلفظ از ہم متفاوت گردیدہ چون باکہ منقسم بر دو قسم ست اگر بائے تازی بہا مخلوط شود بے خوانند و سخت او بعلامت موحدہ یک نقطہ کنند۔ و اگر بائے عجمی مرکب گردد بہے خوانند و در آنجا سہ نقطہ گذارند و علی ہذا القیاس در تا و جیم و دال و رآ و کاف امتیاز پیداست و ہر یکے بجاے خود مذکور شود۔"

ایک جگہ چارپائی کے متعلق لکھتے ہین۔"

معنی اصطلاحی آنکہ در وقت جنگ چون کشتہ و زخمی را برائے (چارپائی) اندازند برین قیاس در روز مرّہ اہل لشکر مراد از شمار چارپائی گویا شمار زخمیان و کشتگان است و درین صورت ظرف بجاے

مظروف مستعمل گردیدہ وظاہراً اینہم ازہمان عالم ست کہ قارورۂ مُرسخ ونہر جاری گویند۔ حالانکہ قارورۂ علم شیشۂ بول ست ومُرسخی آن کنایہ است از رنگ و بول وہم برین نہاد نہر جاری نیست بلکہ آب آن جاری۔ علی ای حال سند اصطلاح مذکور از کلام میر صاحب یافت شد۔

تری گلی سے سدا اے کشندۂ عالم ہزارون جاتی ہوئین چارپائیان دیکھین

اور ایک جگہ لکھتے ہین "

گھر مٹھیہ جانا۔ کنایہ از خانہ ویران شدن خباب وزیر قدسرہ العزیز فرماید ؎

جس سمت کو تو نے آنکھ اُٹھا کر دیکھا مانند حباب گھر کے گھر بیٹھ گئے

وظاہر در اہل ولایت ہم این معنی مصطلح کہ سعدائے اشرف گوید۔ ؎

از نشینندگان کسے چو نماند عاقبت خونشست خانۂ ما

شمس البیان مین سیکڑون باریک نکتے اور دقیق مسئلے موجود ہین۔ شائق کا دماغ اور طالب کی نگاہ چاہیے۔ ادیب کی کمی صفحات سے شکایت ہے کہ بہت سی ضروری نتیجہ خیز امثلہ سے قصداً قلم روک لیا گیا۔ خیر یار زندہ وصحبت باقی۔

حکیم حبیب الرحمٰن

پیکرِ وفا

ذیل کے قصہ کا پلاٹ "لارڈ الفریڈ ٹینی سن" کی ایک مشہور نظم ڈورٹ سے لیا گیا ہے۔ اُسکا سنہ پیدائش ۱۸۰۸ء ہے اور اسی سنہ مین مشہور ومعروف مدبر گلیڈ اسٹون اور فاضل سائنسٹ ڈارون بھی پیدا ہوئے اور عجب اتفاق کی بات ہے کہ ایک ہی سنہ مین پیدا ہوکر ایک نے فنِ شعر کو معراج کمال پر پہونچایا۔ ایک نے تدبیر مملکت اور آئین سلطنت داری مین ید طولیٰ حاصل کیا اور ایک نے علم طبیعات اور علم کیمیا ری مین ایسی ترقی کی کہ یورپ ہمیشہ کے لئے اُسکا احسان رہیگا اور جو جو باتین اُسکی ایجاد کی ہوئی اُسکو صنعت وحرفت مین مدد دے رہی ہین اُنکے لئے وہ کبھی اُسکا شکریہ ادا کرنے سے باز نہین رہ سکتا۔ ۱۸۵۱ء مین "ورڈزورتھ" کی موت کے بعد ملکۂ شعرا کا خطاب پاکر ٹینی سن شاہی دربار کا جادو نگار شاعر کہلانے لگا۔ جب اُسکے کلام مین فصاحت ولطافت، خیالات مین نزاکت وباریکی اور طرزِ بیان مین اثر ودلکشی دن بدن زیادہ ہونے لگی تو تمام انگلستان کے شعرا نے اُسکا لوہا مان لیا اور اُسکو اُس زمانے کا اُستاد سمجھنے لگے چنانچہ ۱۸۹۳ء مین "لارڈ" کا معزز خطاب دیا گیا اور "لارڈ الفریڈ ٹینی سن" کے نام سے مشہور ہوگیا۔ جب انگلستان کے اس سحر نگار سخنور اور تمام برطانیہ عظمیٰ کے نکتہ سنج اور نامور شاعر نے اپنی روح قابض ارواح کے سپرد کی تو اُسکی لاش بڑے تزک واحتشام کے ساتھ "ویسٹ منسٹر ابی" مین دفن کیگئی اور ٹینی سن برطانیہ عظمیٰ مین خصوصاً اور تمام دُنیا مین عموماً اپنی اچھوتی اور نیچرل شاعری کا انمٹ چھوڑکر اس دُنیا سے کنارہ کش ہوگیا۔ اس قصہ نے جو بدیہ ناظرین کیا جاتا ہے ۱۸۹۲ء مین موزونیت کا لباس پہنا اور ایسی شہرت حاصل کی کہ ورڈزورتھ بھی اسکی تعریف سے باز نہ رہ سکا اور مذکورۂ ذیل الفاظ مین اس نظم کی نسبت اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے:۔

"مین تمام عمر نہاری ایسی پیاسٹورل نظم لکھنے کی کوشش کرتا رہا لیکن ناکامیاب رہا۔" انگریزی مین اس نظم کی سب سے زیادہ خوبی یہ ہے کہ یہ بالکل سادہ اور معمولی بول چال مین لکھی گئی ہے جسکی نسبت ٹینی سن کو بڑی

۱؎ ویسٹ منسٹر ابی وہ مقام ہے جہان عدہ کمال کو پہونچے ہوئے مشاہیر قوم دفن کئے جاتے ہین۔ ۲؎ نظم کی وہ قسم جسمین دہقانی زندگی اور مناظر قدرت کا فوٹو کھینچا جاتا ہے۔ مترجم

دماغ سوزی سے کام لینا پڑا چنانچہ وہ خود کہتا ہے۔

"ایک شریف اور دیہاتی نوجوان لڑکی کا قصہ مزور تھا کہ نہایت سادہ اور روزمرہ کی زبان مین لکھا جاے اسلئے میری تمام عمر مین یہی ایک نظم لکھتے ہوئے مجھے بڑی دقت پیش آئی۔"

انگلستان کے ایک قصبے مین آلن نامی ایک کسان اپنے بیٹے اور بھتیجی کے ساتھ رہتا تھا اُسکی بیوی انتقال کر گئی تھی اور یہی دو عزیز اُسکی زندگی مین اُسکے شریک تھے۔ بیٹے کا نام ولیم تھا اور بھتیجی کو ڈورا کہا کرتے تھے۔ یہ بوڑھا دہقان اکثر ان دونون کو جب یہ باہم بات چیت کرتے تو پیار اور محبت سے دیکھتا اور یہ خیال کرتا "عزیز ڈورا فرمانبردار شریف حسین اور بھولی بھالی لڑکی ہے اور ولیم ایک محنتی۔ خوبصورت اور دلیر لڑکا ہے۔ یہ جسطرح عالم طفلی سے ایک گھر مین مل جُل کے رہتے آئے ہین مین چاہتا ہون کہ آیندہ بھی اسیطرح ایک دوسرے کے شریک زندگی رہین" بوڑھے کی نگاہون سے ڈورا اُسکے خیال کی تہ کو پہونچ گئی تھی اور چونکہ بچپن ہی سے وہ ولیم کو دل سے چاہتی تھی اسلئے اس بات سے نہایت خوش ہو کر اُسکے ساتھ اور بھی زیادہ التفات بڑھایا۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ بچپن سے ایک ہی جگہ رہنے سہنے سے نوجوان ولیم کی طبیعت مین ایک ایسی بات پیدا ہو گئی تھی کہ وہ ڈورا کو اپنی بیوی بنانا نہین چاہتا تھا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ بوڑھے دہقان نے اپنے عزیز فرزند کو طلب کیا اور کہا "میرے عزیز بچے۔ میری شادی زیادہ عمر مین ہوئی۔ مین نہین چاہتا کہ تمہارے لئے بھی یہی بات ہو اور میری دلی تمنا ہے کہ مرنے سے پہلے مین تمہارے بچے کو اپنے گود مین کھیلتا ہوا دیکھون۔ مین نے تمہارے لئے ایک دلکش جوڑا تجویز کیا ہے اور وہ تمہاری چچازاد بہن ڈورا ہے۔ جو حسین اور اپنی ہم عمر لڑکیون مین سب سے زیادہ کفایت شعار ہونیکے علاوہ میرے بھائی کی بیٹی بھی ہے۔ اگرچہ میرے بھائی نے کسی نکسر بگی کیوجہ سے مجھسے جدا ہو کر غیر ملک مین انتقال کیا لیکن اُسکی یادگار مین نے اُسکی بیٹی کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھا ہے اور اب چاہتا ہون کہ تم اُسکو اپنی بیوی بناؤ۔ کیونکہ مین اس آرزو کو سالہا سال سے دن رات اپنے دل مین پرورش کرتا رہا ہون۔ باپ کی ان تمام باتون کو سنکر ولیم نے مختصر سا یہ جواب دیا:-

بخدا مین ڈورا سے شادی نہین کرسکتا مین ڈورا سے شادی نہین کرونگا" بیٹے کی زبان سے یہ جواب سُنکر بوڑھا طیش مین آگیا اور کہنے لگا "کیا تو نہین کریگا لڑکے؟ تو مجھے اسطرح جواب دینے کی جرأت کرسکتا ہے؟ میرے وقت مین باپ کا حکم قانون سمجھا جاتا تھا اور اسوقت بھی میرا حکم تیرے لئے قانون ہے۔ ولیم دیکھ۔ اچھی طرح غور کرلے اور پورے طور پر جانچ لے۔ مین تجھکو سوچنے سمجھنے کے لئے ایک مہینے کی کافی مہلت دیتا ہون۔ یا تو میری خواہش کے مطابق جواب ملنا چاہیے یا قسم کھاکر کہتا ہون کہ تو گھر سے نکالدیا جائیگا اور پھر تیری منحوس صورت مرتے دم تک مجھے دکھانہ دکھائے" لیکن ولیم باپ کے ان سخت الفاظ کو سُنکر چپ چاپ چلا گیا وہ ہر چند کوشش کرتا تھا کہ اُسکا دل ڈورا کی طرف مائل ہو مگر نہ ہوا اور جسقدر ڈورا اُس سے محبت کا اظہار کرتی اُسیقدر ولیم کو اُس سے نفرت ہوتی جاتی تھی جسقدر ڈورا ہر بات مین اُس سے نرمی و ملائمت کو مدنظر رکھتی اُسیقدر ولیم اُسکو سختی اور درشتی کے ساتھ جواب دیتا تھا۔ ڈورا نے ولیم کے ان تمام سخت حرکات کو صبر و خوشی سے اس امید پر برداشت کیا کہ وہ اُسکی بیوی بنے گی اور ہر کام مین اُسکی اطاعت اور آسائش کو اس امید پر مقدم رکھا کہ جسطرح سالہا سال سے وہ اپنے پیارے چچا کے سایۂ عاطفت مین امن چین سے زندگی بسر کرتی رہی ہے ولیم سے

رشتۂ دو جیت قائم ہو جانیکے بعد اُس سے بھی زیادہ آرام اور سکھ سے رہیگی۔ لیکن اُسکی یہ کُل امیدین نقش بر آب تھین۔ کیونکہ جسکو ڈورا جان سے زیادہ پیار کرتی اور جسکے آرام کو اپنے آرام اور جسکی زندگی کو اپنی زندگی سے سوگنا قیمتی خیال کرتی تھی وہ اُسکی کچھ بھی پروانہ کرتا تھا۔ اُسکے ساتھ سختی سے پیش آتا۔ اُسکے دل کو طعن آمیز کلمات سے زخمی کرتا اور اُسکی پیاری۔ بھولی۔ دلکش۔ دلفریب صورت کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھا کرتا۔ اسیطرح ایک مہینہ کی مدت معینہ گزر گئی۔ جسمین ولیم کا دل ڈورا کی میٹھی میٹھی باتون اور الفت و وفا کی محبت بھری نظرون سے ذرا نہ پسیجا وہ اُس سے دلی ناراضی کے ساتھ ہمیشہ کے لئے جُدا ہونے کا تہیہ کرکے اُس مکان کو جسمین چھوٹے سے بڑا ہوا تھا تیار باد کہنے کی تیاریان کرنے لگا۔ ڈورا کی اُسوقت کی حالت قلم سے بیان نہین ہو سکتی جب اُسکے دل کا مالک اُس سے ہمیشہ کے لئے جُدا ہو رہا تھا۔ اُسکے دل پر نا امیدی کی گھٹائین چھا رہی تھین۔ اُسکا سینہ فرطِ غم سے پھٹا جاتا تھا۔ اُسکی بڑی بڑی نیلگون آنکھین آنسوؤن سے ڈبڈبا رہی تھین۔ اُسکا چہرہ غایت افسردگی سے زرد پڑ گیا تھا۔ حسرت کی یہ انتہا تھی کہ دمبدم ٹھنڈی سانس کھینچتی اور "اے میرے خدا کیا وہ مجھسے جُدا ہو جائیگا" کہکے ابر نوبہار کیطرح آنسوؤن کا تار باندھ دیتی۔ جب ولیم گھر سے نکلنے لگا تو ڈورا نے اپنے بیقرار و مضطرب دل پر کسیقدر تسکین کی غرض سے اپنا نازک ہاتھ جو اُسکی کافوری انگلیون کیوجہ سے دل کو ٹھنڈا کرنے مین مؤثر ہو رہا تھا رکھا۔ آسمان کی جانب حسرت و یاس سے دیکھکر ایک سرد آہ کھینچی اور نہایت غمگین آواز سے کہا۔

میرے پیارے ولیم! خدا تمہین سلامت رکھے کیا تمنے جانے ہی کی ٹھان لی! افسوس نہ مین پیدا ہوتی اور نہ مجھکو تمہاری جُدائی کا یہ دن دیکھنا نصیب ہوتا۔ خیر۔ تم اپنی جانباز ڈورا کی خوش کن اُمیدون کا خون کرتے ہوئے جاتے ہو تو جاؤ وہ تمہین منع نہین کرتی بلکہ خلوص دل سے تمہارے ارادون کی کامیابی کی دعا کرتی رہیگی۔ میرے پیارے ولیم! اتنا ضرور سنتے جاؤ کہ جب بیکس ڈورا تم پر اپنے کو قربان کرتی تھی اور تمہاری اطاعت و فرمانبرداری کو اپنی زندگی کا بہترین فرض خیال کرتی تھی تو تمہین ہرگز سطح اُسکی دلشکن کرنا نہ چاہیے تھا۔ اگر تم اُسکو زوجیت مین قبول کر لیتے تو وہ تمہاری بیوی نہین بلکہ کنیز بنکر رہنا پسند کرتی اور وفاداری کے ساتھ تمہاری خدمت مین اپنی عمر گذار دیتی اور تمہارے خوبصورت گلاب کے مانند شگفتہ چہرہ کی پرستش کرتی۔ یہ معلوم ہے کہ تم ڈورا سے جُدا ہو رہے ہو لیکن ڈورا کی دلی محبت اور ڈورا کا وفادار خیال تمہارے ساتھ ساتھ ہے اور جہان کہین تم جاؤ ڈورا تمہاری محبت اور ہمدردی سے ہرگز غافل نہین رہ سکتی" بدنصیب ڈورا نے غم سے کانپتی ہوئی آواز مین جس سے بیحد درد کا اظہار ہوتا رہا یہ الفاظ بمشکل کہے لیکن سنگدل ولیم کے دل پر اُسکا کچھ بھی اثر نہوا اور اُسنے کچھ جواب دیئے بغیر مکان سے چپ چاپ نکلتے ہوئے ڈورا کے رونے کے آواز کے ساتھ ہی یہ دردناک الفاظ سُنے "میرے دل و جان کے مالک ولیم! خدائے تعالےٰ تم پر ہمیشہ اپنی برکتون کا مینہ برساتا رہے"۔

ولیم اپنے خوشنما دہقانی مکان سے نکلکر اُسی قرب و جوار مین ایک جھوپڑہ کرایہ پر لیکر رہنے لگا اور دن بھر کھیت مین مزدوری کرکے اپنا پیٹ پال لیا کرتا۔ اسی حالت مین چند روز گزر گئے اور اس اثنا مین اُسپر بیشمار مصیبتین اور ان گنت تکلیفین ٹوٹ پڑین لیکن پھر بھی جو سودا اُسکے سر مین سما گیا تھا وہ نہ نکلا۔ جو ضد اُسکو چڑھ گئی تھی دن دونی ترقی کرتی گئی یہانتک کہ آن اور ڈورا کے جلانے کے لئے اُسنے ایک غریب مزدور کی لڑکی میری ماریسن سے شادی کر لی۔ جب باپ نے اپنے بیٹے کی شادی کی خبر سُنی تو ڈورا کو بلاکر

کہنے لگا "میری عزیز بچی مین تجھے دل سے پیار کرتا ہون اگر تو اُس شخص سے جو کسیوقت میرا بیٹا تھا یا اُسکی عورت سے جسکو مُوئے ہوئے میرا خون جوش کھاتا ہے بات یا اُنکی کچھ اعانت کریگی تو مین تجھے بھی گھر سے نکالدونگا دیکھ تو میری اس بات کا خیال رکھ کیونکہ تو جانتی ہے کہ میرا حکم قانون کا درجہ رکھتا ہے" نیکدل ڈورا نے چچا کا سخت حکم سنکر سرِ تسلیم خم کیا اور یہ خیال کرتی ہوئی وہان سے چلی گئی "ایسا نہین ہو سکتا - ضرور میرے چچا کو اپنے بیٹے پر کسی نہ کسی دن رحم آجائیگا" لیکن اُسکا یہ خیال بالکل بے بنیاد تھا - بھولی لڑکی کیا جانتی تھی کہ اُسکی ہری بھری اُمیدین بہت جلد سوکھکر کانٹا ہو جائینگی اور اُسی دل مین کھٹک کھٹک کر خلش پیدا کرینگی جسنے اُنکو ابتک اپنے خون سے سینچکر پرورش کیا ہے -

اے دل مین پیدا ہونے والی امیدو! اور اے خوش کرنیوالی تمناؤ! تم وہ پُرمسرت خیالات ہو جو آدمی کے دل مین موجزن ہو ہو کر اُسکی زندگی کا باعث ہوتے ہو - اگر آدمی کا سینہ تمہاری سلامت رو اور ملائم لہرون سے شاداب نہ ہوتا تو اُسکی زندگی کا درخت کبھی ہرا بھرا نہ رہ سکتا -

اے امیدو! تم ہی درخت زندگی کی میٹھی میٹھی خوشگوار بُور کھنے والی کلیان ہو جو کبھی کھلین تو پھل لائین ورنہ کھلنے بھی نہ پائین کہ سوکھکر گر پڑین -

اے امیدون کے خوشنما پھولو! اور اے تمناؤن کے خوشبودار خوشرنگ گلو! بہت کم ہین تم مین ایسے جو کھلکر اپنی بھینی بھینی خوشبو سے مشام جان کو معطر کرتے ہین اور بہت زیادہ تھے تم مین وہ جنھون نے کلی کی شکل بھی پوری اختیار نہ کی تھی کہ یاس کے گرم گرم جھوکون نے اُنکے نازک جسم کو مُرجھا دیا جلا دیا اور وہ گر پڑے - زمین نے اُنکو اپنے آغوش مین لے لیا اور وہ مٹی مین مٹی ہو گئے -

اُنھین نقش بر آب امیدون کو دل مین لئے ہوئے ڈورا اپنے خانگی کام کاج مین مشغول ہو گئی - اُٹھتے بیٹھتے - کھاتے - پیتے وکیم کی تصویر اُسکی اُن آنکھون مین پھر آکر تی تھی جو وکیم کی فرقت مین اشک بہاتے بہاتے آشوب زدہ ہو گئی تھین - اور اُسکے دیدار کو ترس گئی تھین - ایک زمانہ یون بھی گذرا اور اس عرصے مین وکیم کو مفلسی کی ایسی ایسی سخت اذیتین سہنی پڑین کہ آخر وہ اپنی ہٹ بھی بھول گیا اور اب اپنے باپ کے مکان کے سامنے دن مین اس غرض سے چکر لگایا کرتا کہ شاید اُسکی حالت زار دیکھکر اُسکو رحم آجائے اور وہ پھر اُسکو بُلالے - ڈورا اپنے مکان کی کھڑکی سے اُسکی تباہ حالت دیکھا کرتی اور اسقدر روتی کہ پھر دن بھکی بندھ جاتی اور جب خوب رو کر دل ہلکا کر چکتی تو یہ خیال کرنے لگتی "آہ میرے جان سے پیارے وکیم پر مصیبتون کا پہاڑ ٹوٹ پڑے اور مین چچا کے حکم کی پابندی کرتی رہون - مین نے اس خیال سے اب تک اُسکی کچھ خبر نہ لی کہ چچا کی نافرمانبردار کہلاؤنگی - لیکن اب مجھسے برداشت نہین ہو سکتی - مین چچا کے حکم کے خلاف کرنے پر مجبور ہو جاؤنگی اور حتی الامکان اس بےبسی کی حالت مین بھی وکیم کی مدد کرونگی - پیارے وکیم اگر تیری ڈورا کو تیرے مصائب کی خبر ہوتی تو کیا وہ تیری اعانت نہ کرتی ؟ بیشک وہ تیری ہر طرح سے ہمدردی کرتی - تیرے دُکھ درد مین شریک ہوتی - چاہے اُس سے زمانہ منحرف ہو جاتا مگر وہ تجھکو اپنی وفا کا ایسا ثبوت دیتی کہ شاید تیرا دل پسیج جاتا - ہان اب بھی کچھ نہین گیا ہے مین تیری غائبانہ مدد کرتی اور تیرے - تیرے بچے اور تیری بیوی کے حق مین ہمیشہ دعا کرتی رہونگی"

غرض اُس دن سے ڈورا اپنے پیارے وکیم اور اُسکے بیوی بچون کے لئے اناج اور پیسے جمع کر کر کے اس ترکیب سے

بھیجا کرتی کہ کبھی اُسپر یہ بھید نہ کھلنے پاتا کہ ولیم کی کفیل ڈورا ہے۔ اسطرح بھی کچھ دن گذرے اور فصل کٹنے کا زمانہ آگیا اس سال ولیم کے باپ کے یہاں ایسی اچھی فصل ہوئی تھی کہ شاید ہی کبھی ہوئی ہوگی۔ عین اس کی فصل مین ولیم کو ایسا سخت بخار لاحق ہوا کہ وہ دو ہی تین روز مین اس سرائے فانی سے بیکس بیوی اور شیر خوار بچہ کو چھوڑ کر عالم جاودانی کو چل بسا۔ ڈورا کو اُسکی ناگہانی موت کی خبر سُنکر ایسا سخت صدمہ ہوا کہ اسکا دل ٹوٹ گیا اور وہ اپنے چچا کے حکم کی کچھ بھی پرواہ نہ کرکے اُسکی چوری سے ولیم کی بیوی میری کو تسکین دینے کے لئے جا پہونچی لیکن خود ایسی اندوہناک تھی کہ میری کے گلے سے لپٹ کر آنسوؤن کا دریا بہادیا اور بہت دیر تک ولیم کی نشانی کو اپنے سینہ سے لگائے رہی۔ میری نے بہت کچھ شکوہ شکایات کے دفتر کھولدئے لیکن ڈورا نے اُسکی کل باتون کا بھرائی ہوئی آواز مین یہ جواب دیا "مین نے اپنے چچا کے حکم کی ابتک پابندی کی اور مین سخت گنہگار ہون گی مین ہی ولیم کی مصیبتون کا باعث ہوکر ایک مدت تک اُسکی مدد سے تغافل کرتی رہی۔ لیکن میری اُس مسافر عدم کی۔ تمہاری اور اس یتیم بچے کی محبت نے مجھے چچا کے حکم سے منحرف کردیا ہے اور اب مین تمہارے پاس متوفی کے غم کو تمہارے دل سے دور کرنے اور تمہاری ہمدردی کرنے کے لئے آئی ہون۔ کیا تم نہین دیکھتی ہو کہ پانچ سال سے ابتک میرے چچا کے یہان ایسی اچھی فصل نہین ہوئی جیسی کہ اس سال ہوئی ہے اسلئے مین چاہتی ہون کہ تمہارے بچہ کو گیہون کے کھیت کے پاس گود مین لیکر بیٹھی رہون۔ جون ہی میرے بوڑھے چچا کی نظر گیہون کے لہلہاتے ہوئے کھیت پر پڑیگی تو کثرت فصل کو دیکھکر اُسکا دل باغ باغ ہوجائیگا اور عجب نہین کہ اس بچہ کو دیکھکر وہ اپنا غصہ بھی بھلا دے۔ اس ترکیب سے مجھے امید ہے کہ وہ اپنے متوفی بیٹے کی نشانی کو جان سے زیادہ عزیز رکھیگا۔ یہ کہکر ڈورا لڑکے کو لیکر چلی گئی اور گیہون کے کھیت کے پاس اُسکو گود مین لیکر ایک بلند مقام پر بیٹھ گئی جسکے گرد خشخاش کے ہرے ہرے پودے لہلہا رہے تھے۔ کسان وہان آیا لیکن اُسکی نظر بچہ پر نہ پڑی اور کسی نوکر نے بھی اُسکو یہ بتلانے کی جرأت نہ کی کہ ڈورا اپنے گود مین کوئی بچہ لئے بیٹھی ہے۔ آخر اُسنے نا امید ہوکر ارادہ کیا کہ بچے کو لیکر چلی جائے لیکن اُسکے دل مین اُمید کی ایک موہوم سی روشنی پیدا ہوئی اور وہان وہ اسوقت تک بیٹھی رہی جبکہ آفتاب غروب ہوگیا اور رات کی تاریکی نے تمام خوشنما منظر پر پردہ ڈالدیا۔ جب صبح ہوئی تو ڈورا نے جنگل کے رنگ برنگی پھولون کا ایک ہار بنا کر خوبصورت بچہ کی ننھی سی ٹوپی کے چارون طرف لپیٹا تاکہ وہ اپنے دادا کے نگاہون مین زیادہ خوبصورت معلوم ہو اور پھر اُسی بلند مقام پر لیکر بیٹھ گئی۔ جب بوڑھا دہقان اُس مقام پر آیا تو پوچھنے لگا۔

"ڈورا تم کل کہان تھین؟ یہ کسکا بچہ ہے؟ تم یہان کیا کر رہی ہو؟ ان سوالات کو سُنکر ڈورا نے کچھ تو خوف اور کچھ شرم کے ساتھ نیچی نگاہین کرکے جواب دیا "یہ بچہ ولیم کا ہے" یہ سُنکر چچا نے نہایت کرخت آواز مین کہا "کیا مین نے تجھے منع نہین کیا تھا ڈورا؟ کیا تجھے مین نے منع نہین کیا تھا؟ بوڑھے کے ان دہشت انگیز الفاظ سے ڈورا کانپ اُٹھی اور لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے کہا "میرے ساتھ آپ کو جو کچھ کرنا ہے کیجئے۔ لیکن اس یتیم کو پروردش فرماکر اُس بدنصیب کی روح کو شاد فرمائیے جو اس دُنیاے فانی کو چھوڑکر عالم بقا کو روانہ ہوگیا ہے"

اسکے جواب مین آلن نے کہا "مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تم دونون نے ملکر (یعنی تمنے اور ولیم کی بیوی نے) یہ مکر کا جال بچھایا ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ تم مجھے عقل سکھانے آئی ہو۔ تم بڑی

بیباک لڑکی ہو۔ تمنے یہ جانکر بھی کہ میرا حکم قانون ہے اُسکی کچھ پروا نہ کی اور عدول حکمی کی۔ خیر۔ بچّہ کو میرے پاس چھوڑ جاؤ لیکن تم فوراً چلی جاؤ۔ مین پھر کبھی تم ایسی گستاخ اور نافرمان لڑکی کی صورت دیکھنا نہین چاہتا۔ یہ کہکر آکن نے بچہ کو لے لیا جو ڈورا کی گود مین جانے کے لئے مچل مچل کر رو رہا تھا۔ اُسکی ننھی سی ٹوپی پھولون کے ہار سمیت ڈورا کے قدمون پر گر پڑی تھی لیکن ڈورا بچّہ کی جانب اس حسرت سے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی کہ اُسکو اسکی مطلق خبر نہ ہوئی اور جب بوڑھا نظرون سے غائب بھی ہوگیا تو بہت دیر سے بیکس بچّہ کے رونے کی آواز آرہی تھی۔ بوڑھا دہقان بچّہ کو لیکر چلا گیا اور ڈورا کو حکم دے گیا تھا کہ وہ گھر مین قدم نہ رکھے۔ اُسی جگہ غمگین ڈورا چپ سی بے انتہا بیکسی اور حسرت چھائی ہوئی تھی سر جھکائے اپنی آیندہ قسمت کا نازائچہ دیکھ رہی تھی بے یار و مددگار ڈورا جبکہ اب کوئی بھی رفیق نہین تھا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور فصل کاٹنے والے کسان رحم کی نگاہون سے چپکے چپکے اُسکی صورت دیکھنے لگے۔ اتنے مین آفتاب غروب ہوگیا اور رات کی تاریکی نے اُس خوشنما منظر پر اپنی سیاہ چادر اُڑھادی۔ چاند نکل آیا اور ڈورا کے اُداس چہرے پر اپنی ملائم روشنی ڈالنے لگا جسنے اب وہان سے نکلکر میری کے جھونپڑے کا راستہ لیا تھا۔ جب ڈورا میرتی کے جھونپڑے مین پہونچ گئی تو میری نے اُسکی گود مین بچّہ کو نہ دیکھکر خدا کا شکریہ ادا کیا کہ اُسنے اس عالم بیکسی مین اُسکی مدد کی۔ لیکن ڈورا نے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔ "میرے چچا نے بچّہ کو لے لیا مگر مجھے گھر مین آنے سے منع کر دیا ہے اب تم میری اس بیکسی پر ترس کھاکر مجھے اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دو۔ ہم دونون مزدوری کرکے گزارہ کر لیا کرینگے"۔

یہ سُنکر میری نے غضبناک ہوکر کہا "یہ ہرگز نہوگا کہ میرے سبب سے تمکو مصیبت جھیلنی پڑے اور مین اپنے پیارے بچّہ کو اُسکے پاس نہ رہنے دونگی کیونکہ وہ اُسکو بیرحمی کا سبق دیگا اور اپنی مان کی طرف سے بددل کر دیگا۔ اسلئے آج ہی ہمکو اُسکے پاس جانا چاہئے۔ مین اپنے پیارے بچہ کو لے لونگی اور التجا کرونگی کہ وہ تہ دل سے رحم کرکے تمہاری خطا معاف کر دے۔ لیکن اگر اُسنے تمہارا قصور نہ معاف کیا اور گھر مین رہنے کی اجازت نہ دی تو ہم تم بہنون بہنون کی طرح ایک دوسرے کی غمگسار بنکر زندگی بسر کرینگے"۔

میری کے ان محبت آمیز کلمات کو سُنکر ڈورا نے اُسکی صاف و شفاف پیشانی پر بوسہ دیا اور دونون آکن دہقان کے یہان روانہ ہوئین۔ جب اُسکے خوشنما جھونپڑے تک حسین ڈورا کے ہاتھ سے پروش پائے ہوئے چھوٹے چھوٹے بے انتہا خوبصورت درخت لہلہا رہے تھے اور انواع و اقسام کے خوشبودار پھول کھلے ہوئے تھے یہونہین تو دیکھا کہ دروازہ کھلا ہوا ہے اور بچّہ اپنے دادا کی گود مین کھیل رہا ہے جو محبت سے کبھی اُسکے گلابی رخسارون پر اور کبھی نرم و ملائم ہاتھون کو چومتا جاتا ہے۔ ٹھیک اُسیوقت جبکہ اس معصوم بچّے نے اپنے دادا کی گھڑی کی زنجیر سے لگی ہوئی اشرفی کو قریب رکھی ہوئی انگیٹھی کی روشنی سے چمکتے دیکھکر پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا ڈورا اور میری دروازہ مین داخل ہوئین۔ بچّہ مان کی صورت دیکھتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور اُسکی گود مین جانے کے لئے ہمک ہمک کر اپنے ننھے ننھے ہاتھ پھیلا دئے۔ بوڑھے نے ایک نوجوان عورت کو اسطرح کمرہ مین بیدھڑک داخل ہوتے دیکھکر بچّہ کو گود سے اُتار دیا اور حیران ہوکر دیکھ ہی رہا تھا کہ میری نے کہا "ابا جان (اگر مین تمکو اسطرح پکار سکتی ہون) مین اپنی یا ولیم یا اس بچّہ کی التجا لیکر نہین آئی ہون بلکہ صرف ڈورا کیلئے استغاثہ عرض کرتی ہون کہ

آپ اُسکی خطا معاف کرکے اُسکو اپنے سایۂ عاطفت مین لے لیجئے کیونکہ وہ آپ کو سچے دل سے چاہتی ہے۔

اے حضرت! ولیم سب سے اپنے خطاؤن کی معافی مانگ کر اس وار فانی سے رخصت ہوا اور جب مین نے اُس سے یہ کہا کہ "پیارے ولیم مین تمسے معافی مانگتی ہون کہ میری ہی وجہ سے تمکو اتنی مصیبتین جھیلنی پڑین" تو اُسنے نمناک آنکھون سے جواب دیا "نہین میری مین تمسے شادی کرکے نہین پچھتایا اور نہ تمسے مجھے کوئی مصیبت پہونچی"۔ حضرت! مین نے جیتک ولیم زندہ رہا محبت سے اُسکا ساتھ دیا لیکن جب اُسکی آخری گھڑی قریب تھی تو اُسنے مجھے بُلاکر کہا "میری مین نے سخت غلطی کی جو باپ کو ناخوش کیا۔ خدا اُسکو سلامت رکھے اور جو جو مین نے اذیتین اُٹھائی ہین اُنکی اُسکو خبر نہو" اتنا کہکر اُسنے اپنا مُنہ پھیر لیا اور اُسکی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ آہ! ولیم مین بدنصیب تھی جو تیرے ہی ساتھ نہ مرگئی اور تکلیفین جھیلنے کے لئے زندہ رہی"۔

اے حضرت! اب ڈورا کی خطا معاف فرمائیے اور بچّہ کو مجھے دیدیجئے"۔ نیری اتنا کہکر خاموش ہوگئی اور ڈورا اپنا مُنہ ڈھانپ کر چپکے چپکے آنسو بہانے لگی۔ کمرہ مین سکوت کا عالم تھا جسکو بوڑھے آدمی کے رونیکی آواز نے توڑا "مین قابل الزام ہون، قابل الزام ہون، مین نے اپنے بچّہ کو اپنے ہی ہاتھون سے مارا لیکن مین اُس سے محبت کرتا تھا۔

آہ! اے میرے پیارے بیٹے خدا مجھے معاف کرے مین نہایت قابل الزام ہون آؤ بچو میرے گلے سے لگ جاؤ۔ دونون اُس سے لپٹ گئین اور اسکی پیشانی اور رخسارون کو چومنے لگین بوڑھا زار و قطار رو رہا تھا اور اُسکے دل مین پدرانہ محبت کا دریا اُمنڈ اُمنڈ کر آرہا تھا اُسنے ولیم کے بچّہ کو گلے سے لگالیا اور کامل تین گھنٹے تک اپنے بیٹے کی یاد مین رویا کیا۔

جب رو دھو کر سب کا دل ہلکا ہوا تو بوڑھا دہقان اپنی بہو اور بھتیجی کے ساتھ سچی محبت سے پیش آیا اور سب ایک ہی گھر مین مل جُل کر رہنے لگے۔ لیکن ڈورا ولیم کی یاد مین ہمیشہ اُداس رہا کرتی تھی۔ سوائے آنسو بھری آنکھون کے کسی نے اُسکی شنجرفی ہونٹون پر تبسم نہ دیکھا اور سوائے اُداسی کے کبھی اُسکے چہرہ پر خوشی کی سُرخی نہین نظر آئی۔ یون ہی رہتے رہتے جب کچھ مدت گزر گئی تو نیری نے دوسرا شوہر بھی پیدا کرلیا لیکن ڈورا باوفا ڈورا نے ولیم کی یاد مین کسی سے شادی نہین کی اور عین عالم شباب مین لوگون کی زبان پر اپنی وفاداری کا فسانہ چھوڑ کر اس دُنیائے فانی سے عالم بقا کیطرف روانہ ہوگئی۔

باوفا نوجوان دوشیزہ! تو نے مرتے دم تک وفا کا خوشنما تاج زیب سر کئے حیا کے مرصع تخت پر دیار الفت کی ایسی حکمرانی کی کہ تیری سچی محبت کا سکہ تمام دنیا پر بیٹھ گیا اور جب کسی کو تیرے راج کا زمانہ یاد آجاتا ہے تو سرد آہ کے ساتھ یہ کلمے نکل جاتے ہین "آہ! ملکۂ پیکر وفا" تو جس قبر مین پڑی سو رہی ہے اُسپر پاک روحین وفا کے پھولون کی چادر چڑھاتی اور سچی محبت کا سُریلا راگ گاتی ہین۔

سید اللہ بخش سہدوی

تصویر ریاض

دیکھکر بے ساختہ جی بھر آیا، آہ! یہ اُسوقت کی تصویر ہے جبکہ ریاض زندہ تھے - اسی زمانہ مین کہا گیا تھا- ؎

دُنیا کی پڑ رہی ہین نگاہین ریاض پر کس نوک کا جوان ہے کس آن بان کا

جن لوگون نے اب مردہ ریاض کو دیکھا ہے اُنکے دلون سے پوچھیے کہ جوان ریاض کی تصویر دیکھکر کیا گذر گئی؟ ہاے اُن کمبخت دیکھنے والون مین ایک مین بھی ہون - کہہ نہین سکتا کہ زندہ ریاض کی تصویر دیکھکر حسرت نصیب دل پر کسقدر چوٹ لگی؟

ریاض کی موجودہ تصویر اگر ادیب مین دیجائے تو کوئی پہچان نہین سکتا کہ یہ وہی ریاض ہین جو ستمبر کے ادیب مین نظر آتے ہین - آہ! اب اُنکی شکل و شباہت، وضع و قطع اور مزاج و طبیعت مین زمین آسمان کا فرق ہوگیا ہے اور بلاشبہ وہ حقیقی معنون مین مردہ ہین -

علاوہ دیگر تفکرات دُنیاوی و تردداتِ خانگی کے جو ہمیشہ اُنکو گھیرے رہے آخر عمر مین ایک روحانی صدمہ اور ناگوار مصیبت اسی پڑی جسنے اُنکی کمر کو توڑ دیا اور دل و دماغ کو قابو مین نہ رکھا- ناگوار مصیبت کا ذکر کرنا فضول ہے - البتہ روحانی صدمہ کے اظہار مین کوئی مضائقہ نہین - آپ یہ سنکر بیتاب و بے قرار ہوجائینگے کہ حضرت ریاض خود ہی زندہ درگور نہین بلکہ اپنی معنوی اولاد (دیوان) کو بھی کھوئے ہوئے بیٹھے ہین - جسوقت دفتر ریاض اللانجا گورکھپور سے لکھنو منتقل ہو رہا تھا راستہ مین حضرت کا مکمل و مرتب دیوان جاتا رہا اور ایسا گیا کہ آج تک پتہ نہین - اس صدمہ جانکاہ سے اُنکی رہی سہی جان بھی سلب کرلی اور قبل از وقت پیر فانی بنا دیا-

جہان ریاض کی تصویر دیکھکر پرانے زخم ہرے ہوگئے وہان ایک تازہ چرکا یہ بھی لگا کہ اُنکی شان کے موافق حالات نہین شائع کیے گئے جسپر حکیم برہم صاحب ایڈیٹر مشرق نے یہ بات بالکل حق بجانب لکھی کہ "جو کچھ حضرت ریاض کے حالات مین لکھا گیا ہے اُس سے زیادہ تو ادیب کے اکثر ناظرین بھی جانتے ہونگے" فی الحقیقت ریاض کو بحیثیت شاعر کے دکھایا ہی نہین گیا جس سے پتہ چلتا کہ متاخرین مین ریاض کا پایہ شاعری کسقدر ارفع و اعلیٰ ہے؟

ہماری یاد مین اُنکی زندگی اور موت کا جو کچھ کلام محفوظ ہے اُسے دو دورون مین تقسیم کرکے ہدیۂ ناظرین کرتے ہین - پہلا دور زندگی کا ہے اور دوسرا موت کا - دونون کے بغور دیکھنے سے خیالات کی تدریجی رفتار اور طبیعت کے تغیر پذیر ہونے کا حال بخوبی معلوم ہوسکیگا- ؎

شکل ہستی و عدم آئینہ دکھاتا ہے کہ ادھر سب نظر آتا ہے اُدھر خاک نہین

پہلا دور

بیان خواب کی طرح جو کر رہا ہے
یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جوان تھا

ان سے کچھ یہ شفقِ شام لگا بھی آئی — گر شبِ وعدہ جو آئے تو حیا بھی آئی
دردِ فرقت کی اذیت کا نہ پوچھو کچھ حال — آج گھبرا کے کئی بار قضا بھی آئی
اتنے دن آئے ہوئے بجلکہ قفس مین گذرے — جھانکنے کو کبھی گلشن کی ہوا بھی آئی

ع حضرت ریاض کے حالات کے لئے سب سے پہلے حکیم صاحب ہی کو تکلیف دی گئی تھی (ایڈیٹر)

بھولتا ہی نہیں کمسنا یہ کسی کافر کا — تجھے بھولے سے کبھی یاد خدا بھی آئی
کیوں زمیں میں نگہِ شرم گڑی جاتی ہے — چٹکیاں لینے کو تربت میں حیا بھی آئی
شمعِ تربت کے لئے جنبشِ دامن تھی مجھے — اُنکے دامن سے لگی باد صبا بھی آئی
تو ہمیشہ رہی قاتل کی کمر میں اے تیغ — تیرے صدقے تجھے قاتل کی ادا بھی آئی

آئے میخانہ میں جب مسجدِ جامع سے **ریاض**
ساتھ ہی آپ کے قبلے سے گھٹا بھی آئی

جو اُٹھ رہی ہے روزِ قیامت کیواسطے — وہ صبح بھی نہیں شبِ فرقت کیواسطے
بنجائے کوسے یار میں تھی آرزو یہی — اک حشر اُٹھ گیا مری تربت کیواسطے
تم کہد و آسمان سے جھک کر جگہ بتائے — دو گز زمین چاہیے تربت کیواسطے
فتنے سے اُنکی چال کی کچھ بڑھ چلی تھی بحث — کیا اُٹھ رہا کچھ آج قیامت کیواسطے

ہر دم دعائیں دیتے ہیں سرکار کو **ریاض**
اُٹھتے ہیں ہاتھ دامنِ دولت کیواسطے

آنکھیں ہیں قدموں سے وہ ملنے نہیں دیتے — ہم پتلیوں سے دل کو سلنے نہیں دیتے
وہ کیا لحدِ غریب کو پامال کرینگے — چلتے ہوئے نقرے بھی جو چلنے نہیں دیتے

. . . . . .

آئی ہے یہ کہتی ہوئی کسکی شبِ فرقت؟ — ہم رنگِ زمانہ کو بدلنے نہیں دیتے

. . . . . .

ہے جان مری کشمکشِ نزع میں دن رات — ارمان تو کیا دم بھی نکلنے نہیں دیتے
جاتا ہوں تو آتی ہے یہی غور سے آواز — ہم دیکھنے والوں کو سنبھلنے نہیں دیتے

کیا کام **ریاض** اُس سے ہے سو بار بھائے
ہلکو یہ حسین پھرلنے چھلنے نہیں دیتے

کسکی نگاہ لڑ گئی اُنکی نگاہ سے؟ — طوفان بجلیوں کا اُٹھا جلوہ گاہ سے
ساتھ اُنکے لاکھوں فتنہ خوابیدہ ہولئے — اک حشر اُٹھا جب اُٹھکے چلے خوابگاہ سے
یہ ایک لطف لاکھ ستم کا جواب ہے — محشر میں بس کے کر گئے کچھ داد خواہ سے
توبہ شکن یہ کون ہوا خم سے ہمکنار — کیا کیا ملی ہے توبہ کے توبہ گناہ سے

سیری ہوئی نہ لذتِ عصیاں سے عمر بھر — کیا کچھ کیا مگر نہ بھرا جی گناہ سے

جاتے ہیں اب **ریاض** کہاں سوئے کعبہ؟
مسجد میں آرہے جو اُٹھے خانقاہ سے

بیٹھا ہے کوئی گیسوؤں کے بل نکال کے — عکس آئینے میں آئے زرد کھجال کے
بالوں میں اپنے بیٹھ کے موتی پروئیے — آنسو نہ پوچھئے کسی آشفتہ حال کے

اُٹھواؤ بیز سے مے و ساغر **ریاض** جلد
آتے ہیں اک بزرگ پرانے خیال کے

غوشامد خوری مُنہ دیکھی بڑی ہے — تمہاری آرسی دیکھی پڑی ہے
قیامت کی خلش کیوں ہر گھڑی ہے — وہ تیسے قد میں کم سن میں بڑی ہے
تمنا کو تم اپنے منع کر دو — ہماری جان کے پیچھے پڑی ہے

شبِ غم کی سحر نہیں ہوتی — ہوبھی تو میرے گھر نہیں ہوتی
دن چڑھے تک حسین سوتے ہیں — انکے گھر بھی سحر نہیں ہوتی
لکھشان بنتی ہے یہ وقت خرام — رگذر، رگذر، نہیں ہوتی
جان لو کچھ گذر گئی اُسپر — مُنہ چھپائے جو کوستا جائے

. . . . . .

ہے **ریاض** اک جوان مست خرام
نہ پیئے اور جھومتا جائے!

یہ کیا مذاق فرشتوں کو آج سوجھا ہے — ہجومِ حشر میں لے آئے ہیں پلا کے مجھے
تمام عمر کے شکوے مٹائے جاتے ہیں — وہ دیکھتے ہیں دمِ نزع مسکرا کے مجھے
صیاد کو جو مجھ پہ یار ب ترس نہ آئے — باغوں میں موسمِ گل لاکھوں برس نہ آئے
چین مر کر تہ زمین بھی نہیں — اب ٹھکانا مرا کہیں بھی نہیں

چھکائیں لاؤ بھر کے گلابی شراب کی — تصویر کھینچیں آج تمہارے شباب کی

. . . . . .

جدھر ہم خشت خم رکھدیں بنائے کعبہ پڑتی ہے — جدھر ساغر اُلٹ دیں میکدوں پشتِ سیہ ہوتا ہے
بچا تھا اُس گلی میں کل اس وضع سے **ریاض** — اک پشت خار بانہ میں اور سر مُنڈا ہوا

حسینوں کی بھری محفل ہو ہم ہوں ریاض اک چلبلا سا دل ہو ہم ہوں
قدح دان کو ہر سخن کے ریاض منہ مرا موتیوں سے بھرتے ہیں

دوسرا دَور

اب عشق کا خفیہ یوں دل سے مٹ گیا ہے
جس طرح یاد کوئی قرآن کر کے بھولے داغ

خیالِ شب غم سے گھبرا رہے ہیں ہمیں دن کو تارے نظر آ رہے ہیں
دمِ وعظ کیسے مزے میں ہیں واعظ بھرے جام کوثر کے چھلکا رہے ہیں
لگا دو ذرا ہاتھ اپنی گلی میں جنازہ لئے دل کا ہم جا رہے ہیں
یہ اُلجھے ہیں رندوں سے کیا شیخ صاحب بڑھاپے میں کیوں داڑھی رنگوا رہے ہیں
قیامت بھی جاتی ہے ہر قدم پر یہ کون آ رہا ہے، وہی آ رہے ہیں؟
دعا دے رہا ہوں یہ دیوانگی میں چُبھیں پھول تنکے جو چُنوا رہے ہیں

سیدھی کرے ذرا میکدے میں
عصا ٹیکتے کیا ریاض آ رہے ہیں

ڈھل چکی ہے اب جوانی جائیگی یہ شراب ارغوانی جائیگی
موت سے بدتر بڑھاپا آئیگا جان سے اچھی جوانی جائیگی
بوسہ گیسو سے ہیں چین برجبیں رات بھر کیا سرگرانی جائیگی
جان سے بڑھکر اسے رکھتے عزیز کیا سمجھتے تھے جوانی جائیگی
شیخ نے مانگی ہے اپنی عمر کی میکدے سے اب پُرانی جائیگی
ناے کرنا سیکھتے ہیں عندلیب اب یہ طرزِ نغمہ خوانی جائیگی
ساتھ لائے ہیں قفس سے ناتوان جاتے جاتے ناتوانی جائیگی

پینے آتے ہیں فرشتہ حُور ریاض
حوض کے دامن میں چھپانی جائیگی

کوئی جانے بھی ہیں ایک جلوہ دیکھنے والے بڑے وہ آئے موسیٰ جا کے تنہا دیکھنے والے
تری تاثیر سی سوزن کیا سمائے انکی آنکھوں میں ہمارے آبلے ہیں خار صحرا دیکھنے والے

نئی ناؤس میں پھونکی ہے جسنے روح وہ ہیں ان میں ابھی موجود ہیں اہل کلیسا دیکھنے والے
خدا جانے غش آیا جلوہ گاہ طور میں کسکو وہ کس سے پوچھتے ہیں جھلکو دکھا دیکھنے والے
حنائی ہاتھ کا صدقہ بجھا دے اب لگی دل کی لگا کر آگ اس گھر میں تماشا دیکھنے والے
نشیمن میں نہیں میں تو شرر برق کیوں جائیں یہ جا کر کون میرا آشیانا دیکھنے والے ہے؟

یہ جتنے پینے والے ہیں ریاض ان سب کے مرشد ہیں
ہمیشہ جام سے ہیں نیچی نگاہ دیکھنے والے

میرے گھر مثلِ تبرک کے یہ سامان نکلا آستینِ قیس کی فریاد کا دامان نکلا
وہ ادا تھی کہ قدا لاکھ حسینوں کا بناؤ خون میں ڈوب کے اس رنگ سے پیکان نکلا
شفقِ شام ہے لالہ رخوں کا دامن سرِ نوشکے حسینوں کا گریبان نکلا
یہ وہ پتھر ہے نگینہ سے جو کبھی ہٹ نہ سکا سنگ در سے بھی سوا آبِ گہر ان نکلا

اک زمانہ جسے کہتا تھا کہ کافر ہے ریاض
وہی بدکیش بڑا مردِ مسلمان نکلا

بہار* نام کی ہے کام کی ہمارے نہیں کہ دستِ شوق کیلئے گلے کا ہار نہیں
سحر* بھی ہوتی ہے چلتے ہیں اے اجل ہم بھی اب اُنکے آنے کا ہمکو بھی انتظار نہیں
مجھے یہ ڈر ہے نہ ہو اور طول محشر کو! مرے گناہوں کا مالک مرے شمار نہیں
جناب شیخ نے مے پی تو نوشنا کے کہا مزا بھی تلخ ہے کچھ بو بھی خوشگوار نہیں
اذیت اس دل مردہ کو کیوں ہے سینہ میں عذاب گور نہیں قبر کا تشار نہیں
یہی چراغ لحد تھے یہی تھے قبر کے پھول* اب اُنکے نقشِ قدم بھی سرِ مزار نہیں

خاکا کے پوچھتے ہیں گلرخوں میں ریاض
کچھ انکی ریش مبارک کا اعتبار نہیں

یاد پیری میں ادھر آئی اُدھر بھول گئے اے جوانی تری ہم شام و سحر بھول گئے
پاسے نازک کا یہ احسان بھی ہے بہتا سر پر ذبح کے بعد وہ ٹھوکر اسے کو سر بھول گئے
رہگئی یاد ہمیں نیم نگاہی میری دل میں وہ پھانس چبھی درد جگر بھول گئے
کسکے مرقد سے یہ راقوں کو صدا آتی ہے سونیوالے مرے ناوں کا اثر بھول گئے

* جو لوگ ریاض کے ناگوار مصائب سے واقف ہیں اُنکے دل سے ان اشعار کی حسرت اور سوز و گداز پوچھئے ✿ مطلع و مقطع دونوں ریاض کی موجودہ حالت دلی کیفیت کا آئینہ سمجھئے لامکان میں بھی تو کچھ جلوہ نظر آتا ہے + بیکسی میں تو اُدھر ہوں کہ جدھر کچھ بھی نہیں - (دلگیر)

. . . . . .

لے چلے غیر کے گھر حاصلِ گلگشتِ چمن پھینکنا میری لحد پر گلِ تر بھول گئے

روؤں کیا بیٹھ کے میں اپنے مصائب پر ریاض
اب تو رونا بھی میرے دیدۂ تر بھول گئے

جسوقت حضرت ریاض نے گور کھپور چھوڑا ہے اور لکھنؤ آئے ہین تو بڑی بڑی تمنائین ساتھ لیکر آئے تھے۔ خود ہی ایک مقطع مین اسکا یون اظہار کرتے ہین - ؎

ریاض تھی جو مقدر مین بازگشتِ شباب جوان ہونے کو پیری مین لکھنؤ آئے

لیکن اُنھین کیا خبر تھی کہ تقدیر کیسی اور گھات مین ہے؟ . . . . .

. . . . . ع - ہوچکی شہر شہر رسوائی سچ کہا ہے ؎

ریاض قسمت کے پیچ و خم نہین سکتے کسی طرح
یہ بَل نکل کے آئے ہین زلفِ سیاہ سے

بہرتقدیر مرحوم ریاض (خدا اُنھین مدتون زندہ رکھے) آجکل "عبرت" کی مجسم تصویر بنے ہوئے ہین جیساکہ خود بھی ایک جگہ ارشاد فرماتے ہین - ؎

اب مجرمانِ عشق سے باقی ہون ایک مین
اے موت رہنے دے مجھے عبرت کیواسطے

ادیب نے اگر جوان اور زندہ ریاض کو پبلک سے روشناس کرایا ہے تو اُسے مردہ دل ریاض کو بھی ایک نظر دکھادینا چاہیے تاکہ دُنیا کی نگاہون کے سامنے عروج و زوال اور بے ثباتی عالم کی صحیح و زندہ تصویر پھرجاے۔ ہاے! ؎

جھکے ہین بارِ الم سے تنے ہوئے کیسے
بگڑ گئے ہین ہزارون بنے ہوئے کیسے

شاہ دلگیر اکبرآبادی

قدیم ہندوستان کی تہذیب

(مترجمہ - اے - وی - احمد صاحب)

کسی قوم کے تمدن کی اشاعت اور اُسکی قومیت کے قیام کے لئے تاریخ کا مطالعہ جسقدر ضروری ہے وہ محتاج بیان نہین - کسی انگریزی مورخ کا قول ہے کہ جو قوم اپنے بزرگون کے کارنامے نہین یاد رکھتی وہ خود کبھی کوئی ایسا کام نہین کریگی جو آیندہ یاد رکھے جانے کے قابل ہو لیکن محض قومیت کی عینک کو اُتار کر اگر آپ تاریخ کو فلسفی کی نگاہ سے دیکھین تب بھی آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ تمدن کا تسلسل قومی ترقی کے لئے اس اصول کو منضبط کرتا ہے کہ کسی قوم کی پچھلی تاریخ اُسکے عروج اور زوال کے اسباب اُسکی فطرتی قوتون اور اُسکے مزبوم کے حالات - اُس قوم کی آئندہ روش پر روشنی ڈالتے ہین - اسی بنا پر ہم ہندوستان کی تاریخ کا مطالعہ آجکل کے نوجوانون کے لئے جنھین ہندوستانی قوم کو از سر نو خلق کرنا ہے نہایت ضروری خیال کرتے ہین -

مسٹر دت کی تاریخ ہندوستان قدیم ہمارے ملک مین اُنیسوین صدی کی نام آور کتابون مین سے ہے - یہ ضرور ہے کہ جہان تک محض واقعات کی تحقیقات کا تعلق ہے - اس کتاب

مین بہت کچھ کمی ہے اگر یہی کتاب مسٹروت آج لکھتے تو وہ موجودہ مستشرقین کی تحقیق اور تنقید سے ضرور فائدہ اُٹھاتے۔ اس خیال سے یہ کیا جا سکتا ہے کہ مسٹر وِنسنٹ اسمتھ (Vincent Smith) پروفیسر رائیس ڈے وس۔ (Rhys Davis) کی کتابین مسٹروت کی تصنیف کے مقابلہ مین زیادہ معتبر ہین۔ لیکن ساتھ ہی اسکے ہمکو یہ خیال رکھنا پڑتا ہے کہ مسٹروت نے مسٹر اسمتھ کی طرح واقعات بیان کر دینے پر اکتفا نہین کی ہے بلکہ اُنسے نتائج بھی اخذ کئے ہین اُنکی کتاب محض تاریخی روزنامچہ نہین ہے بلکہ ہندو تمدن کی داستان ہے اور چونکہ وہ خود ہندو تھے اور اس تمدن کی خوبیون اور کمزوریون سے بخوبی واقف تھے اسلئے باوجود تحقیقات کے نقائص کے جو کچھ اُنھون نے ہندو تمدن کے متعلق لکھا ہے وہ اس قابل ہے کہ توجہ سے پڑھا جاے اور غور وفکر کی کسوٹی پر کسا جاے۔

مسٹر۔ اے۔ وی۔ احمد صاحب نے مسٹروت کی کتاب کے پہلے دو ریعنی ویدک زمانہ کی تاریخ کا ترجمہ کیا ہے اور کتاب کے باقی حصص کا ترجمہ کرنے کا آخرین وعدہ فرمایا ہے۔ علاوہ ترجمہ کے آپ نے کتاب کے شروع مین ایک طویل مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے جسمین قدیم داستانون کے فوائد۔ مذہب اور تمدن کے تعلق۔ تاریخی تنقید کے اصول اور اسی قسم کے دیگر مسائل پر بحث کیگئی ہے۔ زبان لعد وید۔ سنسکرت کا علم ادب اور فلسفہ۔ ویدانت۔ ہندوستان قدیم کے فنون لطیفہ وغیرہ کے کچھ حالات بیان کئے گئے ہین۔ اسکے بعد مسٹروت کی سوانح عمری درج ہے۔

نئی روشنی کے دلدادہ غالباً یہ کہینگے کہ اتنا بڑا مقدمہ کسی تاریخی تصنیف کے لئے ناموزون ہے کیونکہ اسمین اکثر نہ بھین باتون کو دُہرایا گیا ہے جسپر مسٹروت نے اپنی کتاب مین بحث کی ہے اور جب ہمکو کتاب کا ترجمہ پڑھنا ہے تو ان باتون کے اعادہ کی مقدمہ کے شکل مین کیا حاجت تھی۔ ترجمہ مین زبان کی لطافت بہت کچھ موجود ہے لیکن کہین کہین پُرانی انشاپردازی کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ ذیل کے فقرے ملاحظہ ہون۔

"ابتدائی زمانے کی قدیمی روایتون اور قومی تذکرون سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمانہ بالکل اس زمانہ کی ضد واقع ہوا تھا اسمین نہ تہذیب تھی نہ شایستگی تھی نہ تمدن کی ترقی تھی نہ تجسس کا وفور تھا نہ ایسے اسباب راحت موجود تھے نہ ایسے سامان فرحت مہیا تھے نہ اسطرح کی معاشرت تھی نہ اس نہج کی منافرت تھی نہ یہ حرفت وصنعت کی گرم بازاری تھی نہ یہ زراعت وتجارت کی بھرمار تھی نہ کوئی نظام درست تھا نہ کوئی اسلوب صحیح تھا نہ کہین ایسی منظم بادشاہت تھی نہ کہین ایسی باقاعدہ حکومت تھی نہ ایسے دستور رائج تھے نہ ایسے اصول قائم تھے نہ کسی قسم کا قانون نافذ تھا نہ کسی نوع کا آئین شائع تھا نہ یہ خلش تھی نہ یہ روش تھی نہ ایسا تکلف تھا نہ ایسا تصنع تھا نہ اسطرح کا علم وادب دیکھنے مین آتا تھا نہ اس قطع کا فلسفہ پایا جاتا تھا نہ کسی ذات کی قید تھی نہ کسی رسم کی پابندی تھی نہ اس حیثیت کی آرائش تھی نہ اس کیفیت کی نمائش تھی نہ یہ آفتاب آفتاب سمجھکر پوجا جاتا تھا نہ یہ ماہتاب ماہتاب جانکر مانا جاتا تھا غرضکہ نہ یہ زمین زمین تھی نہ یہ آسمان آسمان تھا" +++

"جب ہمارا تصور ہمکو ابتدائی دنیا کی سیر کراتا ہے تو ہم دیکھتے ہین کہ کہین کہین خدا کی سادگی پسند مخلوق آباد ہے جسمین نہ حد سے بڑھا ہوا تعصب ہے نہ مقدار سے زیادہ تشخص ہے نہ افراط ہے نہ تفریط ہے نہ تعمیم ہے نہ تخصیص ہے..... نہ یکا رغلو ہے نہ فضول علو ہے نہ تساہل ہے نہ تغافل ہے نہ اندوہ ہے نہ یاس ہے نہ جسارت ہے نہ ہراس نہ یہ حرص عداوت ہے نہ بے سبب نفرت ہے نہ حقارت ہے نہ ثمامت ہے نہ کراہت ہے

ہ اہانت ہے دکھین بڑھی ہوئی حاجتمندی ہے نہ کہین گھٹی ہوئی حوصلہ مندی ہے ....."

اس کتاب کی ریویو مین ہم ایک امر کا ذکر کرنا نہایت ضروری سمجھتے ہین اور وہ یہ کہ ہندؤن کی قدیم تمدن کا داستان کا ایک مسلمان مترجم کے ہاتھون اس زمانہ مین ترجمہ ہونا جبکہ ایک طرف مسلم لیگ کا دور دورہ ہے اور دوسری طرف ہندو کانفرنس کی اشاعت ہو رہی ہے - ایک مسرت انگیز اور تعجب خیز واقعہ ہے - ہم مترجم صاحب کو انکی علمی کوشش اور انکی بے تعصبی پر مبارکباد دیتے ہین اور جس عزت کے ساتھ انھون نے ہندو بزرگون کا نام لیا ہے اور جس طریق پر انھون نے ہندو مذہب اور ہندو فلسفہ کے خوبیون کی قدردانی کی ہے اُسکو ہر مذہب اور ملت کے لوگون کے لئے قابل تقلید سمجھتے ہین - یہ کتاب محمد فدا علیخان صاحب سکریٹری ٹیپنسلیٹنگ کمیٹی گھاٹ دروازہ جے پور سے مل سکتی ہے -

منوہر لال رستوگی

تاج سخن پر ایک نظر

زبان اُردو کو خدا نظر بد سے بچائے ایسے بابرکت زمانہ مین پیدا ہوئی اور ایسی متبرک گودون مین پلی کہ انقلاب السنہ کے ہر دور مین قدرتی طور پر کچھ ایسی صورتین پیدا ہوتی گئین کہ اسکا ٹمنا تو درکنار کم و بیش فروغ ہی ہوتا گیا - زبان اُردو کے مربیون نے باوجود اس زبان کی بے بضاعتی و کم مایگی کے اس زبان مین ایسی ایسی جادو طرازیان و گلفشانیان کین کہ اسکی کم مایگی محسوس نہ ہونے پائی - یون تو اُردو نثر مین بھی غالب و آزاد جیسے باکمالون کی بدولت عروس نظر آتی ہے - مگر نظم مین اسپر کچھ ایسی سیل اُتری کہ بڑے بڑے زبان آور اپنی لسانیان و معجز بیانیان نظم ہی مین نمایان کرتے رہے اور حق یہ ہے کہ اگر اُردو کے حصہ نظم سے قطع نظر کر لی جائے تو یہ طے کرنا مشکل ہوگا کہ اردو کو بھی "زبان" کہے جانیکا حق ہے - مسلمانون کی بدقسمتی جطبع دیگر اصناف کمالات مین یہ رنگ دکھلا رہی ہے کہ ایک باکمال جب اُٹھ جاتا ہے تو اُسکا بدل نہین ملتا شاعری مین بھی کم و بیش حصہ لئے ہوئے ہے - بافیض و نیک نیت شعرا اگر تحفل کمال پوشی کی رسم قدیم سے کام لیتے تو ایشیا مین اُردو شاعری کا مرثیہ پڑھے ہوئے مدت گذر چکی ہوتی مگر خدا جنت نصیب کرے اُن پاکیزہ و مقدس حضرات کو جنھون نے نہایت کشادہ دلی سے شاگردون کو سخنور بنانے مین اپنی ہمت صرف کی ورنہ قرون اولی سے قطع نظر کر کے اس آخری دور مین جناب امیر مینائی و مرزا داغ مرحوم کے بعد بھی شمع شاعری کے گل ہونے مین کوئی بات باقی نہین رہی تھی - مگر ان حضرات کے مقدس ارادے اُردو کو بقاء دوام کا خلعت پہنانے پر مائل تھے کہ جناب جلیل و ریاض وغیرہم جیسے باکمال نظر آتے ہین - انکے دم سے شاعری کو فروغ اور اُردو کی بہت سی امیدین وابستہ ہین شعراء ہندوستان مین جناب امیر مرحوم کا جو مرتبہ ہے اُسکا ذکر تحصیل حاصل ہے - اُنکے کلام کا جو دلنشین رنگ مقبول ہو چکا ہے اُسکا ذکر بھی بے سود ہے - مرحوم کے انتقال کے بعد لذت چشیدۂ کلام امیر اس رنگ

کے لطف مکرر کے لئے ترس رہے تھے طبیعتین بے چین تھین کہ پھر وہی جادو طرازیان انجمن آرا ہون - شکر ہے کہ اس عام تشنگی کو حضرت جلیل نے محسوس کیا اور اپنا کلام بصورت دیوان شائع کرا دیا - سچ تو یہ ہے کہ اس دیوان کی اشاعت سے کلام آمیر کے پیاسون کی بہت کچھ تشنگی کم ہو گئی - حضرت جلیل اُستاد کی ہمرنگی مین بس مرتبے پر پہونچے ہین اُسکی بدیہی دلیل یہ ہے کہ جانشین آمیر تسلیم کئے جا چکے ہین - قطع نظر اسکے وقتاً فوقتاً جو اُنکا کلام اشاعت پا چکا ہے اُسکے دیکھنے سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہی شراب مینائی ہے جو نئے ساغرون مین بھری ہے -

اسوقت میرے سامنے تاج سخن دیوان نو مطبوع حضرت جلیل رکھا ہوا ہے - اسکا ہر شعر آمیر مرحوم کو یاد دلاتا ہے - وہی زبان وہی متانت پختگی و شان کہنہ مشقی نے کلام مین عجب آن بان پیدا کر دی ہے - جو غزل جس رنگ مین ہے اُس رنگ کا حق ادا کر رہی ہے - آغاز دیوان مین شکریۂ سرفرازی کے عنوان سے قصیدہ کے موضوع مین ایک نظم ہے جسکے مخاطب حضور نظام ایدہ اللہ منصرہٗ ہین - حضور پُر نور نے "جلیل القدر" کا خطاب بھی علاوہ خلعت اُستادی کے حضرت جلیل کو مرحمت فرمایا ہے - اسی کے شکریہ مین یہ نظم ہے - اسکا ہر رنگ اسکا ہر ایک شعر تمہید حسن کلام مالبد ہے - اب ہم چاہتے ہین کہ دیوان مین سے چند منتخب اشعار ہدیۂ ناظرین کریں جس سے حضرت جلیل کا خداداد زور سخن ظاہر ہو جائیگا -

نظم شکریۂ سرفرازی مین سے چند شعر

جو دن پھرتے ہین تو سامان پیدا ہو ہی جاتا ہے ۱ شب غم لاکھ طولانی ہو سحا کا ہو ہی جاتا ہے
کسی کا دل ہو پہلے ٹریہ غیر ممکن ہے ۲ مریضون پر کرمفرما مسیحا ہو ہی جاتا ہے
مسیحا جب کرمفرما ہوا پھر پوچھنا کیا ہے ۱۱ دوا ہو یا نہ ہو بیڑا اچھا ہو ہی جاتا ہے

زمین اچھا نہ ہو شعر اچھے بات اتنی ہے ۱۲ جسے اچھا کہین سرکار اچھا ہو ہی جاتا ہے
عتاب شاہ بھی خالی نہین شان ترحم سے ہوا ہو طرف اُسکا طیفہ ہو ہی جاتا ہے

آخری شعر مین حضرت جلیل نے بندگان عالی کی طبیعت و حیا نہ یا لیسی کی سچی تصویر کھینچی ہے - اس مدحیہ نظم مین ایک عجب خوبی ہے جو کمتر مداح شعرا کے قصائد مین پائی جاتی ہے یعنے جسقدر تعریف اور جتنی تعریف ممدوح کی کی ہے وہ سچی اور مسلمہ واقعات پر مبنی ہے - یا یون کہئے کہ ممدوح ہی ایسا ہے جو اوصاف دوسرون کے بارہ مین مبالغہ سمجھے جا سکتے ہین وہ یہان عین واقعات و حالات ہین -

قیامت ہے اُٹھا ادھر دیکھ لینا کرینگے یون ہی دل مین گھر دیکھ لینا
یہ رنگ گلاب کی کلی کا نقشہ ہے کسی کی کستی کا
بُلبُل کی بہار مین نہ پوچھو منہ چومتی ہے کلی کلی کا
چپ رہون مین تو سب کھٹکتے ہین بے زبانی زبان ہے گویا
کچھ تو ہے زاہد جو چرچا ہے تو تیرے حسن کا ورنہ سودائی ہے کیا سارا جہان میری طرح
قتل کے بعد میرے چہرے پر رنگت کیسی پھوٹ نکلی ہے وفا خون تمنا ہو کر
اور بگڑ بیٹھا آخر شغفتہ مزاجون کا مزاج آج نکلا ہے مرا گیسوؤن والا بنکر
بڑھا پا چرخ کا تیری جوانی دولون قائل ہین ستمگر تو بنا ہے تیر ہو کر وہ کمان ہو کر
اُچھالا گیسوؤن نے نام کیا پاکے عارض کو ہین حسن پہچانے ہوئے ہین آسمان ہو کر
آخر کیف مجنون نے لیا داس لیلا دریا جنون مین اوب آداب کنارا تک
چھپا کے منہ کو وہ خوش ہین خبر نہین اسکی نقاب یہ بھی ہے جو بن نقاب کے قابل
دعا یہ ہے کہ تو دن بڑھے لے کا کل تیرے غریبون کے ہزاران دل ترے سایہ مین پلتے ہین
مین اپنے آپ کو بے اختیاری کر دون خدا گواہ ہے اتنا بھی اختیار نہین
سمان وہ میکدہ کا آج تک آنکھ مین پھرتا ہے کہ ساقی بیچ مین چار دل مارون بیٹھے ہین
یون ہی تھے شوخ اور بھی بے چین ہو گئے رہ رہ کے آپ میرے دل بیقرار مین
وہ تیر اُنکا لگانا جانکر سچا نکر سمجھکر کھٹا تا ہے پھر کمر بڑا دھوکا ہوا تم ہو

کوئی ایسی بھی ہے صورت ترے عہدے ساقی ۔۔۔ رکھ لون مین دل مین اٹھا کر تیرے میخانے کو

بات ساقی کی نہ ٹالی جاے گی ۔۔۔ کر کے توبہ توڑ ڈالی جاے گی

دیکھتے ہین غور سے میری شبیہ ۔۔۔ شاید اسمین جان ڈالی جاے گی

کئی مہینے ہوئے کہ کسی ماہوار پرچہ مین غالباً غنچۂ جاوید تھا اسمین طرح دار ردیف و قافیہ مین مین نے کسی کی غزل دیکھی تھی مطلع اور ایک شعر یاد ہے ارباب ذوق طرب اندوز ہون۔

خصل گل اسکے بغیر جائیگی ۔۔۔ پاؤن مین زنجیر ڈالی جائیگی

اُنکے آنکھون سے اگر نیند اُڑگئی ۔۔۔ تجھسے اے آہ رسا کیا جائیگی

اُڑا نہو گا میرا دل بغیر سازش کے ۔۔۔ ضرور تیری نظر سے نظر ملی ہو گی

نقاب کستی ہے مین پردۂ قیامت ہون ۔۔۔ اگر یقین نہ ہو دیکھ لو اُٹھا کے مجھے

بلند نام نہو گا ستم شعاری سے ۔۔۔ تم آسمان نہو جاؤ گے ستا کے مجھے

سُنا کرتے ہین مثل سے شکوۂ جانان کے اتنے ۔۔۔ کیا کرتا ہے باتین رات بھر اک بے زبان سے

لطف صحبت مے و معشوق سے دن رات رہے ۔۔۔ سالہا سال الٰہی یون ہی برسات رہے

حاصل عمر ہے دم بھر ہو اگر دل یکسو ۔۔۔ ہاے وہ دل جو تری یاد مین دن رات رہے

کہون کیا اضطراب دل زبان سے ۔۔۔ رہے جاتے ہین سب پہلو بیان سے

اُنھین چمکا رہا ہون چاند کہکر ۔۔۔ عوض لینا ہے مجھکو آسمان سے

ادا اک یہ بھی ہے دل مانگنے کی ۔۔۔ وہ کچھ کہتے نہین اپنی زبان سے

دل و جگر کے دھڑکنے مین خاک تسکین ہو ۔۔۔ سگے ہین سینہ مین پنکھے ہوا نہین آتی

آنکھین ساقی کی جب سے دیکھی ہین ۔۔۔ ہم سے دو گھونٹ پی نہین جاتی

سُن لیا جان نے یہ کیا دم نزع ۔۔۔ کتنی ہے اب بھی نہین جاتی

بیکے دل کر گئے اک داغ حوالے میرے ۔۔۔ یارب آباد رہین لوٹنے والے میرے

اس انتخاب سے یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ یہ دیوان کا لب لباب ہے۔ بلکہ بلا مبالغہ سارا دیوان انتخاب ہے۔ مجھے فرصت نے جتنا موقع دیا اُتنا انتخاب کر سکا اشعار مرقوم الفوق کیا بلحاظ خوبی زبان و معنی آفرینی اور کیا بلحاظ سلاست بیان و فصاحت لسانی قابل داد ہین جاننے والے پہچان جائینگے کہ کہنہ شراب مینا ئی ان ساغرون مین اپنی اصلی و قدیم رنگت جیسی دکھلا رہی ہے ویسی دوسرے شیشون مین نکھری ہوئی نظر آئیگی۔

سید امین الحسن رضوی

مختار اشعار۔ خدائے سخن میر تقی میر کے کلام کے اکثر منتخبات شائع ہو چکے ہین جنھین اُنکے بہتر نشتر جو کسی پرانے تذکرہ نویس نے منتخب کئے تھے اب تک مشہور ہین۔ لیکن جس خوبی کے ساتھ میر کے کلام کا انتخاب نواب عماد الملک بہادر بلگرامی نے فرمایا ہے اور "مختار اشعار" کے نام سے موسوم کر کے حال ہی مین شائع کرایا ہے اُسکی داد دینا آسان کام نہین ہے۔ خوش قسمتی سے ہمارے ہموطن بزرگ اور ادیب کے مایۂ ناز قلمی معاون مولانا سید علی حیدر صاحب طباطبائی پروفیسر عربی نظام کالج حیدر آباد دکن نے بھی اس علمی کام مین حصہ لیا ہے اور اس انتخاب کو اپنی خاص نگرانی اور اہتمام سے شائع کیا ہے۔ جب ملک کے وہ ایسے کامل الفن حضرات اور مایۂ ناز علما کسی علمی کام مین دلچسپی لین تو اُسکی خوبیون کا کیا پوچھنا۔ سارا انتخاب قابل داد ہے تمیین بھرتی نہین ہے ایک شعر بھی نہین ملتا لطف یہ کہ اسکی صحت بھی کافی ہے جسکو دیکھکر بیساختہ خیال ہوتا ہے کہ میر کے بہتر نشتر انتخاب کرنے والے نے میر پر سخت ظلم کیا تھا۔ ہم اُمید کرتے ہین کہ اُردو کے قدردان اس کتاب کو اپنے مذاق کے مطابق پائینگے اور اسکی خریداری مین توقف نہ کرینگے۔ خریداری کے لئے مولانا طباطبائی موصوف الصدر سے خط و کتابت کرنا چاہئے۔

ستی

اے ستی! اے جلوہ گاہِ شعلۂ تنویرِ حُسن — پاک دامانی کا نقشہ ہے تری تصویر حُسن
یہ تنِ نازک ترا، یہ شعلہ ہائے آتشین — یہ چتا کی آتشِ سوزاں، یہ جسمِ نازنین
صاعقہ ہے برق کا تیرے دلِ مضطر کی آگ — پھونکدیتی ہے تجھے سوزِ غمِ شوہر کی آگ
خاک ہو کر بھی ترے داغِ جگر بجھتے نہیں — آہ! تیری راکھ کے یہ مولن شرر بجھتے نہیں
ہند کو ہے ناز تیری ہمتِ مردانہ پر — تو چراغِ کشتہ ہے خاکستر پروانہ پر
آگ میں ہے تو سپندِ شوق جلنے کے لئے — شمعِ ماتم ہے شبِ غم میں پگھلنے کے لئے
گرمیِ ہنگامۂ محشر تری محفل میں ہے — سرد جو ہوتی نہیں، وہ آگ تیرے دل میں ہے
کب گوارا آہ! ہے سوزِ غمِ شوہر تجھے — ہے ہر اک تارِ نفس اک شعلۂ مضطر تجھے
اُف ری! شوہر کی چتا پر شعلہ افروزی تری — جیتے جی سوزِ محبت میں جگر سوزی تری
جاں گدازی کی ادا یہ شمعِ محفل میں کہاں — گرمیِ سوز و فنا یہ شمعِ محفل میں کہاں
وہ چتا کی آتشِ جاں سوز، وہ دودِ سیاہ — شوہر مردہ کا سر، دامنِ نازک پہ آہ
آگ کے وہ ہائے شعلے، اور وہ کھڑا جاپا ہا — لب پہ کم کم شوخیِ برقِ تبسم کی ادا
ہلکا پھلکا جسم نازک پر دوپٹہ سُرخ سُرخ — وصل و حانی کی شادی سے وہ چہرہ سُرخ سُرخ
عالمِ دُود سیہ وہ زلفِ عنبر فام میں — دوڑنے والے وہ شعلے حلقہ ہائے دام میں
آتشِ سوزاں میں بھی وہ آہ! شوہر کا خیال — اور وہ دل میں گرمیِ ہنگامۂ شوق وصال
جل کے سوزِ اضطرابِ شوق میں پروانہ وار — غلطیِ شوہر سے ہزار اُف! وہ خوفِ ننگ و عار
ڈال دینا وہ گلے میں ہنس کے بانہیں پیار سے — دل لُبھا لینا ادائے شیوۂ گفتار سے
ہلکی ہلکی چاندنی، کیفیتِ گلگشتِ باغ — وہ لبِ جُو آہ! وہ عشق کے وہ شبچراغ
تجھ پہ اے نازآفرینِ شوہر پرستی ختم ہے — اک شرارہ آہ! تو دنیا میں تیری ہستی ختم ہے

آہ! اے شمعِ محبت! نکتہ آموزِ وفا — ہے جگر سوزی تری کاشانہ افروزِ وفا
آہ! اے عفت کی دیوی! اے زیارت گاہِ خلق — آہ! اے جانبازِ شوہر! اے عقیدت گاہِ خلق

دیوتا کھاتے ہیں تیری پاکبازی کی قسم — پاکدامانی کی، شانِ بے نیازی کی قسم
ایک میلہ سا لگا رہتا ہے تربت پر ترے — محوِ خوابِ جاں فزا تو پہلوِ شوہر میں ہے
یادگارِ سوزِ الفت ہیں غمِ شوہر کے داغ — جل رہے تیرے شوالے میں ہیں باگھی کے چراغ
تیرے گنبد پر برستے آسمان سے پھول ہیں
اے ستی مصروں ترے جورِ خزاں سے پھول ہیں

مسرور جہان آبادی

پان

شاہِ اکبر ہند کا سب سے بڑا تھا تاجدار — نورتن دربار میں جسکے تھے فخرِ روزگار
اپنے اپنے علم و فن میں تھا ہر اک اہلِ خطاب — بیربر اُن سب میں تھا لیکن عجب حاضر جواب
شاہ کیوں نہ جانے جب کچھ اُس سے کرتے تھے سوال — بے تکلف عرض کرتا تھا جواب حسبِ حال
بذلہ سنج و نکتہ داں و خوش بیان ایسے کہاں — باکمال ایسے کہاں اب قدر داں ایسے کہاں
حسبِ دستور ایک دن دربار میں شہ نے کہا — کوئی بتا ہے جہان میں سارے پتّوں سے بڑا
مسکرا کر رہ گئے خاموش اہلِ انجمن — بیربر سمجھا کہ ہے میری طرف روئے سخن
بول اُٹھا برجستہ اُس بیتے کا میں دیدوں پتا — شاہ کے منہ تک جو پہنچے ہے وہی پتا بڑا

اس لطیفے میں تھا اک پُر لطف اشارہ پان کا — واقعی پتا یہی ہے اک انوکھی شان کا
پیڑ ہے ہیں سو سو طرح کے اور ملکوں میں مگر — بیل اسکی تو کہیں چڑھتی نہیں آتی نظر
بخت ہے سرسبز کیا کشتِ زارِ ہند کا — ہے یہ برگِ سبز بھی تحفہ دیارِ ہند کا
ہار یہ نعم بھی ہے یہ تحفہ درویش بھی — قدردانِ ہر رزم میں ہیں خاص و عام کے بھی
میزبانوں کا ہے تکلف خوان دعوت ہے یہی — ہند میں مہمان کی پہلی رسم و عزت ہے یہی
ہوں گلاب و عطر آکر چیکش یا پان پھول — یا ہی جانا ہے یہ برگِ سبز بھی رنگ قبول

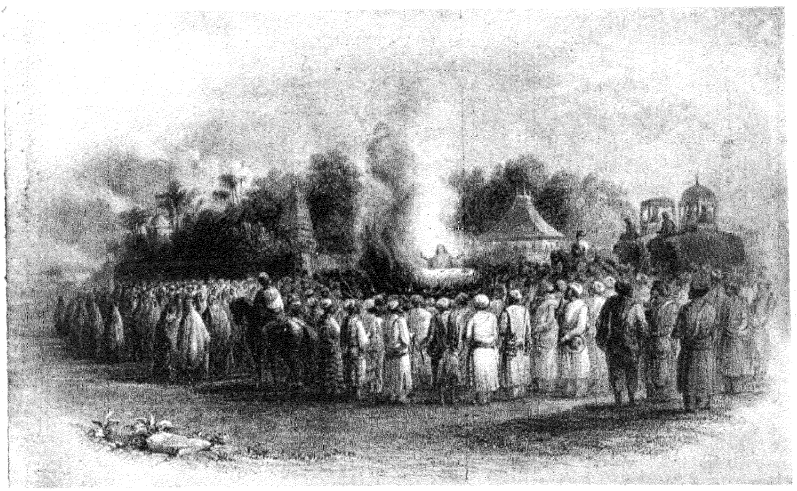

(۸) ستی کا نظارہ

پھول سے ہونٹوں پہ یہ پتا نہیں ہونا ہے یار — اسکے دم سے ہے سسی مالیدہ لب کی بھی بہار
شوخ لالہ بھی کے رنگ اپنا جاتا ہے یہی — عاشقوں کے قتل کا بیڑا اُٹھاتا ہے یہی
شوخیِ مضمون غضب ہے شاعرانِ ہند کی — رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے ایشیائی شاعری
کھائے اک بیڑا اسی ملکر اگر کوئی حسین — رنگ لائے شاعروں کی طبعِ مضمون آفرین
کوئی بول اُٹھے شفق کالی گھٹا میں ہے عیاں — کوئی بول اُٹھے کہ پیدا ہے تہ آتش دھواں

ہے یہ برگِ سبز خاصیت میں بھی اپنی عجیب — کہتے ہیں اسکو مفرح بھی مُسکّن بھی طبیب
ہے یہ فرحت بخش قلب ناتوان کے واسطے — بخشتا ہے بوئے خوش کام دہان کے واسطے

واقعی ہے اک فضیلت شہر لکھنؤ سے وضع داری کی جہان اسوقت تک باقی ہے بو
اور شہروں میں نظر آتے ہے کم اُس شان کے — جس تکلف سے وہاں بنتے ہیں بیڑے پان کے
اک گلوری کھاکے اس پتے کی لذت دیکھئے — قلب میں ہوتی ہے پیدا کیا بشاشت دیکھئے

پان کے مضمون میں یہ رنگین بیانی واہ واہ!
رنگ لائی ہے **شفق** کی گلفشانی واہ واہ!

شفق عمادپوری

سنکیسر

نظر فریب ہے تیری بہار سنکیسر — کہ تُو ہے رشکِ وہِ لالہ زار سنکیسر
گلِ انار ہیں تجھ پر نثار سنکیسر — جوابِ سرخیِ حنا یار سنکیسر
نئی بہار سے پھولوں کے تن میں آگ لگی
پُکارتی ہے بلبل چمن میں آگ لگی

بتا بتا ہمہ تن داغدار کیوں تو ہے — طپانِ مدام برنگِ شرار کیوں تو ہے
ہمیشہ سوز میں مثلِ چنار کیوں تو ہے — ہمارے دل کیطرح شعلہ بار کیوں تو ہے

نہاں ہے خاک شہیدوں کی کشت میں تیری؟
ملا ہے خونِ جگر یا سرشت میں تیری؟

تجھی سے ملتا ہے خونِ گشتہ حسرتوں کا پتا — نمودِ گنج شہیداں ہے تیری زشو و نما
ہوئی ہے آج مری چشمِ عاقبت بیں وا — رُلا رہا ہے مجھے خونِ رنگ پھولوں کا

زبانِ عاشقِ محزوں پہ شور ہر جا ہے
کہ پتی پتی سے خونِ جگر ٹپکتا ہے

تری نمود ہے گویا نہالِ شہیدوں کا — بھرے ہیں خونِ تمنا میں سب گلِ احمر
پکارتے ہیں تجھے دیکھکر یہ اہل نظر — "چڑھا ہے خون بتِ سبز رنگ کے سر پر"

غضب کی شوخیاں ہیں ان گلوں کی لالی میں!
ہمارے دل کے ہیں ٹکڑے کھیل ڈالی میں!

مبالغہ ہو مگر یہ تو رشکِ حور کہوں — جو بات بھائے مرے دل کو وہ ضرور کہوں
ہے تیرے پھول کو زیبا جو برقِ نور کہوں — بجا ہے تجھکو اگر میں نہال طور کہوں

ہوا سے ٹہنیاں گلشن میں جب لچکتی ہیں
نگاہِ شوق میں سو بجلیاں چمکتی ہیں

ریاضِ صنعتِ صانع کا تو بھی ہے اک گل — ہر ایک پتی سے ہے رازِ منکشف بالکل
گلِ حدیقۂ قدرت کا میں بھی ہوں بلبل — ہوا سے تیری زکیوں ہو سرور بادہ و مل

دل و جگر کو نہ کیوں وقفِ ماتم دیکھوں
بہارِ حُسنِ ازل کا جو شاخسانہ دیکھوں

محمد سیف الدین شباب

دارِ فانی

ہیچ دانش و ملا تک و دُنیا — سب ہیں فانی سوائے ذات خدا
اِنّا للہ کا سبق یارو — ہر گھڑی اپنے دل میں یاد کرو

کچھ تو بندِ دل مین لاؤ وصیان ہے بجا کُل من علیہا فان
کیسے کیسے جوان حسین نہ رہے نازک اندام و نازنین نہ رہے
کُل جہان قرنون کا تجمیع تھا آسشیان آج چھپنہ کا دیکھا
کل جہان باسمین کے تختے تھے آج کانٹے وہان اُگے دیکھے
بجتے تھے کل جہان پہ نقارے ماتمی باجے بجتے وان دیکھے
کل تھی شادی کی دھوم دھام جہان صفِ ماتم بچھی ہے آج وہان
کیسے کیسے جوان وجیہ و حسین کھاگئے اُنکو آسمان و زمین
کیسے رستم صفت جوان دلیر رعب سے جنکی کانپتے تھے شیر
بس نہ اُنکا چلا مقدر سے پنجۂ موت مین وہ جاکے پھنسے
کیسے کیسے جوان قمر طلعت دھوپ سے جنکو سخت تھی نفرت
آج میدان مین قبر اُنکی ہے دھوپ اور اوس اوسپہ پڑتی ہے
مُنہ جو ڈھک کر کبھی نہ سوتے تھے تنگ گوشے مین گور کے ہین پڑے
کیسے نازک بدن حسین بشر رنگ مہندی کا جنکو تھا دوبھر
آج وہ گردشِ زمانہ سے لاکھون من مٹی کے تلے ہین دبے
جنکو نفرت تھی کل اندھیرے سے قبر تاریک مین ہین آج پڑے
انبیا اوصیا ولی اللہ کھا گیا سب کو یہ فلک واللہ
جو کہ نازک مزاج ایسے تھے بات اُٹھتی نہ تھی کبھی جنسے
کیا اس آسمان نے ایسا زیر شربتِ مرگ سے کیا اُنھین سیر
گالیان بھی جو لوگ اب اُنکو دین چُپ رہین وہ پلٹ کے کچھ نہ کہین
کیسے کیسے تبانِ حور لقا حُسن کا جنکے دور تھا شہرا
جنکو صورت پہ اپنی غرا تھا جن پہ سارا جہان شیدا تھا
رحم کا نام جو نہ لیتے تھے جن پہ لاکھون ہی جان دیتے تھے
. . . . . .
آج زیرِ زمین وہ سوتے ہین قبر پر اُنکی لوگ روتے ہین
کیسے عاشق مزاج پُر ارمان ہوئے جاجا کے زیرِ خاک نہان

کفِ افسوس اپنے ملتے ہین قبر سے بھی دھوئین نکلتے ہین
کل جہان چھپے تھے ٹمٹمل کے آج وان بوم شور ہین کرتے
کل جہان تھا ہمارا کا جوبن آج بادِ خزان کا ہے مسکن
کل جو غنچے چٹکتے کھلتے تھے آج مرجھا کے سب وہ سوکھ گئے
کل کھڑے تھے جو قصر عالیشان آج ملتا نہین ہے اُنکا نشان
بادشہ کیسے کیسے نیک و رحیم جنکے زیرِ نگین تھے ہفت اقلیم
سب کو اس چرخ نے ہلاک کیا ہڈیون تک کو اُنکی خاک کیا
ہین سلیمان کہان کہان وہ حشم گئین بلقیس بھی تو سوئے عدم
اب نہ شیرین ہے اور نہ ہے فرہاد اب نہ وہ باغ ہے نہ وہ شداد
ہے کہان قیس اور کہان لیلیٰ قبر تک کا پتہ نہین لگتا
اب ہنیبال اور نہ ہے سیپو نام تاریخ مین فقط پڑھ لو
دن مین دوبار جو نہاتے تھے قول کے جو غذا کو کھاتے تھے
جنکو صحت کا اسقدر تھا خیال کچا پانی پئین یہ کیا تھی مجال
ثقل سے جو غذا کی ڈرتے تھے قلیہ کھا کر سبر جو کرتے تھے
کبھی کھاتے نہ تھے جو پورا پیٹ بے دعا جو پڑھے نہ چھوتے پلیٹ
خاک مین آج مل گئے وہ بھی لاکھ تدبیر کی نہ جان بچی
اُلٹی تدبیرین ہوگئین ساری موت جب آئی کچھ دوا نہ چلی
ایسے سوئے پہ جاکے زیرِ زمین اہلِ دُنیا کی کچھ خبر ہی نہین
لاکھ روئین عزیز بیگانے انکو مطلق غرض نہین اُنسے
جان رو رو کے دے بھی دے جو کوئی انکو کچھ بھی خبر نہین اُسکی
چین سے قبر مین وہ سوتے ہین لوگ بیکار جان کھوتے ہین
ڈاکٹر کیسے کیسے طبیب ہوئی آخر کو موت سب کو نصیب
کرتے تھے جو دوائیان ایجاد جو طبابت کے فن مین تھے اُستاد
کیسا نمرود اور کہان ہے نقا کرتے دعوی جو تھے خدائی کا
ہے فلاطون کہان کہان بقراط ہے ارسطو کہان کہان سقراط

اب وہ سائیں کے کمان اُستناد پکسلے ڈارون ہوسے برباد
کیسے کیسے فلاسفر عاقل سب کے دعوے یہان ہوئے باطل
گتھی سلجھی نہ یہ کسی سے بھی آگئی موت جب تو ٹل نہ سکی
موت کے آگے کیا بشر کی چلے پیر و پیغمبر اس سے جب نہ بچے

ک ع خ ا د لکھنؤ

عید کا دن

اے دورِ فلک گردش پیمانہ دکھادے ہونسین نئے عیش وہ میخانہ دکھادے
رشتاق ہین آنکھین رخِ جانانہ دکھادے ہے عید کا دن شوکت شاہانہ دکھادے
ہان آج تو انداز زمانہ کے بدل جائین
جو پیچ مقدر مین پڑے ہین وہ نکل جائین

ہو عید مبارک جو نظر آئے وہ صورت ہو جائے ہلال ابرو ے خمدار کی رویت
نظارۂ رخسار ہو مصحف کی تلاوت ہو رخ کی ضیا برق تجلی کی زیارت
ملجائے کوئی آج یہ منت کے پڑی ہے
فردائے قیامت تو ابھی دور پڑی ہے

وہ مست شباب آج ہی ملجائے تو اچھا روزون کا ثواب آج ہی ملجائے تو اچھا
جنت کی شراب آج ہی ملجائے تو اچھا کچھ مجھکو ہو جواب آج ہی ملجائے تو اچھا
خرسند زیارت سے کسی ہون کہین مین
حورون کی جو خواہش ہو وہ زاہد تو نہین مین

آجائے نظر آج تو وہ حسن دل آرا اُس صورت زیبا کا میسر ہو نظارا
ہو ماہ چمک کر مری قسمت کا ستارا ہو جائے نظر مہر کی مجھپر بھی خدارا
دیکھون جو اُسے دوڑ کے سینہ سے لگاؤن
مل ملکے گلے دل کے سب ارمان نکالون

صد شکر ملازمگ قبول آج دعا کو رحم آہی گیا بیکس و مضطر پہ خدا کو
سر سے مرے ٹالا شب فرقت کی بلا کو قسمت پہ مری ناز ہے اب بخت رسا کو
آئینہ دل مین نظر آتی ہے وہ صورت
ہے صاف نہین نام کو کچھ اہمین کدورت

آتی تھین نمازون مین بھی یاد اُسکی ادائین رنج اور بڑھاتی تھین یہ ساون کی گھٹائین
جل جاتی تھین سوز تپ فرقت سے دوائین تاثیر سے رہتی تھین بہت دور دعائین
رشتہ نہین کچھ آہ کو اب میرے جگر سے
سب داغ مٹے ملتے ہی اُس تنگ قمر سے

سرخی رخِ امید پر اب آئی ہوئی ہے رحمت کی گھٹا سر پہ مرے چھائی ہوئی ہے
کھلتی ہے کلی دل کی جو مرجھائی ہوئی ہے وہ خاک قدم سرمۂ بینائی ہوئی ہے
لو کھل گئین آنکھین وہ تماشا نظر آیا
بالائے زمین عرش کا جلوہ نظر آیا

ہے شان نئی آج فضائے گل تر مین آیا ہے نیا رنگ دھاؤن کے اثر مین
ہے اک ورق مہر جو پتا ہے شجر مین اک چاند ہے جو داغ ہے لالہ کے جگر مین
سبزے سے زمین گنبد مینائی ہوئی ہے
یہ عید کا دن ہے کہ بہار آئی ہوئی ہے

مسجد مین وہ ہنستے ہوئے جاتے ہین نمازی سر شکر کے سجدے مین جھکاتے ہین نمازی
آپس مین گلے ملتے ملاتے ہین نمازی ہے عید کا دن کھاتے کھلاتے ہین نمازی
کیون خوش نہون روزون کا کھلا فضل ہے سب سے
یہ میر نہین آج مئے تو یہ تنکن سے

ظاہر سحر عید کے جس دم ہوئے آثار تو یہ کیطرح مے پہ گرے ٹوٹ کے میخوار
دیتے ہین دعا ساقیِ گلفام کو ہر بار ہین الفت پنہان پہ مست مین سرشار
کہتے ہین کہ اک جام ہمین اور پلادے
دیوانون کو ہان اور بھی دیوانہ بنادے

یہ دن تو گیا خیر سے اگلا برس آئے ہر سال اسیطرح سے اچھا برس آئے

کیا کیا نہ برس آپکے کیا کیا برس آئے ہون شیر و شکر مل کے سب ایسا برس گئے

واصف یہ دعا ہے کہ سدا چین ہو گھر گھر

تا حشر شہنشاہ کا سایہ رہے سر پر

واصف اکبرآبادی

کلام ابر

برقِ جمالِ یار ہے مدِ نظر مجھے دکھلا دے اپنا عشقِ حقیقی اثر مجھے

پھولے پھلے بہار دکھائے شجر مجھے ہر شاخ مین ملین گل و برگ و ثمر مجھے

پیری مین سمجھ صورتِ شمعِ سحر مجھے ہستی سے اب عدم کا ہے کرنا سفر مجھے

صیاد ذبح بھی تو کرا اپنے اسیر کو جاتا کہان ہے چھوڑ کے بے بال و پر مجھے

جلتا ہون دل ہی دل مین جو اک بُت کے عشق مین ہر سنگ مذر دیتا ہے اپنے شرر مجھے

انجام مین ہے مثلِ مری باغ دہر مین آتے نظر ہین تخم مین نخل و ثمر مجھے

سیرِ چمن کا آتا ہے رہ رہ کے ولولہ کیا کیا اُبھارتی ہے نسیم سحر مجھے

راہ عدم مین کون ہے میرا رفیق حال ساتھ اپنا سایہ بھی نہین آتا نظر مجھے

دیکھا نہین ہے تجھکو پر کرتی ہے تیری مح آنکھون سے ہے عزیز زبان شعر مجھے

دوزخ وہ کون سا ہے جو دنیا سے ہے سوا کیا جانے کیون جزا و سزا کا ہے ڈر مجھے

کوچہ مین تیرے شوقِ شہادت جو لے چلا آیا نظر ہے دُور سے جنت کا در مجھے

بہرِ شفا نہ اسسے دعا مانگ اے طبیب کرتی نہین ہے کوئی دوا اثر مجھے

مین زار کوئے دلف سے جب شام کو چلا پہونچا ہون رُخ تلک تو ہوئی ہے سحر مجھے

اس شمع رو کے مین اُڑ جاتا بزم سے

پروانون ہی کے ملتے اگر ابر پر مجھے

رباعیات

دیکھین جو بزم مین سخن اندھے وہ ہین سُنتے جو نہین کسی کی بہرے وہ ہین

جو کہتے نہین زبان سے کلمۂ خیر آپ انجمنِ دہر مین گونگے وہ ہین

ہے نفس پرستی جنکے مشرب مین مباح دی کہنے اُنھین رفیقِ کرنے کی صلاح

باتون کے سوا گرہ سے کچھ خرچ نہو کیا بچون کا کھیل ہے یہ قومی اصلاح

کون آپ سے کہتا ہے ہماری سُنئے دُنیا کی زبان سے اپنی خواری سُنئے

عیسائی ہوئے قحط مین بچے جنکے اُن ماؤن کی جل کے آہ و زاری سُنئے

کیا عالم بے عمل کی عزت کیجئے خائن کے سپرد کیا امانت کیجئے

جسمین نہ ہو نام کو بھی انصاف و کرم ایسے حاکم کی کیا اطاعت کیجئے

لاکھ ابنائے زمانہ کے ستم کا غم ہو طبعِ آزاد کی آزادی نہ ہرگز کم ہو

سیکھ لین اہل زبان شمع کی تابندہ دمی سر بھی کٹ جائے پہ گردن نہ کسی سے خم ہو

بشن نرائن در

غزل

(از افکار تازہ شیخ محمد عالیجاہ صاحب فضا)

تیر کھینچا خارِ حسرت کا چبھا رہنے دیا کیا لکھا لا دل سے تمنا اور کیا رہنے دیا

مال و زر رہتا تو یہ راحت کہان ہوتی نصیب سود ہے اور گھر کا دروازہ کھلا رہنے دیا

ایک بھی کانٹا نہ تلوؤن سے نکالا رہ گئی کچھ کے تلوؤن مین جہان جو رہنے دیا

میکشی کی زاہدون نے بند کر کے خانقاہ کیون نہ در شکلِ درِ توبہ کھلا رہنے دیا

لاغری نے میری کیا دھوکا دیا صیاد کو جانکر تنکا نشیمن مین پڑا رہنے دیا

پارۂ دل پُھنکے کیا کرتے کسی کو چین ہم جو جہان ٹکڑا پڑا دیکھا پڑا رہنے دیا

محتسب میخانہ مین آیا تو یون تعظیم کی میکشون نے شیشہ مے کو جھکا رہنے دیا

زاہد پست شب کو تابعِ صحبت نہ تھا رحم کھایا بادہ خوارون نے پڑا رہنے دیا

دیکھنا شوخی کہا اُٹھا لگ بیٹھو فضا اور دامن بھی تہ و بالا رہنے دیا

کلام اکبر

دل مین قوت نہ کچھ نہ جان مین ہے زندگی اب فقط زبان مین ہے
ساتھ یاردن کے ہمارے راحت دل اٹھ گئی ایک دو کا ذکر کیا محفل کی محفل اٹھ گئی
ظلم بتنے ہین ہمین پر وہ کئے جاتے ہین ہم بھی ایسے ہین کہ اسپر بھی جیئے جاتے ہین
تیغ کے حق مین اٹھا رکھا ہے کیا زہر اسنے ظرف انھین کا ہے کہ سب کچھ یہ پیئے جاتے ہین

پیارا ہے فقط اللہ کا نام، آرام اسی سے روح کو ہے
اور یون تو حوادث بیحد ہین، دُنیا مین بہت اُفتادہ ہین

شمع زندگانی

اے شمع زندگانی کیون جھلملا رہی ہے شاید کہ باد صرصر تجھکو بجھا رہی ہے
ہان ہان ذرا ٹھہر جا اس محفل فنا مین بزم جہان کی الفت مجھکو ستا رہی ہے
مجھ زار و ناتوان پر للہ اب کرم کر کیون تخل آرزو پر بجلی گرا رہی ہے
دل کی بھڑاس کچھ تو مجھکو نکالنے دے گذری ہوئی کہانی تنگ رُلا رہی ہے
کیا نا امید ہوکر بزم جہان سے جاؤن کیون خاک مین ابھی سے تجھکو ملا رہی ہے
دُنیا کے یہ مناظر پیش نظر ابھی ہین مجھکو کسی کی چاہت اب تک ستا رہی ہے
برباد ہو رہی ہے کشت مراد میری مثل چنار ناحق اسکو جلا رہی ہے
ارمان و آرزو پر تجھکو نہ رحم آیا کیون میری حسرتون کو دل سے مٹا رہی ہے
اے شمع کیون ابھی سے آنکھین مین سب کی نم ہے کیا مرگ ناگہانی تشریف لا رہی ہے
رو لینگے بعد میرے جی بھر کے رونے والے کیون تو ابھی سے سب کو آنسو رُلا رہی ہے

تیری اگر خوشی ہے مرنے پہ مین ہون راضی
شمع حیات گل ہو کیون جھلملا رہی ہے

حافظ محمد یعقوب اوج گیاوی

ایڈیٹوریل

سال حال کے لئے نومبر کا مہینہ نہایت پُر واقعات مہینہ ہے جسمین بہت سے قابل الذکر واقعات پیش آئے ہین خصوصاً سیاسی طبقے کے لئے اس ماہ نے بیحد دلچسپی کے سامان پیدا کر دیے۔ سب سے پہلے سابق وایسرائے لارڈ منٹو کی جدائی سے اہل ہند کو ایک افسوسناک کیفیت محسوس ہوئی جو انکی اعلیٰ مدبری اور ہر دلعزیزی کا بین ثبوت ہے۔ اپنے جلیل القدر عہدے سے سبکدوش ہونے سے پہلے ہز اکسیلنسی نے ہندوستان کے بڑے بڑے شہرون کا دورہ فرمایا اور ہر جگہہ آپ کی تقریرین اہل ہند کی ہمدردی سے مملو تھین۔ بعد ازان ۱۸۔ نومبر ۱۹۱۰ء کو نئے وائسرائے ہز اکسیلنسی لارڈ ہارڈنگ آف پنہرسٹ نے پہلے پہل ہندوستان کی تاریخی سرزمین پر قدم رکھا اور اپنی پہلی تقریر سے جو مینو سپلٹی بمبئی کے پیش کردہ ایڈرس کے جواب مین تھی اہل ہند کی اُمیدون کو تازہ کر دیا ہے۔ اسی سلسلے مین لارڈ مارلے سابق وزیر ہند کی انڈیا آفس سے کنارہ کشی بھی عمل مین آئی ہے جسپر ہندوستان کے پڑھے لکھے طبقے مین یکسان اظہار افسوس کیا گیا ہے اور جدید وزیر ہند لارڈ کرزن کی تقرری عام اطمینان اور دلچسپی سے دیکھی گئی ہے۔

اسی ماہ مین یہ فرخندہ جانفزا بھی مسموع ہوا ہے کہ آیندہ دربار دہلی کے موقع پر اعلیٰ حضرت ملک معظم حضور تاج بخش مع علیا حضرت ملکہ معظمہ دام اقبالہا بہ نفس نفیس رونق افروز ہندوستان ہونگے جو اہل ہند کیلئے نہایت مسرت خیز اور قابل فخر و ناز مژدہ ہے۔ برٹش حکومت کی تاریخ مین یہ پہلا ہی موقع ہے کہ حضور قیصر ہند اور جنابہ ملکہ معظمہ اپنے دیدار فیض آثار سے باشندگان ہند کو شاد کام فرمائینگی جس سے حضور معدن کی دلچسپی خوش نصیب ہندوستان کے ساتھ اظہر من الشمس ہے۔

سیاسی تغیرات کے ساتھ اس ماہ مین بعض ادبی سانحات بھی قابل الذکر ہین جسمین شمس العلما مولوی ذکا اللہ صاحب دہلوی کا انتقال جو

۷۔ نومبر کو واقع ہوا جو بہت خاص اہمیت رکھتا ہے۔ آپ ہندوستان کے ان چند بزرگوں میں تھے جنھوں نے اُردو زبان کی ترقی میں عملی کوشش کی ہے۔ آپ کی تصانیف ڈیڑھ سو کے قریب ہیں اور آپ نے اپنی حیات میں ایک لاکھ صفحات سے زائد تحریر فرمائے جنمیں تعلیمی اور ادبی ہر قسم کی تصنیفات اور مضامین شامل ہیں۔ آپ نے تصنیف و تالیف کے کام کو روزمرہ کی ضروریات میں داخل رکھا اور آپ کی زندگی باقاعدہ علمی زندگی تھی جسکی مثال مشکل سے مل سکے گی۔ اُردو اخبارات و رسائل آپکی قلمی امداد کے خاص طور پر شکر رہے اور آپ نے حتی الامکان کوئی ادبی فرمائش مشکل سے مسترد کی۔ اگرچہ آپ نے عمر طبیعی پائی اور ایک طولانی زمانہ دیکھا تاہم آپکی وفات اس نظر سے قابل افسوس ہے کہ بزم ادب میں اب ایسی نورانی شمعیں مشکل سے روشن ہو سکیں گی۔

خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر جو جنگ دریاے کمال اُردو کے ادبی رستے سیراب ہوتے رہتے ہیں اور جو ادب کے خاص محسن و سرپرست ہیں حال میں اپنی اہلیہ محترمہ کے دفعۃً انتقال کا صبر آزما اور جانگداز صدمہ برداشت کرنا پڑا ہے جس سے آپ کی طبیعت خاطر کا شیرازہ درہم و برہم ہو گیا۔ مرحومہ نہایت قابل، منتظم اور تعلیم یافتہ خاتون تھیں جنکی موجودگی حضرت اکبر کو خانگی معاملات سے بیگانہ بنائے ہوئے تھی اور جنکے انتقال سے معدوح کی خانگی مصروفیت (جسمیں اُنکے نو عمر صاحبزادے کی عزیز پرداخت بھی شامل ہے) اسقدر بڑھ گئی ہے کہ اب وہ شاعرانہ فرصت مشکل سے مل سکتی ہے جسمیں بیٹھے رہیں تصور جانان کئے ہوئے" ہم اس نمبر میں معدوح کے چند نو تصنیف اشعار شامل کرتے ہیں جنسے آپ کے دلی حزن و ملال کا پتہ لگتا ہے اور جنمیں وہ زندہ دلی نہیں پائی جاتی جو کلام اکبر کی خصوصیات میں داخل رہتی ہے آپ کے اس عمیق رنج والم میں ہم اپنا جگر ہمدردی پیش کرکے امید کرتے ہیں کہ دُنیا، ادب معدوح کے اس حزن و ملال میں کافی حصہ لیگی۔

آخر میں ایک مسرت انگیز خبر درج کیجاتی ہے کہ فخر لکھنؤ نیز ذات بشن نرائن صاحبہ صحت یاب ہو کر ۲۹۔ نومبر کو الموڑہ سے لکھنؤ تشریف لیجائینگے اور اب آپکی صحت اسقدر قابل اطمینان ہے کہ کرسمس کے ہفتے میں الہ آباد بھی تشریف لائینگے۔ اس نمبر کا پہلا مضمون جو آپ کے زور قلم کا نمونہ ہے علالت ہی کے عالم میں تصنیف ہوا تھا جسے معدوح اپنے قلم سے لکھ بھی نہیں سکتے تھے۔ شکر ہے کہ اب یہ دقتیں رفع ہو گئیں اور ناظرین ادیب آپکے فیضان کمال سے جلد مستفید ہو سکیں گے۔

منشی رحمت اللہ صاحب عدد کے مشہور منیجر حسب معمول اس سال بھی نہایت آب و تاب سے شائع ہوئی ہے خصوصاً قسم اوّل کی جنتری جو مطلا و مکمل اور رنگین تصاویر سے مزین ہے اس قابل ہے کہ اہل مذاق کی بیرون کی زینت سمجھی جاے اسمیں تمام مروجی مضامین اور سلسلۂ تاریخ اضافہ انسان کے علاوہ اعلیٰ حضرت ملک معظم کا مرزمان عالی نہایت نفاست سے چھاپا گیا ہے جو غالباً کسی خاص تحریر کا آٹوگراف ہے۔ سیطیج حضور اقدس کی تصاویر بھی نہایت نفیس اور باموقع ہیں۔ قیمت قسم اوّل مع محصول ڈاک عہ نامی پریس کانپور سے طلب کیجئے۔

تصریح تصاویر

۱۔ سٹکلنڈ کی تصویر مارچ کے ادیب میں بھی شائع ہو چکی ہے لیکن وہ سادی تھی اور یہ رنگین ہے جو زیادہ دلچسپ ہوگی۔ اسکے متعلق مفصل نوٹ بھی مارچ کے پرچے میں شائع ہو چکا ہے جسکے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

۲۔ محلات فتحپور سیکری اکبر اعظم کی یادگار ہیں۔ اُسکے زمانہ سلطنت میں آگرہ اور فتحپور سیکری میں ایسی نفیس و نادر عمارات طیار ہوئیں جو باستثناء شاہجہان کے عہد میں اب تک تعمیر نہیں ہوئیں فتحپور اکبری عمارات کا ایک بہت بڑا گنجینہ ہے اور اگرچہ ایران عمارت کی اصلی رونق باقی نہیں رہی تاہم قابل دیدہیں۔

تصاویر نمبر ۳۔ ۴۔ ۵۔ ۶۔ سٹرینجے۔ آر۔ رلے کے مختلفانہ مضمون "عالم مافی الحمام" سے تعلق رکھتی ہیں جنکی مفصل کیفیت اس مضمون میں درج ہے۔

۷۔ میور سنٹرل کالج الہ آباد اس صوبے کا سب سے بڑا کالج ہے جسکے فیضان تعلیم سے سارا صوبہ سنھرہ سیراب ہوتا ہے۔ اسکی نفیس عمارت خصوصاً گنبد و مینار نہایت قرض اور قابل دید ہیں۔ اسکے بانی مرولیم میور لفٹنٹ گورنر صوبہ ہذا تھے جنھوں نے ۱۸۵۷ء میں اسکے انعقاد کی تجویز کی اور وسائل اور والیان ریاست کو قابل قدر امداد سے اسکی بنیاد پڑی۔ یکم جولائی ۱۸۷۲ء کو ایک کرایہ کی عمارت میں پہلے پہل یہ کالج کھولا گیا بعد ازاں ۱۸۷۵ء میں لارڈ نارتھ بروک نے اسکا سنگ بنیاد رکھا اور ۹۔ اپریل ۱۸۸۶ء کو لارڈ ڈفرن نے اسکی تعمیر کا افتتاح کیا۔ رفتہ رفتہ اسمیں بہت کچھ اضافہ ہوتا گیا اور اب تک اسپر گیارہ لاکھ روپیہ صرف ہو چکے ہیں۔

۸۔ ستی کا نظارہ ایک اہم تصویر ہے جو ہندوستان کی قدیم تاریخ سے لگتی ہے اسکے متعلق جناب سرور جہان آبادی کی ولولہ نظم قابل داد ہے جسمیں ستی کے جذبات کامیابی سے دکھائے گئے ہیں۔

عالم ہمہ افسانہ ما دار دوما ہیچ

منقول از آگرہ اخبار مطبوعہ ۷۔ جولائی سنہ ۱۹۱۰ء

ادیب!

نکلے جدھر سے وہ یہی چرچا ہوا کیا
اسطرح کا جمال ہو ایسا شباب ہو

یہ شہر حیدرآباد رسالہ ادیب الآباد کے سب حال ہے شاید کسی اور رسالہ کے نہ ہوگا۔ یعنی فرمائشہ نہیں کہ ادیب بس حسن و جمال اور عنفوان شباب کا آئینہ دکھاتا ہوا نکلا ہے (خدا نظر بد سے بچاتا رہے) ہماری زبان کے کسی ایک رسالہ کو نصیب نہیں۔ جنوری سنہ ۱۹۱۰ء سے اسنے نکلکر بلا مبالغہ اُردو رسائل کے لئے ایک روشن باب کا اضافہ کیا ہے موقت الشیوع رسالوں میں یہ بحیثیت سے چوٹی کا پرچہ شمار کئے جانیکے قابل ہے۔ جسکے اسوقت تک چھ نمبر نہایت آب و تاب اور بڑی دل آویز شان کے ساتھ پبلک کے ہاتھوں میں پہونچ چکے ہیں۔ جن لوگوں نے اسکے درشن کر لئے ہیں۔ اُنسے ایک حرف لکھنے کی ضرورت نہیں۔ وہ خود ہی جانتے ہونگے کہ کس پایہ کا رسالہ ہے؟ اور اپنی لطیف خصوصیات کیوجہ سے کس درجہ حریم النظیر ہے؟ لیکن بدقسمتی سے جن صاحبوں کی نظر سے یہ ابھی تک نہیں گزرا۔ اُن لوگوں کی آگاہی۔ دلچسپی اور متوجہ کرنیکے لئے جون نمبر پر ریویو کرنا کافی ہوگا۔

مضامین پر ریویو کرنے سے قبل اسکی تصاویر پر ریویو کرنا مقدم و ضروری ہے۔ کیونکہ ادیب کی خصوصیت کا عنوان اولین یہی لاجواب و بے مثل تصاویر ہیں۔ جو ہر ماہ اور اکی تعداد میں التزاماً دیجاتی ہیں مرحومین مشہور معمروں کی مشاہیر کے نمونے۔ مشاہیر حضرات کے قلمی نقشے اور دیگر دلچسپ امور کے مرقعے ہوتے ہیں"

پرچہ زیر ریویو میں آٹھ عکسی تصاویر دی گئی ہیں پہلی تصویر رحیم بخش خاں

ہوتی ہے) اعلیٰ حضرت شہنشاہ جارج پنجم و ملکہ معظمہ میری دام اقبالہا کی ہے جسکی خوبصورتی و دلکشی بس دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہے۔

دوسری تصویر مولانا شہری مرحوم کی ہے جسکو دیکھکر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اب مُنہ سے بولے اور اب بولے۔ وجہ یہ کہ یہ تصویر مولانا کے آخری حصہ عمر کی ہے جن لوگوں نے انھیں مرنے سے چند سال قبل دیکھا ہے وہ اس تصویر کو دیکھکر محسوس کرینگے کہ مولانا اپنے مُنہ سے کچھ گلفشانی کیا ہی چاہتے ہیں۔ حیرت! ؎

آن قدح بشکست و آن ساقی نماند

ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ ادیب سے بہتر کوئی رسالہ مولانا شہری کی تصویر نہیں دے سکتا

تیسری تصویر یادِ شفقت مآب الگزنڈر دام ظلہا کی ہے۔ جس سے زندہ پنے کے پرسوز و گداز جذبات ٹپک رہے ہیں اور جو زبان حال سے نصیحت نیوش کان میں کھڑی کہہ رہی ہے۔ عبرت کی نگاہ رکھنے والو! مجھے دیکھو۔ آہ! کل کی بات ہے۔ میں نے شاہی کھوٹی ہے۔ پھولوں کی سیج پا وہے"

چوتھی تصویر اگرہ کے تاج محل کی پچیکاری کی ہے جو سچ یہ ہے کہ بڑی صنعت و قابلیت سے تیار کیگئی ہے نقل پر اصل کا دھوکا ہوتا ہے اور یہی کمال تصویر ہے۔

پانچویں تصویر کرشنا اور مورچھی کی ہے جو مہابھارت کے ایک واقعہ سے تعلق رکھتی ہے اور ہمیں مذہبی استقلال و مردانگی کا سبق آموز کرشمہ دکھایا گیا ہے۔

چھٹی تصویر اجنٹا کے غار کی ہے جو عہد سیاست سرکار نظام میں واقع ہے

ساتویں تصویر میں شاہ ایڈورڈ ہفتم مرحوم کا ثابوت دکھایا گیا ہے جو نہایت پُرحسرت اور دلگداز نظارہ ہے اور آٹھویں تصویر کرزن دربار کی ہے جن لوگوں نے اسے آلات رصد سے نہیں دیکھا وہ اسکی ہیئت کذائی کو موجودہ تصویر میں دیکھ سکتے ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ انڈین پریس الآباد کو عکسی تصاویر بنانے میں یدطولیٰ حاصل

ہے اور اس بارہ خاص مین کوئی ہندوستانی پرچہ اُسکا مقابلہ نہین کرسکتا۔ اگر کوئے تو وہ تصویر کیطرح نہین نقالی ہے۔

سب سے پہلا مضمون "تمدن ہند" شمس العلماء ڈاکٹر سید علی صاحب بلگرامی باقتفا کے زور قلم کا نمونہ ہے اور اسمین بھی وہی شان ادب نظر آرہی ہے جو تمدن عرب مین لوگ دیکھ چکے ہین۔

"انگریزی حکومت کی برکتین" مولانا سید امجد علی صاحب اشہری مرحوم (آہ! مرحوم) نے خوب دکھائین۔ وہ چلتے چلاتے بھی اپنی وفاداری کی ایسی یادگار چھوڑ گئے جو ہمیشہ زندہ رہیگی۔

ازیادرفتہ سلطنت "بیجانگر" پر حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری کا نہایت محققانہ اور مورخانہ مضمون ہے جو فی الحقیقت بڑی محنت اور تلاش کے بعد لکھا گیا ہے اور ہر طرح قدر کا مستحق ہے۔

"رسم بوسہ ستانی پر ایک حکیمانہ نظر" ڈالتے ہی بوسہ سے نفرت ہو جاتی ہے۔ لیکن اسیکو اگر عاشقانہ نظر سے دیکھا جاے اور دل مین کچھ بوسے محبت بھی ہو تو بوسہ سے یاد "لطیف، لمس و شیرین کام" کوئی اور شے نہین ہو سکتی۔

. . . . . .

. . . . . "روپیہ کی قیمت گھٹ رہی ہے"

اس عنوان سے مرزا سلطان احمد صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے خیالات پڑھنے سمجھنے اور عمل کرنیکے لائق ہین، مضمون مذکور مین ہندوستانیون کو نہایت مفید و کارآمد مشورے دئے گئے ہین۔ جسپر عمل پیرا ہونے سے ہندوستان کے دن پھر سکتے ہین اور ہندوستان کی مفلسی کلیتہً دور ہو سکتی ہے۔

"اسلامی پردہ" پر مولوی سید محمد فاروق کا علامانہ تبصرہ دیکھئے لطف اُٹھائیے اور خدا توفیق دے تو اُن نیک ہدایتون پر حواس مضمون کا ماحصل ہین چلنے بھی۔

شاہ آبجمانی کی وفات حسرت آیات پر خان بہادر سید علی محمد صاحب شاد عظیم آبادی نے "مسدس غم" خوب لکھا اور جناب سید تصدق حسین صاحب واصف اکبرآبادی نے قطعہ تاریخ مین (ہم) چند آنسو گرائے ہین آہ! وہ دیکھنے کے لائق نہین بلکہ رونے کے قابل ہین۔

"کلام اکبر" اہل زبان کو نیکی عزت بھی ادیب ہان عرف ادیب ہی کو حاصل ہے جسکے لئے ساری دُنیا سے ادب ادیب کی شرمندۂ احسان ہے اور غالباً ہمیشہ رہیگی۔

"کوئل" پر حافظ محمد یعقوب صاحب واصف گیاوی کی نظم بہت پاکیزہ اور موسم کے لحاظ سے بڑی دلکش ہے۔ کلام چست ہے مین چند شعر بہت عمدہ ہین اور مولانا حسرت موہانی ایڈیٹر اُردوے معلی کی کل غزل نایاب و دلچسپ ہے۔

ایڈیٹوریل مین "مخزن کا شکریہ"۔ حضرت نظر لکھنوی نے ادیبانہ نگاہ اور لٹریری نقطۂ خیال سے ایسا لکھا کہ انکا حصہ ہو گیا۔

زبان پہ بارِ الٰہا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زبان کے لئے

ادیب مین جو یہ نظر فریبی و دیدہ زیبی اور دلکشی و رعنائی کے سامان آپ دیکھ رہے ہین وہ سب حضرت نظر کی طبع نقاد کا نتیجہ ہین جنکو بقول ایڈیٹر "دلگداز" اعلیٰ ذوق لٹریچر کے ساتھ چھپائی اور مصوری کے فنون مین بھی بہت کچھ دخل ہے"۔

. . . . . .

علمی رائے مین اپنی زبان اور اپنے لٹریچر کی قدر کرنے والون مین سے کسی کی میز اس گوہر نایاب سے خالی نہ رہنی چاہئی اور یہ ممکن نہین کہ کوئی لٹریری آدمی ادیب کو دیکھ لے اور اُسکا والہ و شیدا نہ بنجاے۔ دراصل اگر اُردو لٹریچر کی ترقی دیکھنی ہو تو اس رسالہ کو دیکھئے اسکی موجودگی مین کوئی نہین کہہ سکتا کہ ہماری زبان مین انگریزی کا سا ایک رسالہ بھی نہین نکلتا۔ کچھ شک نہین کہ اسکے اجرا سے بہت بڑی کمی رفع ہوئی ہے اور یہ ہر لحاظ سے مالک کی قدردانی اور امراء کی قدر افزائی کا مستحق ہے۔

راقم سید دلگیر اکبرآبادی

جلد ۲ — نمائش نمبر — نمبر ۶

ادیب

ادب اُردو کا باتصویر ماہوار رسالہ — ایڈیٹر نوبت رائے نظر لکھنوی

فہرست تصاویر

(۱) شوق دیدار (رنگین) (۲) نمائشگاہ کا عام منظر (۳) ایضاً (۴) صدر دروازہ نمائشگاہ (۵) خیمہ گاہ نمائش
(۶) شعبۂ ڈاکخانہ (۷) محکمۂ جنگلات نمبر ۱ (۸) عمارت فنون لطیفہ (۹) عام دستکاریوں کی عمارتیں (۱۰) محکمۂ تعلیم
(۱۱) خانہ دستکاریوں کی عمارت (۱۲) پاپچہ بافی کا شعبہ (۱۳) ویلکم کلب (۱۴) محکمۂ زراعت (۱۵) محکمۂ جنگلات نمبر ۲
(۱۶) محکمۂ زراعت نمبر ۲ (۱۷) محکمۂ زراعت نمبر ۳

فہرست مضامین

	صفحہ
۱- نمائش کی ابتدا- از ایڈیٹر	۲۴۳
۲- نمائش کی تاریخ- از مسٹر جے- آر- رائے	۲۴۷
۳- قطب نما- از مولوی سید شہاب الدین صاحب مہدوی	۲۵۴
۴- ثمرۂ حیات- از رائے پربھولال صاحب- بی- اے	۲۶۰
۵- علامہ فیضی- از مولوی محمد شفیع الدین خان صاحب- ایم- آر- اے ایس	۲۶۹
۶- ہندوستان کے بچوں کی تعلیم- از سید خورشید علی صاحب	۲۷۳
۷- نمائش ممالک متحدہ- از مسٹر شاکر سید رضی	۲۷۷
۸- سرور سبرور- از ایڈیٹر	۲۸۶
۱۷- ایڈیٹوریل	۲۹۱
۹- ترانۂ وحدت- از منشی دگمبر سہائے صاحب سرور جہان آبادی مرحوم	۲۸۷
۱۰- افادات نمائش- از خان بہادر سید اکبر حسین صاحب اکبر بی پنشنر الٰہ آباد	۲۸۷
۱۱- توصیف نمائش- از حکیم سید احمد صاحب قیاس دہلوی	۲۸۸
۱۲- رائلڈ کا چرخہ- از مسٹر شاکر سید رضی	۲۸۸
۱۳- آنکھ کی پتلی- از مولوی غلام محمد صاحب طور- بی- اے	۲۸۹
۱۴- بستر بیمار- از بابو جگت موہن لال صاحب رواں	۲۸۹
۱۵- کلام امیر- از پنڈت بشن نرائن صاحب دیر بیرسٹر ایٹ لا لکھنؤ	۲۹۰
۱۶- ماتم سرور- از مرزا کاظم حسین صاحب محشر لکھنوی	۲۹۱

قیمت سالانہ چار روپیہ — فی پرچہ چھ آنہ

پنچکوڑی سٹرا پرنٹرو پبلشر نے انڈین پریس الہ آباد میں چھاپکر شائع کیا

التماس

اس نمبر کے ساتھ ادیب کا پہلا سال ختم ہوگیا۔ جن معززین نے شروع سال سے خریداری فرمائی تھی یا جنوری سے اب تک کے پرچے مجموعی طور پر طلب فرمالئے تھے انکی عطیہ قیمتیں ختم ہوگئیں۔ اُمید ہے کہ وہ اپنی سرپرستی آیندہ بھی قائم رکھیں گے اور اس علمی خدمت میں مہتمان رسالہ کی مالی امداد فرماکر اپنی علمی قدر دانی کا ثبوت دینگے جو اسکے عظیم احراجات کی کفالت کے لئے نہایت ضروری ہے۔ ہم اپنے معاونین کی عنایتوں کا ۱۵ر جنوری ۱۹۱۱ء تک انتظار کرینگے۔ اس عرصے میں خواہ قیمتیں بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائی جائیں خواہ جنوری کا پرچہ جو خاص اہتمام سے شائع ہوگا ویلیو پے ارسال بھیجنے کی اجازت عطا فرمائی جائے۔ بحالت سکوت منظوری خریداری منظور ہوگی اور جنوری نمبر بذریعہ ویلیو پے ایبل ارسال خدمت کیا جائیگا۔ لہذا اگر خریداری نامنظور ہو تو میعاد معینہ کے اندر مطلع فرمادیا جاوے تاکہ معاونین واپسی ویلیو کی زحمت سے اور دفتر نقصان ویلیو سے محفوظ رہے فقط

خادم۔ منیجر ادیب۔ الہ آباد

لڑکیوں کا تعلیمی کورس

خوشی کا مقام ہے کہ ہندوستان میں لڑکیوں کی تعلیم ترقی کر رہی ہے اور ہر شہر و ہر قصبہ اور ہر گانوں میں لڑکیوں کے مدرسے جاری ہو رہے ہیں۔ اس ترقی تعلیم کا نتیجہ جسقدر مفید ثابت ہوا ہے وہ محتاج تحریر نہیں۔ تاہم عام طور پر یہ شکایت بھی سنی جاتی تھی کہ لڑکیوں کی تعلیم کیلئے ابھی تک کوئی ایسا نصاب نہیں تیار ہوا ہے جو انکی دماغی اور اخلاقی حالت کے مناسب حال ہو اور انھیں بخاطر خواہ فائدہ پہونچا سکے۔ اسی شکایت کی بنا پر ہمنے لڑکیوں کیلئے ایک ایسا نصاب بصرف کثیر تیار کرایا ہے جو ہر طرح اور ہر حیثیت سے مکمل ہے اور جسے صوبہ ہذا کی تعلیمی کمیٹی نے نہ صرف پسند کرکے بلکہ تمام دیگر ریڈروں پر ترجیح دیکر مدارس نسوان میں جاری کر دیا ہے۔ ان ریڈروں کی زبان کی نسبت اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ ایڈیٹر صاحب ادیب کی اصلاح و نظر ثانی سے مزین ہیں۔ انمیں اخلاقی و نصیحت آمیز کہانیوں اور سبقوں کے علاوہ تیمارداری۔ معاشرت۔ امور خانہ داری۔ بچوں کی پرورش۔ مریضوں کی تیمارداری۔ خاوند کی اطاعت۔ شرم و حیا عفت و عصمت اور ایثار کا مادہ بایں لکھی گئی ہیں۔ علاوہ بریں ریڈروں میں سیتا جی۔ مینتی۔ سکنتلا۔ ساوتری۔ لیلاوتی۔ ساہلیا بائی وغیرہ کی سوانح عمریاں اور چین و جاپان کی لڑکیوں کے حالات نہایت سلیس اور بچوں کی سمجھ میں آنیوالی زبان میں درج ہیں۔ کاغذ لکھائی چھپائی وغیرہ سب اعلیٰ درجہ کی ہیں۔ جو انڈین پریس کا حصہ ہے۔ ان ریڈروں میں ۱۱۸ تصاویر بھی ہیں جنمیں ۳۰ تصاویر پورے صفحوں پر علیحدہ چھاپکر شامل کیگئی ہیں۔ پورا نصاب حسب ذیل ہے۔

(۱) اُردو کا نیا قاعدہ . . . . . قیمت ۹پ (۲) لوئر پرائمری ریڈر (پہلی اور دوسری جماعت کا نصاب) .. ۸ر

(۳) اپر پرائمری ریڈر (تیسری اور چوتھی جماعت کا نصاب) .. ۸ر (۴) لوئر مڈل ریڈر (پانچویں اور چھٹی جماعت کا نصاب) .. ۸ر

منیجر انڈین پریس الہ آباد

شوق دیدار

(از مشہور مصور مولد رام ساکن سرینگر گڑھوال)

انڈین پریس الٰہ آباد

دسمبر ۱۹۱۰ء

ادیب

جلد ۲ — نمبر ۶

نمائش کی ابتدا

نمائش کا لفظ جو انگریزی لفظ (Exhibition) کا ترجمہ ہے ہماری زبان مین نیا ایجاد داخل ہوا ہے جسے ابھی نصف صدی بھی نہین گذری۔ لیکن اسکا مفہوم ہندوستان مین قدیم الایام سے موجود ہے۔ اس قدیم ترین زمانے مین بھی جتنی چیزین کوئی صحیح اور مسلسل تاریخ اسوقت موجود نہین ہے یہان کے باشندے صنعت و حرفت اور زراعت و تجارت مین خاص ترقی رکھتے تھے۔ انسان کی نفیس و نادر اشیا دنیا کے دور دراز مقامات تک جاتی تھین اور نہایت قدر کی نگاہون سے دیکھی جاتی تھین۔ سال کے کسی خاص موسم مین اکثر مقامات پر کاریگر اور اہل حرفہ اپنی محنت و دستکاری کے نتائج نمایان کرتے تھے جہان حسب مدا انھین دیکھتے پسند کرتے اور خرید کر لیجاتے تھے۔ اس اعتبار سے دنیا کی پہلی نمائش گاہین یہی مقامات تھے جہان مصنوعات بغرض فروخت نمایان کئے جاتے تھے۔

ابتدا ضروریات زندگی بہت مختصر تھین لہذا نمائش اشیا کے طریقے بھی شاذ و نادر ہی برتے جاتے تھے۔ مثلاً دنیا کے ابتدائی دور مین جسے (Bronze age) کہتے ہین اوزار تھیار پتھر کے آلات و اسلحہ استعمال کئے جاتے تھے۔ انسان کی خوراک جنگلی پھل اور مچھلیان تھین۔ پوشش کے لئے جانورون کی کھالین تھین مچھلیون کے بڑے بڑے کانٹون مین سوئی کیطرح ناکے بنا کے سی لیتے تھے اور رہنے کے لئے زمین مین غار کھود کر درختون کی خشک پتیان بچھا لیتے تھے جو نرم بستر کا کام دیتی تھین۔ اس حالت مین کوئی کسی کا دست نگر نہ تھا اور ہر شخص اپنی ضروریات آپ رفع کر لیتا تھا۔ حالانکہ اسوقت بھی صنعت و حرفت کا وجود تھا اور جنگلی درندون سے بچنے کے لئے پتھر کے اسلحہ اور دیگر آلات بنائے جاتے تھے جو سیکڑون صدیون کے بعد زمین سے برآمد ہوئے ہین۔ لیکن غالباً انکی خرید و فروخت کا کوئی طریقہ رائج نہ تھا۔

بعد ازان دوسرا دور شروع ہوا جو (Iron age) کے نام

سے موسوم ہے۔ اس عہد میں انسان نے لوہے کے اسلحہ و آلات بنانا، کھیتی کرنا، چھپر چھانا اور کپڑا وغیرہ تیار کرنا سیکھ لیا تھا اور ضروریات زندگی نسبتہً زائد ہو گئے تھے۔ اسلئے ہر شخص اپنی ضروریات آپ ہی نہیں مہیا کر سکتا تھا اور کاروبار کی انجام دہی کے لئے مشترکہ محنت کی ضرورت لاحق آئی۔ اب گویا کتاب تمدن کا دوسرا باب شروع ہوا جسمیں مختلف گروہوں اور فرقوں کو ایک دوسرے سے سابقہ ہوا اور تعارف و شناسائی کا موقع ملا۔ یہ باب کسیقدر طویل ہے جسکی تفصیلات اس مختصر مضمون میں نہیں آسکتیں۔ تاہم کاریگروں اور اہل حرفہ کی کثرت اور اہل ضرورت کی زیادتی نے ایسے طریقے ایجاد کئے کہ پہلے عارضی بازاروں میں عام مصنوعات و پیداوار فروخت ہونے لگیں بعد ازاں ان بازاروں نے مستقل حیثیت اختیار کی اور بڑی بڑی منڈیاں قائم ہو گئیں جہاں ہر قسم کی اشیاء آسانی سے دستیاب ہونے لگیں۔ رفتہ رفتہ معاشرت میں اُن تکلفات کو دخل ہونے لگا جو ترقی کرتے کرتے اس حد تک پہونچے ہیں کہ آج جنکی کوئی انتہا نہیں۔

محنت۔ سرمایہ۔ اور انتظام۔ ان تین چیزوں کے مجموعہ کا نام تمدن ہے جنکی بنیاد قرن وسطی میں بخوبی پڑ گئی تھی۔ خصوصاً ایشیا میں تمدنی ترقی کی انتہا اُسیوقت ہو گئی اور اب ایشیائی تمدن ایک حد تک زندہ نہیں ہے۔ اُس عہد کے مصنوعات اسوقت عجائبات میں داخل ہیں اور اُنکے بعض نمونے عام عجائب خانوں اور نمائش گاہوں میں بطور یادگار دکھائے جاتے ہیں۔ ابتدا میں انکی نمائش کا وہی طریقہ تھا جو اوپر بیان کیا گیا۔ بعد ازاں بڑے بڑے میلے اور تہوار منعقد ہونے لگے جنمیں صنعت و حرفت کی سب سے بڑی نمائش ہوتی تھی۔ ہندوستان میں اُس عہد کے بعض میلے اب تک یادگار ہیں جنمیں زیادہ تر مذہبی رنگ غالب ہے۔

ان میلوں میں جو مشہور تیرتھوں اور متبرک مقامات پر ہوتے ہیں زیادہ تر ملکی مصنوعات کی نمائش ہوتی ہے۔ انمیں چھتر کا میلہ مکن پور کا میلہ۔ میرٹھ کی نوچندی۔ جوالا مکھی کا میلہ اور بے شمار میلے ہیں جہاں دیسی کاریگری کے نمونے۔ مویشی اور عام پیداوار کی بہت بڑی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ عہد مغلیہ میں مینا بازاروں کا بھی انتقاد ہوا تھا جو آجکل کی نمائش گاہوں سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔ لیکن چونکہ وہ شاہی محلات تک محدود رہے لہذا اُنسے نمائش گاہوں کے عام فوائد مرتب نہ ہو سکے۔ شاہان اودھ کے عہد میں صنعت و حرفت کی ترقی ابتداءً اُن میلوں سے ہوئی جو نواب آصف الدولہ کے عہد میں منعقد ہوتے تھے اور رفتہ رفتہ بہت کچھ ترقی کر گئے۔ لیکن صنعت و حرفت کی سب سے بڑی نمائش عشرۂ محرم کے موقع پر ہوتی تھی جب باکمال صناع اپنی اپنی کاریگری فرعیہ اور تعزیوں میں صرف کرتے تھے۔ غالباً صنعت کی کوئی ایسی شاخ نہ تھی جو ان مقدس مصنوعات میں فروگذاشت ہو جاتی ہو۔ خصوصاً امام باڑوں کی تعمیر اور اُنکی سجاوٹ میں وہ حیرت انگیز صناعی دکھائی جاتی تھی جسے دیکھکر اہل مغرب بھی عش عش کرتے تھے۔

درحقیقت ہندوستان کی صنعتی ترقی زیادہ تر راجاؤں اور بادشاہوں کی قدردانی پر منحصر تھی۔ حالانکہ عوام بھی اُنکی قدردانی میں کچھ کم حصہ نہ لیتے تھے۔ لیکن پبلک دلچسپی جو آجکل کی صنعتی ترقی کے لئے ضروری ہے اگلے زمانے کی صنعتی ترقی کا کوئی جزو نہ تھی۔ جتنے بڑے بڑے کاریگر۔ صنّاع اور اہل کمال گزشتہ زمانے میں ہوئے ہیں وہ سب کے سب حاکم وقت کی سرپرستی کے ممنون رہے ہیں بہرکیف صنعتی ترقی کی رفتار گذشتہ صدی کے وسط تک اسیطرح جاری رہی اور اسکے بعد وہ انقلاب ہوا جسکی رَو صدی مذکور کے آخر زمانے تک جاری رہی اور کس مپرسی کا وہ زبردست بازار

گرم رہا کہ ملکی صنعت وحرفت یکقلم برباد ہوگئی۔

اب ہم اُس زرّین عہد مین ہین جو Golden age کے نام سے تبیر کیا جاتا ہے۔ یہ دُنیا کا تیسرا دور ہے جسمین تہذیب و تمدن کے تمام مدارج طے ہو گئے ہین۔ اب ہمنے ساری دُنیا کے جنگل، پہاڑ اور سمندر کھنگال ڈالے ہین اور قطبین کی سرحد تک پہونچ چکے ہین جہان اگلے انسانون کا قیاس تک نہ جا سکتا تھا۔ اب خشکی و تری کے سفر کے لئے ہمین آسان سے آسان ذرائع حاصل ہین اور سوداری وبار برداری کی تمام قوتین کافور گیری ہین نیز مغربی سائینس کی برکت سے ایجادات کا وہ روز افزون سلسلہ جاری ہے جسکا کوئی شمار نہین۔ صرف صنعت وحرفت کے صیغے مین جو تمدن کی ایک شاخ ہے اسقدر ترقی ہوئی ہے کہ اُن سب کے نمایان کرنے کیلئے معمولی بازار یا عجائب خانے کافی نہین ہین۔ اور اسلئے ایسی ایسی عظیم الشان نمائش گاہین کھولی جاتی ہین جنکا رقبہ میلون تک وسیع ہے۔ ان نمائش گاہون سے اگرچہ وہی فوائد حاصل ہین جو اگلے وقت کے عارضی بازارون سے لیکر بڑے بڑے میلون تک حاصل رہے تھے یعنی صنعتی مقابلہ اور صناعون کے کمال کی شہرت، تاہم چونکہ اب دُنیا کی مختلف اقوام مین روز بروز زیادہ میل جول اور ربط ضبط بڑھتا جاتا ہے اسلئے ہر ملک اور ہر قوم کی صناعیان جنکے نمونون پر اہل ہند بہت کچھ ترقی کرسکتے ہین پیش نظر ہو جاتی ہین اور صنعتی تعلیم کے لئے غیر ممالک کے سفر کی زیادہ ضرورت نہین رہتی گویا یہ نمائش گاہین تمدنی تعلیم کی سب سے بڑی درسگاہین ہین جنسے فائدہ اُٹھانے کے لئے صرف چشم بینا اور دل تربیت پذیر درکار ہے۔

متذکرۂ بالا نمائش گاہون کا سب سے بہتر اور عظیم الشان نمونہ حال کی نمائش الہ آباد ہے جسکا افتتاح یکم دسمبر ۱۹۱۸ء کو ہز آنر سر جان پرسکاٹ ہیوٹ بہادر بالقابہ لفٹنٹ گورنر صوبجات متحدہ نے بعض جلیل القدر والیان ملک، حکام ذوالاقتدار اور ہر ضلع کے امرا و رؤسا اور رعایا کے قائمقامون کی موجودگی مین فرمایا تھا۔ ہز آنر نے اپنی فصیح و بلیغ اسپیچ مین نمائش کے فوائد اور اس صوبے مین صنعتی بیداری کے آثار نہایت صراحت سے بیان فرمائے اور صنعت وحرفت سے اپنی خاص دلچسپی کا اظہار فرما کے باشندگان صوبۂ ہذا کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ آپ کی تقریر سے یہ بھی ثابت ہوا کہ صوبۂ ہذا کے بعض بڑے بڑے شہرون مین صنعتی انسٹی ٹیوشن قائم ہونیوالے ہین جنکی تعلیم و تربیت سے ان اضلاع مین بہترین کاریگر پیدا ہو سکین گے۔

نمائش گاہ پر ایک مجموعی نظر ڈالنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ موجودہ تمدن کی معراج کسقدر بلند ہے۔ ایسی نفیس عمارات۔ ایسی نادر اشیا۔ ایسے حیرت انگیز ایجادات اور ایسا عمدہ انتظام اور خوش سلیقگی اسی دور کا حصہ ہے۔ نمائش گاہ کے عالیشان پھاٹک کے اندر قدم رکھتے ہی دونون پہلوؤن مین دیسی صناعون کی دوکانین اور کارخانے ہین جنمین کاریگر کام کرتے ہوئے دکھائے گئے ہین۔ یہ کاریگر محض ہاتھ اور آنکھ کے ذریعے سے کام کرتے ہین جو صنعت کا اصلی مفہوم ہے۔ انکے مقابلے پر یورپ کی بعض کلین بھی کام کرتی ہوئی دکھائی گئی ہین اور دونون کا مقابلہ کرتے ہوئے بیساختہ کہنا پڑتا ہے کہ مغربی آرٹ نے بحیثیت صناعی مشرقی صنعت پر ابھی تک فتح نہین پائی ہے۔ لیکن افسوس کہ اب ان دیسی صناعیون کا آفتاب اقبال غروب ہوگیا اور انکے قدردان نہین موجود نہین ہین۔ اب یہ دم واپسین بھر رہی ہین اور وہ زمانہ بہت قریب ہے جب یہ بالکل مفقود ہو جائینگی۔ اسلئے انکا آخری دیدار اہل ہند کے لئے نہایت غنیمت ہے۔

ان اضلاع مین لکھنؤ۔ بنارس اور آگرہ تین نہایت قدیم

اور تاریخی شہر ہین جنکی صنعتی عظمت صدیون سے مسلم ہے - اسلئے دیسی صناعیون مین انھین شہرون کے مصنوعات سب پر تفوق رکھتے ہین اور بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ دہلی کے سوا کسی شہر کی دیسی صناعی ان شہرون کی صناعیون کا مقابلہ نہین کرسکتی - نیز شہرون مین کانپور الہ آباد کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاسکتا ہے لیکن اگر ان مصنوعات کو جو کلون کے ذریعے سے تیار ہوتے ہین علیحدہ کردیا جائے تو دونون شہرون کی صنعت بنزلہ صفر ہے - تقریباً کوئی ایسی صنعت ان شہرون سے خصوصیت نہین رکھتی جسے نہین کا ایجاد کہا جاسکے - پنجاب کے بعض ضلعون سے لکڑی غیر کے اچھے اچھے کام آئے ہین - جنمین ہوشیار پور اور جالندھر کی چوبی اشیا، چنیوٹ پیتل اور ہاتھی دانت کی پچیکاری کی کئی ہے نہایت نفیس ہے - لیکن درحقیقت یہ مغربی آرٹ ہے جسکی صنعتی کالجون مین تعلیم دیجاتی ہے اسلئے ان کامون کی تعریف فی الحقیقت مغربی صناعی کی تعریف ہے - جسمین دیسی کاریگر کو کوئی نمونہ نہین ایجاد کرنا پڑتا - اسیطرح ملک کے دور دراز حصّون سے بہت سے صنعتی نمونے آئے ہین جنمین کچھ نئے ہین اور کچھ پرانی صنعت کی یادگار ہین اور یہ حیثیت مجموعی ہندوستان کی صنعتی عظمت ذہن نشین کرنے کو کافی ہین -

اس الحاقی نمائش مین علاوہ صنعتی دلچسپی کے بہت سے سیر و تفریح کے سامان بھی جمع کئے گئے ہین جنکی تاریخوار تفصیل درج ذیل ہے - اسطرح نمائش کو ہر پہلو سے کامیاب بنانے کی کوشش کی گئی ہے - لیکن نمائش کا اعلیٰ مقصد ملک مین صنعتی شوق پیدا کرنا ہے جو نہایت مبارک مقصد ہے اور جسکے لئے ہم اپنے صوبے کی گورنمنٹ اور بالخصوص ہز آنر لفٹنٹ گورنر بہادر کے تہ دل سے شکر گذار ہین جنکے دور حکومت مین صوبہ ہذا کی مردہ صنعت و حرفت مین بہت کچھ جان آگئی ہے - ضرورت ہے کہ ایسی نمائشین لکھنؤ بنارس اور آگرہ ایسے شہرون مین بھی منعقد کیجائین جہان نمائش کا اصلی مقصد نسبتہً زیادہ بارور ہوسکتا ہے - جہان کاریگرون اور صناعون کی کثرت ہے اور جہان کے باشندے صنعت و حرفت سے طبعی مناسبت رکھتے ہین -

پروگرام مع تاریخ

۱ - پنجشنبہ یکم دسمبر ۱۹۱۰ء ... افتتاحی رسمیات -

۲ - سہ شنبہ - پنجشنبہ و جمعہ یعنی ۶ و ۸ و ۱۰ دسمبر ۱۹۱۰ء ... گھوڑ دوڑ -

۳ - شنبہ ۱۷ دسمبر ۱۹۱۰ء ... آل انڈیا پولو ٹورنامنٹ کا آخری تماشا جو کہ فالبًا یوم شنبہ ۱۰ - دسمبر ۱۹۱۰ء سے شروع ہوگا -

۴ - ابتدار دوشنبہ ۲۶ دسمبر لغایت شنبہ ۳۱ - دسمبر ۱۹۱۰ء ... ممالک متحدہ و تمام ہندوستان کے پہلوانون کی کشتی - ایام نمائش مین یکشنبہ کو کشتی کبھی کبھی ہوا کریگی -

۵ - ابتدار چہارشنبہ ۲۸ - دسمبر ۱۹۱۰ء لغایت شنبہ ۳ - جنوری ۱۹۱۱ء ... ہوائی جہاز اڑائے جائینگے - دو ہوائی جہاز اڑانیوالے ولایت سے بلائے گئے ہین -

۶ - دوشنبہ ۲ جنوری ۱۹۱۱ء ... دوسرا پولو ٹورنامنٹ شروع ہوگا - پولو ٹورنامنٹ کا آخری تماشا غالبًا دوشنبہ بتاریخ ۹ جنوری ۱۹۱۱ء کو ہوگا -

۷ - دوشنبہ ۱۶ جنوری ۱۹۱۱ء ... نفیس ہندوستانی تماشے شروع ہونگے

۸ - من ابتدائے دوشنبہ ۲۳ جنوری ۱۹۱۱ء لغایت شنبہ ۲۸ - جنوری ۱۹۱۱ء ... آل انڈیا ہاکی ٹورنامنٹ نمائش کے زمین پر ہاکی کا آخری کھیل ہوگا -

۹۔ابتداء دوشنبہ ۶۔فروری ۱۹۱۱ء
نہایت شنبہ ۱۱۔فروری ۱۹۱۱ء ... فوجی تماشے و ٹورنامینٹ ہونگے۔
۱۰۔دوشنبہ ۱۳۔فروری ۱۹۱۱ء ... آل انڈیا ٹینس ٹورنامینٹ شروع ہوگا۔

تعطیل کرسمس مین انڈین نیشنل کانگرس کا اجلاس ہوگا اور میٹنگس وغیرہ بھی نمائش کے زمانے مین بمقام الٰہ آباد ہونگی۔

ایڈیٹر

نمائش کی تاریخ

پہلی نمائش جسکا معتبر اور تاریخی ذکر ملتا ہے۔ بائبل کے اُس صحیفہ مین مذکور ہے جو "استر کی کتاب" کے نام سے مشہور ہے۔ خسویرس (یہودی نام) یا آہزسویرس (Ahasuerus) نامے فارس و مادیہ کا بادشاہ مسیح سے تقریباً سوا پانچ سو برس پیشتر گذرا ہے۔ اسکی حکومت ہندوستان سے کوش اور انتہی روپیا تک پھیلی ہوئی تھی۔ ۱۲۷ صوبے اسکے زیر نگین تھے۔ کتاب محولہ بالا کی اوّل فصل کے شروع مین لکھا ہے کہ اُسنے اپنی سلطنت کے تیسرے سال پایہ تخت شوسن (Shushan) مین ایک عظیم الشان دربار اس غرض سے منعقد کیا کہ اپنے خراج گذارون اور اپنی رعایا کے نام آور مقامون اور رئیسون پر اپنا پورا جاہ وجلال اور جبروت وسطوت ظاہر کرے۔ اس موقع پر بادشاہ اخسویرس کے حکم خاص سے سلطنت کے ہر حصّے اور قرب وجوار کے علاقون سے عجائبات صنعت و حرفت بھی بہم پہونچائے گئے تھے۔ ایک سو اسّی روز تک جشن رہا اور ایک ہفتہ تک خاص جشن شاہی محلون مین ہوئے "وہان سفید اور سبز اور آسمانی رنگ کے کتانی پردے سنگ مرمر کے ستونون پر ارغوانی ڈوریون اور چاندی کے حلقون مین لٹکے ہوئے تھے۔ پلنگ سونے اور روپے کے اور فرش جسپر وہ دھرے تھے سُرخ اور آسمانی اور سفید و سیاہ سنگ مرمر کا تھا"

اسکے علاوہ اور کسی نمائش کی کیفیت کسی قابل اعتبار تاریخ اور کتاب مین نہین ملتی۔ مگر قیاس سے کام لیکر کہا جا سکتا ہے کہ اس سے پیشتر اہل ہند۔ اہل مصر۔ اہل بابل و نینوا نے جنکا ستارہ اقبال مسیح کی ولادت سے چھ سو برس پیشتر بنوکد نضر (بابل و خالدیہ) اور تغلت پلیسر (نینوا) کے زمانون مین آسمان پر چمک رہا تھا۔ اپنی قومی صنعتون کو ترقی دینے کے وسایل ضرور اختیار کئے ہونگے۔ جو قوم تمدّن اور اسکے لوازم مین اپنے ہمسایون سے بڑھی ہوئی ہو۔ وہ اپنے مصنوعات کو ترقی دینے کے ذرائع اختیار نہ کرے۔ سمجھ مین نہین آسکتا۔ ہندوستان قدیم کے تمدن اور تمدنی ترقیون کے بارہ مین مورخون مین اختلاف رائے ہو سکتا ہے مگر ایک امر پر سب متفق ہین اور انگریزی تاریخون مین اسکا ذکر جگہ جگہ پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہندوستان سے کئی عجیب و غریب اشیا خشکی اور تری کے راستہ سے مشرق اور مغرب کو جاتی تھین۔ قدیم مصریون۔ بابلیون اور فنیقیون کے ساتھ ہند و تاجرون کا لین دین تھا اور ہر سال کروڑون روپیہ کی اشیا مغربی مہذب ملکون کو جایا کرتی تھین مگر اس ملک کی قدیم تاریخ مین کسی نمائش کا ذکر نہین ملتا۔ مسٹر آر۔ سی دت مرحوم بھی "ہند و تمدن قدیم" مین اس امر کی نسبت بالکل خاموش ہین۔

چاہے ایسی نمائشون کا کوئی رواج نہو جیسی آجکل ہین - مگر قیاس یہ چاہتا ہے کہ اسکے لگ بھگ کوئی انسٹی ٹیوشن ضرور تھا - اس سے کسی کو اختلاف نہین ہوسکتا کہ بابل - نینوا - ٹائر اور مصر وغیرہ کے قدیم حکمران شہزادے - شہزادیان - بیگمات - روسا - شرفا وغیرہ ہندوستان کے نہایت نفیس اور قیمتی کپڑے سوتی - ریشمی اور اونی پہنا کرتے تھے - کیا یہ ممکن ہے کہ جو قوم تمدن مین اپنے زمانے کی تمام قومون کی سرتاج ہو اور جسکے علوم وفنون کی ترقیون کی رد نہونے والی شہادت اسکے شاندار لٹریچر سے بہم پہونچتی ہو - وہ اپنے مصنوعات کی ترقی و تحریک کے لئے نمائش ایسے کارگر وسیلے سے کام لینے مین تساہل اور تغافل کرے ؟

یورپ کی قدیم نمائش

یورپ مین بھی ہندوستان کیطرح نمائش کی ابتدا بھی میلون اور جلسون کے ساتھ ہوئی - اٹلی اس قسم کے میلون کے لئے قدیم الایام سے مشہور تھی - وہان دیوتاؤن کے تیوہارون پر بھاری بھاری میلے ہوتے تھے - جیسے پریاگ کا ماگھ میلہ ہندوستان مین - مسیحی مذہب کی اشاعت کے بعد ان میلون نے ایک اور صورت تو اختیار کرلی مگر بیج بیوپار کا طریقہ انکے ساتھ وابستہ رہا - چھٹی صدی مسیحی تک وہان انکا بڑا زور رہا - ۶۵۶ء مین فرانس مین اسکا رواج ہوا اور سینٹ ڈنی مین پہلا نمائشی حرفتی میلہ ہوا - ۸۰۰ء مین ایکسلاشاپل اور ترآے مین بھی اسکا اثر جا پہونچا - وہان سے ۸۸۸ء مین برطانیہ مین الفریڈ اعظم کے توسط سے اسکا چرچا ہوا - دسوین صدی کے اخیر مین شمالی یورپ مین اس قسم کے میلے عام ہوگئے - جہان طرح طرح کی نمائشی اشیاء کی بڑی خرید و فروخت ہوتی تھی - اس سے صناعون اور تاجرون کو اچھی چیزین تیار اور بہم پہونچانے کی بڑی تحریک ہوتی تھی - اب تک ہالینڈ مین اس قسم کے سیکڑون میلے ہر سال ہوتے ہین - جرمنی ایسے میلون کا مرکز سمجھی جاتی ہے - لیپزگ کا میلہ نہایت مشہور ہے - جہان بارھوین صدی مین اسکی ابتدا ہوئی تھی - یہ سال مین تین مرتبہ منعقد ہوتا ہے - پچیس تیس ہزار تاجر غیر ملکون سے وہان جاتے ہین نیجنی نوگورڈ[1] (واقع روس) مین جولائی اور اگست مین اسی قسم کا عظیم الشان میلہ ہوتا ہے - جہان کروڑہا روپیہ کی خرید و فروخت ہوتی ہے -

جس زمانے مین وینس کا ستارہ عروج نصف النہار پر چمک رہا تھا - تو وہان ۱۲۶۰ء مین لارنسو - ڈی پولو کے عہد مین ایک بڑی نمائش منعقد ہوئی - اہل حرفہ کا ایک عظیم جلوس شہر کے آبی بازارون سے گذرا - پانی مین چراغان ہوا - اور سینٹ مارک کے چوک مین جہان مصنوعات قریبہ سے خانہ بخانہ آراستہ تھین - ہمدردان وطن کا ایک بڑا بھاری جلسہ ہوا - جہان صنعتی ترقیون کے وسائل پر کئی زبردست تقریرین کی گئین - منتظم کمیٹی کی درخواست پر حکمران نے عجائبات صنعت کو نمائش گاہ کے اندر ملاحظہ کیا - وینس ازمنۂ وسطی مین تجارت و صنعت ہی کی بدولت اسقدر متمول اور مقتدر تھا - اسواسطے وہان کسی نمائش کا انعقاد تعجبات اور نامکنات سے نہ تھا - ۱۶۸۹ء مین ولندیزون نے بھی لیڈن مین اپنی اقبالمندی کے دنون مین ایک بڑی نمائش منعقد کی تھی جسکی غرض قومی و ملکی صنعت و حرفت کی ترقی و تحریک تھی -

زمانۂ حال کی نمائشین

زمانۂ وسطی یا اس سے قبل جو نمائشی میلے ہوتے تھے - انکی بڑی غرض خرید و فروخت تھی مگر حال کی نمائشون کا بڑا مقصد یہ ہے کہ اہل حرفہ کی ہنرمندی ظاہر ہو - جس سے صنعت کو تحریک ہوتی ہے - زمانۂ حال کی اوّل نمائش ۱۷۵۶ء مین انجمن فنون (سوسائٹی آف آرٹس) کی کوشش سے لندن مین منعقد ہوئی تھی - اسنے

[1] ماخوذ از "نیو انٹرنیشنل انسائیکلوپیڈیا" جلد ۱۳ صفحہ ۳۶۳

قالین بافی - ظروف چینی کی ساخت کی خوبی - دیواروں پر لٹکانیکے زیبائشی پردوں کے واسطے عمدہ انعامات دینے کا بھی اعلان کیا تھا - پانچ سال بعد اسی انجمن کی سرپرستی مین ایک اور نمائش ہوئی - جسمین صرف آلات کشاورزی نمایان کئے گئے تھے ۱۸۹۶ء مین فرانس کے کارخانجات صنعت کیطرف سے ایک نمائش محل سان کلاؤ پیرس مین ہوئی - پھر دوسرے سال بھی اسی قسم کی ایک اور نمائش ہوئی اسمین اسقدر کامیابی ہوئی کہ اسی سال کے آخری تین دنون مین سرکار کی طرف سے ایک حرفتی نمائش ۱۸۹۷ء مین ہوئی جہان کاریگرون کو مقابلہ کرنے کا موقع دیا گیا ۱۸۹۸ء مین نپولین اعظم کے حسب فرمائش ایک عظیم نمائش فرانسیسی مصنوعات کی عالیشان محل نوائر کے احاطہ مین ہوئی - اشیاے کی خوبیون کے مشاہدے کیواسطے ماہرون کی ایک خاص کمیٹی مقرر ہوئی - جسنے چند کاریگرون کو سونے چاندی کے تمغے دینے جانیکی سفارش کی - نپولین نے حوصلہ افزائی کے خیال سے تمغے پانیوالون کو اپنے دسترخوان پر مدعو کیا - کمیٹی نے اپنی رپورٹ مین یہ لکھا تھا - "کوئی مخترع اور صناع ایسا نہین ہے جسکی ہنرمندی کا اعتراف عام ہوا ہو اور اسکی صنعت گرمی کی مانگ نہ بڑھی ہو" - اس نمائشگاہ مین ۵۴۰ کاریگرون اور تاجرون نے اشیا بھیجی تھین - انمین بیلون کا مخترع اور بلند پرواز مون گولفیئے (Montgolfier) بھی تھا - ۱۸۰۶ء مین پھر چوتھی نمائش ہوئی جسمین ۱۴۲۲ کاریگرون اور تاجرون نے چیزین بھیجی تھین - پھر لوئس ہشت دہم کے زمانے مین ۱۸۱۹ء مین ایک اور نمائش ہوئی جسمین ۱۶۲۲ شخصون کی اشیا نمایان کی گئی تھین - اسکے بعد بھی وقتاً فوقتاً کئی نمائشین ہوئین - ۱۸۴۹ء کی نمائش مین ساڑھے چار ہزار آدمیون کیطرف سے چیزین دکھائی گئی تھین - اسی اثنا مین یورپ کے دیگر بڑے بڑے ملکون مین بھی قومی نمائشین ہونے لگین - چنانچہ ۱۸۲۹ء مین ڈبلن (آئرلینڈ) مین ایک نمائش ہوئی جسمین اس صوبہ کے تمام اضلاع کی مصنوعات نمایان ہوئی تھین - پھر وہان ہر تیسرے چوتھے سال ہونے لگی - جسمین رفتہ رفتہ غیر ملکون کی دستکاریان نمایان ہونے کی بھی اجازت ہوگئی - یہ شاہی انجمن ڈبلن کی زیر نگرانی ہوتی تھی - اسکی دیکھادیکھی برمنگھم - مانچسٹر - لورپول اور دیگر بڑے بڑے شہرون مین نمائشین ہونے لگین - انکا رواج جرمنی - آسٹریا - پولینڈ - روس - سویڈن - ہالینڈ - بیلجیم - سوئٹزرلینڈ - اٹلی ہسپانیہ اور پرتگال مین بھی ہوا - ۱۸۴۳ء مین برلن (جرمنی) مین جو نمائش ہوئی تھی اسمین ۳۰۴۰ آدمیون کی اشیا نمایان ہوئی تھین ۱۸۴۵ء مین لندن مین برطانی حسن فتون کا ایک مینا بازار (فری ٹریڈ بازار) آراستہ کیا گیا - جو عام دلکشی کا موجب ہوا تھا - صوبجات متحدہ (امریکہ) مین ۱۸۵۳ء مین نیویارک مین ایک صنعتی میلے کا رواج ہوا جسمین صرف دستکارون اور موجدون کو اپنی اپنی دستکاریان دکھانیکی اجازت تھی - رفتہ رفتہ اس نوآباد اور وسیع ملک کے دوسرے شہرون مین بھی نمائشین اور میلے ہونے لگے -

بین الاقوام نمائشین

قومی نمائشون کی ذیل مین جن نمائشون کا ذکر ہوا وہ بہت محدود تھین - انمین تمام ملک یا کسی صوبہ کی مصنوعات نمایان کیجاتی تھین - غیر ملکون کی اشیا اسنے خارج رکھی جاتی تھین - جسکی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ اقتصادات (Economics) کا مطالعہ اس تندہی اور دماغ سوزی کے ساتھ شروع نہوا تھا جسقدر اب ہوتا ہے - لوگ عام طور پر تجارت و صنعت کے کاروبار کے بڑے بڑے اصول سے ناواقف تھے جسکی وجہ سے انکا خیال یہ تھا کہ غیر ملکون کی چیزون کو اپنے یہان نمایان کرنا گویا اپنی قومی

لہ ماخوذ از "انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا" جلد نمبر ۲۸ صفحہ ۳۴۹

حرفتوں کی جڑوں کو اپنے ہاتھ سے کاٹنا ہے۔ گو اسکے اور اسباب مثلاً خود غرضی۔ تنگ دلی۔ قومی تعصبات۔ تاجری و صنعتی اصول مانگ اور بہم رسانی کی لاعلمی وغیرہ بھی تھی۔ اُنیسویں صدی مین کئی عجیب وغریب اختراعات اور ایجادات معرض وجود مین آئے مثلاً متحرک انجن ریلوے کا اجرا۔ تار برقی۔ دخانی جہاز رانی وغیرہ جسکا مہذب قومون کے خیالات اور طرز معاشرت پر نہایت حیرت انگیز اثر ہوا۔ کاروبار اور صنعت و تجارت کو عظیم تحریک پہونچی۔ قومون کا باہمی ربط وضبط اور راہ ورسم بہت وسیع ہوگیا۔ سیر وسیاحت مین بڑی سہولتین پیدا ہوگئین۔ جس سے انسان کی عقلی اُفق توسیع پکڑتی ہے۔ انجام یہ ہوا کہ قومون کو جو ایک دوسرے سے نفرت تھی وہ دُور ہوگئی اور تمام غلط فہمیان رفع ہوگئین۔ افراد کے خیالات بہت وسیع ہوگئے۔ جسکا بین الاقوام تعلقات پر بہت پسندیدہ اور نہایت نیک اثر پڑا۔ علم کی دیگر لطیف اور پاکیزہ شاخون مین جو معتدبہ اضافہ ہوا تھا۔ اُس سے قومون کے آپس کے رشتہ پر خوشگوار اثر ہوا۔ لوگ یہ سمجھنے لگے کہ اپنے ہمسایون سے صلح واشتی کا برتاؤ روا رکھنے ہی مین اپنا فائدہ ہے۔ اسی حیرت مین ڈالنے والے انقلاب کا ثمرہ "بین الاقوام نمائشین" ہین جنکا رواج اُنیسوین صدی کے دوسرے حصے مین ہوا۔ انجمن فنون لندن نے اس باب مین ۱۸۴۹ء مین پیشقدمی کی جیسا اسنے چھیالوے برس پیشتر زمانہ حال کی قومی نمائش کے بارے مین کی تھی اور ۱۸۵۱ء مین ہائڈ پارک لندن مین پرنس البرٹ کی زیر صدارت ایک عظیم الشان بین الاقوام نمائش منعقد ہوئی دنیا کی تمام قومون کو اسکی شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ ۱۹۳۱۶۸ پونڈ کی لاگت سے بیس ایکڑ اراضی پر ایک شاندار عمارت بنائی گئی۔ یہ نمائش ساڑھے پانچ ماہ تک کیلئے کھلی رہی تمام مدون سے پانچ لاکھ پونڈ سے زائد آمدنی ہوئی اور تمام اخراجات منہا کرنے کے بعد ایک لاکھ چھیاسی ہزار پونڈ خالص بچت ہوئی۔ ساٹھ لاکھ اُنتالیس ہزار آدمی نمائش گاہ کے احاطہ مین داخل ہوئے۔ انکے ٹکٹون سے سوا چار لاکھ پونڈ وصول ہوئے۔

۱۳۹۳۷ آدمیون کی چیزین نمایان کی گئی تھین جنمین ۶۸۶۱ برطانیہ خاص، ۵۲۰ اسکی نوآبادیون سے اور باقی دُنیا کے دوسرے ملکون سے تھین۔ اسکے بعد نیویارک اور ڈبلن مین ۱۸۵۳ء مین بلتیمور اور میونک مین ۱۸۵۴ء مین اور پیرس مین ۱۸۵۵ء مین بین الاقوام نمائشین منعقد ہوئین۔ عظیم الشان عالمگیر نمائش ۱۸۶۲ء مین لندن مین پھر ہوئی۔ مگر پرنس البرٹ کے انتقال کے سبب سے ایسی شاندار شان نہوئی جیسی توقع کی گئی تھی۔ لوئس نپولین ثالث کے حسب ارشاد ۱۸۶۷ء مین پیرس مین عظیم پیمانہ پر ایک نمائش ہوئی جسکی عمارات کتابیں ایکڑ رقبہ پر پھیلی ہوئی تھین۔ بیرونی احاطہ مین آلات اور کلین تھین انسان کے تمدنی ارتقا کے تمام مرحلے (Stone age) سے لیکر زمانہ موجودہ تک اندرونی احاطہ مین نمایان کئے گئے تھے۔ پارک مین ہر قسم کے مشہور فنون عمارت کے نمونے تھے۔ اڑسٹھ لاکھ سے زائد آدمی نمائش گاہ مین داخل ہوئے اور جنکی مختلف صنعتین نمایان ہوئی تھین۔ انکا شمار ۴۳ ہزار سے کچھ اوپر تھا۔ ۱۸۷۳ء مین وائنا۔ پایتخت آسٹریا مین ایک بڑی نمائش ہوئی۔ مگر ہیضہ پھوٹ نکلنے سے ایسی کامیاب نہ رہی۔ جیسی شروع مین امید کی گئی تھی۔ تماشائیون کا شمار ستر ساٹھ لاکھ چالیس ہزار اور نمایان کرنیوالون کا ۶۰-۲۵ بیان کیا گیا ہے۔

۱۸۷۶ء مین شہر فلیڈلفیا (صوبجات متحدہ۔ امریکہ) مین "اعلان آزادی امریکہ" کی صدسالہ سالگرہ کی یادگار مین ایک عظیم الشان نمائش ہوئی تھی جسمین دُنیا کی تمام مہذب وغیر مہذب قومون سے

نمائشگاہ کا عام منظر

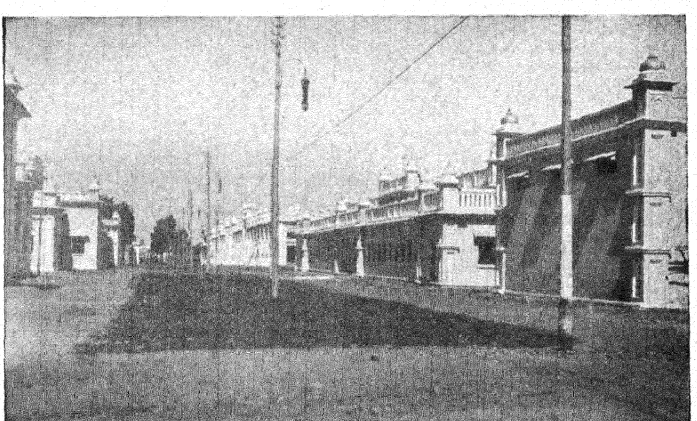

نمائشگاہ کا عام منظر

اتقیں پریس، الہ آباد

شرکت کی درخواست کی گئی تھی۔ اخراجات۔ چندہ اور سرکاری امداد سے ادا ہوئے تھے۔ اس نمائش کے انتظام میں کئی نئے طریقے بھی اختیار کئے گئے تھے۔ ان میں ایک یہ تھا کہ رات اور اتوار کے دن نمائشگاہ کے دروازے بند رہتے تھے۔ حالانکہ یورپ میں اسکے برعکس مروج تھا۔ صرف برقی تمغے دئے گئے۔ چاندی اور سونے سے قطع نظر کی گئی۔ کئی باتوں میں برطانیہ کی تقلید کی گئی۔ ۹۰ لاکھ بانوے ہزار آدمی نمائشگاہ کے اندر داخل ہوئے تھے۔ ایک خاص دن دو لاکھ چونتیس ہزار آدمی داخل ہوئے تھے۔ تمام وسائل سے ساڑھے سات لاکھ پونڈ سے زائد آمدنی ہوئی۔ اسکے دو سال بعد ۱۸۸۷ء میں پیرس میں ایک اور نہایت منظم بالشان نمائش منعقد ہوئی۔ نمائشگاہ کی عمارات کے واسطے چھیاسٹھ ایکڑ اراضی مخصوص ہوئی تھی۔ یہ اپنی شان اور وسعت کے لحاظ سے تمام سابقہ نمائشوں پر فائق تھی۔ ہندوستان کے تاجروں اور کاریگروں نے بھی بہت سی چیزیں بھیجی تھیں۔ دُنیا کی سب قومیں سوائے جرمنی کے شریک ہوئی تھیں۔ تمدن اور ضروریات کی کوئی چیز اور کوئی شعبہ انسانی معاشرت کا نظر انداز نہیں ہوا تھا۔ ایک کروڑ تیس لاکھ تماشائی احاطہ نمائشگاہ میں داخل ہوئے۔ گورنمنٹ نے ڈیڑھ کروڑ روپیہ خرچ کیا تھا۔ اس نمائشگاہ سے فرانس کے مصنوعات کو عظیم تحریک پہونچنے کے علاوہ سرکاری خزانہ اور میونسپل کارپوریشن شہر پیرس کے محصول وغیرہ سے ساڑھے چار کروڑ روپیہ آمدنی ہوئی تھی۔

۱۸۷۹ء میں سڈنی میں اور ۱۸۸۰ء میں ملبورن واقع آسٹریلیا میں دو بڑی نمائشیں منعقد ہوئیں جنمیں ہندوستان اور برطانیہ کی اشیا سب سے بڑھکر تھیں۔ انکا اثر جرمنی۔ فرانس۔ بلجیم اور امریکہ کی تجارت پر بہت ہی عمدہ پڑا کیونکہ اُس حصۂ دُنیا میں ان ملکوں کے مصنوعات کی مانگ بہت وسیع ہوگئی۔ مارسیلز (فرانس) برمین (جرمنی) سے ملبورن کو تاجری جہاز بکثرت آنے لگے اور فرانسیسی ساہوکاروں نے اپنے بنک لیون دین کے لئے وہاں جاری کردئے۔

۱۸۸۶ء میں ٹیورن (اٹلی) اور برسلز (بلجیم) میں دو نمائشیں ہوئیں اور کئی چھوٹی چھوٹی نمائشیں ۱۸۸۱ء-۱۸۸۲ء میں نیوکیسل (انگلستان) میلان (اٹلی) لاہور۔ ایڈیلیڈ۔ پرتھ (آسٹریلیا) ماسکو گینٹ (بلجیم) لیل (فرانس) میں منعقد ہوئیں۔ ۱۸۸۳ء میں ایمسٹرڈم (ہالینڈ) میں ایک بڑی بھاری نمائش ہوئی جسمیں اور ملکوں کے علاوہ ہندوستان کی چیزیں بھی نمایاں کی گئی تھیں۔ ۱۸۸۳ء میں کلکتہ میں بھی اس قسم کی ایک نمائش ہوئی تھی مگر وہ یورپ[۱] کی نمائشوں کے سامنے بہت حقیقت نہیں رکھتی۔

۱۸۸۹ء میں پیرس میں ایک عالمگیر نمائش انقلاب فرانس کی صد سالہ سالگرہ کی تقریب میں منعقد ہوئی۔ پونے دو کروڑ فرنک (دس آنے کا سکہ) گورنمنٹ فرانس نے اور اسی لاکھ میونسپل کارپوریشن پیرس نے دئے۔ نمائشگاہ کے اندر تین کروڑ ساڑھے تیس لاکھ آدمی داخل ہوئے تھے۔ دو کروڑ تیس لاکھ فرنک اسٹارنٹون کے کرایہ اور دیگر دوکانداروں سے وصول ہوئے۔ کل خرچ چار کروڑ چالیس لاکھ فرنک ہوا۔ جسے ادا کرنے کے بعد کچھ بچت بھی ہوئی۔ نمائشگاہ کی عمارتوں کے واسطے ۱۷ ایکڑ آراضی درکار ہوئی تھی۔ نمائشگاہ کے عجائبات میں ہزار فٹ بلند مینار ایفل Eiffel Tower اور قاہرہ کے ایک بازار کی ہو بہو نقل تھی۔ مکانات۔ دوکانیں۔ اشیاء تجارت وغیرہ وغیرہ سب مصری تھیں۔ جس سے اصل اور نقل کا امتیاز مٹ گیا تھا۔ سویڈن۔ ٹرکی اور مانٹی نگرو نے اسکی شرکت سے اس بنا پر معذرت کی تھی کہ نمائش "انقلاب فرانس" کی یادگار میں تھی۔ اشیاء نمائش

[۱] ماخوذ از "انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا" جلد نمبر ۲۰ صفحہ ۳۵۱-۳۵۳۔

کرنیوالون کی تعداد (۲۲۷۶۱) تھی۔ نمائش گاہ کے ضمن مین ستر کانگریسین اور کانفرنسین بھی منعقد ہوئی تھین جنھین قومون کے قائمقام شریک ہوئے۔ سنہ ۱۸۹۳ء مین لندن مین معدنی نمائش قصر بلورین مین اور فوجی نمائش شفاخانہ چلسی (لندن) مین۔ سنہ ۱۸۹۴ء مین بحری نمائش شفاخانہ موخرالذکر مین اور بین الاقوام نمائش جمیکا (واقع جزائر غرب الہند) مین ہوئی تھی۔

اسکے بعد قابل ذکر عالمگیر نمائش شکاگو ہے۔ یہ ۱۸۹۳ء مین دریافت امریکہ کی چہار صد سالہ سالگرہ کی یادگار مین تھی۔ گورنمنٹ صوبجات متحدہ نے اڑتالیس لاکھ روپیہ منظور کیا تھا۔ اسکے سوا ۷۵ لاکھ روپیہ خاص قسم کے سکہ کا تھا جو خلاف معمول زیادہ قیمت پر فروخت ہوا تھا۔ دو کرور پونے پندرہ لاکھ آدمی نمائشگاہ مین داخل ہوئے۔ ٹکٹون کی فروخت سے اکیس لاکھ بیس ہزار پونڈ خاص رعائتون سے ساڑھے سات لاکھ پونڈ۔ متفرقات سے ایک لاکھ اڑسٹھ ہزار پونڈ۔ کل تیس لاکھ اٹھیس ہزار پونڈ آمدنی ہوئی۔ کل خرچ باون لاکھ بائیس ہزار پونڈ ہوا تھا اور جملہ اخراجات ساڑھ لاکھ پونڈ یعنی نو کرور روپیہ ہوئے۔ جسمین سے ڈیڑھ کرور سرکار نے دیا تھا۔ خیال کرنا چاہئے کہ یورپ اور امریکہ کی سلطنتین صنعتی ترقیون کے واسطے کتنا روپیہ بیدریغ اٹھاتی ہین۔ نمائشگاہ کی تمام عمارتون نے دو سو ایکڑ اراضی گھیر رکھی تھی۔ اس نمائش مین اٹھارہ ہندوستانی تاجر بھی گئے تھے۔ نمائشگاہ مین انسان کی طرز معاشرت۔ ضروریات۔ ذخیرہ جنگلی اور وحشی قومون سے لیکر مہذب اور متمدن قومون کے تمام شعبے دکھائے گئے تھے۔ یہانتک کہ مذہب سے بھی چشم پوشی نہین کی گئی۔ کیونکہ مذاہب عالم کی ایک نہایت شاندار پارلیمنٹ ڈاکٹر بیروز[1] کی زیر صدارت منعقد ہوئی جہان سب مذہبون کے قائم مقام نے اپنے اپنے معتقدات کی خوبیان بیان کین۔

ہندوستان سے بھی سوامی وویکانند ایسے عالم شریک ہوئے تھے۔ اور رواداری اور اخوت عالم کے اصول کو عملی صورت دی گئی۔ سنہ ۱۹۰۰ء مین پیرس مین نہایت شاندار عالمگیر نمائش پھر ہوئی جو یورپ کی تمام پہلی نمائشون پر ہر طرح غالب اور فائق تھی۔ اسکی عمارات ۳۲۶ ایکڑ زمین پر پھیلی ہوئی تھین۔ اُنکے سوا کھیلون کا میدان بھی اسیکے متعلق تھا۔ دریاے سین کے دونون کنارون پر ایک سلسلہ عمارات تھا جو انواع واقسام کے مصنوعات کے لئے وقف تھا۔ تمام دُنیا کی قومین اسمین شریک ہوئی تھین۔ انسانی معاشرت کے تمام قدیم و جدید سیاہ وسفید حصے نہایت شاندار پیمانہ پر تھے تمام متمدن ممالک کے شائقین نمائشگاہ دیکھنے کو ہر حصہ عالم سے گئے تھے۔ سات ماہ تک کھلی رہی۔ پونے پانچ کرور آدمی احاطہ مین داخل ہوئے اور تمام حصّون کی سیر کی۔ گو تخمینہ ۶ کرور تماشائیون کا تھا۔ آمدنی ۴۵۷۸۲۴۹ پونڈ اور خرچ ۴۶۶۰۰۰۰ پونڈ ہوا تھا۔ غیر ملکون کے کاریگرون اور تاجرون کو ساٹھ لاکھ پونڈ خرچ برداشت کرنا پڑا تھا۔ ۱۲۷۹ اشیاء نمائشگاہ مین نمائش کے لئے داخل ہوئی تھین۔ ہندوستان اور برطانیہ کی اشیا کیواسطے دو علیحدہ احاطے تھے جو انکی گورنمنٹون کی طرف سے بنا ئے گئے تھے۔ انتظام کے قریب بین الاقوام کانگریسین اور کانفرنسین بھی منعقد ہوئین۔ جنھین مختلف اہم انٹرنیشنل[2] مسائل پر غور اور بحث ہوئی۔

سنہ ۱۹۰۴ء مین سینٹ لوئس (صوبجات متحدہ۔ امریکہ) مین ایک اور عالمگیر نمائش ہوئی۔ تمام پہلی نمائشون مین شائد یہ سب سے بڑی تھی۔ ہارس ورتھ کی انسائیکلوپیڈیا[3] مین لکھا ہے کہ نمائش گاہ ۱۲۸۰ ایکڑون پر پھیلی ہوئی تھی اسکے واسطے ساڑھے سات کرور روپیہ علیحدہ اڈیڑھ کرور روپیہ گیا تھا۔ اسکا ایک حصہ ہندیون کی فروخت کے واسطے ہوا جو منتظم کمیٹی کی طرف سے بیچی گئی تھین۔ ایک جزو شہر سینٹ لوئس

---

[1] یہ وہی بزرگوار تھے جنہا سکیلیے یہ رونگ کپ کے متعلق ۱۹۰۰ء مین ہندوستان کو آئے اور مجھ کمترین سے بھی عالم کبیری کے متعلق دعوے تھے۔ [2] ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد نمبر ۲۹ صفحہ ۳۵۱-۳۵۲۔ [3] ملاحظہ ہو مضمون "ایگزیبیشن" و نقاش "ری B" کو دیکھئے۔

کی میونسپل کمیٹی نے ایک معتدبہ رقم ریاست لوزیانہ نے اور ایک معقول رقم صوبجات متحدہ کی گورنمنٹ نے دی تھی۔ یہ نمائش علاقہ لوزیانہ کی خرید کی صد سالہ سالگرہ کی تقریب پر ہوئی تھی ۱۸۰۳ء مین نیپولین اعظم نے اس علاقہ کو جسکا رقبہ دس لاکھ مربع میل تھا۔ ملکی مشکلات کے سبب سے امریکہ کے ہاتھ فروخت کیا تھا۔ اس نمائش مین دُنیا کی تمام قومون کے مصنوعات نمایان کرنیکے لئے بھیجے گئے تھے۔ صنعت و حرفت۔ تجارت و زراعت اور معاشرت انسانی کے متعلق کوئی شے نہ تھی جو نمایان ہونے سے رہ گئی ہو۔ ہر ایک حرفہ اور پیشہ کے لئے جداگانہ عمدے اور عمارات تھین۔ سوشیالوجی اور انتھروپالوجی کے متعلق تمام چیزین بہم پہونچائی گئی تھین اور تمدن کے تمام منازل ابتدا سے لیکر بیسویین صدی تک نمایان کئے گئے تھے۔ نمائش کے دوران مین کئی بین الاقوام کانفرنسین اور کانگرنسین منعقد ہوئی تھین جنمین ورلڈ پریس کانگرس (وقائع نگارون کی عالمگیر کانگرس) اور ریگل کانگرس (وکیلون کی عالمگیر مجلس) بہت مشہور تھین۔

دو تین سال ہوئے جاپان نے ٹوکیو مین ۱۹۱۰ء مین عالمگیر نمائش منعقد کرنے کا اعلان کیا تھا مگر کسی وجہ سے اسی سال کے دوران مین اُسکے التوا کا اشتہار نافذ ہوا۔ سال رواں مین برسلز کی نمائش بین الاقوام ہونے کی مدعی ہوئی مگر بدقسمتی سے جولائی مین نمائش گاہ مین آگ لگی اور چند شعبے جنمین برطانیہ کا صیغہ بھی تھا جلکر خاک ہو گئے۔ دوسری نمائش اینگلو جاپان لندن مین منعقد ہوئی تھی جو ہر پہلو سے کامیاب سمجھی جاتی ہے۔ اسمین جاپان اور برطانیہ ہی کے مصنوعات نمایان ہوئے تھے۔

نمائشون کی کثرت

نمائشون کی اب اسقدر بھرمار ہے کہ قریہ قریہ اور قصبہ قصبہ مین ہمیشہ دن کسی نہ کسی کی نمائش ہوتی ہے یورپ اور امریکہ مین اسکا رواج جنون کے درجہ تک پہونچ گیا ہے۔ صنعت و حرفت۔ زراعت و تجارت وغیرہ کو چھوڑکر حیوانون اور انسانون تک (دست پہونچ گئی ہے۔ مویشیون گھوڑون بھیڑون۔ بیلون۔ گایون۔ بھیڑون۔ بکرون وغیرہ کی نمائشین عرصے سے ہمارے ملک مین دسہرہ۔ دیوالی وغیرہ کے موقعون پر ہوتی ہین۔ انگریزیت کے رواج کے ساتھ کتون وغیرہ کی نمائشین بھی منعقد ہونے لگی ہین۔ علوم و فنون کے کسی نہ کسی خاص شعبہ کی نمائشین یورپ اور امریکہ مین عام ہو گئی ہین مگر اس عمومیت کے ساتھ انسان کو بھی داخل کر دیا گیا ہے۔ مثلاً بچون کی نمائشین جنمین ڈیڑھ سال سے لیکر ۶ برس کے بچے نمایان کئے جاتے ہین خوب پلے ہوئے توانا اور خوبصورت بچون کی ماؤن کو انعام ملتے ہین۔ فرانس۔ جرمنی اور امریکہ کے بعض صوبون مین اسکا بڑا رواج ہے۔ نوعمر عورتون کی نمائش بھی ہوتی ہے جہان حرف حُسن کی نمود ہوتی ہے۔ یہ آسٹریا۔ جرمنی۔ بلجیم۔ فرانس وغیرہ مین بہت منعقد کیجاتی ہین۔ اسیطرح جوان مردون اور بیوہ عورتون وغیرہ کی نمائشین بھی منعقد ہوتی ہین۔ گاہے گاہے جرمنی اور بلجیم وغیرہ مین ایسی نمائشین ہوتی ہین۔ جہان حرف لمبے بال والی عورتون کو تمغے دئے جاتے ہین۔ عورتون کے لباس کی نمائش علیحدہ ہوتی ہے۔ انگلستان۔ فرانس۔ جرمنی وغیرہ مین تقریباً ہر سال ایسی نمائشین ہوتی ہین جہان سب سے عمدہ اور خوبصورت لباس والی لیڈیون کو انعام ملتے ہین۔ یورپ اور امریکہ مین ہر چیز ہر مذاق اور ہر خبط کی جداگانہ نمائشین منعقد کیجاتی ہین جنکے ذکر سے ولایتی اخبارات کے کالم پُر نظر آتے ہین مگر ہندوستان مین ان فضولیات کو کچھ عرصتک رواج نصیب نہین ہوگا کیونکہ یہ باتین قدامت پسند ہندوستانیون کو بالخصوص شرقیون کے آبائی مذاق کے سراسر منافی ہین مگر اسقدر اُمید گمان بے سود نہ ہوگا کہ سخت زرعی اور حیوانی نمائشین ہر سال ہر گزنہ ہر ضلع اور ہر صوبہ مین منعقد ہوتی رہینگی جنسے صنعت و حرفت اور تجارت کو تحریک عظیم پہونچیگی۔

جے۔ آر۔ رائے

قطب نما

قطب نما کو عربی مین "ابرۃ القبلہ" یا "ابرۃ الملاحین اور انگریزی مین (Compass) کہتے ہین۔ یہ ایک آلہ ہے جو ایک دائرہ اور ایک سوئی پر مشتمل ہے۔ دائرہ کے مرکز مین سوئی اُفقی ہیئت پر ایک کیل مین جمی ہوتی ہے جو نیچے اوپر تو نہین ہٹ سکتی البتہ چارون طرف گھوم سکتی ہے۔ دائرہ کو عموماً چار خط کے ذریعے سے چار حصّون پر تقسیم کرکے چار سمتین ظاہر کیجاتی ہین۔ انگریزی ساخت کے "قطب نما" مین مغرب کے لئے (W) مشرق کیلئے (E) جنوب کیلئے (S) شمال کیلئے (N) استعمال کیا جاتا ہے۔ بعض قطب نما اور خاصکر جہازی کمپاس مین چار حصّون کے علاوہ دائرہ مین درجون کے نشان بھی پائے جاتے ہین اور شمال کے لئے ایک پھول ہوتا ہے۔

دیکھنے کو تو یہ ایک چھوٹا سا آلہ ہے لیکن اصل مین بڑی وبحری مسافرین کا رہبر اور رہ گم کردگون کے لئے خضر رہنما ہے۔ لق ودق بیابانون اور صحراؤن مین یہ ہاتف غیب کا کام دیتا ہے۔ گھنے جنگلون اور پیچ در پیچ دریاؤن کی صحیح سمتون کا معلوم کرنا اکثر اسی آلہ پر منحصر ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو شاید آج دُنیا بھر کے مکمل نقشے اس سہولت سے مرتب نہ ہو سکتے زمین کے اندر ہی اندر سُرنگین لگانا زیادہ تر اسی پر موقوف ہے کیونکہ سطح زمین پر ستارون یا دیگر علامات ونشانات سے قطب نما کے بغیر سمتون کے معلوم کرنے مین شاید کچھ کام چل جائے لیکن زمین کے اندر جہان کوئی ستارہ نظر آسکتا ہے نہ کوئی علامت کام دیتی ہے صحیح سمت اکثر قطب نما ہی سے معلوم ہو سکتی ہے اور جب تک سمت معلوم نہو سُرنگ کا خاطر خواہ تیار ہونا محال ہے۔ وخّار سمندرون مین جہان فقط نیچے پانی اور اوپر آسمان نظر آتا ہے سمتین دریافت کرنے مین بڑی مشکلات پیش آتی تھین۔ اسی لئے اس آلہ کی ایجاد سے قبل جہاز ران ساحل سے قریب ہی قریب منڈلاتے پھرتے تھے اور دُور دراز نکل جانے سے جھجکتے تھے۔ بعض اوقات جب مطلع صاف ہوتا تو رات کے وقت سمتین دریافت کرنے مین ستارون سے مدد لی جاتی تھی لیکن ابر اور کُہرہ وغیرہ کی حالتون مین اس مقصد کے لئے وہ بھی بالکل معذور تھے۔ جب انسان پر مقناطیس کی خاصیت کا راز منکشف ہوگیا اور "قطب نما" کے ذریعے سے ایک سمت معلوم ہوگئی تو دوسری سمتون کا معلوم کرنا آسان ہوگیا۔ اس لئے ملاحون کو خشکی سے دور دراز نکل جانے پر بھی بھٹکنے کا مطلق اندیشہ نہین رہا۔ وہ بڑے بڑے دھاوے مارنے کی جرأت کرنے لگے۔ پہلے ملاح مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق کو پہنچنے مین اسی کی بدولت کامیاب ہوئے کلمبس نے اسی کے بر تے پر اسقدر بڑے اور اہم سفر کے لئے کمر ہمت باندھی اور نئی دُنیا کی دریافت مین کامیاب ہوا۔ اسکے علاوہ آج تک جتنے بڑے بڑے سفر اور نمایان تحقیقاتین ہوئین وہ سب اسی آلہ کی بدولت ہوئین۔ آج دُنیا بھر کے جہازات وغیرہ جو سمندرون مین پھیلے پڑے ہین وہ سب اسی کی بدولت ہین۔ گویا قطب نما کی ایجاد نے فن جہازرانی مین جان ڈالدی اور انسان کو ناپیدا کنار سمندرون کا مالک بنا دیا۔ چونکہ قطب نما کو جسقدر خاص تعلق زمانۂ قدیم سے فن جہازرانی سے رہا ہے اتنا دوسرے امور سے نہین رہا اسلئے

عربی مین اسکو جو "ابرۃ الملاّحین" کہتے ہین اسکی وجہ تسمیہ یہی ہوسکتی ہے۔ "قطب نما" کی اصل حرف اسکی سوئی ہے جو ہمیشہ قطبین یعنی شمال و جنوب کو بتاتی رہتی ہے۔ اگر اسکو کسی اور طرف پھیر دو تو پھر سکتی ہے مگر مائل زائل ہوتے ہی وہ اپنی اصلی سمت کی طرف پلٹ جائیگی۔

سوئی مین یہ خاص میلان پیدا کرنے والی چیز مقناطیسی یا برقی قوت ہے۔ یہ قدرت کا ایک کرشمہ ہے کہ اصلی یا مصنوعی مقناطیس معلق ہوتے ہی اسکا رخ قطبین کو ہوجاتا ہے۔ چاہو تو اسکا یون تجربہ کرسکتے ہو کہ اگر اصلی مقناطیس نہ ملے تو مصنوعی مقناطیس ہی لو جو ہمارے یہان بازارون مین مل سکتا ہے۔ یہ ایک نعل کی شکل کا فولاد ہے جسمین برقی باٹری کے ذریعے سے برقی قوت بھر دیجاتی ہے۔ چونکہ یہ قاعدے کی بات ہے کہ جب کچے لوہے کو برقی باٹری سے متصل کرتے ہین تو اسمین برقی یا مقناطیسی قوت سرایت کرجاتی ہے اور وہ لوہے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑون یا لوہ چون کو اپنی طرف کھینچنے لگتا ہے لیکن جب باٹری سے جُدا کر لیتے ہین تو پھر اسکا وہ اثر باقی نہین رہتا اور اگر پکے لوہے یعنی فولاد مین برقی اثر سرایت کرجائے تو اسمین باٹری سے جُدا کرنیکے بعد بھی وہ اثر باقی رہتا ہے اور اپنی قوت کے موافق لوہے کی کیلون یا سوئیون وغیرہ کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اس مصنوعی مقناطیس پر کوئی فولادی چیز رگڑ دیجائے تو اسمین بھی وہی اثر پیدا ہوسکتا ہے مثلاً ایک فولادی معمولی سوئی لو اور اُسکو اس مقناطیس پر ذرا سا گھس دو تو کچھ عرصے کے لئے اسمین برقی یا مقناطیسی اثر سرایت کرجائیگا۔ اس سوئی کو ریشم مین باندھکر لٹکا دو یا کارک یا کسی اور ہلکی پانی پر تیرنیوالی چیز کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے مین چبھو کر پانی کی سطح پر چھوڑ دو تو وہ سوئی تیرتے ہوئے برابر قطبین کو بتائیگی۔ گویا قطب نما کا کام دیگی۔

اس تجربہ سے یہ ثابت ہوا کہ مقناطیسی سوئی کا رُخ قطبین کی جانب رہتا ہے۔ مگر یہان ایک اور بات قابل لحاظ ہے کہ سوئی کا ہر ایک سرا ایک ایک قطب سے خاص رہیگا یعنی جو سرا شمال کی جانب ہے وہ جنوب کی طرف اور جنوبی سرا شمال کیطرف کبھی نہین ہوسکتا اسکی وجہ یہ ہے کہ برقی یا مقناطیسی قوت کی دو قسمین ہین ایک "موجبہ" دوسری "سالبہ" جس سوئی کو مقناطیس پر پھیرکر مقناطیسی اثر اُسمین پیدا کیا گیا ہے اُسمین بھی دونون قسم کی قوتین موجود ہوتی ہین جو ایک دوسرے کی ضد ہوتی ہین اسکے ایک سرے مین موجبہ قوت ہوگی اور دوسرے مین سالبہ اور انکا نقطۂ اتصال سوئی کے بیچون بیچ مین ہوگا پس موجبہ کا رُخ ہمیشہ قطب شمالی کیجانب اور سالبہ کا قطب جنوبی کیطرف رہیگا۔ یا یون کہو کہ جو سرا قطب شمالی کی جانب ہے اسکو "موجبہ" کہینگے اور جنوبی سمت والے سرے کو "سالبہ"۔ اسکا تجربہ کرنا ہو تو اسی پانی پر تیرتی یا ریشم مین لٹکتی ہوئی مقناطیسی سوئی کا جو سرا شمال کی جانب ہے اسکو پھیرکر جنوب کیجانب کردو تو وہ پھر تو جائیگا لیکن چھوڑتے ہی پھر اپنی اصلی سمت کیطرف فوراً پلٹ جائیگا۔

قوت برقی یا مقناطیسی کی ان متضاد دو قسمون مین اس بیّن فرق کے علاوہ ایک اور بڑا فرق یہ ہے کہ جن چیزون مین صرف "موجبہ" یا "سالبہ" ایک ہی قسم کی برقی قوت ہوگی وہ ایک دوسرے سے دور ہٹ جائینگی اور جو ایک مین موجبہ اور دوسرے مین سالبہ برقی قوت بھری ہو تو وہ ایک دوسرے کو کھینچتی رہین گی۔ تجربہ کے لئے ایک اور سوئی لو اور مقناطیس پر رگڑکے اسمین مقناطیسی اثر پیدا کرو (لیکن شرط یہ ہے کہ مقناطیس پر ٹھیک پہلی سوئی کی طرح رگڑکر گرو) اسکے بعد پہلے کیطرح اس سوئی کو بھی پانی کی سطح پر چھوڑ دو تو وہ بھی قطبین کو بتانے لگے گی۔ اوپر کے بیان کے موافق اسکا جو سرا شمال کی طرف ہوگا اُسمین "موجبہ" اور جنوبی سرے مین "سالبہ" قوت ہوگی۔

فرض کرو کہ ان دونون سوئیون کے سوراخ والے حصے جنوب کیطرف اور لوکدار رُخ شمال جانب ہین تو یہ ثابت ہوا کہ اول الذکر حصے مین سالبہ اور ثانی الذکر مین موجبہ قوت موجود ہے پس ایک سوئی کو پانی سے نکالکر دونون کی نوکین نزدیک کرو تو تیرنے والی سوئی خود بخود پیچھے کو ہٹتی جائیگی۔ اسیطرح اگر دونون کے سوراخ والے حصون کو ملانا چاہو تو بھی یہی نتیجہ برآمد ہوگا اور جو ایک کا سوراخ اور دوسرے کی نوک ملانا چاہو تو تیرنے والی سوئی فوراً خود بخود اسکی طرف کھنچ آئیگی۔ یہی وہ خاصہ ہے جس سے آج عموماً برقی آلات واوزار۔ الیکٹریکل بیل۔ ٹیلیفون۔ مشینون۔ کلون مین کام لیا جاتا ہے اور بیشمار فوائد حاصل کئے جارہے ہین۔ چونکہ یہ بحث خاص برقی قوت سے متعلق ہے جو اسوقت ہمارا موضوع بحث نہین ہے لہذا ہم اسی پر اکتفا کرتے ہین۔

مقناطیسی سوئی مین ایک اور خاصیت یہ ہے کہ جب اُسپر سے کوئی برقی رَو جاری ہو تو اُسکی قوت وقربت کے موافق اُسکا رُخ بدل جائیگا۔ چنانچہ ایک مقناطیسی سوئی کو دوسری کے اوپر تھامے ہوئے قریب لاتے جاؤ تو فوراً اسکا رُخ قطبین کی سمت سے بدلتے بدلتے ٹھیک شرقاً وغرباً ہو جائیگا۔ شاید ایسی ہی بعض طبعی اسباب سے اکثر مقامات پر قطب نما کی سوئی اپنی سمت سے کئی کئی درجے منحرف پائی گئی ہے۔ چونکہ یہ بحث کہ کن کن صورتون اور کن کن موقعون پر کتنے درجے انحراف ہوتا ہے چندان عام فہم نہین ہے اسلئے اسکی تفصیلی بحث کی اس موقع پر ضرورت نہین معلوم ہوتی۔

ہمارے عنوان کا تعلق خاص طور پر اصلی یا مصنوعی مقناطیس سے ہے لیکن مصنوعی مقناطیس برقی قوت پر منحصر ہے۔ اسلئے یہ بتانا دلچسپی سے خالی نہو گا کہ یہ قوت کب اور کسطرح دریافت ہوئی اور اسکی تحقیقات مین انسان نے ترقی کرتے کرتے اس سے مصنوعی مقناطیس بنانا کسطرح معلوم کیا لہذا ہم اسکے کچھ ابتدائی تاریخی حالات مختصر طور پر بیان کرنا مناسب سمجھتے ہین۔

برقی قوت کو کہربائی قوت بھی کہتے ہین جسکی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اس کا تجربہ کہربا پر کیا گیا تھا۔ سنہ ہجری سے تقریباً بارہ سو اور آج سے تخمیناً ڈھائی ہزار سال قبل "حکیم تالیس ملطی" نے یہ دریافت کیا کہ کہربا کو رگڑنے سے اسمین ایک نئی کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ وہ تنکون اور پرزون کو جو اسکے قریب ہون اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ یہ دیکھکر وہ سخت حیران رہ گیا اور یہ خیال کیا کہ کہربا بھی کوئی ذی روح شے ہے۔

حکیم "افلاطون" جو سنہ ہجری سے تقریباً ایک ہزار سال قبل ہوا ہے اُسکے شاگرد "تیمیہ" کا یہ قول تھا کہ کہربائیت ایک لطیف روح ہے جو کہربا سے نکلکر دوسرے اجسام کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ اسکے بعد اہل یونان اور دوسرے حکماے مابعد اپنی اپنی تالیفات مین اس تحقیق کو تالیس ملطی کیجانب منسوب کرنے پر اکتفا اور اُسیقدر تجربہ پر انحصار کرتے رہے جو اُسنے سب سے پہلے کیا تھا اسطرح قوت کہربائی کی تحقیق کا مسئلہ صدیون تک ایسا طاق نسیان پر رکھا رہا کہ دسوین صدی ہجری سے پہلے تک اسکے متعلق کوئی مزید تحقیقات کا پتہ نہین چلتا۔

دسوین صدی ہجری مین ایک انگریز ڈاکٹر "گلبرٹ" نے اپنی مرت سے چالیس سال قبل گویا تالیس ملطی سے بیس بائیس سو برس بعد جب ایک دفعہ کہربا کا وہی انگلا تجربہ کیا تو اُسکو یہ خیال پیدا ہوا کہ دیکھین یہی قوت دوسری چیزون مین بھی پائی جاتی ہے یا نہین۔ اسنے لاکھ۔ شیشہ۔ گندھک اور بعض قیمتی پتھرون پر تجربہ کیا

توثابت ہوا کہ ان سب چیزون مین بالکل یہی خاصیت پوری پوری پائی جاتی ہے اور یہ بھی رگڑنے پر کہربائیطرح قریب قریب کے باریک تنکون اور پرزون کو اپنی جانب کھینچ لیتی ہین۔ اسکے اس تجربہ کی بہت شہرت ہوگئی اور لوگون کے خیالات اس جانب منوجہ ہوگئے۔ گویا برقی یا کہربائی قوت کی جملہ تحقیقات مابعد کا یہی تجربہ سنگ بنیاد تھا۔ اسوقت گلبرٹ نے بہت کچھ غور کیا لیکن اسکی کوئی وجہ اُسکے ذہن مین نہین آئی کہ یہ تنکے وغیرہ تھوڑی دیر بعد پھر کیون گر پڑتے ہین۔

۱۵۸۰ء مین ایک اسٹرین شخص "کیونیس" نے کہربائی قوت کے متعلق کچھ تحقیقات کی اور شاید اسی نے سب سے پہلے اپنے جسم پر برقی اثر پہونچایا۔

"گرے" اور "ویلر" نے بہت سے تجربات کے بعد یہ تحقیقات کی کہ کل اجسام کہربائی یا برقی قوت قبول کرنے اور اُسکا اثر پہونچانے مین یکسان نہین ہین بلکہ انمین سے بعض کامل موصل برقی ہین بعضے ایک حصہ سے کل حصہ مین یا اُسنے دوسری شے مین یہ اثر منتقل ہوسکتا ہے جیسے لوہا تانبا وغیرہ معدنیات اور بعض ناقص موصل ہین جنمین برقی اثر سرایت توکر جاتا ہے لیکن اُنمین سے نہ دوسرے مین منتقل ہوسکتا ہے نہ خود اُنھین مین پھیل سکتا ہے جیسے چینی۔ شیشہ۔ ریشم وغیرہ۔

"ماسیو ڈوفے" نے بعض تجربات کرکے برقی قوت کی دو قسمین موجبہ و سالبہ قرار دین اور دونون کی خاصتین بتائین۔

"شبزک" نے برقی باڑی ایجاد کی اور برقی رو پیدا کرنیکے کچھ ابتدائی ذرائع معلوم کئے۔

پروفیسر ساوری نے بہت سے تجربات کے بعد یہ ثابت کیا کہ بعض معدنیات مین کہربائی یا برقی قوت سرایت کرنے سے مقناطیس کی خاصیت پیدا ہوجاتی ہے اور گو یہ مصنوعی مقناطیس ہے لیکن اسمین تقریباً مقناطیس کی کل خاصتین مثلاً لوہے کو اپنی طرف کھینچ لینا۔ قطبین کا بتانا وغیرہ موجود ہوتی ہین۔ یہی وہ تجربہ تھا جسنے "قطب نما" کی ساخت کو اصلی مقناطیس کے احسان سے سبکدوش کردیا اور اس کمیاب شے کی تلاش و جستجو کی زحمتون سے نجات دیکر اسمین بہت سی سہولتین پیدا کردین

اب ہم برقی قوت یا الکٹرسٹی کے متعلق صرف اسیقدر بیان پر جو ہمارے مقصد کے لئے کافی بھی ہے اکتفا کرکے خاص قطب نما کے مختصر تاریخی حالات ہدیہ ناظرین کرتے ہین۔ گو اس امر کا صحیح صحیح پتہ نہین چل سکتا کہ مقناطیس کی یہ خاصیت (قطبین کا بتانا) انسان پر کب اور کسطرح منکشف ہوئی اور یہ قدرتی راز اسپر کیسے کھلا لیکن اتنا ضرور ثابت ہے کہ آج سے تقریباً تین ہزار برس پہلے دُنیا مین قطب نما موجود تھا چونکہ یہ عام قاعدہ ہے کہ کسی طبعی مادے کی کسی خاص خاصیت کا معلوم رہنا اسکے استعمال کے لئے کافی ہے۔ عام اس سے کہ اسکے متعلقہ قوانین کا پورا پورا علم حاصل ہو یا نہو مثلاً آگ کی صرف بعض خاصتین معلوم رہنے سے لاکھون کروڑون آدمی اس سے ہزارون برس سے کام لیتے آئے اور لے رہے ہین حالانکہ اُنھین اسکا مطلق علم نہین کہ آگ اصل مین ہے کیا شے؟ اور وہ کسطرح اور کیون جلاتی اور حرارت دیتی ہے؟ اسکے ظاہر ہونے اور بجھنے کے اصلی اسباب کیا ہین؟ اسیطرح قدیم زمانے مین جبسے پہلے مقناطیس کی اس خاصیت کا علم انسان کو ہوا اگرچہ وہ اُسوقت اسکے اصلی سبب اور مقناطیس کے متعلق جملہ امور سے یقیناً نابلد تھا تاہم اُسنے اسکی اصلی علت جانے بغیر اُس سے سمت دریافت کرنے کا کام لینا شروع کردیا۔

یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ چکی ہے کہ اہل چین مین سنہ مسیحی

پندرہ سو سال گویا آج سے دو ہزار آٹھ سو سال قبل قطب نما کا استعمال رائج تھا۔ چونکہ اس سے پہلے کسی قوم کے نزدیک اسکا استعمال یقینی طور پر نہین پایا جاتا اسلئے یہ کہنا بالکل قرین انصاف ہے کہ سب سے پہلے چینیون ہی نے مقناطیس کی یہ خاصیت معلوم کی اور وہی اس سے "قطب نما" کا کام لینے مین کل اقوام سے آگے ہین۔

اگرچہ ہندوستان کی تاریخ کا یہ تاریک زمانہ ہے جسکی وجہ سے یہ صحیح پتہ نہین چل سکتا کہ ہندوستان مین "قطب نما" کب سے موجود ہے۔ لیکن اس قسم کے تاریک زمانون کا تاریخی مسالہ جن آثار و علامات سے فراہم ہوسکتا اور دُنیا بھر مین ہوتا چلا آیا ہے اسی قسم کے بہت سے ایسے قدیم آثار و علامات جنکا وجود دو دو ہزار برس یا اسکے قبل سے ہند مین موجود ہے۔ ہمین یہ قیاس کرنیکی اجازت دیتے ہین کہ قدیم زمانہ مین ہند مین بھی "قطب نما" کامیابی کے ساتھ رائج ہوگا۔ چنانچہ جسطرح "جیالوجی" تاریخ مین پتھر کے کوئلے مین نباتی آثار و علامات سے اسکے نباتات سے بننے اور آج سے سیکڑون ہزارون برس قبل طبعی اسباب سے اُنکے زیر خاک دب جانے پر استدلال کیا جاتا ہے اور بعض قطعۂ زمین پر پتھرون وغیرہ مین دریائی جانورون مثلاً سیپ وغیرہ کے بقیہ اجزا یا نشانات پائے جانیسے اگلے زمانے مین وہان سمندرون کا ہونا ثابت کیا گیا ہے یا تمدنی تاریخ مین قدیم عظیم الشان عمارتون مین ایسے ایسے بڑے اور سنگین پتھر دیکھکر جنکا اُٹھانا انسانی قوت و طاقت سے خارج ہے یہ بات تسلیم کرلی جاتی ہے کہ قدیم زمانہ مین بڑا فیل کا علم و عمل دونون موجود تھے۔ اسیطرح آج بہت سے قدیم کارنامے ایسے نظر آتے ہین جنسے "قطب نما" کے وجود پر استدلال ہوسکتا ہے۔ مثلاً اگلے زمانے مین جہان سنگتراشی وغیرہ فنون کمال کو پہونچے ہوئے تھے اور جنکے آثار آج بکثرت نظر آتے ہین۔ اسیطرح زمانہ قدیم مین ہندوریات زمانہ کے اعتبار سے زیر زمین تہ خانے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ نکل جانے کے لئے جو راستے اور زمین کے نیچے سرنگین بنانے کا عام رواج تھا جنکے مٹے مٹے آثار اب بھی ہند کے متعدد مقامات پر موجود ہین۔ اگرچہ ہندیون کو اس زمانہ مین ریاضی و ہیئت مین وہ کمال حاصل تھا جسکو تمام دُنیا تسلیم کرتی ہے اور ان علوم سے اس قسم کے اعمال مین خاطر خواہ مدد مل سکتی ہے تاہم جن لوگون کے نظر سے قدیم تاریخون کی اکثر کتابین یا بہت سے آثار قدیمہ گزرے ہین وہ کہہ سکتے ہین کہ انمین بعض ایسے پیچ در پیچ اور بعض اسقدر طول طویل سرنگین ہین کہ اُنکی تکمیل مین "قطب نما" نے بھی ضرور حصہ لیا ہوگا اور یہ کچھ بعید نہین۔

اکثر مورخین کا اتفاق ہے کہ چھٹی صدی عیسوی سے پہلے عربون مین "قطب نما" کا رواج ہو چلا تھا اور اس صدی کے اوائل مین تو اسکا استعمال انمین بالکل عام ہوگیا تھا۔ یہ وہ زمانہ ہے جبکہ یورپ اور مغربی ایشیا کی کسی قوم کے پاس بھی "قطب نما" کا پتہ نہ تھا بلکہ وہ اس سے محض ناواقف تھے۔ چونکہ اسوقت عربون مین اس استعمال کے قطعی و یقینی ثبوت کے ساتھ ہی اہل چین سے اُنکے "قطب نما" کو اخذ کرنیکا کوئی ثبوت نہین ملتا اسلئے اکثر مورخین نے عربون ہی کو "قطب نما" کا موجد مانا ہے۔ لیکن بعض مورخین اسکی یہ توجیہ کرتے ہین کہ جہازات مین "قطب نما" کا استعمال عربون کا ایجاد ہے کیونکہ چین مین گو اسکا وجود اس سے بہت زمانہ پہلے موجود تھا لیکن چینیون نے کبھی کوئی بڑے سفر نہین کئے اور نہ دوسرے ممالک مین اُنھون نے تجارتی اغراض سے آمدورفت کا سلسلہ قائم کیا برخلاف اسکے عربون نے اس زمانے مین چین سے مستقل طور پر سلسلۂ آمدورفت قائم کردیا تھا چین و

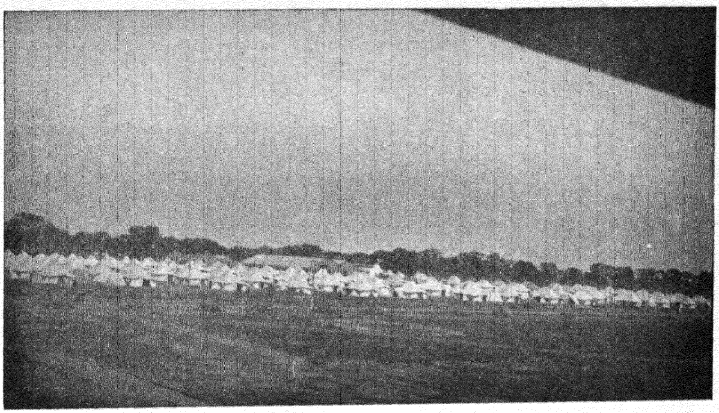

نمائشی اشیا دیکھنے والوں اور تماشائیوں کے خیمے

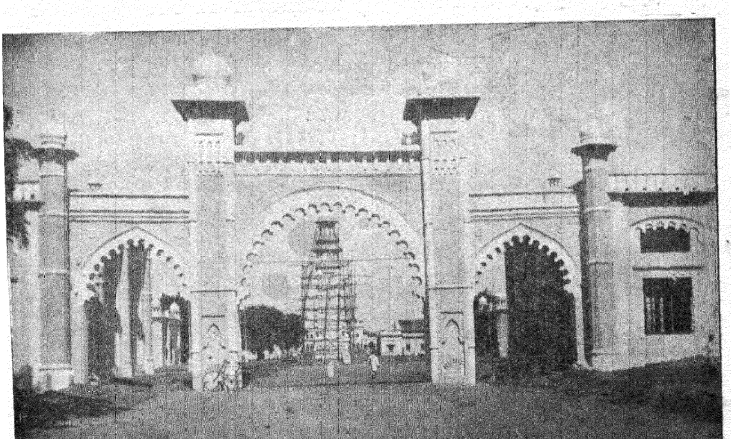

صدر دروازۂ نمائشگاہ

انڈین پریس الٰہ آباد

عرب کے مابین وہ بُعد المشرقین اور نامعلوم راستون کی نامحدود صعوبتون کے باوجود کامیابی کے ساتھ سفر طے ہونا "قطب نما" کے استعمال کا بیّن ثبوت ہے۔ خواہ عربون سے "قطب نما" کو اہل چین سے لیا ہو یا اسکے موجد خود ہی ہون بہرحال اسمین کوئی شبہ نہین کہ دوسری قومون اور خاصکر یورپین اقوام نے تو اس ضروری چیز کو مسلمانون ہی سے اخذ کیا ہے۔ اس لحاظ سے یورپ نے جتنی مفید مفید چیزین مسلمانون سے لی ہین اُنکی فہرست مین "قطب نما" نہایت مقدم بالشان ہے کیونکہ یہی اگر یورپ کی کل بحری طاقت سے لیکر آمد و رفت بتجارتی گرم بازاری اور اکثر تحقیقات بلکہ تقریباً ہمہ ترقی کی کنجی ہے۔

یورپین اقوام مین سب سے پہلے فرانسیسیون اور پرتگالیون مین "قطب نما" کے استعمال کا پتہ ملتا ہے۔ ایک عرصہ تک ان اقوام نے بھی راز کی طرح اسکو چھپائے رکھا جو دوسری اقوام بلکہ خود اپنی قوم کے عام افراد سے چھپایا جاتا تھا لیکن رفتہ رفتہ دوسری قومون سے بھی اسکو اُڑا لیا۔ ڈاکٹر گلبرٹ کا قول ہے کہ مارکوپولو کے ذریعے سے سب سے پہلے ۱۲۶۹ء مین چین سے اٹلی مین "قطب نما" لایا گیا ہے لیکن یہ صحیح نہین کیونکہ اہل یورپ نے راست طور پر چین سے "قطب نما" کا استعمال نہین سیکھا بلکہ مسلمانون سے انھون نے اسکو حاصل کیا ہے (دیکھو دائرۃ المعارف مطبوعہ مصر و تمدن عرب وغیرہ) اسکے علاوہ شاید یہ صحیح بھی ہو کہ سنہ مذکور مین خاص چین سے بھی "قطب نما" لایا گیا ہو لیکن اوّلیّت تو کسیطرح اسکو نصیب نہین ہو سکتی کیونکہ بہت سے ثبوت اسکے مل سکتے ہین کہ سوریا عرب وغیرہ مین ۱۱۶۶ء سے پہلے "قطب نما" کا رواج موجود تھا بلکہ فرانس مین تو ۱۱۷۵ء مین قطب نما سے کام لیا جانا پایۂ ثبوت کو پہونچ گیا ہے یہ عادتی بات ہے کہ جب کوئی غیر ملک یا غیر قوم کی ایجاد کردہ یا ساختہ چیز کا کسی ملک مین رواج ہوتا ہے تو اوّل اوّل وہین کی بنی بنائی چیز مستعمل ہوتی ہے اور بعد مین خود اُسی ملک مین وہ تیار ہونے لگتی ہے۔ اوّل اوّل "قطب نما" کی بھی یہی حالت رہی اہل یورپ ایک عرصہ تک مسلمانون یا چینیون کے تیار کردہ "قطب نما" استعمال کرتے رہے اور بعد مین خود بھی بنانے لگے اسکا استعمال یورپ مین چھٹی صدی ہجری سے ثابت ہوتا ہے اور آٹھوین صدی ہجری کے اوائل مین یکدم خود بین تیار ہوا چنانچہ سب سے پہلے نابلی (نیپلز) کے ایک باشندے فلافیو جانے ۱۳۰۲ء مین قطب نما کی سوئی تیار کی۔ یورپ مین "قطب نما" کا موجد و مخترع مانا جاتا ہے۔ اسکے بعد کئی شخصون نے "قطب نما" تیار کیا مگر اُسوقت تک اسکی ساخت اور صناعی کا دائرہ ایک حد تک محدود رہا جبتک کہ برقی یا برقی قوت کی تحقیقات نے خاطر خواہ ترقی نہین پائی اور مصنوعی مقناطیس بنانے کا گُر انسان کے ہاتھ نہ لگ گیا اسکے بعد سے "قطب نما" کا بنانا اور استعمال کرنا روز بروز اسقدر عام ہو تا گیا کہ آج ایک معمولی آدمی بھی اپنی گھڑی کے ساتھ دسکو زیب صدر رکھے رہتا ہے۔

سید شہاب الدین مہدوی

ثمرۂ حیات

اُت تین کوئی نہ آیا جاسے پوچھوں دھائے
اِت تین سب کوئی جات ہین بھار لدائے لدائے
اُتھ
اِتھ
اُتت کاست گرو بھید دین جنکی ہیت مدھ عقل مدھ دھیر
اِتت کا ستگرو بھید دے، جنکی مت بدھ دھیر
جاؤ پتر اُس دیس کو جہان بارہ ماس بسنت
جاؤ پتر اُس دیس کو جہان نہ پون اکاس
جاہ نہ بدھ چت لکھ سکے من اندر ہون پار
جاہ نہ بدھ چت دیکھ سکے من اندر ہون پار
جاہ نہ بدھ چت ل

پاک ہوگئے ہین اُنکے لئے ایک اور اعلیٰ مقام ہے۔ وہ جو دویت یعنی دوئی کے قائل ہین جسکے یہ معنی ہین کہ وہ روح اور خدا دو لون کے علیحدہ علیحدہ وجود کو مانتے ہین اُنکے لئے یہ اعلیٰ مقام بیکنٹھ یا کیلاس ہے جو صرف شخصی خدا کی عبادت سے حاصل ہوسکتا ہے۔ یعنی یہ کہ بیکنٹھ یا کیلاس مین شخصی خدا کا قرب حاصل ہونا اُنکے لئے عین نجات ہے۔ انمین سے جو خالص دویت کے قائل ہین اُنکا یہ عقیدہ ہے کہ وہ وہان بھی عابد و معبود کے امتیاز کے ساتھ رہینگے۔ لیکن جو طریقۂ وشسٹٹ ادویت پر چلتے ہین اُنکا یہ قول ہے کہ اگرچہ عابد و معبود کا امتیاز وہان بھی باقی رہیگا مگر وہ تدروپ یعنی شکل خدا ہوکر رہینگے اور یہ حالت اُنکی دائمی رہیگی۔ انمین کوئی زوال نہ ہوگا۔ غرضکہ ہندؤن مین گناہ سے پاک ہونا ہی نجات نہین ہے بلکہ عذاب و ثواب دونون سے پاک ہونے پر نجات حاصل ہوتی ہے برخلاف دیگر مذاہب کے جنمین صرف گناہ سے پاک ہونا نجات کے معنی رکھتا ہے اور کسی خاص شخص پر ایمان لانے یا کسی کی شفاعت پر ہندؤن مین نجات کا انحصار نہین ہے مثلاً عیسائیون کا یہ عقیدہ ہے کہ آدمی بہ نتیجۂ گناہ حضرت آدم ازلی گنہگار ہے اور وہ ابتک اس ازلی گناہ کی سزا سے نجات نہین پاسکتا تاوقتیکہ وہ اسپر ایمان نہ لائے کہ حضرت عیسیٰ نے مصلوب ہوکر اُس ازلی گناہ کا کفارہ اپنے خون سے کردیا۔ جسوقت کوئی بچہ شکم مادر سے پیدا ہوتا ہے یا کوئی غیر عیسائی۔ عیسائی ہوتا ہے اور اُسکے بپتسمہ کی رسم ادا ہوتی ہے تو اُسوقت اُسکی اس ازلی گناہ سے گویا بخشایش ہوجاتی ہے اور اس زندگی کے کئے ہوئے اعمال کی جزا یا سزا مین بلحاظ اسکے کہ نیک اعمال زیادہ ہین یا بد اُسکو دائمی بہشت یا دوزخ ملتی ہے۔

جنکا عقیدہ خالص ادویت یعنی وحدت الوجود کا ہے وہ یہ کہتے ہین کہ قبل از گیان یعنی عرفان شخصی خدا کا انکار بندھن کا باعث یعنی قید وذات ہے اور بعد از گیان اپنے سے جُدا شخصی خُدا یا غیر شخصی خدا کے وجود کا انکار باعث مُکتی یعنی نجات ہے غرض کہ جس حالت مین دوسرے عقائد مین شخصی خدا کی عبادت اور پرستش ہی باعث نجات سمجھی گئی ہے اور وجود خدا سے انکار تو علیحدہ رہا شرک بھی ایک گناہ کبیرہ ہے جو ہمیشہ کے لئے مقہور کردیتا ہے اس عقیدہ مین اپنے سے علیحدہ شخصی خدا یا غیر شخصی خدا کے وجود سے انکار کرنا عین باعث موکش یعنی نجات ہے البتہ قبل از عرفان شخصی خدا کی عبادت اور پرستش عرفان مین مدد دیتی ہے۔ اس عقیدہ مین اگر کوئی ازلی گناہ ہے تو وہ اگیان ہے جسکا پردہ اصل حقیقت کے پہچاننے مین حائل ہورہا ہے اور اس اگیان کے مٹنے ہی پر نجات موقوف ہے۔ جسکے یہ معنی ہین کہ ہم یہ پہچانین کہ ہم ہی عین حقیقت ہین جو سارے عالم کی حقیقت ہے۔ اس اگیان کے مٹنے پر ہر ایک کے لئے نجات ہے اسمین کسی کی تخصیص نہین۔ البتہ یہ شاید ہو جیسا کہ مسز اینی بیسنٹ کا قول ہے کہ جس جامہ مین یہ اگیان مٹے گا یعنی یہ کہ عرفان کا نور چمکے گا وہ جامہ ویدمارگ پر چلنے والے ایک ہندو ہی کا ہوگا۔

گناہ سے پاک ہونا نجات کا باعث اسلئے صحیح نہین ہوسکتا کہ لفظ گناہ کی کوئی تعریف حقیقی یا مطلق معنی مین نہین کیجاسکتی۔ سوامی وویکانند کا یہ قول ہے کہ عذاب و ثواب یا نیکی و بدی مین نوعیت کا کوئی فرق نہین ہے۔ فرق ہے تو صرف درجہ کا ہے۔ مثلاً آگ جب اُس سے کھانا پکایا جاتا ہے ایک اچھی شے ہے اور جب وہ گھر کو جلا دیتی ہے تو وہ بُری شے ہے۔ اسیطرح اگر کسی ایک قوم مین چچازاد بہن سے شادی کرنا عین ثواب ہے تو بخلاف اسکے کسی دوسری قوم مین وہ ایک گناہ کبیرہ ہے لہذا یہ ثواب و عذاب یہ نیکی و بدی محض اعتباری ہین۔ ہمنے جو کچھ تعین

کرلیا ہے اُسکے اندر ہی یہ نیکی و بدی ثواب و عذاب ہین - تعینات کے باہر نیکی و بدی گناہ و ثواب کا کوئی خیال نہین ہے اور جب یہ حال ہے تو صرف گناہ سے پاک ہونا نجات نہین ہوسکتا اور اسلئے ان دونون سے جو پاک ہوگا اُسی کی نجات ہے کیونکہ ہر فعل کا خواہ وہ نیک ہو یا بد جبتک کہ وہ کسی غرض یا خواہش کے ساتھ کیا جائیگا پھل لازمی ہے اور چونکہ ہر نیک یا بد فعل کے نتیجے مین ملنا اسکے کہ وہ فعل محدود ہی ہے کوئی غیر محدود پھل نہین مل سکتا اسلئے جبتک ہمارے اعمال کے نتائج خواہ وہ اچھے ہون یا بُرے ظاہر ہوتے رہینگے مکتی یعنی نجات کا ملنا ممکن نہین ہے -

یہان یہ بھی کہدینا چاہیئے کہ جو لوگ ادویت یعنی وحدت الوجود کے قائل ہین اُنکے نزدیک نجات ہمیشہ ہی حاصل ہے - جس سے یہ مراد ہے کہ ہم ملحاظ اپنی ذات کے ہمیشہ ہی آزاد ہین - ہم کبھی مقید نہ تھے نہ ہین اور نہ ہونگے - کیونکہ جس ذات مطلق کے ہم ظہور ہین اُسکو تینون زمانون ماضی، حال و مستقبل مین کبھی کوئی قید نہین - یہ صرف ہمارا دھوکا تھا یا ہے کہ ہمنے اپنکو مقید سمجھ لیا تھا یا سمجھ لیا ہے اور جب بہ نتیجۂ عرفان ہمارا یہ دھوکا مٹ گیا اور ہمنے اپنی حقیقت کو پہچان لیا تو یہ نہین ہے کہ جزو کُل مین مل گیا یا تمثیلاً قطرہ دریا مین جا ملا جیسا کہ عام خیال ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم جو فی الاصل ذات مطلق بحیثیت کُل ہین وہی ہم ہمیشہ ہین گو ہمکو دھوکا ہوگیا ہو کہ ہمنے اپنے کو اُس سے الگ کچھ اور سمجھ لیا ہے اور اس دھوکے کے مٹنے کے بعد ہم جو در اصل ذات مطلق ہین وہی ہین چونکہ یہ ذات مطلق یا آتما وہ ब्रह्म ہے جسکے یہ معنی ہین کہ وہ سب جگہ موجود ہے اور جہان وہ نہین ایسا کوئی مقام نہین اسلئے بعد عرفان گیانی یعنی عارف نہ کہین جاتا ہے اور نہ کہین آتا ہے - یہ آنا جانا صرف تعینات کے اندر ہے - یہ تعینات یہ دھوکا یعنی مایا کیا ہے اسپر اگر اسوقت بحث کی جاے تو مضمون بہت بڑھ جائیگا - انشاء اللہ تعالے اسکے متعلق پھر کبھی لکھا جائیگا -

اب اسکے متعلق کچھ لکھا جاتا ہے کہ نجات کے لئے جس گیان یعنی عرفان کی ضرورت ہے وہ کیسے حاصل ہو - وہ گیان یہ ہے کہ مین جو ابتک آپ کو کرتا कर्त्ता اور بھوگتا भोक्ता یعنی فاعل اور افعال کے نتایج کا محسوس کرنے والا سمجھتا تھا وہ کرتا بھوگتا مین فی الحقیقت نہین ہون نہ کبھی تھا اور نہ کبھی ہونگا کیونکہ مین برہم ब्रह्म یعنی ذات مطلق ہی ہون جو نہ کرتا ہے اور نہ بھوگتا لیکن سوال یہ ہے کہ کرتا بھوگتا کا یہ خیال کیسے دُور ہو - یہ تو ظاہر ہے کہ جو کام آدمی کرتا ہے اُسکی نسبت وہ یہی سمجھتا ہے کہ مین نے اس کام کو کیا اور جب اُسنے ایسا خیال کیا تو اُسکا پھل بھی اُسکو ملنا لازمی ہے - اسلئے جبتک یہ خیال کرتا بھوگتا کا باقی رہیگا تب تک کامون کے نتائج کو بھوگنے کے لئے اُسکا بار بار پیدا ہونا اور مرنا چلا جائیگا اور اس سنسار سے رہائی کسیطرح ممکن نہین ہے - تاوقتیکہ وہ گیان نہ پیدا ہو جسکا ذکر اوپر ہوا - اس گیان کے لئے پہلے نفس کشی یا یکسوئی نفس چاہیئے جو ان چار طریقون سے حاصل ہوسکتی ہے - (۱) نشکام کرمون یعنی بغیر کسی خواہش کے کامون کے کرنے سے - (۲) اپنے سب کامون کو ایشور ارپن یعنی نذر خدا کرنے سے - (۳) ایشور کی ایسی بھگتی کرنے سے یعنی ایسے عشق حقیقی سے جس سے ایشور اور اپنے مین جُدائی کا خیال باقی نہ رہے - (۴) مختلف سادھنون یعنی ریاضتون سے جنکا ذکر پاتنجل شاستر مین آیا ہے -

دُنیا مین دو طرح کے آدمی دیکھے جاتے ہین ایک وہ جو کمزور طبیعت کے ہین اور دوسرے وہ جو بڑی مضبوط طبیعت رکھتے ہین - کمزور طبیعت والے ہمیشہ اپنے آپ کو گنہگار ہی سمجھتے رہتے ہین اور اسلئے اپنے گناہون کی بخشائش کے لئے

وہ بارگاہ الٰہی مین مغفرت کے واسطے مناجات کرتے رہتے ہین اور ساتھ ہی ساتھ وہ تمام جائز خواہشات کو بھی ترک نہین کر سکتے یعنی دُنیا دار بنا رہنا چاہتے ہین - یہ لوگ مغفرت کے لئے رحمت الٰہی کے خواستگار رہوتے ہین اور اُنکے بھجن یعنی ستاتشین پُر جوش ہوتی ہین جنمین گناہون کا اعتراف اور اُسکی بخشائش کی قدرت کا ذکر ہوتا ہے کیونکہ یہ لوگ اپنی نجات کا حصر صرف رحمت الٰہی پر رکھتے ہین - یہ لوگ اپنے گناہون کے معافی کے لئے پہلے طرح طرح کی پرستش کے طریقے اختیار کر کے خدا کو خوش کرنا چاہتے ہین اور پھر اُسکو اپنے دھیان مین لانے کی کوشش کرتے ہین جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب خدا ہی کا ہمیشہ دھیان رہا تو پھر من کو گندہ کرنے والی اور باتون کا دخل نہین ہوتا ہے جسکی وجہ سے نفس بالکل پاک ہو جاتا ہے اور پھر گناہ کا امکان باقی نہین رہتا - لیکن سدھانت مت کے بموجب محض ایسی آہ وزاری سے جب تک گیان کے ذریعہ سے دوئی کا خیال نہ مٹے نجات حاصل نہین ہو سکتی -

اسکے برخلاف وہ لوگ جو زور دار طبیعت رکھتے ہین اسکے قائل ہین کہ ہم جب حقیقت مین عین خدا یا ذات مطلق ہین تو پھر ہم مین گناہ کیسا اور اُسکی بخشائش کیسی - ہم ہرگز گنہگار نہین - اگر کوئی گناہ ہے تو وہ اگیان ہے جس سے ہمنے اپنی اصل حقیقت کو نہ پہچان کر اپنے کو کچھ کا کچھ سمجھ لیا ہے اور اگر یہ اگیان بذریعہ گیان مٹ گیا تو جو عین حقیقت ہم ہمیشہ سے ہین وہی ہین -

غرض کہ کوئی دھیان اور کوئی گیان کے ذریعہ سے مکتی چاہتا ہے - جسکو دھیان یعنی تصور مقبول ہے اُسکو حاجت تصویر کی ہوتی ہے اور تصویر تب ہی ہو گی جب کوئی روپ ہو گا - جاننا چاہئے کہ ایشور - جیو اور جگت یعنی خدا روح اور عالم ان تینون کی تعریف دو طرح سے کی گئی ہے - ایک لکشیارتھ लक्ष्यार्थ یعنی یعنی حقیقی اور ایک واچیارتھ वाच्यार्थ یعنی یعنی مجازی - واچیارتھ نام اور روپ ہے اور اس نام اور روپ کی جو اصل ستا یعنی حقیقت ہے اُسکو لکشیارتھ کہتے ہین - بعض لوگ واچیارتھ یعنی نام اور روپ کے قائل نہین اور یہ لوگ خدا کے اسمار کا وِدکر کے یا اُسکی ظاہری اشکال کی پرستش کر کے یا اُن اشکال کا تصور کر کے خدا کی عبادت کا حق ادا کرتے ہین اور اسی ذریعہ سے وہ نجات کے طالب ہوتے - یہ طریقہ بھگتون کا ہے اور بعض لوگ تمام چیزون کی (کیا خدا کیا روح اور کیا عالم کی) اصل حقیقت کیطرف جاتے ہین اور وہ اُسی ایک حقیقت مین اپنے کو فنا کر کے نجات حاصل کرنا چاہتے ہین - یہ طریقہ گیانیون یعنی عارفون کا ہے - یہ لا طریقہ آسان ہے اور اُسمین کئی جُدا جُدا اور طریقے ہین - جو نام کی مہما یعنی برکت کے قائل ہین وہ صرف نام ہی کے وِرد پر اکتفا کرتے ہین - اسکی مثال کبیر داس اور تلسی داس ہین - چنانچہ تلسی داس کا یہ ایک شعر ہے -

سکل انگ پد وگھ ناتھ مکھ نام کی اوٹ لئی ہے

ہے تُلسی ہی پرتیت ایک پربھو مورت کرپا مئی ہے

है तुलसी ही प्रतीत एक प्रभु मूरति कृपा मई है

یعنی یہ کہ جتنے سادھن یعنی ریاضتین ہین وہ مین نے کچھ نہین کی ہین اور آپ کے قدمون سے بھی دُور ہون - مُنہ سے کبھی الفاقاً آپ کا نام جو نکل گیا ہے اُسی کا سہارا مین نے لیا ہے - تُلسی کو اسلئے بھروسہ ہے کہ آپ رحم مجسم ہین -

اور وہ جو روپ کے دلدادہ ہین اُنکو ہمیشہ کا نظارہ ہی پسند ہوتا ہے اور اسلئے وہ یہ چاہتے ہین کہ اُسکو ہمیشہ ایشور کے

درشن ہوتے رہین۔ یہ دو طرح سے ہے ایک یہ کہ اپنے اِشٹ کے مطابق کسی خارجی مورت کا وہ درشن کرتے ہین اور اُسکی پرتش بھی کرتے ہین اور دوسری یہ کہ وہ اپنے معبود کی ایک من بھاونی مورت کو اپنے تصوّر مین رکھکر اُسکا دھیان کرتے رہتے ہین لیکن اس طریقہ مین مُکتی یعنی نجات تب ہی حاصل ہوسکتی ہے جبکہ ظاہری مورت اوّل دل مین سما جاے اور عابد اُسمین استقدر محو ہوجاے کہ اُس ظاہری مورت کی پھر کوئی ضرورت اُسکو باقی نہ رہے جسکے بعد ممکن ہے کہ اُسکی محویت اس درجہ کو پہونچ جاے کہ اُسکو خود اپنے سُروپ کا گیان ہوجاے جسکی نسبت اُسکو یہ "انو بھو" یعنی علم الیقین ہونے لگے کہ وہ اُس مورت سے جسکا وہ دھیان کرتا ہے جُدا نہین ہے۔ بلکہ دونوں ایک ہی ہین یعنی طالب و مطلوب جُدا جُدا نہین ہین۔ ایسی حالت مین البتہ اس طریقہ مین سچّے عرفان کا حاصل ہونا ممکن ہے۔ مورتی پوجا یعنی بُت پرستی کا یہی رہس ہے جسنے اس رہس کو سمجھ لیا اُسکے لئے مورتی پوجا کوئی عیب نہین بلکہ عین صواب ہے۔ "بقول شخصے"

اگر کافر بُت آگاہ گشتے ۔۔۔ بیکے از واصلان راہ گشتے
مسلمان گر بدانستے کہ بُت چیست ۔۔۔ بدانستے کہ دین در بُت پرستیست

جو لوگ مورتی پوجا کے دلدادہ ہین اُنکے متعلق سوامی وویکانند نے اپنے ایک لکچر مین جو اُنھون نے امریکہ مین دیا تھا حسب ذیل فرمایا ہے۔۔

"اب بھکتون پر یعنی جنون یعنی مُشاق الٰہی کے لئے بھگتی یوگ ہے۔ ایشور کا جو سچّا عاشق ہے وہ ایشور کے ساتھ صرف محبت کا تعلق رکھنا چاہتا ہے۔ وہ تمام اقسام کی پرستش کے طریقون کو پسند کرتا ہے۔ اُسکو پوجا کے لئے پھول چاہئین۔ پان چاہئین۔ خوبصورت و عالیشان مکان اور اچھی اچھی مورتین چاہئین۔ شاید آپ کا یہ خیال ہوگا کہ یہ لوگ غلطی پر ہین۔ ایک بات مین آپ سے کہتا ہون جسکو اس ملک مین خاص طور سے آپ کو یاد رکھنا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ بڑے بڑے اور اعلیٰ روحانی خیالات کے لوگ صرف اُنھین مذاہب مین پیدا ہوئے ہین جنمین قسم قسم کے پرستش کے طریقے جاری ہین۔ جن مذاہب کے لوگون نے ایشور کو بغیر کسی رسم یا دھیان کے پوجنا چاہا ہے اُنھون نے ہر چیز کو جو خوبصورت اور عالیشان تھی نہایت بیرحمی سے کچل ڈالا ہے جسکی تصدیق تاریخ دُنیا سے ہوتی ہے۔ پس آپ لوگ ان رسمیات اور پرستش کے اُن طریقون کو بُرا نہ کہین اور نہ اُنکی تضحیک کرین اور یہ بھی نہ کہین کہ یہ لوگ بیوقوف ہین انکے پاس یہ رسمیات رہنے دیجئے۔ مین نے اپنی زندگی مین جو اعلیٰ روحانی حالات کے آدمی دیکھے ہین وہ سب انھین رسمیات کے پابند لوگون مین ظاہر ہوئے ہین۔ مین خود اپنے آپ کو اُنکے قدمون مین کھڑے ہونے کے قابل نہین سمجھتا ہون۔ نہ میری طاقت ہے کہ مین اُنکی نسبت کچھ کہون۔ میرے گرو عارف کامل پرم ہنس رام کرشن جی بھی انھین مین سے تھے اور اُنکا یہ حال تھا کہ جب پرم کی کوئی تھاہ نہین رہتی تھی اور وہ اپنے معبود کے دھیان مین مستغرق ہوجاتے تھے تو وہ بجاے اسکے کہ ہار وغیرہ پوجا کی چیزون کو کالی دیوی پر چڑھاتے اُن ہارون کو خود اپنے ہی گلے مین ڈال لیا کرتے تھے۔ پس آپ لوگون کو یہ جاننا چاہئے کہ یہ جوش بھرے آدمی آپ کی تعریف کی پروا نہین کرتے۔ اُنکی نگاہ مین ایشور کوئی ایسی چیز ہے جسکو وہ چھو سکتے ہین اور وہ ایک ایسی چیز ہے جو سچی ہے اور اُس چیز کو وہ دیکھتے ہین۔ مِلتے ہین اور پیار کرتے ہین"

غرضکہ در اصل دو طریقے ہین ایک پروتی مارگ **प्रवृत्ति** یعنی

طریقۂ دُنیا داران اور دوسرا نورتی مارگ نِورِتّی یعنی طریقۂ ترا تھا پھر پورتی مارگ دو حصّون مین منقسم ہے ایک کرم کانڈ یعنی شریعت اور دوسرا بھگتی مارگ یعنی طریقت - اسیطرح نورتی مارگ کی بھی دو شاخین ہین ایک یوگ ابھیاس یعنی ریاضت اور دوسری تتوگیان یعنی معرفتِ حق - لیکن بھگتی کی وہ حالت جسکا نام پرابھگتی ہے نورتی مارگ ہی مین شامل ہے - کیونکہ جب طالب و مطلوب کی جُدائی کا خیال بالکل مٹ جاتا ہے اور دونون مین بالکل فرق باقی نہین رہتا ہے تو دُنیا سے پورا قطع تعلق ہی ہوجاتا ہے - یہ چارون طریقے صحیح ہین - یہ درجہ بدرجہ روحانی ترقی کے زینے ہین ایک کو دوسرے کی مذمت نکرنی چاہیے - اگر کوئی نورتی مارگ والا پرورتی مارگ والے کے پاس جاکر اور اُسکو مورتی پوجا وغیرہ مین مصروف دیکھکر اُس سے یہ کہے کہ تو نے اپنی زندگی کو بیفائدہ زایگان کیا کیونکہ تتوگیان یعنی معرفت حق کے لئے تو کوئی تدبیر نہین کرتا ہے تو اگر وہ سچّا عاشق خدا ہے تو یہی جواب دیگا کہ جناب آپ اپنی گیان کی پوٹلی کو باندھکر طاق پر رکھ دیجئے جسکو ہم پوج رہے ہین وہ ہمارا معبود ہے ہم اُس سے نہ کچھ مانگتے ہین اور نہ اسکی تمنا رکھتے ہین کہ وہ ہمسے خوش ہوکر ہمین کچھ دیگا - ہم صرف اُسکے پریم یعنی عشق مین ڈوبے رہنا چاہتے ہین - بقول کبیرداس -

کبیر پیالہ پریم کا انتر لیا لگائے
روم روم مین رم رہا اور عمل کیا کھائے

کبیر بھٹی پریم کی بہتک بیٹھے آئے
بہت سے لوگ
کبیر مٹی پریم کی بہتک بیٹھے جائے

سر سونپین سوئین گے نہین تو پیا نہ جائے
سر سونپین سوئین گے نہین تو پیا نہ نیا ئے

سیر سیں یہ سو پیئگے نانتر پیا نہ جائے
پریم بھگتی ات کٹھن ہے جون کھانڈے کی دھار

پریم بھگتی ات کٹھن ہے جون کھانڈے کی دھار
پریمبھگتی اتی کٹھن ہے جون کھانڈے کی دھار

بنا ساچ پہونچے نہین مہا کٹھن بیوہار
بنا سانچ پہونچے نہین مہا کٹھن بیوہار

بنا سانچ پہونچے نہین مہا کٹھن بیوہار
بنا سانچ پہونچے نہین مہا کٹھن بیوہار

بھگتی دو پیلی بیر کی نہین کایر کا کام
بھگتی دو پیلی بیر کی نہین کایر کا کام

اکھی تُرہیلی بیر کی نہی کایر کا کام
اکھی تُرہیلی بیر کی نہی کایر کا کام

سیس اُتارے ہاتھ سون وہ لیسی سب نام
سیس اُتارے ہاتھ سون وہ لیسی سب نام

سیس اُتارے ہاتھ سون وہ لیسی سب نام
سیس اُتارے ہاتھ سون وہ لیسی سب نام

نیہہ نبا ہے ہی بنے سوچے بنے نہ آن
نیہہ نبا ہے ہی بنے سوچے بنے نہ آن

نیہہ نبا ہے ہی بنے سوچے بنے نہ آن
نیہہ نبا ہے ہی بنے سوچے بنے نہ آن

تن دے من دے سیس دے نیہہ نہ دیجے جان
تن دے من دے سیس دے نیہہ نہ دیجے جان

تن دے من دے سیس دے، نیہہ نہ دیجے جان
تن دے من دے سیس دے، نیہہ نہ دیجے جان

تیر تُپک سے جو لڑے سو تو بیر نہو ے
تیر تُپک سے جو لڑے سو تو بیر نہو ے

تیر تُپک سے جو لڑے، سو تو بیر نہ ہوئے
تیر تُپک سے جو لڑے، سو تو بیر نہ ہوئے

مایا تج بھگتی کرے بیر کہاوے سوئے
مایا تج بھگتی کرے بیر کہاوے سوئے

مایا تجی بھگتی کرے، بیر کہاوے سوئے
مایا تجی بھگتی کرے، بیر کہاوے سوئے

یا جیسا کہ کسی فارسی شاعر نے کہا ہے - ؎

آٹھ پہر بھینا رہے پریم کہاوے سوئے
آٹھ پہر بھینا رہے پریم کہاوے سوئے

آٹھ پہر بھینا رہے پریم کہاوے سوئے
آٹھ پہر بھینا رہے پریم کہاوے سوئے

اور یا وہ یہ جواب دیگا کہ اس راستے پر صرف وہی چل سکتا ہے جسنے اپنے سر کو نثار کر دیا ہو - بقول کبیرداس -

کبیر مٹی پریم کی بہتک بیٹھے آئے
بہت سے لوگ
کبیر مٹی پریم کی بہتک بیٹھے جائے

سر سونپین سوئین گے نہین تو پیا نہ جائے
سر سونپین سوئین گے نہین تو پیا نہ نیا ئے

سیر سیں یہ سو پیئگے نانتر پیا نہ جائے
پریم بھگتی ات کٹھن ہے جون کھانڈے کی دھار

پریم بھگتی ات کٹھن ہے جون کھانڈے کی دھار
پریمبھگتی اتی کٹھن ہے جون کھانڈے کی دھار

بنا ساچ پہونچے نہین مہا کٹھن بیوہار
بنا سانچ پہونچے نہین مہا کٹھن بیوہار

بنا سانچ پہونچے نہین مہا کٹھن بیوہار
بنا سانچ پہونچے نہین مہا کٹھن بیوہار

بھگتی دو پیلی بیر کی نہین کایر کا کام
بھگتی دو پیلی بیر کی نہین کایر کا کام

اکھی تُرہیلی بیر کی نہی کایر کا کام
اکھی تُرہیلی بیر کی نہی کایر کا کام

سیس اُتارے ہاتھ سون وہ لیسی سب نام
سیس اُتارے ہاتھ سون وہ لیسی سب نام

سیس اُتارے ہاتھ سون وہ لیسی سب نام
سیس اُتارے ہاتھ سون وہ لیسی سب نام

نیہہ نبا ہے ہی بنے سوچے بنے نہ آن
نیہہ نبا ہے ہی بنے سوچے بنے نہ آن

نیہہ نبا ہے ہی بنے سوچے بنے نہ آن
نیہہ نبا ہے ہی بنے سوچے بنے نہ آن

تن دے من دے سیس دے نیہہ نہ دیجے جان
تن دے من دے سیس دے نیہہ نہ دیجے جان

تن دے من دے سیس دے، نیہہ نہ دیجے جان
تن دے من دے سیس دے، نیہہ نہ دیجے جان

تیر تُپک سے جو لڑے سو تو بیر نہو ے
تیر تُپک سے جو لڑے سو تو بیر نہو ے

تیر تُپک سے جو لڑے، سو تو بیر نہ ہوئے
تیر تُپک سے جو لڑے، سو تو بیر نہ ہوئے

مایا تج بھگتی کرے بیر کہاوے سوئے
مایا تج بھگتی کرے بیر کہاوے سوئے

مایا تجی بھگتی کرے، بیر کہاوے سوئے
مایا تجی بھگتی کرے، بیر کہاوے سوئے

کبیر پیالہ پریم کا انتر لیا لگائے
کبیر پیالہ پریم کا انتر لیا لگائے

کبیر پیالہ پریم کا انتر لیا لگائے
کبیر پیالہ پریم کا انتر لیا لگائے

روم روم مین رم رہا اور عمل کیا کھائے
روم روم مین رم رہا اور عمل کیا کھائے

روم روم مین رم رہا اور عمل کیا کھائے
روم روم مین رم رہا اور عمل کیا کھائے

رام رام مین رم رہا بیر بھگت کہا جائے
رام رام مین رم رہا بیر بھگت کہا جائے

رام رام مین رم رہا بیر بھگت کہا جائے
رام رام مین رم رہا بیر بھگت کہا جائے

پریم پریم سب کوئی کہے پریم نہ جانے کوئے
پریم پریم سب کوئی کہے پریم نہ جانے کوئے

پریم پریم سب کوئی کہے پریم نہ جانے کوئے
پریم پریم سب کوئی کہے پریم نہ جانے کوئے

تا شاہ صفت سر نہی در چرخ آرہ ہرگز بہ سر زلف نگارے نرسی
تا خاک ترا کوزہ نسازند کلالان ہرگز بہ لب و لعل نگارے نرسی
تا پھو جنا سودہ نگردی تہ سنگ ہرگز بہ کف پائے نگارے نرسی

بندرابن کا رمنک استھان ہے۔ سری جمنا جی کا کنارہ ہے۔ کرشن کے وِرہ (ہجر) مین گوپیون کا حال بیحال ہے جب سے کرشن مدھوپُری (متھرا) کو سدھارے ہین سارا تن من اُدھر ہی ہے۔ پریتم پیارے کے پریم بھرے سندیسون کا انتظار ہے کہ اتنے مین کسی نے آکر اُنسے کہا کہ لوآئے مادھوجی کے چھائے اودھوجی۔ وہ کوئی پریم کا سندیسہ لائے ہین۔ یہ سُنکر گوپیان بیچین ہوکر دوڑین اور اودھوجی کے جا درشن کئے لیکن دیکھتی کیا ہین کہ پریم کے سندیسے کی جگہہ اودھوجی کچھ اور ہی سندیسہ لائے ہین اور وہ سندیسہ یہ ہے۔

ہون تُمپہ برج ناتھ پٹھایو
ہوں تم پے ب्रजनाथ पठायो

آتم گیان سکھاون آیو
आतमज्ञान सिखावन आयो

آپ ہی گوال آپ ہی گائی
आपुहिं ग्वाल आपुहीं गाई

آپ ہی آپ چراون جائی
आपुहिं आप चरावन जाई

آپ ہی بھنور آپ ہی پھول
आपुहिं भँवर आपुहीं फूल

آتم گیان بنا جگ بھول
आतमज्ञान बिना जग भूल

یہ پرکار جاکو من لاگے
यह प्रकार जाको मन लागे

جرا مرن جیتے بھرم بھاگے
जरा मरण जीते भरम भागे

اور پھر اسکے بعد وہ یہ کہتے ہین

روپ ریکھ جاکے کچھو ناہین
रूप रेख जाके कछु नाहीं

نین مونڈ چتوہو چت ناہین
नैन मूंद चितवहु चित नाहीं

یعنی جسکا نہ کوئی روپ ہے اور نہ جسکے کوئی خط و خال ہین اُسکا دھیان دل سے آنکھ بند کرکے کرو۔

یہ جگہ خواش سندیسہ سُنکر گوپیان پیچ و تاب کھاکر یہ جواب دیتی ہین۔

جات پیر بنجھا نہین جانے
जात पीर बंझा नहि जाने

بن دیکھے کیسے رُج مانے
बिन देखे कैसे रुचि माने

یعنی جیسے کوئی بانجھ عورت دردزہ کی تکلیف کو نہین جانتی ہے ویسے ہی تم بھی پریم کی اُن چوٹون کو کیا سمجھ سکتے ہو جو ہم پریمیون کو پریتم کی جُدائی مین سہنی پڑ رہی ہین اور جوگ کی بات کہی تو اُسکی نسبت سنو۔

جوگی سمادھ جوت چت لاوے
योगि समाधि ज्योति चित लावै

پرمانند پرم پد پاوے
परमानंद परम पद पावै

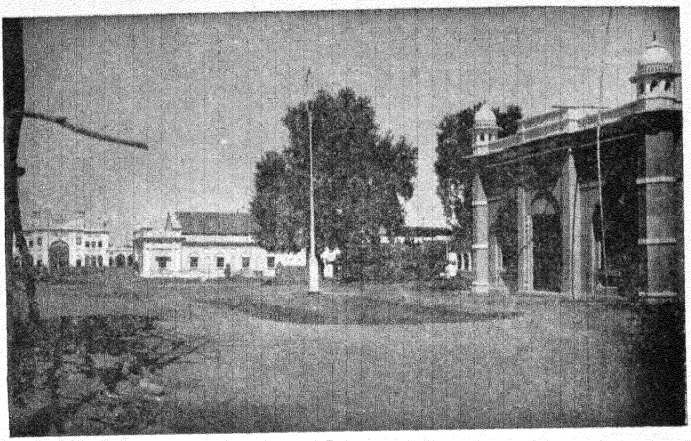

عمارت فنون لطیفہ وغیرہ و عام منظر

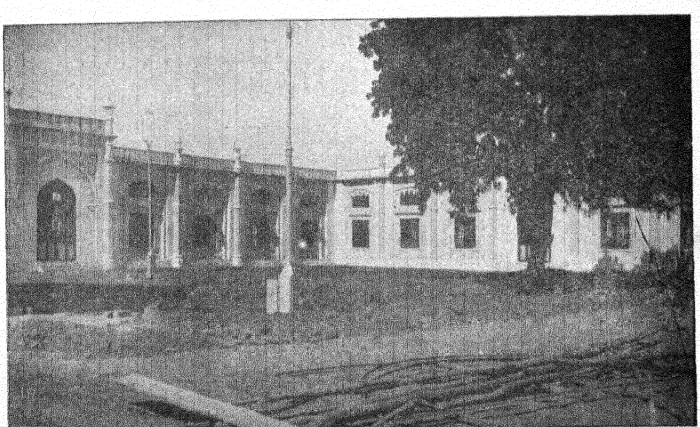

عام آدستکاریوں کی عمارتیں

نوکشور کو جب ہین نہارے
نوجوان دیکھے
نند کشور کی جوبھیں نہارے

کوٹ جوت وا چھب پے وارے
کروڑان نثار کرے
کوٹि جوति वा छवि पै वारे

وہ چھب وہ صورت کیسی ہے کہ جیسا پانی بھرے بادل کا رنگ ہوتا ہے ویسا تو رنگ ہے۔ سر پہ چوٹی ہے کانون مین کنڈل اور گلے مین جنگل کے پھولون کی مالا اور اس سے زیادہ کیا کہین کہ

مرگ مد تلک الک گھنگرارے
मृगमदतिलक अलक घुँघरारे

اون موہن من ہرے ہمارے
उन मोहन मन हरे हमारे

یعنی پیشانی پر سہانا ٹیکہ ہے اور گھونگر والی زلفین ہین۔ ایسی موہن مورت نے ہمارے من کو ہر لیا ہے اور جو تم ہماری بھلائی چاہتے ہو تو۔

جو تم ہت کی بات سناؤ ہو
जो तुम हित की बात सुनावहु

مدن گوپال ہی کیون نہ ملاؤ ہو
मदनगुपालहिं क्यों न मिलावहु

بھگتی اور گیان کے اس جھگڑے یا اس مسئلہ کا تصفیہ کہ صرف گیان ہی یا بھگتی اور کرم ہی ذریعۂ موکش یا نجات ہین سوامی وویکانند نے اپنے ایک لکچر مین حسب ذیل کہا ہے۔

"ہم اس دنیا مین مختلف طبائع کے آدمیون کو دیکھتے ہین۔ کوئی یہ کہتا ہے کہ ہمکو اچھے کام کرنا چاہئین جس سے ہمارے ہمجنسون کو فایدہ پہونچے۔ خدا تعالے نے بنائے جائین بیت المساکین قائم کئے جائین بیواؤن اور یتیمون کی پرورش کی جاے۔ کچھ ایسے ہین جو پرجوش طبائع رکھتے ہین اور بدرجۂ غایت خوبصورتی اور شوکت کے نظارون پر مرتے ہین۔ وہ قدرت کے شاندار نظارون پر نظر ڈالنا چاہتے ہین اور الشور بھی اُنکا محبت کا بھرا ہوا ہے اور وہ صرف محبت اور عشق کے پیاسے ہین۔ کوئی ایسا ہے جو حواس خمسہ اور نفس پر قابو حاصل کرکے اندرونی ورد حانی قوتون کی تنقیح کرنا چاہتا ہے۔ کوئی فلاسفر ہے جو ہر چیز کو تولنا چاہتا ہے۔ غرضکہ مختلف طبائع کے آدمیون سے ہمین کام ہے اور اسلئے ہمین کوئی ایسا مذہب سوچنا چاہئے جس سے ہر طبیعت کے آدمی کی تشفی ہو۔ یہ تمام خوبیان اور وہ مذہب مجھ مین ہین جنمین فلاسفی بھی اُسیقدر ہے جسقدر کہ پریم و بھگتی ہے اور جنمین کامون کے لئے بھی دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اگر کوئی فلاسفر آئے تو ہم اُس سے یہ کہہ سکتے ہین کہ آپ اس فلاسفی پر غور کیجئے جو یہ سکھاتی ہے کہ اس تمام عالم کی ایک ہی حقیقت ہے۔ جو کچھ ہے وہی ایک حقیقت ہے اور اس سے الگ کسی دوسری چیز کا اصلی وجود نہین۔ اگر کوئی پریمی جن آوے تو اُس سے یہ کہہ سکتے ہین کہ آیئے بیٹھئے۔ ہم تم بھگوان کا نام لے کر خوب روئین اور اُسکے پریم کا پیالہ پیکر مست ہوجائین اور اگر کوئی کامون کی تعریف کرنے والا آئے تو اُس سے یہ کہین کہ ہم تمہارے ساتھ جانتک ہمارے قدرت ہے کام کرنے کے لئے تیار ہین۔ مگر شرط یہ ہے کہ یہ کام بلا کسی ذاتی غرض یا خیال شہرت کے کئے جائین۔ کامل دنیا مین بہت آدمی ایسے ہوتے جو ان سب باتون کو پسند کرتے ہوتے یا اگر انمین سے صرف ایک یا دو باتون کو پسند کرتے ہوتے تو باقی دوسری باتون کی مذمت تو نکرتے تو

جب کوئی آدمی انمین سے ایک یا دو باتون کو پسند کرتا ہے اور باقی کو ناپسند تو کہا جائیگا کہ وہ بکھرتہ ہے - وہ صرف ایک ہی سڑک پر چلنا چاہتا ہے باقی سڑکون کو خطرناک سمجھتا ہے - مین نے جس عام مذہب کا ذکر کیا ہے اُسکا نام یوگ ہے - یوگ کسی دو چیزون کو ملا دینے کو کہتے ہین - اگر کرم یوگ ہے تو وہ افراد کو کل بنی نوع انسان سے ملاتا ہے - اگر بھگتی یوگ ہے تو وہ بھگت کو پرم ایشور سے ملاتا ہے اور اگر گیان یوگ ہے تو گیانی کا برہم سے وصال کرا دیتا ہے"

اسکے بعد آخر مین سوامی وویکانند یہ فرماتے ہین کہ ان سب باتون کو جاننے کے بعد لوگ میرے اس مسئلہ کے ساتھ صرف اتفاق فرمائینگے کہ کسی چیز کو توڑو مت، مٹاؤ مت، جو لوگ بنا کر نئے سرے سے بنانے کی فکر رکھتے ہین اور مصلح ہونے کا دعویٰ کرتے ہین وہ دُنیا کو کوئی فائدہ نہین پہونچاتے - کسی آدمی کے عقیدہ کی نسبت بُرا مت کہو - جب تک وہ راسخ الاعتقادی کے ساتھ اُسکا معتقد ہے - اگر ہو سکے تو اسقدر مدد کرو کہ وہ آدمی جس حالت مین ہے اُس سے بڑھکر روحانی حالت پر پہونچ جائے ورنہ خاموش الگ کھڑے رہو -

پروِرتی اور نورتی مارگ کے متعلق بھگوان سری کرشن نے گیتا مین جو فیصلہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ "عبادت خدا یا خدمت خلق مین مصروف رہو مگر بے تعلقی کے ساتھ یا اسطرح کہ اُسمین تمہاری کسی ذاتی غرض یا خواہش کو دخل نہ ہونے پائے - دُنیا کو ترک مت کرو بلکہ دُنیا مین رہو اور اُسکے کل اثر اپنے اوپر ہونے دو - لیکن اگر تم اپنی ہی خوشی یا حظ کے لئے یہ اثر ہونے دیتے ہو تو بہتر ہے کہ کام کرنا چھوڑ دو - جسکو حظ نفس کہتے ہین وہ تمہارا مقصود نہونا چاہئے - بلکہ تم اپنی خودی کو جیتو اور پھر تمام دُنیا کو اپنی ذات سمجھ لو - ایسی ہی صورت مین تمہارا کامون مین مصروف رہنا تمکو البتہ زیب دیگا اور تم بندھن یعنی قیود دُنیا سے بھی بچے رہوگے - اگر تمنے اپنی زندگی کا یہ اعلیٰ معیار اپنے سامنے رکھا تو کہا جائیگا کہ تمنے اپنی حیات کا سب سے اعلیٰ ثمرہ حاصل کیا - لیکن دُنیا کے لذائذ بھی بڑے لبھانے والے ہوتے ہین اور جسقدر اُس سے نفرت ہوتی ہے اُسیقدر وہ اپنی طرف کو کھینچتی ہے بقول شخصے ؎

بھاگتی پھرتی تھی دنیا جب طلب کرتے تھے ہم
اب کہ جب نفرت ہوئی وہ بیقرار آنے کو ہے

پرم ہنس رام کرشن جی کا بار بار یہی قول تھا کہ ہماری نجات کی سد راہ ایک کامنی یعنی زن اور ایک کنچن یعنی زر ہے - اور کبیر داس کا بھی یہی قول ہے -

چلو چلو سب کوئی کہین ویرلا پہونچے کوے
चलो चलो सब कोइ कहें, विरला पहुँचे कोय ।
ایک کنک اور کامنی دُرگم گھاٹی دوے
एक कनक अरु कामिनी दुर्गम घाटी दोय ॥
ناری ندی اتھاہ جل ڈوب مرا سنسار
नारि नदी अथाह जल, डूब मरा संसार ।
ایسا سادھو نا ملا جا سنگ اُترون پار
ऐसा साधू ना मिला जा संग उतरूँ पार ॥

لیکن گیتا مین بھگوان کرشن کے ارشاد پر نظر کرتے ہوئے آدمی زن وزر کے ساتھ جائز تعلق رکھکر بھی نفس پر فتح پاکے نجات حاصل کر سکتا ہے - یہ دروازہ بالکل بند نہین ہے -

غرض افضل ثمرۂ حیات یہی ہے کہ اپنی حقیقت کو پہچانکر ہم قید حیات سے نجات پائین لیکن اگر خدمت خلق یا عبادت خدا یا عشق الٰہی ہمارا مقصود ہو تو بھکو یہ خدمت یا عبادت اس طریق پر کرنی چاہئے کہ ہم اُسمین اپنی کسی ذاتی غرض کو دخل نہ دین اور اس

خیال کو بھی ترک کریں کہ ہماری ایسی خدمت سے کوئی خوش ہوگا یا یہ کہ ہماری ذات سے کسی کو فائدہ پہونچ رہا ہے یا ہماری عبادت یا ہمارے عشق حقیقی سے خدا کی رضا جوئی ہوتی ہے بس یہی ایک اعلیٰ مقصد ہماری زندگی کا ہوسکتا ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ ہمارے کام اور ہماری عبادت بالکل نشکام ہونی چاہئے۔ یعنی اسمین ہماری کسی خواہش کو دخل نہونا چاہئے۔ اگر ہمنے اسپر عمل کیا تو سمجھنا چاہئے کہ ہمنے اپنی زندگی کا سچا ثمرہ حاصل کیا۔

جن لوگون نے سوامی وویکانند کے لکچرون اور تصانیف کو پڑھا ہے وہ خوب اسکا اندازہ کرسکتے ہین کہ جس حالت مین کہ اُنیسوین صدی کے اوائل اور وسط مین راجہ رام موہن رائے وغیرہ کے تلقینات کا یہ اثر ہوا تھا کہ ہندو مذہب کی ظاہری اور سطحی حالت پر ایک سرسری نظر ڈالکر بہت سے لوگ اُس سے متنفر ہوکر بھٹک گئے تھے اب اُسی صدی کے آخرین پرم ہنس رام کرشن اور سوامی وویکانند کے تلقینات کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ بھٹکے ہوئے لوگ ہندو مذہب کی باطنی اور اصلی باتون پر جو بنظر ظاہر جواہرات کے ہین از سرنو غور کرکے پھر اپنے اصلی گھر کو واپس آرہے ہین اور ہماری بھی یہی دل سے دعا ہے کہ خدا سب بھولے بھٹکون کو ایسی ہی توفیق عطا کرے۔

پربھو لال

علامہ فیضی

فیضی ایک قدیم اور بزرگ خاندان کا نونہال تھا۔ اسکے آبا و اجداد یمن کے رہنے والے تھے۔ دسوین صدی ہجری مین ہندوستان آئے اور آگرہ مین سکونت اختیار کی۔ اسکا باپ شیخ مبارک صوفی منش اور بڑا عالم تھا۔ فیضی کا بھائی ابوالفضل لکھتا ہے کہ زیادہ تر ہم دونون بھائیون نے اپنے باپ ہی سے علوم مین استفادہ حاصل کیا۔ بعض مورخون نے فیضی کو شیعہ لکھا ہے مگر ابوالفضل کا قول ہے کہ ہمارا خاندان حنفی تھا۔ ۹۵۴ھ ہجری مطابق ۱۵۴۷ء مین فیضی پیدا ہوا اور ابوالفضل ۶۔ محرم ۹۵۸ھ مطابق ۱۵۵۱ء مین۔ دونون بیٹون کی تعلیم و تربیت مین شیخ مبارک نے نہایت کوشش کی۔ آوارہ لڑکون اور بُری صحبتون سے ہمیشہ بچاتے رہے چنانچہ ایک جگہ ابوالفضل لکھتا ہے۔ ؎

ز ابتدا بر مانک و بانک نبازیدیم چغل زانکہ مانک ہم رقیم بود و ہم بابای من

باپ کی عزر پروداخت اور باقاعدہ تعلیم کے سبب سے فیضی ۱۹ برس اور ابوالفضل ۱۵ برس کی عمر مین فارغ التحصیل ہوگئے یا یون کہو کہ اس زمانہ کے دونون بھائی اُس چھوٹی سی عمر مین ایم۔ اے۔ تھے۔ لیاقت کی خبر اکبری دربار مین بھی پہونچی وہان سے طلبی کا حکم ہوا۔ دشمنون نے شیخ مبارک کو اُسکے اُلٹے معنی سمجھا دئے۔ کہا کہ فیضی کی جان کی خیر نہین۔ اکبری حکم ملکالموت کا تادیانہ ہے۔ غرض یہ قصہ بڑا طویل ہے۔ آخر فیضی کسی نہ کسیطرح دربار مین جا پہونچے۔ دشمن یہان بھی کب چین لینے دیتے تھے۔

کمان کھڑا کیا۔ جس جگہ شہنشاہ جلوہ افروز تھا اُسکے گرد جالی کا کٹہرا تھا۔ وہاں جگہ دی۔ اُنھین خیال تھا کہ یہان سے کیا کلام کا موہ آئیگا۔ مگر قدرتی معاملات کی خبر نہ تھی۔ قضا و قدر کا قلم مہربانی کی روشنائی سے قسمت مین قدر واجی لکھ چکا تھا۔ اُسیوقت فیضی نے یہ قطعہ پڑھا۔ ؎

بادشاہا برون پنجرہ رام ۔۔۔ از سر لطف خود مرا جادہ
زانکہ من طوطے شکر خایم ۔۔۔ جاے طوطے درون پنجرہ بہ

اکبر اس کلام سے بہت خوش ہوا اور اندر آنیکی اجازت دی۔ جو قصیدہ اول ہی پڑھا تھا اُسکا مطلع یہ ہے ؎

سحر نوید رسان قاصد سلیمانی ۔۔۔ رسید ہم چو سعادت کناد شیبانی

آگے چلکر دشمنون کو جوڑ توڑ۔ اپنی پریشانی اور بیقراری کی نسبت لکھتا ہے۔ ؎

ازان زمان کہ نویسم کہ بود بے آرام ۔۔۔ سفینۂ دلم از موج حیرہ طوفانی
گہے چو وہم سراسیمہ کز کدام دلیل ۔۔۔ برم ظنون و شکوک از علوم الیقانی
چرا بود متخالف رسوم اسلامی ۔۔۔ چرا بود منشا چروف فرقانی
زبان کشیدہ بدالقضاے عجب دریا ۔۔۔ شہود کذب زدعوی گران ایمانی
اگر حقیقت اسلام درجہان این ست ۔۔۔ ہزار خندہ و کفر ست بر مسلمانی

۹۷۵ھ ہجری مطابق ۱۵۶۷ء مین شہنشاہ اکبر عظم نے فیضی کو دربار مین داخل کیا۔ اسنے لٹریچر اور شاعری اور انتظام مملکت مین جو اصلاحین کین اُنھون نے اکبر کے دل پر اسکا سکہ بٹھا دیا اور علاوہ کار منصبی کے یہ بھی عزت حاصل ہوئی کہ جو شاہزادہ قابل تعلیم ہوتا فیضی کے سپرد کیا جاتا۔ چنانچہ شاہزادہ سلیم۔ شاہزادہ مراد۔ شاہزادہ دانیال سب اسکے شاگرد تھے۔ اسکے کتب خانہ مین (۴۶۰۰) چھیالیس ہزار جلدین تھین۔ اُس زمانے مین جبکہ چھاپہ کا نام و نشان بھی نہ تھا اسقدر کتابون کا فراہم کر لینا بڑا مشکل کام تھا۔ یہ کتابین چار قسم کے کتب خانون مین تھین۔

۱۔ تاریخ علم اللسان۔ طب۔ انشا۔ علم ادب۔
۲۔ نظم۔ موسیقی۔ علم الاخلاق۔
۳۔ فلسفہ۔ تصوف۔ ریاضی۔ نجوم۔
۴۔ تفسیر۔ فقہ۔ حدیث۔ اصول۔

سلاطین مغلیہ کی بارگاہ سے اسوقت تک کسی کو ملک الشعرا کا خطاب نہین ملا تھا۔ اکبر نے یہ عزت فیضی کو دی۔ اکبر نامہ مین ابوالفضل لکھتا ہے کہ ۹۹۶ھ مین یہ خطاب دیا گیا۔ شہنشاہ کے حسب الارشاد راجہ علی خان حاکم خاندیس کے پاس سفیر ہو کر گئے اور ایک برس کے قریب رہکر سب کام ٹھیک کر دیا۔ ۱۰۰۴ھ مین طبیعت بہت خراب ہوئی۔ مرض ضیق النفس تنگ کرنے لگا۔ اُسی حالت مین یہ رباعی لکھی۔ ؎

دیدی کہ فلک بکین چہ نیرنگی کرد ۔۔۔ مرغ دلم از قفس بدر آہنگی کرد
آن سینہ کہ حاملے دو عالم گنجید ۔۔۔ تا نیم نفس بر آورم تنگی کرد

یکے بعد دیگرے کئی مرض حملہ ہوگئے طبیعت بے انتہا پریشان ہوئی۔ اکبر خود مزاج پرسی کو آئے۔ اُسوقت حالت بہت ردی تھی۔ پکارا۔ آنکھ تو کھولی لیکن بولا نہ گیا۔ افسوس۔ کیا ہو سکتا تھا۔ مشیت ایزدی کے سامنے نہ کسی کا زور چل سکتا ہے اور نہ حکم علم و لیاقت کا نیرنگ بابان ۱۰۔ صفر ۱۰۰۴ھ کو غروب ہوگیا۔ بیماری کی حالت مین یہ شعر ورد زبان رہا کرتا تھا۔ ؎

گر ہمہ عالم بہم آید بجنگ ۔۔۔ نہ شود پاے یکے مو لنگ

اب مین شیخ کی تصانیف کی فہرست سلسلہ وار لکھتا ہون

دیوان۔ اپنے آپ مرتب کیا۔ اُسکا نام تباشیر الصبح ہے۔ سبحان اللہ کیا پاکیزہ کلام ہے۔ نہایت سلیس و شستہ زبان ہے۔ آب کوثر سے دھوئی ہوئی۔ چند غزلین درج کیجاتی ہین۔ ناظرین

انصاف کی نظر سے ملاحظہ فرمائیں۔

باده صاف ست محتسب ناصاف — دُرد کش تا که می دہد انصاف
بلکه گویم که میدہد روساتی — پردۂ عاکفانِ ستر عفاف
عقل از کف سپر بیندازد — عشق ہر جا کشد کمانِ مصاف
آہوئے مست من اگر این ست — شیر نر بر زمین گذارد ناف
گفتم از حسنِ دیده بر بندم — چه کنم با نگاه دیده شگاف
ہر سه چار سوئے رسوائی — گوہرِ عشق را منم صراف

فیضی از حرفِ عشق لب بربند
پیشگاہِ ادب رسید ملاف

دیگر

باده در جوش ست و دندان مختصر — ساقیا خذ ما صفا و دع ما کدر
در خرابات مغان بگذر که هست — ہر صراحی چشمه۔ ہر ساقی خضر
بندۂ ساقی شوم گر یک قدح — منکرانِ عشق را سازد مقر
اے رفیق از من شنو غافل که چیست — عشق در فرہاد و مجنون مختصر
گر دلم شکست خوش حالم که دوست — مطمئن شد عند قلب منکسر
عشق تنها انست پرسیدن زغیر — شد ازان مجنون بعالم مشتہر

جام می خواہی بگو فیضی مدام
ہم چو حافظ ایتہا الساقی ادر

دیگر

ساقیا جان خیز کرشد صبح عید — صبحک اللہ بالصبوح جد بید
رقص کنان کبک بہ پہلوے من — از چه کنم بیده منزل بعید
جانِ من و سلسلهٔ زلف تو — عقلت الروح بحبل الودید
چشم تو بس کرده ز خونریز خلق — عزه بفریاد که هل من مزید
گر تو ندادی سر قربان من — می کنم از دست تو خود را شہید
بر دم صبح تو قضا کرده نقش — انت حدید لک باس شدید

فیضی آزادہ اسیر تو شد
اسعدک اللہ بصید سعید

خمسہ فیضی۔ ۹۹۳ھ مین شہنشاہ اکبر کا حکم ہوا کہ جسطرح مولانا نظامی گنجوی نے خمسہ لکھا ہے۔ تم بھی ویسا ہی لکھو۔

مخزن اسرار کے مقابل مین مرکز ادوار اسمین تین ہزار ابیات ہین موجود ہے۔ ناظرین دیکھ سکتے ہین۔

تحسر و شیرین کے مقابل مین **سلیمان و بلقیس**۔ یہ چار ہزار بیتون کی مثنوی ہے۔ متفرق اشعار ملتے ہین۔

لیلی مجنون کے مقابل نلدمن۔ ہندوستان کا پرانا قصہ ہے۔ چار ہزار اشعار ہین ہے۔ ہر جگہ دستیاب ہوتا ہے۔

ہفت پیکر کے مقابل مین **ہفت کشور**۔ پانچہزار اشعار ہین۔ زمانہ کے پیرحم ہاتھون نے نشان مٹا دیا۔

سکندر نامہ کے مقابل مین **اکبر نامہ**۔ اسیقدر اشعار ہین جتنے سکندر نامہ کے۔

فیضی نے نلدمن کا ایسا اس کی مصنفہ نلدمن سے جو سنسکرت مین ہے فارسی نظم مین ترجمہ کی تھی۔ اسکی سنسکرت دانی کی نسبت روزگار ڈن آف پرشیا مین ایک عجیب قصہ لکھا ہے جسکی صحت مین شک ہوتا ہے۔ یعنی برہمن کا بھیس بدلکر ایک فاضل پنڈت سے کاشی جی مین سنسکرت تحصیل کی تھی۔ کچھ عرصہ بعد یہ وھوکا کھل گیا۔ تب تو اُسکے اُستاد نے غم و غصہ سے خودکشی کا ارادہ کیا۔ فیضی نے بشکل برہمن کو باز رکھا۔ مگر فاضل اُستاد نے شاگرد سے قسم لے لی کہ سوائے ہندؤن کے وید مقدس کے اور سب سنسکرت کتابون کا جی چاہے تو فارسی مین ترجمہ کردے۔ یہ قصہ چاہے سچ نہو مگر فیضی سنسکرت ضرور جانتا تھا البتہ یہ تحقیق نہین ہوتا کہ کسطرح اسنے اس زبان کو تحصیل کیا۔ کسی تاریخ مین اسکی بابت مفصل ذکر نہین

بعض مورخین لکھتے ہین کہ فیضی سے پہلے مسلمانون مین کوئی شخص سنسکرت کا عالم نہین گذرا مگر مسٹر ایبٹ اپنی کتاب مورخین ہند جلد ۲ صفحہ ۲ مین لکھتے ہین کہ فیضی سے پہلے بھی مسلمان سنسکرت جانتے تھے۔ خیر۔ اس سے پہلے اگر سنسکرت جانتے تھے تو انھون نے کوئی نمود کی تصنیف نہین چھوڑی۔

لیلاوتی۔ سنسکرت سے ترجمہ کی۔ فارسی نظم مین مہابھارت بادشاہ کے حکم سے درست کرنا شروع کی اور جابجا نظم کے بھی پھول کھلائے۔ صرف دو برس ہی لکھتے تھے کہ اور کامون سے فرصت نہین ملی[1]

بھاگوت۔ سنسکرت سے ترجمہ کی۔

انشائے فیضی۔ ۱۰۳۵ھ ہجری مین نورالدین محمد عبداللہ خلف حکیم عین الملک نے مرتب کی۔ یہ کتاب دیکھنے کی چیز ہے۔ باب اول مین عوائض ہین جو اکثر دکن سے بادشاہ کے حضور مین بھیجی تھین۔ رموز سلطنت کی چھوٹی چھوٹی باتون سے بڑے بڑے نکتے حاصل ہوتے ہین باقی قصے

تفسیر سواطع الالہام۔ ۱۰۰۱ھ مین یہ تفسیر لکھی تھی۔ ۳۰ پارون کی عربی زبان مین تفسیر اور بے نقط دیکھکر حیرت کا دریا آنکھون کے سامنے امنڈتا ہے اور خیال ہوتا ہے کہ فیضی کا علم کس پایہ کا تھا۔ ۷۵ جزو مین ہے۔ منشی نولکشور پریس لکھنؤ مین طبع ہوگئی ہے۔

موارد الکلام۔ نصیحت کی باتین ہین۔

مقصد الشعرا۔ افسوس یہ کتاب ناپید ہے۔

شاہ عباس صفوی کی طرف سے ایران کے جید عالم ملا طاہر وحید نے شہنشاہ اکبر کی خدمت مین ایک رباعی بھیجی۔ ملا صاحب کو اس رباعی کے صلہ مین شاہ نے بڑا انعام دیا تھا مگر تیسرا مصرع اکبر پر چوٹ کرتا ہوا تھا۔ وہ رباعی یہ ہے۔

زنگی بسپاہ و فیل و لشکر نازد　　رومی بسنان و تیغ و خنجر نازد
اکبر بخزینہ پر و در زر نازد　　عباس بذوالفقار حیدر نازد

فیضی نے فی البدیہہ رباعی تصنیف کرکے قاصد کے ہاتھ ایران بھیجدی۔

فردوس بسلسبیل و کوثر نازد　　دریا بہ گہر فلک بہ اختر نازد
عباس بہ ذوالفقار حیدر نازد　　کونین بذات پاک اکبر نازد

اکبر بہت خوش ہوا اور ہفت ہزاری منصب پر سرفراز کردیا۔

فیضی کی اکثر تصانیف کا انگریزی مین بھی ترجمہ ہوگیا ہے مثنوی سلیمان و بلقیس جو خسرو شیرین کے مقابلہ مین لکھی ہے اسکا مقدمہ (مقتبس) یہان لکھا جاتا ہے۔ کیا زور کا کلام ہے۔

الٰہی پردۂ تقدیس بکشائے　　سلیمانِ مرا بلقیس بکشائے
درین بیت خلائے ناکسم جویان　　زبانے دہ مرا تا دسترس گویان
حضارِ قدس را کنگر بلند ست　　بہر کنگرہ چہ ہا درکند ست
ہمہ ذرات در تقدیس و تہلیل　　مرا لب پر ز افسون عزازیل
چہ سازم با نیاں پیوند دارم　　پری در شہر و دل در بند دارم
بلائے ہست ہن کین جان من نیست　　کہ دیو نفس در فرمان من نیست
بتان ہند تسلیم گستند　　بہر مویم دو صد زنار بستند
درین مشہد بہ غفلت ہر کہ تن داد　　نگین دل بدست اہرمن داد (الخ)

انتخاب از دیوان

GAZEL.

To-day is given to pleasure,
It is the feast of spring;
And earth has not a treasure
Our fortune shall not bring.
Fair moon! the bride of heaven confest,
Whose light has dimmed each star,
Show not thy bright face in the East,
My love's outshines it afar.
Why sighs the lovely nightingale,
Ere day's first beams appear?

---

[1] مگر یہ کتاب نولکشور پریس مین طبع ہوگئی ہے اور مکمل پر بے معلوم ہوتے ہین۔

Whose seat, till days like this,
Within the mosque has been.
I care not but the truth declare,
That Hafiz falls again :
His eyes are on his charming fair,
His lips the wine-cup drain.

She murmurs forth her plaintive tale,
For coming spring to hear.
Oh, ye severely wise,
To-day your counsels spare ;
Your frown in vain denies
The wine-cup and the fair.
Within our hands of bliss,
The derwish may be seen,

محمد شفیع الدین خان مرادآبادی

ہندوستان کے بچوں کی تعلیم

(مسٹر عبداللہ یوسف علی۔ آئی۔ سی۔ ایس۔ کے مضمون مطبوعہ انڈین ریویو کا ترجمہ)

بنی نوع انسان کے اصلی مطالعہ کی چیز خود انسان ہے۔ اس اصول کے درست ہونے مین کوئی شک نہین۔ ہم سب لوگ اسکی اصلیت اور سچائی کو مانتے ہین مگر انسان کے لئے مطالعہ کی اتنی بہت سی شاخین ہین کہ انمین سے بعض باوجود خاص اہمیت رکھنے کے کافی طور پر زور نہ دیتے جانے کے باعث نظرانداز ہوجاتی ہین۔

بچون ہی کے مطالعہ کو لیا جائے۔ کیا ہم انکی جسمانی قابلیت کا مطالعہ کرتے ہین جسکی بدولت ہم انکی ایسی پرورش اور نگہداشت کرسکین کہ وہ صحیح سالم اور تندرست مرد اور عورت بن سکین؟ کیا ہمکو انکے نمو کے قوانین معلوم ہین جسکے باعث ہم انکے ننھے دلون اور جسمون کو امکان سے زیادہ محنت کراکر تھکا ڈالنے سے باز رہ سکین؟ کیا ہم انکے جذبات اور محسوسات سے آگاہ ہونے کی کوشش کرتے ہین بس سے ہم انھین راہ راست پر لگا سکین اور انکے جذبات کو انکی اخلاقی ترقی کا زینہ بنا سکین؟ کیا ہم کافی طور پر اس بات سے واقف ہوتے ہین کہ کس بات سے انھین مسرت ہوتی ہے اور کس بات سے تکلیف پہونچتی ہے تاکہ ہم انکے عادات و اطوار اور انکی توجہ کو بلا کسی قوائی نقصان کے باقاعدہ بنا سکین اور انکی تمام فطری قوتون کو ضائع ہونے سے بچاکر کام پر لگا سکین؟ کیا ہم اسکو محسوس کرتے ہین کہ اُنکے کھلونے اُن ہی کے شوق۔ مذاق اور خیالات کے مطابق مہیا کئے جائین اور اُنکی اوقات کو اُنکی ضروریات کے موافق منضبط کیا جائے؟ کیا ہم اسکی واقفیت حاصل کرتے ہین کہ اُنکی عمر کے مختلف زمانون مین کونسی غذائین اُنکے لئے مفید اور بہترین ہین؟ کیا ہم اس بات کی احتیاط کرتے ہین کہ وہ ہمیشہ ہوادار کمرون مین جہان کافی روشنی پہونچتی ہو اپنے سبق پڑھا کرین اور انکا لباس ایسا ہو کہ انکے اعضاء نہایت آزادی کے ساتھ بلا کسی رکاوٹ کے حرکت کرسکین؟

انھین کے اکثر سوالون کا جواب نفی مین ہوگا۔ مگر یہ

ضرور کہا جائیگا کہ مرد اور عورتین خود اپنی ذات کے لئے بھی ان چیزون پر توجہ نہین کرتے۔ پھر بھلا انسے اپنے بچون کے متعلق اس امر کی کہان امید کیجاسکتی ہے؟

ہم مین سے اکثر لوگ بعض اوقات اس بات پر افسوس کیا کرتے ہین کہ انکی ابتدائی پرورش مین فلان فلان باتین چھوٹ گئی تھین لیکن اس سے تو ہم مین اسطرح کا ایک جوش پیدا ہوجانا چاہئے تھا کہ ہمارے بچون کی طبیعت و پرورش مین وہ تمام خامیان دُور ہوجائین اور کوئی ایسی فروگذاشت نہ ہونے پائے۔ ہر تعلیم یافتہ شخص کا یہ عین فرض ہے کہ وہ اپنے عالم طفولیت کے تجربہ سے کام لے۔ جو جو خامیان خود اُسکی پرورش و پرداخت مین واقع ہوئی ہون انکو پیش نظر رکھے اور اپنے بچون کی پرورش مین انکے انسداد کی بیخ کوشش کرے۔ جو شخص اپنے بچون اور نیز اُن بچون کی تعلیم و تربیت مین جو اسکے زیر اثر ہون ان خود بینی خامیون کے رفع کرنے مین ایک ذرہ بھر کوتاہی کرے وہ حقیقت مین والدین کے مقدس اور متبرک فرائض کی بہت بڑی توہین و تذلیل کرتا ہے اور سخت مجرم و خطاوار ہے۔

ہندوستان کی تعلیم یافتہ آبادی بہت تھوڑی ہے اور جو کچھ ہے اسکا ملک پر کچھ زیادہ اثر نہین مگر تاہم رفتہ رفتہ ضرور اسمین ترقی ہوگی۔ ہمین اس بات کا حق نہین ہے کہ کسی مہذب ملک کے والدین سے زیادہ ہندوستانی والدین سے کسی بات کی اُمید رکھین۔ لوگ رسم و رواج کے جھگڑون اور اپنے پُرانے توہمات کے جنجال مین کچھ ایسے پھنسے کہ اُنھون نے اس قدیم خیال کو بُھلا دیا کہ اعلیٰ ترین شکی اولاد کی ایسی تربیت کرنے مین ہے جس سے وہ ملک کا قابل قدر جانشین ثابت ہوسکے مگر کسی قسم کا کوئی عذر اُستادون کو بری الذمہ نہین کرسکتا۔ جب انکا یہ پیشہ ہے اور وہ تربیت کے ذمہ دار ہین تو انکے لئے لازم ہے کہ وہ بچون کی فطرت اور طبیعت کی ہر حالت کا بہت غور و خوض کے ساتھ مطالعہ کرین تاکہ وہ ننھی جانون کی تمام قوتون کو سیدھے راستہ پر لگاسکین اور انکی زندگی کو یا اصول بناسکین۔

یہ ایک بہت پرانی کہاوت ہے کہ کبھی اس شخص کو جہاز کی افسری نہین سپرد کرو جو قابل ملاحی مین کامل دستگاہ نہ رکھتا ہو اور اسیطرح کبھی گھوڑا سدھانے کی غرض سے ایسے شخص کے حوالے نہین کیا جاتا جو شہسواری مین طاق نہو۔ مگر افسوس ہے کہ ہملوگ اس بات کا ذرا بھی خیال نہین کرتے کہ ہم اپنی پیاری اولاد تربیت کی غرض اور تعلیم کی نیت سے جس شخص کی تفویض کررہے ہین آیا اسمین اسکی قابلیت بھی ہے اور وہ اسکا اہل بھی ہے یا نہین۔ اسکی حقیقت مین ہمارے یہان مطلقاً پروا نہین کیجاتی۔ اپنی اولاد کے دماغ۔ عادات اور خیالات کے امین و محافظ انتخاب کرنے مین جس غور و فکر جس توجہ اور جس جانچ اور تمیز کی ضرورت ہے اسکی اہمیت جسوقت ہماری سمجھ مین آجائیگی اور ہم اس پر کاربند ہونے لگین گے ہماری تعلیمی ترقی کی اُمید مین دوبالا ہوجائین گی اور تعلیم کے خاطر خواہ نتائج بھی مترتب ہونے لگین گے۔ دُنیا کے پیچیدہ تعلقات مین جن جن آدمیون سے ہمکو سابقہ پڑتا ہے اُنمین سب سے زیادہ جس شخص کی تلاش و انتخاب مین احتیاط کی ضرورت ہے وہ اولاد کا معلم ہے۔

اُستادون کو خصوصیت کے ساتھ مخاطب کرکے مین یہ کہنا چاہتا ہون کہ:-

جو عمدہ مواقع آپ صاحبون کو حاصل ہین اُنکی قدر کیجئے۔ اُنسے فائدہ اُٹھانے پر آمادہ ہوجایئے۔ اپنے پیشہ کے متعلق تازہ معلومات ہر جگہ سے حاصل کیجئے اور انپر عمل پیرا ہوجئے۔

اپنے فرائض کے متعلق اوروں سے گفتگو کیجئے۔ آپ نے تعلیم وتربیت کے جو اصول اور جو طریقے پسند کئے ہیں اُنپر اپنے کامیاب ہم پیشہ حضرات کی رائے طلب کیجئے اور اسپر بحث ومباحثہ کیجئے۔ ان لوگوں نے جو اصول اور جو طریقے اختیار کر رکھے ہیں اُنپر غور کیجئے۔ کتب خانوں میں جائیے اور تعلیم وتربیت کے اصول جہانتک معلوم ہوسکیں معلوم کیجئے۔ بچوں کی فطرت اور طبیعت کے مطالعہ کو ازبس ضروری تصور کیجئے۔ اپنے خاص فن کے متعلق خود اپنے پاس بھی ایک مخصوص کتب خانہ ہونا چاہئے۔ مک مرّی ایلی منٹس آف جنرل میتھڈ (McMurry's Elements of General Method) وارنر اسٹڈی آف چلڈرن (Warner's Study of Children) روز فزیکل نیچر آف دی چائلڈ (Rowe's Physical Nature of the Child) وغیرہ اسی قسم کی جو صدہا کتابیں موجود ہیں اُنکی ایک فہرست مرتب کرکے اپنے پاس رکھئے اور اُنکو خوب پڑھئے اور اُنپر غور وفکر کرکے اُنکے مضامین پر عبور حاصل کیجئے۔ ان کتابوں میں جو کچھ لکھا ہوا ہو اُسکو وحی من اللہ سمجھکر اُسپر ایمان لانے کی ضرورت نہیں بلکہ اُسکی مدد سے اپنے خیالات اور تصورات میں تحریک پیدا کرکے خود اپنے ذاتی مشاہدہ سے کام لینا چاہئے۔ ہندوستان کے لڑکوں کی خصوصیات کا لحاظ اور اُنکے طبعی حالات کا اندازہ کرکے اپنے لئے خود اصول بنانے چاہئیں اور اُنپر کاربند ہونا چاہئے۔ یہ کوئی ضرور نہیں کہ جو اصول انگلستان یا امریکہ میں مفید ثابت ہوئے ہوں وہ سب کے سب ہندوستان کے لئے بھی کارآمد ہوسکیں۔ تمام ممالک میں جو اصول اور جو قواعد مروج ہیں اُنسے اچھی طرح واقفیت حاصل کرنے کے بعد اُنمیں سے ایسے اصول انتخاب کر لیجئے جو ہر جگہ کے لئے یکساں فائدہ مند اور کارآمد ہوں۔ اِن منتخبہ اصول پر اپنے ذاتی تجربہ اور مقامی ضروریات کا اضافہ کرکے استقلال وثابت قدمی کے ساتھ اُنسے کام لیجئے۔ اس پیشہ کے متعلق دُنیا کے پاس معلومات کا جو کچھ ذخیرہ موجود ہے اُسکو آپ اپنی تازہ معلومات اور ذاتی مشاہدات سے مالامال کر دیجئے۔ بعض لوگ اس پیشہ کے میدان عمل کو بہت محدود خیال کرتے ہیں مگر آپ کو یاد رکھنا چاہئے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ وہ نونہال بچپن کی ساری فطرت اور طبیعت پر حاوی ہے۔

اُستاد اور لوگ عموماً بچوں کی دماغی تربیت ہی کو اپنا فرض سمجھتے ہیں اور اُنکی جسمانی حالت پر بالکل توجہ نہیں کرتے۔ یہ کوئی غلطی اس سے بڑھکر خطرناک اور مہلک نہیں ہوسکتی۔ اگر کسی کا نہایت زبردست حافظہ ہو مگر خیالات کو یکجا کرنے کی قوت نہ ہو یا نہایت مکمل قوائے دماغی موجود ہوں مگر اُنکی تربیت نہ کی گئی ہو یا اُنکو باقاعدہ نہ بنایا گیا ہو تو پھر ساری زندگی کا منشا ومقصد ہی بگڑ جاتا ہے۔ انگلستان کی تعلیمی مجلس نے حال میں نظر ثانی کے بعد جو دستور العمل شائع کیا ہے اُسکے اخیر کی یادداشت اس بارہ میں اسقدر معنی خیز ہے کہ اُسمیں سے ایک مختصر اقتباس کا یہاں درج کرنا بے موقع نہ ہوگا۔ وہو ہذا۔

"جسمانی تربیت کا تعلیم پر بہت بڑا اثر یہ ہوتا ہے کہ بچے جائز اطاعت و فرمانبرداری۔ ادب قاعدہ اور تہذیب وتمیز کی عادتیں اپنی طبیعتوں میں راسخ کرسکتے ہیں۔ قوت حافظہ کو اس سے بہت بڑی مدد ملتی اور اُسمیں ترقی ہوتی ہے۔ جیسے جیسے جسمانی تربیت میں ترقی ہوتی جاتی ہے ویسے ویسے ادراک۔ امتیاز واستقرار کی قوتوں۔ ضبط واستقلال۔ تحمل وبردباری اور قوت ارادی میں بھی ترقی ہوتی ہے۔ تربیت جسمانی میں اپنی طبیعت کو قابو میں رکھنے، اصول کی پابندی کرنے اور قبضہ ومشترکہ طور پر کاروبار انجام دینے کے مواقع حاصل ہوتے رہتے آیندہ زندگی کے خوشگوار اور کارآمد بنانے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

بلند ہمتی، عامہ خلائق کی خیر خواہی اور قومی خدمت کا جوش و ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ جسمانی ورزش کی باقاعدہ تعلیم سے جذبات کو دبانا اور سب ضرورت تہذیب و تمیز کے ساتھ انکو ظاہر کرنا آتا ہے۔ اپنے خیالات اپنے جذبات اور اپنے محسوسات کو جسمانی حرکتوں کے ذریعہ سے ظاہر کرنیکی قدرتی قوت میں اس سے مدد ملتی ہے۔ قدیم زمانے میں اس قوت کی مذہبی طور پر بڑی اعتیاط و خبرداری کے ساتھ پرداخت ہوتی تھی لیکن اب موجودہ زمانے میں یہ قوت صفحۂ ہستی سے ناپید ہو رہی ہے۔"

اس یادداشت میں نہایت مختصر الفاظ کے ذریعہ سے "تربیت جسمانی، موسیقی، فنون لطیفہ اور تعلیم کا تمام فلسفہ بیان کر دیا گیا ہے۔

کاش ہمارے یہاں کے اُستاد اپنے بزرگ اور شریف پیشہ کی اہمیت اور عظمت سے واقف ہوں اور فرض و انسانیت کے بہترین اصول کو پیش نظر رکھ کے ہماری اولاد کو اس اعلیٰ ترین روحانی فضا میں معلوم یا نامعلوم طور پر پہونچانے اور بلند کرنے کی خلوص دل اور سچے جوش کے ساتھ کوشش کریں جہاں نہ خباثت و شرارت کا وجود ہے نہ الزام و اتہام کا پتہ۔ نہ حقارت و نفرت ہے نہ تعصب اور ہٹ دھرمی نہ خود غرضی و نفس پرستی ہے نہ ذلیل مصیبت و آفت۔ بلکہ جہاں کی ہر چیز محبت کے مقدس اور متبرک نور سے شفاف و منور ہو کر جگمگا رہی ہے۔

سیّد خورشید علی

معرکۂ مذہب و سائنس۔ ڈاکٹر ولیم ڈریپر نے چند معرکہ آرا کتابیں لکھی ہیں اور فن تاریخ میں یگانۂ آفاق تسلیم کیا گیا ہے۔ اُسکی سب سے عمدہ تصنیف" (History of conflict between Religion and Science) تاریخ معرکۂ مذہب و سائنس ہے۔

جسکا ترجمہ مشہور انشا پرداز مولوی ظفر علیخان صاحب۔ بی۔ اے۔ نے باسمحاورہ اُردو میں کیا ہے اور حق یہ ہے کہ ترجمے کی مشکلات پر اُنھوں نے فاتحانہ کامیابی حاصل کی ہے۔ شروع میں ایک بسیط مقدمہ مولوی عبدالحق صاحب۔ بی۔ اے۔ سکریٹری انجمن اُردو حیدرآباد دکن نے تحریر فرمایا ہے جسمیں مذہب اسلام کی خوبیاں واضح کی گئی ہیں۔ ڈریپر کی تصنیف اُن معرکہ آرائیوں کی تاریخ ہے جو مذہب اور فلسفۂ عقلی کے درمیان صدیوں تک جاری رہیں لہذا کتاب ہذا کا نام صرف "معرکۂ مذہب و سائنس" کسیقدر اصلیت کے خلاف ہے۔ یوں بھی ڈریپر کی تصنیف سے اسلام کو کوئی خاص تقویت نہیں پہونچتی کیونکہ وہ اسلام کو ایک عیسائی راہب کی تلقین کا نتیجہ ثابت کرتا ہے، جسکی تردید کے لئے فاضل مترجم کو تردیدی نوٹوں کی ضرورت لاحق آئی۔ تاہم ڈریپر نے اُن فلاسفہ عرب کی نہایت تعریف کی ہے جنھوں نے مغرب میں جاکر علم و عقل کی روشنی پھیلائی اور اُس نے اس بارہ خاص میں جس کشادہ دلی سے کام لیا ہے وہ غیر معمولی ہے۔ مصنف موصوف اپنے دیباچہ میں ایک جگہ لکھتا ہے:۔ "کشور کشایان اسلام نے جو عقل و ادراک میں بسرعت تمام ترقی کر رہے تھے ماہیت ذات باری کے اُن تجسمی خیالات کو جو اُنکے عامیانہ عقائد میں ملے ہوئے چلے آتے تھے ترک کر دیا اور اُنکے بجائے اس قسم کے حکیمانہ و فلسفیانہ عقائد اختیار کر لئے جنکا ظہور مدتوں پہلے ہندوستان میں ہو چکا تھا۔" اس سے ڈریپر کی وسیع النظری کا کسیقدر اندازہ ہو سکتا ہے۔ بحیثیت مجموعی کتاب پڑھنے، غور کرنے اور فن ترجمہ میں دستگاہ بہم پہونچانے کے قابل ہے۔ حالانکہ اصطلاحات وضع کرنے کے لئے عربی ہی سے مدد لینا پڑی ہے لیکن انسے زبان میں ایک خاص طاقت محسوس ہوتی ہے۔ قیمت چار روپیہ۔ دفتر اخبار زمیندار کرم آباد پنجاب سے طلب کیجائے۔

نمائش ممالک متحدہ

عجب دلچسپ نقشہ عالم ایجاد رکھتا ہے
جو آنکھیں دیکھ لیتی ہیں اُسے دل یاد رکھتا ہے

حال مین جو نمائش الہ آباد مین ہوئی ہے وہ اس سال کا ایک نہایت ہی اہم واقعہ ہے۔ اس صوبہ مین ۱۸۸۳ء کے بعد سے کوئی نمائش نہین ہوئی تھی۔ چونکہ فی الحال ملکی صنعت و حرفت مین بہت ترقی ہوئی ہے لہذا ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ اعلیٰ پیمانہ پر ایک نمائش کیجاے۔ چنانچہ ۳۱۔ جولائی ۱۹۰۹ء کو ایک عام جلسہ الہ آباد مین منعقد ہوا تھا۔ اس جلسہ کے صدر نشین عالیجناب سرجان ہیوٹ صاحب بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی تھے جنھون نے نواب وسیراے کی کونسل مین صنعت و حرفت اور تجارت کے پہلے ممبر ہونے کی حیثیت سے ہندوستان کی صنعت و تجارت کی ترقی مین بہت کوشش کی ہے۔ اس جلسہ مین ہر فرقہ کے سربرآوردہ لوگ شامل تھے اور باتفاق رائے یہ قرار پایا تھا کہ نمائش الہ آباد مین ہو اور نمائش کا عام انتظام ایک کونسل اور ایک انتظامیہ کمیٹی کے سپرد کیا گیا تھا۔

ممالک متحدہ کے دوسرے شہر بھی انصافاً یہ دعوی کر سکتے تھے کہ نمائش ہمارے یہان ہو۔ لیکن اغراض نمائش کے لئے الہ آباد نہایت بہترین موقع پر واقع ہے اور چونکہ الہ آباد گنگا اور جمنا کے مقام اتصال پر واقع ہے اسوجہ سے اہل ہنود کی نظر مین یہ سب سے متبرک مقام ہے اور یون بھی کلکتہ بمبئی اور دیگر بڑے بڑے شہرون کے عین وسط مین ہے۔ نمائش کا زمانہ بھی ایسا مقرر کیا گیا ہے کہ اسوقت ہر حصہ ملک سے لاکھون آدمی الہ آباد مین سیر کی غرض سے آئین گے اور اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ اشیاے نمائش کا پرچا تمام ملک مین پھیل جائے گا۔

مقام نمائش قلعہ و شہر کے درمیان لینی دریاے جمنا کے کنارے پر واقع ہے اور اسکا رقبہ تقریباً گیارہ سو ایکڑ ہے۔ تخمینہ کیا گیا ہے کہ نمائش کا کل خرچ تقریباً پندرہ لاکھ روپیہ ہوگا۔ زمانہ نمائش یکم دسمبر ۱۹۰۹ء لغایت ۲۸۔ فروری ۱۹۱۰ء مقرر کیا گیا ہے۔ چنانچہ یکم دسمبر کو اس نمائش کا افتتاح نہایت تزک و احتشام کے ساتھ کیا گیا۔ صبح سے احاطۂ نمائش گاہ مین وہ چہل پہل تھی جو کسی اعلیٰ درباً مین نظر آیا کرتی ہے۔ گیارہ بجے سے جلسے کا مقام حاضرین سے پُر ہونے لگا۔ صوبہ کے رؤسا اور امرا کے علاوہ بعض والیان ملک نے بھی اپنی تشریف آوری سے جلسے کو رونق بخشی۔ جب حضور نواب لفٹنٹ گورنر بہادر تشریف لاکر اپنی جگہ پر متمکن ہوئے تو آنریبل جسٹس مسٹر رچرڈز نے ایڈریس پیش کیا اور حاضرین نے جا بجا نعرہاے خوشی بلند کئے۔ اس ایڈریس مین بیان کیا گیا تھا کہ :-

"۱۸۸۳ء مین جبکہ ایک عظیم الشان نمائش کا خیال پیدا ہوا تھا تو اسوقت بیان کیا گیا تھا کہ جو اقوام باہمی ربط و ضبط مین صرف دو الفاظ کو جانتی ہین یعنی جنگ اور تجارت کو۔ خوش قسمت ہے وہ رعایا جسکا فرمانروا انکی سرگرمی کو جنگ کی بجاے تجارت کی جانب رجوع کرتا ہے۔ اگرچہ وہ زمانہ ہنوز بعید ہے کہ جنگ و جدل کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے تاہم وہ زمانہ قریب ہے جبکہ عالمگیر امن و امان کا دور قائم ہو۔ اور یہ مبارک وقت موجودہ نمائش

کے ایسے ذرائع سے ممکن ہے"۔

یہ ایڈریس نہایت قابلیت سے لکھا گیا تھا اور اس اظہار امید پر کہ مشرق و مغرب کے معیار میں اتحاد قلبی پیدا ہو بہت زور سے نعرہ ہائے خوشی بلند ہوئے۔ ایڈریس کے جواب میں ہز آنر نے جو تقریر فرمائی وہ نہایت توجہ سے سُنی گئی۔ حضور بالقابہ نے اپنی تقریر میں اس صوبہ کی حرفتی ترقی کی پالیسی اور نمائشگاہ کے مختلف انتظامات اور بعض دیگر امور کا بھی تفصیل تذکرہ فرمایا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُس حصۂ تقریر کو اس جگہ نہ اختصار کے ساتھ درج کیا جائے جس سے نمائش کے حالات پر روشنی پڑنے کے علاوہ ان کوششوں سے بھی واقفیت ہو سکتی ہے جو ہمارے صوبہ کی گورنمنٹ کی طرف سے عام صنعتی ترقی کے متعلق کی جا رہی ہیں۔

"عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ ان صوبجات میں کئی سال سے چند خاص پیش قدمیاں کی ہیں۔ سب سے پہلے دستکاریوں کی جانچ شروع کی گئی۔ مسٹر میڑھی نے اس کام کو نہایت خوبی کے ساتھ انجام دیا ہے۔ اُنکی رپورٹ میں تمام دستکاریوں کے واقعات و حالات دقت کے ساتھ درج ہیں۔ بعد ازاں صنعتی کانفرنس منعقد ہوئی جسمیں اُن لوگوں کی طرف سے ڈیلیگیٹ شریک ہوئے جو ہمارے صوبہ میں ایسے معاملات سے دلچسپی لیتے ہیں۔ دیگر صوبجات سے بھی چیدہ چیدہ اصحاب شریک ہوئے تھے۔ ایک نصف صدی سے میرا قیام ہندوستان میں ہے اور مجھے بہت سی کانفرنسوں میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا ہے لیکن کسی کانفرنس میں اسقدر قلیل عرصہ کے اندر ایسا عملی کام انجام نہیں دیا گیا۔ کانفرنس نے اپنی رپورٹ تین ہفتے کے اندر مکمل کر کے لوکل گورنمنٹ کی خدمت میں پیش کی اور لوکل گورنمنٹ نے صنعتی و حرفتی تعلیم کے آغاز کے لئے ایک عملی اسکیم تیار کر کے گورنمنٹ ہند کی خدمت میں ارسال کی۔ ہماری اسکیم یہ تھی کہ ۱۴ لاکھ روپیہ پیکیٹ اور ساڑھے چار لاکھ روپیہ سالانہ برابر صرف ہوتا رہے۔ کانفرنس کی رائے یہ تھی کہ صنعتی ترقی کیلئے سب سے پہلے صنعتی درسگاہیں کھولی جائیں جہاں صنعتی تحقیقات کیجائے اور دیگر کاموں کی تعلیم دیجائے۔ اُسوقت یہ قرار پایا تھا کہ انجینیری کے تمام کاروبار کا مرکز رُڑکی کو قرار دیا جائے یعنی اس کام کے لئے رُڑکی کے طامسن کالج کو بڑھایا جائے نیز کانپور کو صنعتی مرکز قرار دیا جائے۔ لکھنؤ میں ذرائنگ اسکول بہت جلد کھلنے والا ہے۔ بنارس میں نوربائی اور بریلی میں نجاری کے اسکول بھی بہت جلد جاری ہونگے۔ لکھنؤ کے صنعتی اسکول کی بہت توسیع کی گئی ہے اور گورکھپور میں بھی ایک اسکول کھلنے والا ہے اور اسیطرح رُڑکی کے طامسن کالج کو بہت ترقی دیگئی ہے لیکن کانپور کے متعلق گورنمنٹ ہند کی منظوری ہنوز نہیں آئی ہے۔ اسکیم میں یہ درج کیا تھا کہ درسگاہ کی عمارت میں ۸ لاکھ روپیہ صرف کیا جائے اور ڈھائی لاکھ روپیہ سالانہ اسمیں صرف ہوتا رہے۔ مگر اس خرچ کو بہت زیادہ خیال کیا گیا ہے۔ بدیں وجہ گزشتہ مئی میں اُس اسکیم میں بہت سی تبدیلیاں کر کے خرچ کو کم کر دیا گیا ہے اور اُمید ہے کہ اب بہت جلد اسکی منظوری بھی آجائیگی۔

تیسری کوشش یہ تھی کہ بہت بڑے پیمانہ پر زراعتی و صنعتی نمائش کھولی جائے۔ اس صوبہ کے والیان ملک اور دیگر اہل دول نے اس غرض کی تکمیل کے لئے پونے چار لاکھ روپیہ چندہ دیا۔ تجربہ سے پایا گیا ہے کہ نمائش میں آنے والے تماشائی تعلیم کے ساتھ دلچسپی کا سامان بھی پسند کرتے ہیں۔ جن کھیل تماشوں کا اس نمائش میں انتظام کیا گیا ہے وہ خاص مقصد نمائش کا ضمیمہ ہیں۔ نمائش کا اصلی مقصد یہ ہے کہ ان صوبجات میں صنعت و حرفت و زراعت کو فروغ حاصل ہو۔"

آخر میں آپ نے یہ فرمایا کہ

"اس نمائش کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ

انھیں کس کاروبار میں اپنا روپیہ لگانا چاہیئے جسسے نفع کی اُمید ہو۔ اگر اس نمائش سے صحیح طور پر سبق لیا گیا تو اس امر میں کسی قسم کے شک و شبہ کو گنجائش نہیں کہ اس سے ہمارے صوبہ کو بے انتہا فائدہ حاصل ہوگا اور اس قوی امید کے ساتھ کہ مزید فائدہ ہوگا میں اس نمائش کا افتتاح کرتا ہوں۔"

نمائش کے افتتاح کے بعد بے شمار تماشائیوں نے نمائش کی سیر شروع کی۔ ایک طبقہ (کورٹ) سے دوسرے طبقہ میں پہونچنے میں تین چار گھنٹے سے زیادہ وقت صرف ہوتا ہے اور اس لحاظ سے ہر شخص کئی روز میں نمائش کی سیر کر سکتا ہے۔

نمائش کا صدر دروازہ نہایت شاندار اور ایشیائی وضع کا ہے۔ درمیان میں راستہ اور بغل میں صحنچیاں ہیں جنمیں فروخت ٹکٹ کا انتظام کیا گیا ہے۔ دروازے کے اندر داخل ہوتے ہی سامنے ایک کھلا ہوا میدان ہے جسکے تین طرف دوکانات ہیں جنمیں ہندوستانی کاریگر بیٹھے ہوئے کام کرتے ہیں۔ بڑی روش کے دونوں طرف متعدد خوبصورت ایشیائی وضع کی عمارتیں ہیں جو مختلف طبقات کیلئے مخصوص ہیں۔

سب سے آخر میں طبقۂ تعلیم و طبقۂ خواتین ہیں۔ اسی روش کے وسط میں ایک وسیع چوک ہے جہاں بجلی کی روشنی ہوتی ہے اور جسکی وجہ سے منظر اور بھی زیادہ خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ روش کے اختتام پر ایک خوبصورت عمارت میں "ویلکم کلب" ہے جسکے چبوترے سے دریائے جمنا کا دلکش منظر دکھائی دیتا ہے۔ "ویلکم کلب" میں معزز اصحاب ایک دوسرے سے ملاقی ہوتے ہیں۔ یہ ایک نہایت ہی خوبصورت عمارت میں واقع ہے۔ عمارت کے وسط میں ایک بڑا کمرہ کھا گیا ہے اور ہر مذہب و ملت کے اصحاب کے لئے علیحدہ کمرے بھی تیار کرائے گئے ہیں۔ عمارت کے چاروں طرف ایک باغ

بھی ہے۔ اسی کلب کے قریب لیڈیز انکس کی عمارت ہے۔ یہ بھی دریائے جمنا کے کنارے پر ایسے مقام پر بنائی گئی ہے جہاں سے دریا کا بے نظیر اور دلفریب نظارہ خوب دکھائی دیتا ہے۔ اسی عمارت کے قریب وہ جگہ ہے جہاں روزانہ انگریزی باجہ بجتا رہتا ہے۔ ویلکم کلب اور لیڈیز انکس دن کے گیارہ بجے سے رات کے ایک بجے تک کھلے رہتے ہیں۔

ویلکم کلب کے بائیں جانب کھیل تماشوں کا انتظام کیا گیا ہے اور داہنی جانب کی اراضی مختلف کمپنیوں اور کارخانہ داروں کو کرایہ پر دیگئی ہے۔ اسی اراضی پر اعلیٰ قسم کی جرمنی ساخت کی مشینیں فراہم کی گئی ہیں اور نیز جرمنی سائنس و صنعت کے نمونے بھی دکھائے گئے ہیں۔ ہندوستان کے بڑے بڑے اور مشہور کارخانہ داروں نے بھی اپنے کارخانوں کی شاخیں اس جگہ قائم کی ہیں جنمیں ہر قسم کے نمونوں کے علاوہ مختلف قسم کی کلیں بھی فراہم کی ہیں۔ اپنے اپنے مکانات کی تعمیر میں ہر کارخانہ دار نے بڑی جدت صرف کی ہے اور زیادہ تر یہی کوشش کی ہے کہ عمارت کو ایسا بنایا جائے کہ ہر شخص کی نگاہ اُسی پر پڑے۔ چنانچہ لپٹن کمپنی نے ایک چبوترہ مع لکڑی کے ایسا اعلیٰ درجے کا تیار کیا ہے کہ سات آٹھ ہزار روپیہ سے کم لاگت نہ آئی ہوگی۔ یہ محض اس غرض سے ہے کہ لکی چائے کو شہرت ہو۔ سنگر کمپنی نے بھی ایک خوبصورت مکان تعمیر کیا ہے۔ جابجا انگریزی کارخانوں کے ایجنٹ سرگرمی سے کام کر رہے ہیں۔ مگر کوئی ہندوستانی کارخانہ نظر نہیں آتا جس سے اُنکے حوصلہ کا پتہ چل سکتا۔

طبقات میں طبقۂ زراعت کے لئے سب سے بڑا رقبہ ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ممالک متحدہ میں زراعت کسقدر قابل قدر چیز ہے۔ اس طبقہ کی ترتیب میں سب سے زیادہ [illegible] کھا

گیا ہے کہ صنعتی ترکیبون اور اُسکی پیداوار کا ساتھ ساتھ انتظام کیا جائے۔ اس طبقے کے کل اخراجات گورنمنٹ ممالک متحدہ نے مہیا کئے ہین جسکی تعداد ایک لاکھ روپیہ ہے۔ طبقۂ زراعت کے چار بڑے بڑے شعبے ہین یعنی (۱) آلات کشاورزی۔ (۲) پیداوار اور اُنکا استعمال۔ (۳) آبپاشی (۴) مویشیان۔ نقشۂ نمائش سے معلوم ہوسکتا ہے کہ طبقۂ انجینیری مین پُل کی جانب سے داخل ہونے پر بیچمیل کے گرد ایک مُدوّر سڑک ملتی ہے جہان پانی کھینچنے کے آلات اور آبپاشی کے پمپ بحالتِ عمل دکھائے گئے ہین۔ جھیل کے قریب ہی چند کھیت بھی علیٰحدہ کئے گئے ہین جہان یہ دکھایا جاتا ہے کہ کسی مقررہ وقت کے اندر کسقدر آراضی کی آبپاشی کیجاسکتی ہے۔ شعبۂ آبپاشی مین وہ تمام چیزین دکھائی گئی ہین جو اس محکمے مین استعمال کیجاتی ہین۔ نمائش مین جو تعمیرات آبپاشی کے نمونے قائم کئے گئے ہین وہ بہت دلچسپ ہین۔ مثلاً اُس مقام کی تعمیرات جہان سے نہر نکلتی ہے، نہر کو پہاڑی نالون اور دریا سے پار لیجانے کی تعمیرات، تالابون کے بند، تالابون اور نہرون سے آبپاشی کی مختلف چیزین اور اُنکے طریقے اُن خاص خاص قسم کے پھاٹکون کے نمونے جو پانی کی مقدار مین کمی بیشی کرنے کے لئے استعمال کئے جاتے ہین، اور نیز اُن مختلف قسم کی عمارتون کے نمونے جو پانی کو قابو مین رکھنے کیلئے کام مین لائی جاتی ہین۔ غرض یہ سب چیزین نہایت عمدگی و صفائی سے دکھائی گئی ہین۔ جھیل کے درمیان مین صیغۂ زراعت کی عمارت ہے۔ جھیل کے اُس پار دودھ اور مکھن کا کارخانہ (ڈیری) ہے جہان ہر قسم کے دودھ دینے والے مویشی رکھے گئے ہین جھیل کی دوسری جانب مختلف قسم کی شکر کے کارخانے بحالتِ عمل دکھائے گئے ہین۔ جھیل سے جنوبی طرف تین بڑی سڑکین نکالی گئی ہین۔ بائین جانب کی سڑک پر زراعتی کالون کے متعلق شعبہ ہے اور ریلوے اسٹیشن کے قریب وہ عمارات ہین جہان زراعت کے متعلق ہر قسم کی کلین دکھائی گئی ہین۔ اس سے آگے بڑھکر وہ مقام ہے جہان پودون کی پرورش کا طریقہ بتایا جاتا ہے۔ اس سے اور آگے بڑھکر ریشم کے کیڑون کی پرورش، ریشم کاتنے اور بٹنے کا طریقہ بہت عمدگی اور صفائی سے دکھایا گیا ہے۔

ایک وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان کا ریشم تمام دُنیا مین مشہور تھا مگر اب اسکی تجارت چین و جاپان کے ہاتھ مین چلی گئی اور انھین ملکون سے تمام دُنیا کے ریشم کی مانگ پوری کیجاتی ہے۔ اب یہ حالت ہے کہ ہندوستانی ساخت کا ریشم بمشکل مقابلہ پر ٹھہر سکتا ہے۔ مگر شکر کی بات ہے کہ حال مین اس دستکاری کو از سرِ نو زندہ کرنیکی خاص طور پر کوشش کی گئی ہے۔ اس طبقہ مین شہتوت کے ریشم کا ایک نمونہ رکھا گیا ہے جو بنگلور کے ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ مین تیار ہوا ہے۔ یہ ریشم نہایت لفیس اور چمکیلا ہے۔ ریشم کی دیگر اقسام کے نمونے بھی رکھے گئے ہین مگر وہ معمولی قسم کے ہین۔ اختر محمد خان صاحب نے یہ دکھایا ہے کہ ریشم کے کیڑون کی کیونکر پرورش کیجاتی ہے۔ ریشم کی دستکاری اُن لوگون کی آمدنی کا ایک ضمیمہ ہوسکتی ہے جو دستی کرگھون پر کپڑا بُنتے ہین۔ اگر منجملہ دیگر دستکاریون کے ریشم کے کیڑے پالنے کا ہنر بھی دیہات مین عام ہوجائے تو اس سے ہندوستان کے تمدنی مسائل بہت کچھ خود بخود حل ہوجائین گے۔ مگر اسکے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ ایسے آدمیون کی حوصلہ افزائی کیجائے جو اس کام کو ہاتھ مین لینے کے لئے تیار ہون۔

اسکے بعد دوسری بڑی عمارت ہے جہان خصوصاً مختلف قسم کے غلّون کے نمونے رکھے گئے ہین، یہان گیہون، چنا، اور چاول کی بہت سی قسمین دکھائی گئی ہین۔ تجربات کے میدان سے گذر کر مُرغ خانہ ہے۔ اسمین اعلیٰ قسم کی مُرغیان، بط، سیمرغ مناسب حالت

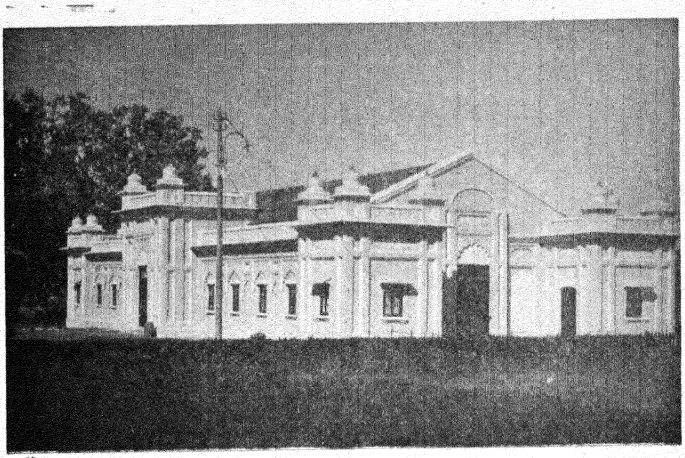

محکمۂ زراعت

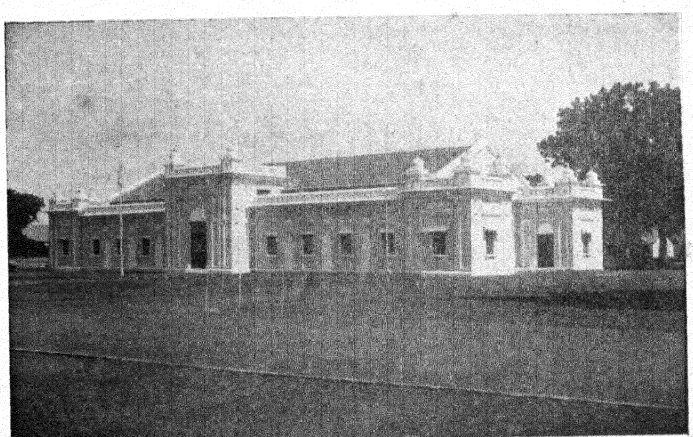

محکمۂ جنگلات

انڈین پریس الٰہ آباد

ہین رکھے گئے ہین نیز اڈا سیننے کی کلین - چوزون اور بچون کی پرورش کرنے والی مصنوعی کلین بھی دکھائی گئی ہین - اس سے آگے بڑھکر مویشی خانہ ہے جہان مویشیون کو حفظانِ صحت کے اصول کے مطابق رکھا گیا ہے -

طبقۂ مذکور کے متعلق صیغۂ ویٹرنری (علاج مویشیان) بھی ہے - اس جگہ مویشیون کے علاج کے متعلق ایک مختصر مگر مکمل شفاخانہ دکھایا گیا ہے - اس سے آگے بڑھکر صیغۂ جنگلات کی حد تک تجربات کا بڑا میدان ہے جسکا رقبہ ۱۱۰ ایکڑ ہے - یہان ہر قسم کے آلات کشاورزی اور خلہ صاف کرنے کی کلین بحالت عمل دکھائی جاتی ہین - امید ہے کہ طبقۂ زراعت کے ذریعہ سے نہ صرف زراعت پیشہ اشخاص کو اپنے پرانے طریقون مین اصلاح کرنیکا موقع بیگا بلکہ نمائش کرنے والے سوداگران سے انکے روابط بھی پیدا ہوجائینگے -

طبقۂ جنگلات بالکل طبقۂ زراعت سے ملا ہوا ہے - اس طبقہ کے سات بڑے بڑے شعبے ہین - شعبہ اول مین لکڑی اور لکڑی کی دستکاریان دکھائی گئی ہین - ممالک متحدہ کے جنگلات کی تقریباً دو سو قسم کی تجارتی لکڑی، درختون کے پتے اور شاخ وغیرہ کے نمونے اور انکی تصاویر دکھائی گئی ہین - ان نمونون کے ساتھ عمدہ عمدہ بنی ہوئی چیزین بھی رکھی گئی ہین تاکہ کاریگر لکڑی کو مناسب طور پر کام مین لانے کا ڈھنگ معلوم کرسکین - شعبۂ دوم مین جنگل کی دیگر قسم کی پیداوار اور اسکے متعلق حرفتین دکھائی گئی ہین - اسکی ترتیب بھی شعبۂ اول کی طرح ہے - شعبۂ سوم مین پیداوار جنگل کو کاٹنے اور انکو کارآمد شکل مین تبدیل کرنے اور انسے گوند اور لاکھ وغیرہ نکالنے کے طریقے دکھائے گئے ہین - شعبۂ چہارم مین نخلبندی اور طریقۂ محافظت کی نمائش کی گئی ہے نخلبندی کی ترکیبین زیادہ تر نقشہ اور تصاویر کے ذریعہ سے دکھائی گئی ہین اور محافظت کی صحت مین یہ دکھایا گیا ہے کہ کن کن وجوہ سے درختون کو نقصانات پہونچتے ہین - اس شعبہ سے وہ تمام دقیقین واضح طور پر عیان ہوتی ہین جنسے محکمۂ جنگلات کو دوچار ہونا پڑتا ہے - شعبۂ پنجم مین نقشہ جات اور جنگل کے متعلق تالیفات و تصنیفات کی نمائش کی گئی ہے - اس شعبہ مین بہت سی مفید کتابین رکھی گئی ہین جو اس قابل ہین کہ ہندوستانی زبانون مین ترجمہ کرکے شائع کیجائین تاکہ عوام اسنے فائدہ حاصل کرسکین - شعبۂ ششم مین خصوصاً ممالک متحدہ کے شکار کئے ہوئے جانورون کے نمونے رکھے گئے ہین - مختلف قسم کے پھندے - قدیم و جدید قسم کے ہتھیار، مچھلی کے شکار کا سامان وغیرہ بھی دکھایا گیا ہے - شعبۂ ہفتم مین محکمۂ جنگلات کے متعلق کلین رکھی گئی ہین - اس شعبہ مین کلکتہ کی ایک کمپنی نے فارسٹ ٹرمچے بھی مہیا کی ہے جو چیزون کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے مین بہت عمدہ کام کرتی ہے - طبقۂ جنگلات مین مختلف قسم کی لکڑیون اور جنگل کی دیگر پیداوار کا بہت اچھا مجموعہ ہے - جنگلات مین مختلف قسم کی لکڑیون کی بہت بڑی تعداد موجود ہے جنکی عموماً مانگ نہین ہوتی - لیکن اسکی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ سڑ جاتی ہین یا انکو دیمک کھا جاتی ہے - مگر اس طبقہ مین ایسی لکڑیون کی حفاظت کے طریقے نہایت عمدگی سے دکھائے گئے ہین جنسے لکڑیان بآسانی دیرپا ہوسکتی ہین - جنگلات کی پیداوار مین لکڑی کا بُرادہ نہایت ہی اہم چیز ہے - اس بات سے بہت کم لوگ واقف ہین کہ آٹھ صدی سے زیادہ قسم کا کاغذ صرف لکڑی کے بُرادہ سے بنایا جاتا ہے - دُنیا مین تخمیناً سی لاکھ ٹن کاغذ سالانہ بنتا ہے اور اسمین سے ساڑھے چھ لاکھ ٹن صرف لکڑی کے بُرادہ سے بنتا ہے - ہندوستان مین بُرادہ کو مطلق کام مین نہین لایا جاتا - طبقۂ جنگلات مین جو لیبوٹری تعمیر کی گئی ہے وہ خاص

اسی مقصد کے لئے ہے کہ علاً یہ دکھایا جاے کہ مختلف قسم کی لکڑیون کا بُرادہ جسکی ہنوز کوئی مانگ نہین کسطرح کام مین لایا جاسکتا ہے۔

طبقۂ ٹیکسٹائل یعنی ریشمی، اونی اور سوتی اشیاء کا صیغہ بہت عمدہ ہے۔ ایک خاص بات قابل ذکر یہ ہے کہ ہر قسم کا کپڑا تیار کرنے کی ترکیبین بحالتِ عمل دکھائی گئی ہین۔ خیمے اور قالین بھی اس طبقہ مین رکھے گئے ہین۔ کانپور کی ایلگن ملز نے اپنے یہان کی وہ کلین اس طبقہ مین رکھی ہین جنسے زمانہ حال کی ترقی ظاہر ہوسکتی ہے۔ کانپور کاٹن ملز نے روئی کاتنا اور بننا سب ایک ہی سلسلہ مین دکھایا ہے یعنی خام اشیاء سے لیکر کپڑے کی شکل مین تبدیل ہوجانے تک کی ہر منزل کی کیفیت نہایت عمدگی کے ساتھ دکھائی گئی ہے۔ کانپور دولن ملز اور نیو ایجرٹن ملز و ھاریوال نے اپنے یہان کے مکمل نمونے رکھے ہین۔ بنارس، ناگپور، بھاگل پور، احمد آباد وغیرہ مقامات کے ریشمی اور سوتی کپڑون کے نمونے بہت عمدہ ہین۔ فی الحقیقت یہ طبقہ دلچسپی سے پُر ہے۔ ہندوستان مین زراعت کے بعد دیہات مین یہی ایک ذریعۂ معاش ہے۔ بلاد یورپ مین بھی اتنک دستی کرگھے استعمال کئے جاتے ہین، کوئی وجہ نہین کہ کیون ہندوستانی کاریگر کھڈیون کے بجاے دستی کرگھے استعمال نکرین۔ بارہ بنکی ہیوسٹ اسکول کے نمونے بھی بہت عمدہ ہین۔

طبقۂ انجینیری مین اسقدر کلین بحالتِ عمل دکھائی گئی ہین کہ اس سے پیشتر ہندوستان کی کسی نمائش مین نہین دکھائی گئین ممالک متحدہ مین آجکل برقی سامان اور کلون کی مانگ بہت بڑھ رہی ہے۔ کارخانہ دار اپنی ضروریات کی چیزون کو نمائش مین دیکھکر اپنی مانگ کو پورا کرسکتے ہین۔ اس طبقہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ حفظانِ صحت، شہر کی صفائی اور دیگر انتظام کے متعلق بھی آلات پیش کئے گئے ہین۔ طبقۂ انجینیری کی تمام کلین زیادہ تر یورپ سے آئی ہین۔ کچھ کلین ہندوستان کے انگریزی کارخانون نے بھی بھیجی ہین اور یہ سب کلین بحالتِ عمل دکھائی جاتی ہین۔ زیادہ قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ تمام کلین برقی قوت سے چلتی ہین۔ اس طبقہ مین ہر قسم کی موٹر کار اور اُنکے لوازمات، موٹر کشتیان، پہیہ کلین، گاڑیان اور سواری کی دیگر چیزین بھی دکھائی گئی ہین۔ جو ترقی ہمارے صوبہ کی تعلیم انجینیری مین ہوتی ہے اُسکے دکھانے کے لئے علیحدہ ایک عمارت ہے جو طامسن کالج کورٹ کے نام سے موسوم ہے۔ اسمین ریلوے۔ آبپاشی، سول و میکینکل انجینیری، صنعت و حرفت کی تعلیم، اور قوت برقی کی تعلیم کے متعلق ہر قسم کے نمونے و آلات دکھائے گئے ہین۔

طبقۂ فنون لطیفہ و آرایشی فنون صنعت مین زمانۂ قدیم کی سنگتراشی کے نمونے یا اُنکی تصاویر رکھی گئی ہین۔ فنِ مصوری کے نمونون کا ایک عمدہ مجموعہ الگ بھی ہے جسمین جدید ہندوستانی فنِ تصویر کے نمونے بھی شامل ہین۔ زمانۂ قدیم کے فنِ تصویر کے نمونے الگ تو بہت کم ہین مگر مختلف طبقات مین کچھ قلمی تصاویر رکھی گئی ہین جنمین نہایت عمدہ عمدہ زرنگار تصاویر ہین رامائن اور بھاگوت کے واقعات کے متعلق ایسی تصاویر کی تعداد بہت زیادہ ہے زمانۂ حال مین جو ہندوستانی فنِ تصویر نے ترقی کی ہے اُسکے ثبوت کے لئے تصاویر کی تعداد بہت معقول ہے۔ چند بنگالی مصورون نے اسمین بہت کمال پیدا کیا ہے۔ شعبۂ فوٹوگرافی مین بہت اچھے اچھے نمونے پیش کئے گئے ہین۔ بعض انلارجمنٹ (فوٹو کی بڑی تصویرین) ایسی دلکشی لئے ہوئے ہین کہ اُنکے دیکھنے سے آنکھین سیر نہین ہوتین۔ نقاشی کے بھی اچھے اچھے

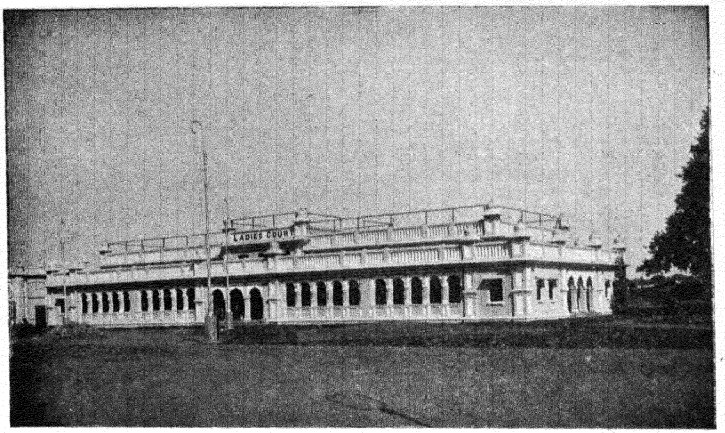

زنانہ دستکاریوں کی عمارت

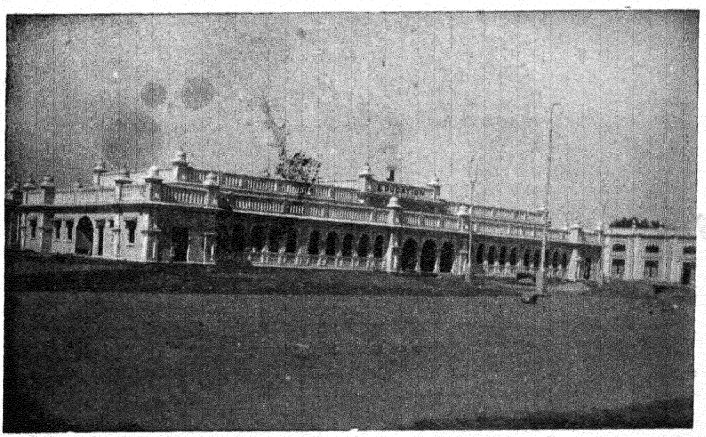

محکمۂ تعلیم

انڈین پریس الٰہ آباد

نمونے رکھے گئے ہین -

تعلیمی طبقہ بہت دلچسپ اور بے نظیر ہے تعلیم کے متعلق ہر قسم کی چیزین بہت وسیع پیمانہ پر فراہم کی گئی ہین - ہر حصۂ ملک سے اس طبقہ کے لئے اشیا بھیجی گئی ہین - برطانیہ کلان کے بعض بڑے بڑے مدارس کے مختلف درجے کے کورس، طلبا کی خوشنویسی، ڈرائینگ، نقشہ کشی وغیرہ کے نمونے بھی بغرض موازنہ رکھے گئے ہین - ایک شعبہ تعلیم نسوان اور کنڈرگارٹن کی تعلیم کے متعلق بھی ہے - اس صوبہ کی انسپکٹرس صاحبہ مدارس نسوان نے زنانہ اسکولون کی نمائشی اشیاء جمع کی ہین - بمبئی کے اسکول آف آرٹس کی چیزین قابل تعریف ہین - مشرقی بنگال و آسام کی گورنمنٹ نے بھی بہت عمدہ مجموعہ ارسال کیا ہے - ہندوستان اور آئرلینڈ کے مسیحی مشنریون نے حرفتی تعلیم کے متعلق بہت عمدہ چیزین ارسال کی ہین - آگرہ کالج کے ارسال کردہ نقشے بھی قابل ذکر ہین - ہندوستان کے ریفارمیٹری اسکولون سے جو چیزین آئی ہین وہ بار بار دیکھنے کے قابل ہین - انمین بھی خصوصیت کے ساتھ لکڑی اور بانس کی چیزین قابل ذکر ہین -

طبقہ خواتین مین وہ سب چیزین دکھائی گئی ہین جو مستورات ہند بناتی ہین - لیس، گوٹہ، کارچوب، سوزن کاری، گڑیان، پٹاریان، پوت کی چیزین، تصویرین الغرض ہر قسم کی چیزین اس طبقہ مین موجود ہین - کانونٹ اسکولون انڈین اسکولون اور یورپین اسکولون کی طرف سے بھی بہت سی عمدہ عمدہ چیزین بھیجی گئی ہین - اس طبقہ مین چند نایاب قلمی تصویرین بھی ہین جو مستورات کی کھینچی ہوئی ہین - ہاتھ کے کام مین بنگالی اور مسیحی لڑکیون نے بہت ترقی کی ہے مشن اسکولون سے لیس اور سینے پرونے کے بھی عمدہ نمونے آئے ہین جو غیر مسیحی لڑکیون کے تیار کردہ ہین - عمارت کے اندر "پردہ کلب" ہے اور اسی طبقہ کی چھت پر پردہ کا انتظام کیا گیا ہے جہان سے مستورات ہر قسم کے تفریحی نمائشے ملاحظہ فرما سکین گی -

لکڑی پتھر اور دھات کی چیزون کے متعلق جو طبقہ ہے اسمین بنارس - جے پور اور حیدرآباد کے پیتل اور تانبے کے برتن، کئی ہندوستانی اور انگریزی کارخانون کے ٹرنک اور مدراس کے ایلومینیم کے برتن بہت عمدہ ہین - ویس کے شیشے کے کام کے نمونے ایسے عمدہ ہین کہ انکے دیکھنے سے طبیعت سیر نہین ہوتی - مرزاپور، بنارس اور آگرہ، بھرت پورہ وغیرہ مقامات سے پتھر کے کام کے اچھے اچھے نمونے آئے ہین - جے پور اور نگینہ کا لکڑی کا کام بہت اچھا ہے - میز، کرسیان و دیگر چوبی سامان جو اس طبقہ مین رکھا گیا ہے وڈن کمپنی ٹاگپور اور میسرج کمپنی بمبئی، اور محمد یعقوب اینڈ سنز پریلی کا تیار کردہ قابل ذکر ہے - ٹاگپور کی متذکرہ کمپنی نے ایک میز نما الماری رکھی ہے جو بہت باریک اور نفیس کام کیا گیا ہے - سیالکوٹ کے بنے ہوئے آلات جراحی، چاقو، چھریان وغیرہ بہت نفیس ہین -

عام صنعت و حرفت کے طبقہ مین مدراس اور کانپور کا چمڑا بہت عمدہ ہے - سانپ، اژدہے اور گھڑیال کی کھالون کو کما کر بہت عمدہ اور ملائم بنایا گیا ہے - چرمی اسباب کئی جگہ سے آیا ہے مگر نفاست مین کانپور، مدراس، بنگلور، اور مرار کا سامان قابل ذکر ہے - بھیرہ اور وزیرآباد کی چھڑیان عمدہ ہین -

ملتان کا میناکار اور مٹی کا کام بھی قابل ذکر ہے - بنگال کے سودیشی نب نسبتہً اچھے ہین - لکھنؤ کی چکن، عطر، اور اور مٹی کے کھلونے جو تمام دنیا مین شہرت حاصل کر چکے ہین اس طبقہ مین بھی موجود ہین - سودیشی صابون، خوشبودیات اور ادویات بہت نفیس اور قابل ذکر ہین - کرکٹ اور فٹ بال کا

سامان سیالکوٹ سے بہت عمدہ آیا ہے۔

طبقۂ زیورات مین دہلی اور کلکتہ کے جوہریون نے عمدہ عمدہ قیمتی زیورات، چاندی کے نفیس برتن، فیروزے، موتیون کے ہار وغیرہ بہم پہونچائے ہین - اس طبقہ مین مختلف ممالک کے سکّون کا بھی ایک اچھا ذخیرہ رکھا گیا ہے۔

جاپانی فنونِ لطیفہ کے طبقہ مین اہل جاپان کے مختلف فنون کے بہترین نمونے دکھائے گئے ہین - اسی طبقہ مین اودھ ہال کے نام سے بھی ایک کمرہ مخصوص کیا گیا ہے جہان لکھنؤ کے کاریگرون کی دستکاریون کے نمونے رکھے گئے ہین - راجپوتانہ کی اُن باجگذار ریاستون کی ساختہ اشیا بھی بہم پہونچائی گئی ہین جو ممالک متحدہ کی سرحد پر واقع ہین - انکے دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ ان ریاستون کی دستکاری اور صنعت و حرفت کی کیا حالت ہے - کئی شعبے خاص خاص ریاستون کے لئے مخصوص ہین جنمین اُنھین ریاستون کی دستکاریون اور کاریگریون کے نمونے پیش کئے گئے ہین - انمین گوالیار کو رٹ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے - ریاست گوالیار مین صنعتی کاروبار مین بہت ترقی ہو رہی ہے اور اسکی شہادت اُن چیزون سے ملسکتی ہے جو گوالیار کورٹ مین رکھی گئی ہین۔

محکمۂ ڈاکخانہ اور تار گھر کی نمائش بھی ایک خاص دلچسپی لئے ہوئے ہے - کلکتہ کے جنرل پوسٹ آفس کی عمارت کی نقل بہت عمدہ ہے - ریل کی مختلف کمپنیون نے بھی اپنے یہان کی چیزین رکھی ہین جو قابل دید ہین۔

ہم شروع مین بیان کر چکے ہین کہ صدر دروازہ سے داخل ہوتے ہی ایک کھلا ہوا میدان ملتا ہے جسکے تین طرف دوکانات ہین جنمین ہندوستانی کاریگر بیٹھے ہوئے کام کرتے ہین - نمائش کا نہایت دلچسپ حصہ یہی دوکانات ہین - اگرچہ اُنکے اوزار زیادہ تر قدیم زمانہ کے ہین مگر اُنکی کاریگری مین نفاست گویا مورونثی ہے - اُنکی انواع و اقسام کی کاریگریان دیکھکر حیرت ہوتی ہے - یہ درست ہے کہ بہت سی چیزین ناقص ہین یا ایسی ہین جنمین کوئی خاص جدّت نظر نہین آتی مگر اسکا الزام کاریگرون پر عاید نہین ہوسکتا بلکہ اسکے جوابدہ زیادہ تر اہل مغرب ہین جنھون نے ہندوستانی صنعت کی نقلین اُتار اُتار کر سستے داموں پر بیچنا شروع کیا اور ایسی حالت مین یہ ناممکن ہے کہ کاریگر اپنے کام مین کوئی خاص جدّت پیدا کرسکین - سب سے بڑی خرابی یہ ہوئی کہ اب نقلی چیزون کے آگے اصلی چیزون کی مانگ بہت کم ہوگئی ہے - اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ کسی صنعت مین جدّت پیدا نہین ہوسکتی تاوقتیکہ کاریگر اور صناع کو اسکی محنت کا کافی صلہ نہ ملے - جبتک پبلک کے مذاق کی اصلاح نہ ہوگی اُسوقت تک یہ اُمید سراسر بے سود ہے کہ معیار صنعت مین ترقی ہو - ان متذکرہ دوکانون مین مختلف قسم کی چیزین بکتی ہین - چکن اور زردوزی کے عمدہ عمدہ نمونے یہان موجود ہین - ایک چکن دوٗ نہایت کاریگری کے ساتھ چکن مین اشعار و عبارت بنتا ہے - جالندھر کے کئی کاریگر لکڑی کا کام عمدہ بناتے ہین۔

ہرکیف یہ نمائش مبصّرون کی نگاہ مین واقفیت عامّہ کو بڑھانے کا ایک عمدہ ذریعہ ہے - اگرچہ بادی النظر مین یہ ایک تفریح طبع کا سامان ہے لیکن اگر اسکے نتائج اور فوائد کی طرف غور کیا جائے تو یہ ملک کی ترقی عروج کے لئے ایک کارگر ذریعہ ثابت ہوگی - اسکا اثر ملکی تجارت، صنعت و حرفت اور وسائل پیداوار پر قوی اور سریع پڑیگا - ہر ملک کی اشیا کے نمونے نظر کے سامنے رکھے گئے ہین جنکی پیروی کرنے کی اہل فخر

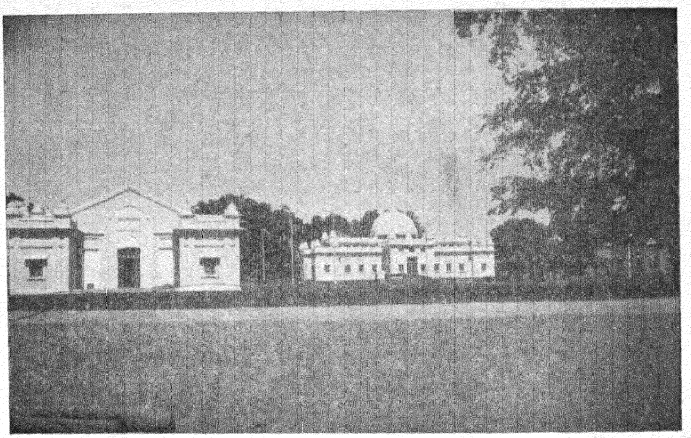

محکمۂ جنگلات

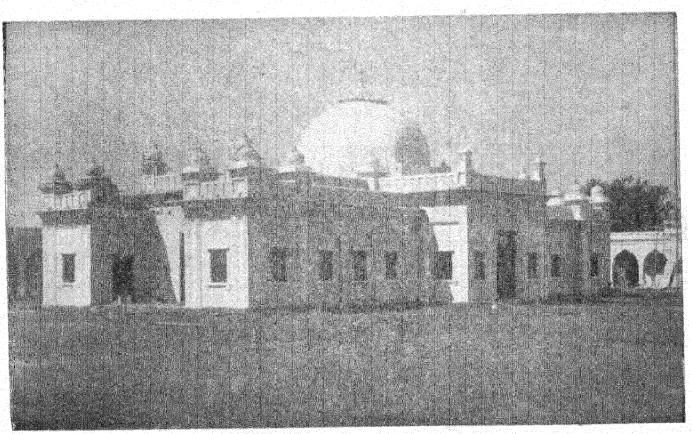

شعبۂ ڈاکخانہ

انڈین پریس الہ آباد

اور صناعون کو ترغیب ہوگی - سیر و تماشا کا انتظام بھی بہت کچھ کیا گیا ہے جسسے صرف متمول لوگ ہی حظ اُٹھا سکتے ہین - مگر امید ہے کہ طبقہ تعلیم سے عوام پورا پورا فائدہ حاصل کرین گے - صیغہ زراعت و جنگلات سے کاشتکار ایسی واقفیت پیدا کر سکتے ہین جو اُنکے روزمرہ کے کاروبار مین مُمد ثابت ہوگی - طبقہ صنعت و حرفت مین طرح طرح کے نمونے موجود ہین مگر ولایتی صنعت کے مقابلہ مین وہ گویا بالکل ہیچ ہین - مگر اسکی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہماری حیثیت تجارتی نہین ہے کہ اپنی اشیاء کو نمائش مین بھیجین یا یہ کہ ہماری اشیاء بہت ہی کم درجہ کی ہین - اسپر بھی ہم اپنے آپ کو قابل فخر سمجھتے ہین کہ اس گئے گزرے زمانہ مین بھی جو صنعت ہندوستان مین دستبرد زمانہ سے بچ رہی ہے وہ اپنا ثانی نہین رکھتی - خدا کرے کہ ایک دفعہ پھر ہمارا ملک "تجارتی ملک" کہلانے کا مستحق ہو -

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُس تمغہ کا بھی کچھ ذکر کر دیا جائے جو نمائش کرنے والون کو کمیٹی کیطرف سے دیا جائیگا - انتظامیہ کمیٹی کیطرف سے اس مضمون کا ایک اشتہار دیا گیا تھا کہ اُس شخص کو ایک سو روپیہ انعام دیا جائیگا جو ایک نفیس تمغہ کا نمونہ تیار کریگا اور کمیٹی جسکے نمونے کو سب سے اعلیٰ تصور کرے گی - اس انعام کے مستحق مسٹر - ایچ - وی - دھرندھر صاحب ثابت ہوئے ہین جو بمبئی کے ایک مشہور و معروف مصور ہین - مسٹر دھرندھر نے تمغہ کے خاکہ مین نہایت خوبی کے ساتھ دو عورتون کی شکلین بنائی ہین جنسے گنگا اور جمنا مراد ہین اور جو الہ آباد کے مقدس مقام سنگم پر آپسمین مل رہی ہین - گنگا کے مقابل مین نمائش ممالک متحدہ ایک ہندوستانی بچہ کی شکل مین کھڑی ہے جسکو گنگا ایک جام سیمین نذر کر رہی ہے - اسکے پیچھے دونون دریا موجزن ہین - تمغہ کے دوسری جانب ہندوستان کا مشہور پھول کنول انگریزی گلاب کے ساتھ ہم آغوش ہے جس سے ہر دو اقوام کا رشتہ اتحاد ظاہر ہوتا ہے -

شاکر میرٹھی

مہتاب داغ - یہ حضرت داغ دہلوی کا تیسرا دیوان ہے جسکا بیشتر حصہ حیدرآباد دکن مین تصنیف ہوا تھا اور وہین چھپا بھی تھا جسکی قیمت معمولی حیثیت پر پانچ روپیہ رکھی گئی تھی - حال مین اُردو کے مشہور محسن لالہ سریرام صاحب - ایم - اے - دہلوی نے وثار حضرت داغ سے اسکا کاپی رائٹ لیکر نہایت خوشخطا اور بہت دبیز کاغذ پر چھپوایا ہے اور قیمت صرف تین روپیہ رکھی ہے جو شائقین کلام داغ کے لئے مسرت کا باعث ہے - لالہ صاحب موصوف، سڑک جدید شہر دہلی سے طلب کرنا چاہیئے -

---

تسخیر شوہر - اس نام کی ایک مفید کتاب مسمی منشی سید احمد صاحب دہلوی مؤلف فرہنگ آصفیہ وغیرہ نے حال ہی مین تصنیف فرمائی ہے جو مستورات ہند کے لئے چراغ ہدایت کا کام دے سکتی ہے - اسمین بیبیون کو شوہر کی خوشنودی کے نہایت مفید طریقے بتائے گئے ہین جو تعلقات ازدواج کے لئے نہایت ضروری ہین - چھوٹی تقطیع پر قیمت ۸ر کسیقدر گران معلوم ہوتی ہے - ملنے کا پتہ کوچہ پنڈت دہلی -

سرورِ مبرور

یہ خبر نہایت رنج و قلق کے ساتھ سُنی جائیگی کہ ۳ر دسمبر سنہ حال کو اُردو کا وہ خوش نوا شاعر جسکی دلکش شاعری نے نظم اُردو مین ایک نئے باب کا اضافہ کیا تھا جسکے درد بھرے اشعار مین سوز و گداز کی روح پھُنک گئی تھی اور جسکی نازکخیالی، نغز گوئی اور حاضر طبعی کے افسانے بالکل تازہ ہین ۳۷ سال کی عمر مین دفعتہً اُس دارالسرور کیطرف روانہ ہوگیا جہان دُنیوی رنج و راحت اور عیش و مصیبت کی کشمکش سے ہمیشہ کے لئے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ منشی درگا سہاے صاحب سُرور جہان آبادی کی جوانمرگی کا روح فرسا سانحہ ہے جو دُنیاے ادب کے لئے کوئی معمولی سانحہ نہین ہے مرحوم قصبہ جہان آباد ضلع پیلی بھیت کے ایک معتبر خاندان کے ہونہار رُکن تھے اور اپنی تھوڑی سی عمر مین شہرت و ناموری کے آسمان پر اسقدر بلند ہو کر چکے کہ ساری دنیاے شاعری جگمگا اُٹھی۔ مرحوم کو شاعری کے علاوہ فن حکمت مین بھی دستگاہ حاصل تھی اور یہ اُنکا آبائی پیشہ تھا۔ لیکن سب سے زیادہ اُنکے خلقی اوصاف تھے جنمین نیک نفسی، منکسر مزاجی اور استغنا بازی کو مرحوم کی طبیعت مین حیرت انگیز درجے تک دخل تھا۔ مرحوم کی نہایت زبردست آرزو اپنے مجموعۂ کلام کی اشاعت تھی جو افسوس کہ موت نے ایسے وقت مین معدوم کردی جبکہ اُسکے برآنے مین صرف چند ہفتے باقی رہگئے تھے۔ اُنھون نے نہایت شوق سے اپنا مجموعۂ کلام باخذ حق تصنیف انڈین پریس کو دیا تھا جو قریب قریب تیار ہے اور جسکے پروف دیکھنے کے شوق مین مرحوم الہ آباد آرہے تھے کہ دفعتہً سلسلۂ حیات منقطع ہوگیا۔ مرتے مرتے وہ اُسکی اشاعت کا پیام ہمین دے گئے ہین اور ہم اُنکی وصیت کو اسی ماہ مین پورا کردینگے۔ کلیات سرور کا اشتہار ہمنے جملہ شائقین کے ہاتھون تک پہونچنے والا ہے جسمین مرحوم کی تمام نظمون کے علاوہ سوانحی حالات اور تنقید کلام بھی شامل ہین۔ مرحوم کو ادیب کے ساتھ جو خاص الفت تھی وہ اُنکی رباعیات مطبوعہ فروری نمبر اور دیگر نظمون سے واضح ہے۔ افسوس کہ آج سے ادیب اُنکے دلکش کلام سے محروم ہوتا ہے اور یہ ایسا سخت ماتم ہے جسمین ہمارے ساتھ ناظرین ادیب بھی شریک ہونگے ایسے نغز گو شاعر کے سوگ مین صفحات سیاہ پوش ہین چشم و دوات اشک بھر لائی ہے اور قلم نے سرنگون ہوکر آنسوؤن کا تار باندھدیا ہے۔ ہم مرحوم کے لئے دعاے مغفرت کرتے ہین اور اس مفرح پر اس ماتم کو ختم کرتے ہین۔

دے اے خدا سُرور کو دارالسرور خُلد

خداے عزوجل مرحوم کے ضعیف والدہ جوان بھائیون اور دیگر اعزا و احباب کے ساتھ اس سانحۂ دردانگیز مین ہمین بھی صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

ایڈیٹر

ترانۂ وحدت

(سرورِ مبرور کی آخری یادگار)

دل مین آنکھون مین ترے حُسن کی ہے جلوہ گری
یہ وہ شیشے ہین کہ جنمین مے وحدت ہے بھری

تو وہ خود بین و خود آرا کہ پس پردۂ ناز
محوِ آئینہ تکمین ہے تری عشوہ گری

مین وہ سرگرمِ تحیر کہ دمِ آرائش
تک رہی ہے ترا مُنہ میری پریشان نظری

دین دُنیا کا رہا ہوش نہ میخوار دون کو
تیری آنکھون نے پلائی وہ مئے بیخبری

تجھکو سینے سے مین کیونکر لگائے رکھون
اُسکے کوچے کی ہوا آتی ہے چاکِ جگری

محفلِ یار مین دل اور کوئی دم جلبتا
ساتھ تو نے نہ دیا آہ! چراغِ سحری

او خود آرا! تجھے اندازِ تغافل کی قسم
تو نے دیکھی ہے کبھی میری پریشان نظری

اشک کہتے ہین کہ چھپکا ہے بھی رنگِ وفا
المدد! المدد! اے لختِ خونِ جگری

اُسکے کوچے مین مری خاک کو کرنا برباد
آخری تجھسے وصیت ہے نسیمِ سحری

دمِ نظارہ چھپا جاتا ہے آنکھون سے کرن
حسرت! اے مجمعِ اندوہ پریشان نظری

دلِ بیتاب ہے جو لاکھہ صدر برقِ تپش
نصحت! اے قافلۂ صبر شکیب جگری

حُسن پنہان ہے چراغِ تہ دامان تیرا
برقِ بے پردہ ہے پردے مین تری جلوہ گری

چشم تر نے یہ کیا خونِ خرابہ دل کا
تو کہ مژگان پہ ہے اک قطرۂ خونِ جگری

دل ہے افسون کدۂ عالمِ نیرنگ وفا
اسی شیشے مین ترے حُسن کی ہے بند پری

دیکھے جاتے نہین سوزن سے مرے زخمِ جگر
شق کلیجہ ہوا جاتا ہے دمِ بخیہ گری

یادگار اپنی تجھے کُنجِ قفس مین دمِ مرگ
چھوڑے جاتے ہین ہم اے حسرتِ بے بال و پری

تیرے دیوانے کے چھپتے نہین انداز جنون
صاف سینے سے نظر آتا ہے چاکِ جگری

اُف! مری حسرتِ دیدار ہر آئینے مین
نگہہ دیدۂ جوہر ہے پریشان نظری

بس یہی دو ہین نشان عشق کے بیمار و کے
کبھی لب خشک، کبھی آنکھون مین اشکون کی تری

گُنج تاریک و لحد ہے ترے دم سے روشن
رکھے اللہ سلامت! تجھے داغِ جگری

شعبدے ہوتے تجھے برپا نہ جہان مین ہر نوع
تیری آنکھون مین یہ پہلے تو نہ تھی فتنہ گری

تیری محفل مین مئے ناب ملے غیرون کو
میرے حصے مین جو آیا بھی تو خونِ جگری

اُٹھ گیا دامنِ صحرا سے ترا دیوانہ
سرنگونی ہوئی اب پھرتی ہے شوریدہ سری

بزمِ ہستی سے سفر ہم بھی مین کرنے والے
ہم بھی لینے کو سنبھالا ہین چراغ سحری

خشک آنسو مرے اے ضبطِ غم عشق نہ کر
انھین پھینکون سے مری کشتِ تمنا ہے ہری

کوئی دن اور ہے اُڑنے کی تمنا صیاد
خاک اُڑائیگی کبھی حسرتِ بے بال و پری

میری جانب سے دمِ سرد یہ پھر کرکنا تی
اُسکے کوچے مین گزر ہو جو نسیم سحری

الٰہی سانسین ترا بیمار وفا لیتا ہے
تیری نزقت ہین نہین تابِ شکیب جگری

شدتِ ضعف سے ہے گریہ پیہم دشوار
نام کو بھی نہین آنکھون مین ہے اشکون کی تری

مژدہ فریاد کی طاقت ہے نہ یارائے فغان
اب نہ وہ نالہ شبگیر نہ آہ سحری

نقشِ حسرت ہے سویدائے اندوہ وفا
اور ہے بالین پہ قفا دفترِ غم فونجہ گری

تکتی ہے تیرے تصور مین دمِ بازپسین
ہائے کس یاس سے مُنہ سب کا پریشان نظری

اپنے بیمارِ محبت کی خبر لے اب تو
کہ ہے سمان کوئی دم کا یہ چراغ سحری

سرور

افادات نمائش

حسب ایماے جناب مسٹر ہلٹن صاحب سیکرٹری پرنڈیا نیشنل ایسوسی ایشن الٰہ آباد

نمبر ۱

محنت و صنعت انسان کا چین ہے تو یہ ہے
علم اور عقل کا گر زیبش ہے تو یہ ہے

ذہن سے حضرت ہیوٹ کے یہ نقشا نکلا
اک جہان آپ کی تجویز کا شیدا نکلا

مرکز چشم تماشاے جہان ہے یہ مقام
ہر طبقہ آج کے دن ورد زبان ہے یہ مقام

پرنس عہد پرنس کی نمایان ہین سیان
راحت و زیست کے ہر طرح کے سامان ہین یہان

جتنے صناع ہین سب کیلئے اک جانچ ہے یہ
گرم بازاری دُنیا کے لئے آنچ ہے یہ

اسکے ہین سکہ تیری شہرۂ آفاق مرے
اُنکی محنت کی کہانتک کوئی تعریف کرے

اکبر

توصیف نمائش

(صدر فیاض جناب مسٹر جی۔ جے۔ ایم ہملٹن صاحب ایجنٹ بینک آف انڈیا لمیٹڈ الہ آباد)

نمبر ۲

دیکھئے اہل نظر اسکا نصیبا اچھا　　یہی میدان پُر آشوب ہے کیسا اچھا
پایا لفٹنٹ گورنر کا سہارا اچھا　　پڑ گیا حضرت ہیوٹ کا جو سایا اچھا
ہند والو انھیں ہمدرد سزا لائق جانو
یہی نواب ہمارے ہیں تم احسان مانو

خشک اشجار کو یہ وہ ہیں جو کرتے ہیں ہرے　　ہے دعا حق سے ہماری بھی کہ سر سبز رہے
ایسی کوشش تو کرے پاؤں جما کر تو دھرے　　فخر جیسے نمائش کے ہیں جی۔ آر۔ مرے
انکی محنت کا نتیجہ ہے جسے دیکھتے ہو
یہی کوشش کا بھی ثمرہ ہے جسے دیکھتے ہو

گرم بازاری ہے دنیا کے دکھانے کیلئے　　خرچ کرنے کے لئے شوق دلانیکے لئے
عقل اور صنعت و حرفت کے سکھانیکے لئے　　یہ نمائش ہوئی تکلیف اٹھانے کے لئے
دن بھی اچھا ہے یہاں رات ہے سب سے اچھی
آپ کہہ دینگے اسے چودھویں شب سے اچھی

قیاس دہلوی

رانڈ کا چرخہ

یوں تو ہوتی ہیں ہوا میں اکل کاٹھ کے پرزوں کی کلیں　　کارگاہ دہر میں لیکن اک اعجوبہ ہوں میں
میرے اعجاز کی ہے ترکیب پریشان بے لب　　رانڈ کا چرخہ ہوں میں چلتا ہوا پرزہ ہوں میں

بار خاطر ہوں کسی پر وہ گران قیمت نہیں　　بس یہی دو چار آنے کی ہوں میں ناچیز کل
دلربائی سر بسر ہے اون میں میرے بھری　　یہ نفاست نقلی و نخلی دوشالوں میں کہاں؟

زر کی کچھ میری مرمت کے لئے حاجت نہیں　　یعنی جوتی سے نکلتا ہے مرے تکلے کا کیل

میری قیمت پر نہ جانا، ہوں میں جنس بے بہا　　گو ہوں کم قیمت، مگر از روان بہ علت میں نہیں
فرض میرا ہے فقط ننگوں کا پردہ ڈھانکنا　　قصبۂ دیہات میں کس گھر کی زینت میں نہیں

رزق پہونچاتا ہوں گھر بیٹھے میں انڈوں کیلئے　　بیکسی میں انکی جینے کا سہارا میں ہی ہوں
اور دکھ میں ہے تسلی مجھ سے دکھیوں کیلئے　　انکی آنکھوں کا ہوں تارا، انکا پیارا میں ہی ہوں

وقت بد میں ہوں سمجھتی وہ مجھی کو مغتنم　　پالتی ہیں پیٹ اپنا سوت رانڈوں کا کات کر
اور سمجھتی ہیں مجھی کو باعث تسکین غم　　جھونپڑوں میں زیست کے دن کرتی ہیں خوش خوش بسر

میں نہ ہوتا تو برہنہ سیکڑوں رہتے بشر　　لوگ بچے گرنتھ کر یا جسم عریاں ڈھانکتے
میں نہ ہوتا تو نہ ہوتا برف و باراں سے سفر　　کشتی جاڑے میں ہم زر اسان ڈھانکتے

ہوں وہ دلکش یادگار صنعت عہد کہن　　جسکی صنعت پر ہے یورپ کی کلیں اب بھی نثار
میرے پرزوں میں ہے اب بھی دلفریبی کی کشش　　میری بھونڈی شکل پر صنعت ہے یورپ کی نثار

پگڑیاں اب بھی چدریں کی ہیں گراں میں کسقدر　　اب بھی بھاگلپور کی کتنی ٹسر ہے خوشنما
ہلکی پھلکی ہے جو یہ ڈھاکہ کی ململ زیبدار　　ایک ادنیٰ سا کرشمہ ہے یہ میرے سوت کا

یہ گران قیمت جو ہیں اونی دوشالے نیز دوش　　جامدانی میں جو ہیرے جا در زیبی کی پھبن
حسن صنعت ایران و روم میں ہے جلوہ فروش　　میرے سوت اور آن میں ہے دلفریبی کی پھبن

نمبر ۱ نمبر ۲ کی نگلین مسٹر جی۔ جے۔ ایم۔ ہملٹن صاحب نے اپنے وسیع اخلاق اور قدر دانی علم و ہنر کی بنا پر ادیب کے نمائش نمبر کیلئے عنایت فرمائی ہیں جسکا دلی شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ ایڈیٹر

محکمۂ زراعت

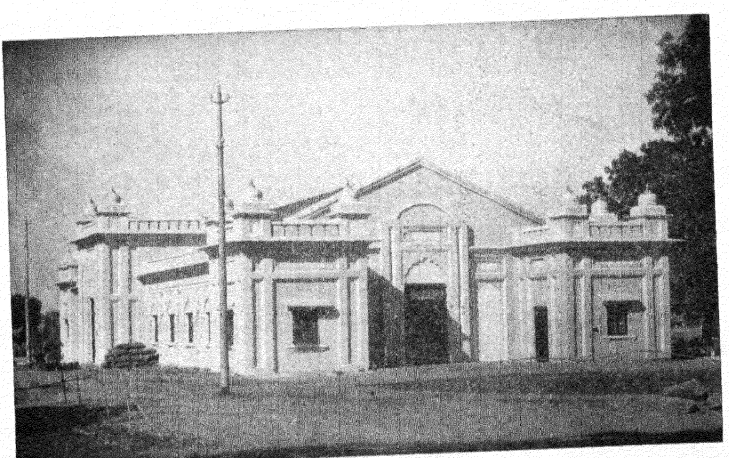

محکمۂ زراعت

اقتدین پریس الہ آباد

دید کے قابل مری شاعر ہون کی ہے سنگی ہون مین ارزان، پر مری قیمت کا پیمانہ ہے گران

زندگی کے کرتی ہے میرے سہارے دن بسر اس کے گزرے زمانے مین بھی ہون کیا عزیب
پڑ رہی ہے یکسی پر میری، لوگون کی نظر کیا عجب ہے جاگ اٹھین پھر ہنسنے مین میرے نصیب

شاکر

آنکھ کی پتلی

کوئی بتائے ہو رد شنفسیر یا دانا کہ نور کسکا ہے مرکوز دیدۂ بینا؟
شعاع مثل خورشید سے یہ روشن ہے؟ مگر چراغ قمر اسمین جلوہ افگن ہے؟
ضیا ہے نجم سحر اسمین کام کرتی ہے؟ مگر عدسی تری یا قیام کرتی ہے؟
چمک نہین ہے کواکب کی مستتر اسمین
ہے نور شمس ازل لیک جلوہ گر اسمین

اس انکسار ہی حسن قدیم پر ہو نگاہ ذرا سی جا کو بنائے ہے اپنی منزلگاہ
نہین یہ مردمک چشم مین سویدا ہے کسی نگار کے مہتاب رخ کا سایہ ہے
یون ہی نگاہ کا کعبہ خانہ جلگاتا ہے یہ شمع عرش معلا سے نور آتا ہے
یہ بطن ماہی مین یونس رسول نیر ان ہے گرا ہوا چہ ظلمت مین ماہ کنعان ہے
نظر تیرے ہین، او جاگرین پردۂ چشم!
مدام رہ یون ہی عزلت نشین پردۂ چشم

جلیل وقادر و قیوم و قاہر و قہار! قوی و مقتدر و حی و قائم و جبار!
باینہمہ، ترا مسکی کے گھر مین ڈیرا ہے گھر خلایب مین گویا ذلیل و بیوا ہے
جہان کی جان! مین اس انکسار کے قربان کہ شہریار ہے مہمان خانہ و دہقان
سدا مین آنکھ کے تل مین تجھے بٹھاؤنگا
ترے بغیر کسی سے نہ لو لگاؤن گا

طور

بستر بیمار

یون تو ہو جاتا ہے مایوسی مین بزدل بیقرار ہے مریض غم کا لیکن سخت تر حال زار
ضعف سے بیکار سب اعضا سراسر ہو گئے لاغری سے ہے تن محزون کی رگ رگ اشکا
جسم مین اب فرط غم سے خون اتنا بھی نہین جسکو کر دے قلب مضطر نذر چشم اشکبار
منظر عالم سے ساری خوبیان جاتی رہین اب کہان لطف ہوا لے باغ و سیر کو ہسا
بار ہے آنکھون کو پلکون کا اٹھانا اف ضعف ایک دفتر ہے نگاہ واپسین بیمار زار
اب کہان مین آرزوے دل کی وہ بیباکیان اب کہان ہے شوق کا وہ جذبہ بے پتیا
جسم لاغر اور تن محزون کا جب یہ حال ہو کیا بیان ہو کیا رقم ہو اُسکے دل کا اضطرا
ایک تشویش ہے بپا اُسکی تخیل مین مگر کشمکش مین ہے مریض مضطرب کی جان زا
اک طرف مستغنی عالم ہے جان دردمند اک طرف دامن کشان تجون کا اخلاص اور پیا
اک طرف مایوسی دل مقتضائے ترک حرص اک طرف ہے خوف بربادی جملہ کاروبار
اک طرف ہے بند غم سے رستگاری کی امید اک طرف دل مین خیال مہ جبین غمگسار
جان بیمار حزین کو جبین اسکے کسطرح مبتلا ہے سخت حیرانی مین عقل سادہ کار
رفتہ رفتہ پھر تخیل اس سے جاتا ہے گزر دل پہ چھا جاتا ہے یاد عمر رفتہ کا خیا
پھرتا ہے نظرون مین اُسکی پھر وہ بچپن کا سمان پھرتی ہے آنکھون مین اُسکے پھر جوانی کی ضیا
دیکھتا ہے ہر طرف حسرت بھرے انداز سے یاد آتے ہین اُسے سب ہمنشین و غمگسا
یاد آتے ہین اُسے پھر اپنے اعمال قبیح دل ہی دل مین اپنے ہوتا ہے نہایت نرسا
عزم کرتا ہے۔ کرے اُنکی تلافی کچھ مگر یہ خیال آتا ہے آخر ہے حیات مستعار
دل ہی دل مین ہوتا ہے پشیمان و معین بازگشت عمر کی کرتا ہے خواہش بار بار

پھر اسی حالت مین ہو جاتا ہے خالی ضعف قلب
اسہ ہو جاتا ہے آنکھون مین جہان تاریک و تار

روان

کلام ابر

(از افکار تازہ پنڈت بشن نرائن صاحب دَر)

خصلتِ جود و کرم جس اہلِ دولت میں نہیں — جوہرِ دولت کا ہے وہ اُسکی قسمت میں نہیں
ہاتھ پھیلانا بشر کے آگے عادت میں نہیں — کیا ہے جو اللہ تیرے دستِ قدرت میں نہیں
مانگ ہے خوانِ توکل سے مجھے اکلِ حلال — جوہرِ ایمن ہے وہ دُنیا کی نعمت میں نہیں
مجھ تو دونوں میں ہے اللہ کی کچھ مصلحت — درحقیقت فرق کوئی رنج و راحت میں نہیں
گر نہیں لطف و عنایت ہے عداوت ہی سہی — ہائے اتنا بھی اثر میری محبت میں نہیں
سایۂ دامانِ رحمت جب ہے پھر کیا خوف ہے — اسقدر گرمی تو خورشیدِ قیامت میں نہیں
خوف دوزخ کا ہے یا امید جنت کی تمہیں — کچھ تو اب اسے زاہدِ ریائی عبادت میں نہیں
جو سیہ سے نامۂ اعمال کو کردے سفید — اسقدر بھی کیا اثر اشکِ ندامت میں نہیں
منعموں کے آگے کیوں پھیلاؤں میں دستِ سوال — کون سی نعمت ہے جو خوانِ قناعت میں نہیں
یا الٰہی کیا زمانے سے محبت اُٹھ گئی — دوست کا بھی پاس اب چشمِ مروت میں نہیں
وحدت و کثرت ہے ایک اہلِ نظر کی آنکھ میں — کون سی بات انجمن میں ہے جو خلوت میں نہیں
دوستی کے نام سے ناآشنا ہیں اہلِ بزم — اُٹھ گئے اس صحبت سے کچھ لطف ایسی صحبت میں نہیں
عیش دُنیا میں نہیں جسکو خیالِ آخرت — اُس سے بڑھکر کوئی بھی یاں خوار و خفلت میں نہیں
کون ساعت عمر کی ہے جسکو ہے دم بھر قرار — موت کے آثار کس انسان کی صورت میں نہیں
اک تلاطم بھی کبھی بھولے سے آتا اس طرف — روشنی اتنی بھی میری شمعِ تربت میں نہیں
عشق بازی کے لئے حسنِ عقیدت چاہئے — شانِ قدرت ورنہ یاں کس بُت کی صورت میں نہیں
ہم غریبوں کا خدا ہی ہے یہاں مہمان نواز — کوئی نخل سایہ دار اس دشتِ غربت میں نہیں
نفسِ امّارہ کی جو گردن مروڑے ابرؔ یا — کوئی ایسا مردِ میدانِ شجاعت میں نہیں

دیگر

کیسی آثار بادی ہوں یاں صدمہ گزرتا ہے — میں روتا ہوں اگر دیوار میں پانی بھی خزتا ہے
سہارا ہے خدا کے رحم کا مظلوم بندے کو — بڑا محسن وہ میرا ہے جو مجھ پر ظلم کرتا ہے
کچھ ایسی درد میں لذت ملی مجھ بیدماغوں کو — میں خود نشتر لگاتا ہوں جو کوئی زخم بھرتا ہے

ابرؔ

غزل فارسی

بہار آتی ہے پھر ہنگامِ نوشانوش ہے بردہ — سنے گلگوں سے پھر ساقی ہمارا جام بھرتا ہے
بُرے کو سب بُرا اچھے کو سب اچھا ہے دنیا میں — اس آئینے میں جو جیسا ہے ویسا عکس اُترتا ہے
بُرا جو ہے وہ کرتا ہے خوشا مدِ اہلِ دُنیا کی — خدا کا ڈر نہیں جسکو وہی بندے سے ڈرتا ہے
خدا حامی ہے کارِ خیر میں مردانِ ہمت کا — زمانہ کچھ کہے بندہ تو اپنا کام کرتا ہے
لگا رہتا ہے میلا سا ہمیشہ میری راہ میں ہر دم — یہ وہ رستہ ہے جس رستے سے اک عالم گذرتا ہے
ہے قاصد کا یہ پیکِ اہلِ تعظیم کو تبکی — شہنشاہِ زمان بھی تخت سے اپنے اُترتا ہے
سدا راحت اسیکو ہے وہی مقبول بندہ ہے — جو ہر حالت میں ابرؔ اپنے خدا کا شکر کرتا ہے

غزل فارسی

کسے بود تا بر گرفت محوِ تماشا باشم — ناظرِ ہر وشنیِ مہر چو سہ با باشم
گرچہ بگسستہ زمن سلسلۂ رازِ دنیا — باز دلیرانہ آن مژگفت چلیپا باشم
الصفِ دخترِ رز ہست نہانم بسرشت — ترک غنیوشی و رندی نکنم تا باشم
شربتِ وصل چشیدم دلم از وصل گرفت — فرصتم باد کہ از سہ بہ تمنا باشم
غرقِ اشکم شود این گنبدِ مینائے فلک — بے مے و رخ یار چو با ساغر و مینا باشم
ہم کنم گریہ و ہم آہ و جگر سوز زنم — خود شوم ابر و خودم برق شرر زا باشم
ز آتشِ آہ بسوزم فلک بد بین را — از نمِ چشمِ بجوشش آمدہ دریا باشم
چون ندانم کہ بامروز تو فردا چہ بود — ہر نفس منتظرِ عزدۂ فردا باشم
عسکری باز ہر آنم کہ بطرفِ گلشن — گیرمش دست و بروبا ساغر و مینا باشم

سید حسن عسکری ایم اے

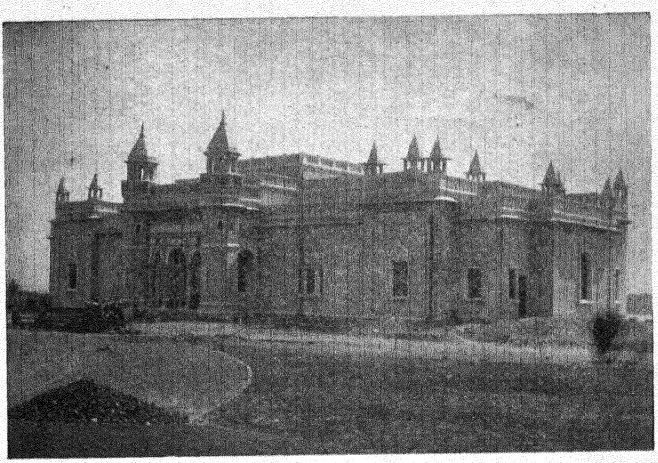

ویلکم کلب

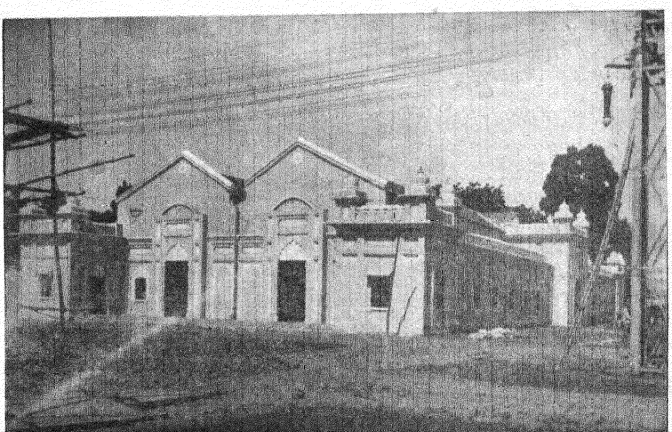

پارچہ بافی کا شعبہ

انڈین پریس الہ آباد

ماتم سرور (جہان آبادی)

لے سرور فکستہ سخن لے ملک کے صاحب کمال — لے سرے نادیدہ دوست لے شاہ ناگہ لیجیا
موت سے ناخواندہ مہمان پر فدا کی تو نے جان — در حقیقت خلق اسکو کہتے ہین اے خوشخصال
رونیوالے تیرے غم مین رو رہے ہین اشک خون — سونے والے دیکھ اُٹھکر دوستون کا اپنے حال
ہین رسالون مین جہانتک نیچرل نظمین تری — تازہ رکھین گی جہان مین مدتون تیرا خیال
اور ادیب نکتہ پرور اومد و گار ادیب — حشر تازہ ہو گیا یہ وقت تیرا انتقال
کیا چلا ہے تو زمانے کی روش کے ساتھ ساتھ — ہو گیا خود بھی تمام آخر قریب ختم سال
یہ چمک تھی در الفت کی کہ وان لہنچا تھا — آگیا جس سے کہ مہر زندگانی پر زوال
مرنے والے تیرے اوصاف حمیدہ کیا کہون — حسن سیرت اکطرف اور اکطرف حسن مقال
بھولنے جائین دوست تیرے تجھکو مکن ہی نہین — یاد جب آئے تری تجھکو رلوین کیا مجال

ختم کر محشر بس اتنا کہکے نظم قسمت
اب ملیگی مشکلون سے مرنیوالے کی مثال

محشر

تاریخ وفات منشی درگا سہایصاحب سرور

(از مسٹر ای۔ پرون اشرف۔ دراماٹیٹ پارسی تھیٹریکل کمپنی بمبئی)

صد افسوس ہیہات درگا سہائے — در آغوش پیک اجل چون بخفت
ندا آمد اشرف بگو سال فوت — سرور از جہان رفت قاصد بگفت

۱۹۱۰

ایڈیٹوریل

اس نمبر کے ساتھ **ادیب** کی عمر کا پہلا سال ختم ہوتا ہے۔ اس ابتدائی منزل کے طے ہونیکی خوشی مین یقیناً ہمارے ناظرین بھی ہمارا ساتھ دینگے۔ گزشتہ سال جس امید و بیم کی حالت مین ادیب کے اجرا کا بندوبست کیا گیا تھا وہ بہت دیر نہین قائم رہی تھی۔ ادیب کا اشتہار شائع ہوتے ہی اسکی خریداری کے لئے دست شوق دراز ہونے لگے تھے اور اہل قلم حضرات نے استدعاے مضامین پر ہمین اپنی عنایتون سے مالامال کر دیا تھا۔ شائقین اور اہل قلم دونون طبقون کے اُس حسن ظن نے جو اُنھین ہماری ناچیز ذات سے تھا ہماری ذمہ داریون کو بہت کچھ بڑھا دیا تھا۔ اُنھین ہمسے ایک ایسے رسالے کی امید تھی جو اُردو کے تمام رسالون پر فائق ہو اور غالباً ادیب کے اشتہار کا بھی یہی مفہوم تھا۔ انڈین پریس کے وسیع سامان کے دیکھتے ہمین بھی ایک گونہ اطمینان تھا اور مضامین کے کافی ذخیرے کیوجہ سے جو معزز اہل قلم کی عنایات سے قبل از اشاعت مہیا ہو گیا تھا ہم بیفکری کے ساتھ اسکی اشاعت مین سرگرم ہو گئے۔ پریس نے بھی مستعدی دکھائی اور اسطرح ناچیز ادیب معرض وجود مین آیا۔ اسکا پہلا نمبر شائع ہونے پر متقدر معاصرین اور اہل نظر حضرات نے جس کشادہ دلی سے اسکا خیر مقدم کیا اُسکی شکرگزاری سے ہم کبھی سبکدوش نہین ہو سکتے۔ یہ سلسلہ سال بھر قائم رہا اور ہر طبقے کے اخبارات نے اسے نہ صرف پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا بلکہ اس سے اُردو علم ادب مین وسعت ہونے کی رائے قائم کی جو ہمایت ہی حوصلہ افزا ہے تھی۔

اہل قلم حضرات نے نہ صرف اپنی عنایات کا سلسلہ جاری رکھا بلکہ ادیب کو دلچسپ بنانے مین زور قلم سے بھی کام لیا جو ادیب کی فوری کامیابی کا سب سے بڑا راز ہے۔ خصوصاً راے پربھولال صاحب بی۔ اے۔ کا سلسلہ مضامین جسمین ہندو فلسفہ کی وضاحت ایک لطیف پیرائے مین

کی گئی ہے۔ ہر طبقے میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب کے بہترین مضامین جن کا فلسفیانہ استدلال مذہب اسلام کے لئے مایۂ ناز ہیں۔ کلام اکبر کی خوبیاں بھی اظہر من الشمس ہیں جو ادیب میں التزاماً شائع ہوا ہے۔ مولانا سید علی حیدر صاحب طباطبائی جنکی ذات گرامی سے لکھنؤ کی علمی عظمت وابستہ ہے۔ ادیب کے خاص محسنوں میں ہیں۔ اردو کی روح رواں حضرت شاد عظیم آبادی نے بھی ادیب کیطرف خاص توجہ فرمائی۔ شمس العلما ڈاکٹر سید علی صاحب بلگرامی۔ ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ ڈی۔ نے بھی اپنے مایۂ ناز ترجمۂ تمدن ہند کے نمونے کے لئے ادیب ہی کے صفحات پسند فرمائے۔ اسیطرح پنڈت برج نرائن صاحب چکبست جنکی ذات والا صفات پر لکھنؤ کو فخر ہے باوجود علالت اپنے چشمۂ فیض سے ادیب کے صفحات کی آبیاری فرمانے میں دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری بھی ایک گرانپایہ اہل قلم ہیں جنکے محققانہ مضامین سے ادیب کی زینت ہوئی ہے۔ مولوی محمد عزیز مرزا صاحب۔ بی۔ اے۔ آنریری سکریٹری مسلم لیگ نے بھی باوجود سخت مصروفیت ادیب کو اپنی نوازش سے محروم نہیں رکھا۔ اسیطرح مولوی سید احمد صاحب مؤلف فرہنگ آصفیہ کے فیضان ادب سے ادیب کا حصہ مل چکا ہے۔ بابو گنیشی لال صاحب۔ بی۔ اے۔ منشی فاضل ہیڈ ماسٹر کالیتھ پاٹ شالا بھی خاص قابلیت کے اہل قلم ہیں جنھوں نے ادیب کو شکر گزاری کا موقع دیا۔ مولوی سید غوث علیصاحب کی عنایتیں بھی بے پایان ہیں۔ علاوہ علی امداد کے ادیب کا عربی نام بھی آپ ہی کا عطیہ ہے۔ حال میں انجمن عثمانیہ حیدرآباد کے بعض فاضل ممبروں نے بھی ادیب کیطرف توجہ فرمائی ہے۔ پنڈت منوہر لال صاحب زتشی۔ ایم۔ اے۔ پنڈت برج نرائن صاحب چکبست۔ بی۔ اے۔ وہ حضرات ہیں جنکے بھروسے پر ادیب کی اشاعت ہوئی ہے۔ سید راحت حسین صاحب۔ بی۔ اے کی عنایات بھی غیر معمولی ہیں۔ منشی محمد یحییٰ صاحب تنہا کے دلچسپ ترجمے بھی ادیب میں خاص دلچسپی سے دیکھے گئے۔ مسٹر علی محمود صاحب کی خانہ نوازشات بھی ادیب کے لئے باعث فخر ہیں۔ منشی نادر علیخان صاحب ناظر۔ مرزا کاظم حسین صاحب مختار مرزا محمد ہادی صاحب عزیز جہاں سے عزیز دوست اور کرمفرما ہیں جنھوں نے ادیب کی دلچسپی میں خاص زور قلم سے کام لیا ہے۔ اسیطرح منشی درگا سہائے صاحب سرور نے بھی ادیب کو دلچسپ بنانے میں خاص سرگرمی ظاہر کی تھی جو افسوس کہ موت کے ہاتھوں قائم نہ رہنے پائی اور اسی ماہ میں وہ ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ مولانا اشہری مرحوم بھی ہمارے نہایت قدیم اور خاص کرمفرما تھے جنھیں موت نے ہمسے زبردستی چھین لیا اور جنکے بعض مضامین اب تک ہمارے پاس موجود ہیں جو خاص موقعوں پر شائع ہونگے۔ مولوی سید محمد فاروق صاحب بھی ادیب کے اولین محسنوں میں ہیں جنکی قلمی اعانت کے وعدے سے ہمکو خاص تقویت حاصل ہوئی تھی۔ جناب ارشد تھانوی کی خوشگوئی بھی محتاج تصریح نہیں اور خوش قسمتی سے وہ بھی ادیب سے غیر معمولی دلچسپی رکھتے ہیں۔ اسیطرح بہت سے حضرات ہیں جو ادیب سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں اور شکر ہے کہ اہل قلم کی بہترین مضامین کی اشاعت کے لئے ادیب ہی کے صفحات کو ترجیح دیجاتی ہے۔

اہل قلم حضرات کے علاوہ عام شائقین کی عنایات بھی خاص شکر گزاری کی مستحق ہیں جنکی بدولت ادیب ایسے کثیر المصارف پرچے کی اشاعت جاری رہی۔ اگرچہ یہ کہنا مشکل ہے کہ ملک نے ان خدمات کی کہاں تک قدردانی کی ہے اور ادیب کو مالی مشکلات سے بیفکر کر دیا ہے تاہم جانتک تجربہ شاہد ہے ادیب کو اس بارہ خاص میں اپنے معاصرین سے نسبتہً زیادہ کامیابی ہوئی ہے۔ شائقین کے علاوہ اسے بعض ایسے ہمدرد بھی ملے ہیں جو اسکی اشاعت میں سرگرم ہیں جنمیں بابو شوبھارام صاحب سب اسکنڈر اور مولوی سیف الدین صاحب شباب کے نام نامی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ امید ہے کہ سال آیندہ میں پریس مزید نقصان سے محفوظ رہیگا اور ہمارے ناظرین اپنے فرائض محسوس کرتے ہوئے ادیب کی توسیع اشاعت کا خاص خیال رکھیں گے۔

انتظامی معاملات کے متعلق ہمیں افسوس ہے کہ ادیب کے لئے

جو تاریخ اشاعت مقرر کی گئی تھی اُسکی تا مقدور پابندی نہ ہوسکی - لیکن پچھلے سال کے لئے ہم اسکو بھی ایک بڑی کامیابی سمجھتے ہین کہ ہر ماہ کا رسالہ اُسی ماہ کے اندر نکلتا رہا جو خاص اہتمام سے چھپنے والے رسالون کو اب تک ممکن نہین ہوسکا ہے جن مقاصد کا ہمنے شروع سال مین اعلان کیا تھا وہ اگرچہ کلیتہً نہین پورے ہوئے لیکن ایک بڑی حد تک پورے ہوگئے - ہمارا سب سے بڑا مقصد ایک ایسا مشترکہ لٹریچر پیدا کرنا ہے جسے مرد و عورت یکسان دلچسپی کے ساتھ پڑھ سکین - لیکن نظم اُردو کی شان نزول کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ بغیر اخلاق سوز و مذاق کی چاشنی کے وہ بے مزہ سمجھی جاتی ہے - تاہم ادیب کے صفحات مین حتی الامکان اس مذاق سے احتراز کرنیکی کوشش کی گئی ہے اور آیندہ اس سے زیادہ کوشش کیجائیگی - تصاویر کے متعلق بھی خاص کوشش کی گئی ہے اور ان صفحات پر زیادہ تر دیسی صناعی کے نمونے دکھائے گئے ہین جنمین بیشتر خاص ادیب کے لئے بصرف کثیر حاصل کئے گئے تھے - آیندہ اس صیغے کو زیادہ وسعت دیجائیگی جسکا انتظام ہو رہا ہے -

ادیب کی سب سے بڑی کامیابی وہ چہل پہل ہے جو امسال اُردو رسالون کی دنیا مین خاص طور پر دیکھی گئی - بعض رسالون نے اپنی پُرانی حیثیت درست کرنیکی کوشش کی - بعض نے ادیب کی تقلید کو اپنے لئے ذریعۂ کامیابی خیال کیا اور بعض عنقریب بالکل ادیب کا ثانی بننے والے ہین - کئی نئے پرچے جاری ہوئے جنمین بعض کا قبل از وقت بند ہو جانا افسوسناک ہے - آخر مین ہم اُن معترضین سے معافی خواہ ہین جنھون نے ادیب کے لٹریچر کی وسعت پر عرصہ فرما کے بعض متروک تراکیب کو غلط کہدیا اور ساتھ ہی ہماری نسبت بھی حسن ظن ظاہر فرمایا جو ذاتیات کی حد سے متجاوز تھا - ایسے حضرات کا کوئی جواب کبھی ہمارے پاس نہ ہوگا جو اساتذہ کے کلام پر عبور نہ رکھتے ہون - نیز اُن حضرات سے بھی عذر خواہی کیجاتی ہے جنھون نے ادیب پر اپنی توجہ مبذول فرماتے ہوئے ان صفحات مین کوئی بات قابل الذکر نہین پائی - اُنھین ادیب مین کچھ نظر نہین آیا اور غالباً کبھی کچھ نظر نہ آئیگا -

ادیب کی سالانہ کارگذاری پر ریویو کرنا معاصرین کا کام ہے اور اُنھین کی رائے پر چھوڑا جاتا ہے - ہمین خیال ہے کہ سال حال مین جو چند قابل عمل مشورے دیے گئے ہین اُنپر ہمنے بعض بجبور یون کے باوصف بھی عمل پیرا ہونے کی کوشش ہے اور معاونین ادیب کی کوئی خواہش ایسی نہ تھی جسکی تعمیل مین دریغ کیا گیا ہو - انھین وجوہ سے پریس کو غیر معمولی اخراجات برداشت کرنا پڑے جسکی تلافی اُنھین حضرات پر فرض ہے جنکی خاطر بعض خاص خاص کوششین کیگئی ہین علاوہ بریں بھی ادیب سے دلچسپی لینے والے حضرات کو اسکی توسیع اشاعت کی کوشش مین حتی الامکان دریغ نہ فرمانا چاہیئے کیونکہ ادیب کی کامیابی سے اُنکی دلچسپی وابستہ ہے -

انڈین نیشنل کانگریس

انڈین نیشنل کانگریس کا پچیسوان اجلاس - ۲۶ - ۲۷ - ۲۸ - ۲۹ ماہ حال کو احاطۂ نمائش کے اندر ایک وسیع میدان مین منعقد ہوا - کانگریس کا پنڈال سفید کپڑے سے منڈھا ہوا تھا اور اندرونی جانب رنگین کپڑون کی تہری جھالر بھی لگائی گئی تھی - ستونون مین نامور لیڈران کانگریس کی تصویرین آویزان کی گئی تھین جو گذشتہ اجلاسون مین کانگریس کے پریسیڈنٹ ہو چکے تھے - ۲۵ - دسمبر سر ولیم ویڈر برن پریسیڈنٹ کانگریس کے داخلے کی تاریخ تھی اور علی الصباح ہی سے لوگ اسٹیشن الآبا د پر جمع ہونے لگے تھے - استقبال نہایت شاندار تھا اور خلقت کے انبوہ کثیر سے وہ منت پذیری ظاہر تھی جو سر ولیم ایسے محب ہند اور بانی کانگریس کے اس پیرانہ سالی مین اس دور دراز سفر کے لئے ہر دل مین موجزن تھی - اس معمر بزرگ کی توانائی صورت نمودار ہوتے ہی ہر طرف خوش آمدید کے نعرے گونجنے لگے اور جوش مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی -

دوسرے روز بارہ بجے اجلاس شروع ہوا - اس روز اگرچہ مجمع

کم تھا تاہم پریسیڈنٹ کی آمد پر غیر معمولی مسرت کا اظہار ہوا اور نعرہ ہائے خوشی دیر تک گونجتے رہے۔ سر ولیم ایک زرین کرسی پر متمکن ہوئے۔ انکے داہنے جانب مشہور فصیح بنگالی بابو سریندر ناتھ بنرجی اور بائین طرف آنریبل مسٹر گوکھلے اور مسٹر وچا جلوہ افروز تھے۔ اسٹیج سارا پلیٹ فارم مشہور لیڈران کانگریس سے بھرا ہوا تھا۔ پلیٹ کے بائین جانب زنانہ درجہ تھا جسمین پردہ نشین وغیر پردہ نشین لیڈیون کی نشست کا انتظام کیا گیا تھا۔ پنڈال کی ساخت مدوّر تھی اور گرداگرد مختلف درجے تھے۔ بیچ مین مختلف ممالک کے ڈیلیگیٹون کی نشست کا انتظام کیا گیا تھا جو دور دراز مقامات سے شرکت کانگریس کے لئے آئے تھے۔

سب سے پہلے آنریبل پنڈت ستدر لال۔ سی۔ آئی۔ ای۔ چیرمین رسپشن کمیٹی نے اپنی رپورٹ پڑھی۔ بعد ازان انتخاب پریسیڈنٹ کا مسئلہ پیش ہوا اور بابو سریندر ناتھ بنرجی نے اپنی فصاحت و خوش بیانی کے پھول سر ولیم کی تعریف اور انکی مسلسل خدمات کانگریس کے اعتراف مین نچھاور کئے۔ انتخاب پریسیڈنٹ کا مسئلہ اگرچہ میٹنگ پیشتر طے ہو جاتا ہے تاہم اس ترتیبی کارروائی سے پریسیڈنٹ کے اوصاف پر تفصیلی روشنی پڑ جاتی ہے۔ بہر کیف مسٹر بنرجی کی تجویز کی تائید مین آنریبل راو بہادر۔ آر۔ این۔ مدھولکر (اعراوتی) آنریبل مسٹر۔ این۔ سبّا راؤ (مدراس) لالہ ہرکشن لال (لاہور) اور آنریبل پنڈت مدن موہن مالوی (الہ آباد) نے تقریرین کین۔ مؤخر الذکر کے سوا سب کی تقریرین نہایت مختصر تھین۔ مسٹر مالوی نے اپنی تقریر ان الفاظ سے شروع کی کہ مجھے ہندی زبان مین اسپیچ کی فرمائش کیگئی ہے۔ لیکن درحقیقت انکی اسپیچ مین فیصدی نوّے الفاظ اُردو یا فارسی تھے۔ ان ابتدائی مراسم کے بعد پریسیڈنٹ کا ایڈریس شروع ہوا جسکے چند ابتدائی پیراگراف خود سر ولیم نے باوجود ضعف و نقاہت خود بیان کئے۔ بعد ازان اپنا ایڈریس آنریبل مسٹر گوکھلے کو دیدیا جنھون نے نہایت فصاحت سے مگر کسیقدر عجلت کے ساتھ اُسے ختم کیا۔ اس ایڈریس مین کانگریس کے تمام مقاصد کا اعادہ کیا گیا تھا اور اہل ہند کو ادب و استقلال کے ساتھ گورنمنٹ سے حقوق طلبی کی ہدایت کی گئی تھی اسکے بعد ایک کمیٹی نے مضامین بحث طلب کا انتخاب کیا اور اجلاس تقریباً ۵ بجے برخاست ہوگیا۔ پہلا اجلاس اسقدر مختصر ہونے کیوجہ تقریرون کا اختصار تھا جو عام طور پر جلد ختم کی گئین۔

دوسرے روز بھی بارہ بجے سے اجلاس شروع ہوا۔ اس روز مجمع کثیر تھا اور سارے پنڈال مین تل رکھنے کو جگہ باقی نہ تھی۔ اس روز تقریرین بھی زیادہ ہوئین اور اکثر مقررون نے داد خوش بیانی دی۔ پہلا رزولیوشن شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کی وفات پر اظہار افسوس اور ہز مجسٹی کے عہد مین ہندوستانیون کو اعلیٰ عہدے ملنے کی شکرگزاری سے تعلق رکھتا تھا۔

دوسرا رزولیوشن ملک معظم شہنشاہ جارج پنجم کی تخت نشینی کی مبارکباد اور تخت انگلستان سے کانگریس کی وفاداری کے اظہار مین پیش کیا گیا۔ اسمین حضور اقدس و اعلیٰ ادعلیا حضرت ملکہ معظمہ کی تشریف آوری ہندوستان کی خوشخبری پر اظہار مسرت بھی کیا گیا۔

تیسرا رزولیوشن جو بدو ویسرائے کے خیر مقدم اور ہز ایکسیلنسی کی خدمت مین ایڈریس اور ڈیپوٹیشن کے متعلق تھا جو پریسیڈنٹ کانگریس کی سرکردگی مین پیش ہوگا اور جسمین مع پریسیڈنٹ تمام منتخب اصحاب ہونگے۔

چوتھا رزولیوشن کونسل رفارم کے قوانین سے تعلق رکھتا جو ڈاکٹر سیشن چندر بنرجی (الہ آباد) نے پیش کیا اور راؤ بہادر۔ ایم۔ اوی نرائن ایّا (مدراس) نے تائید کی اور جسکی تائید مزید مین آنریبل مسٹر سہ چندر سے (کراچی) نواب صادق علیخان (رئیس محل لکھنؤ) اور شیخ فیاض علی (مہرولی) نے تقریرین کین۔

پانچوان رزولیوشن لائبریری سے متعلق تھا جسمین چاہا گیا کہ ویسرائے کی یجسلیٹو کونسل مین بیرسٹروں کے علاوہ ہائی کورٹ کے ایڈووکیٹ اور وکیل بھی لائبریری کے عہدے پر مقرر کئے جائین۔ یہ رزولیوشن آنریبل مسٹر سچدانند سنہا (پانکی پور) نے پیش کیا اور راؤ بہادر۔ بی۔ این۔ سرما (وزیانگرم) نے تائید کی۔

چھٹا رزولیوشن صوبجات متوحدہ آگرہ و اودھ مین ایگزیکیوٹو کونسل قائم ہونے کے متعلق تھا جسے پنڈت گوکرن ناتھ مسر (لکھنؤ) نے پیش کیا اور مسٹر اجیال (امرتسر) نے تائید کی۔

ساتوان رزولیوشن ٹرانسوال کے ہندوستانیوں سے تعلق رکھتا تھا جسپر ٹرانسوال کی گورنمنٹ سخت تشدد کر رہی ہے جسے مسٹر۔ جی۔ اے۔ نیٹیسن (مدراس) نے پیش کیا اور جسکی تائید ڈاکٹر منی لال (مارشیس) نے اور تائید مزید مسٹر گھرنندن پرشاد (دہلی) نے کی۔

آٹھوان رزولیوشن سودیشی تحریک سے تعلق رکھتا تھا جسے مسٹر چنتامنی (الٰہ آباد) نے پیش کیا اور مسٹر ہرنند لال بنرجی نے تائید اور بابو دوارکا ناتھ (مظفر پور) مسٹر کرشن راؤ (راجمندری) سچندر پرشاد باسو (کلکتہ) اور مسٹر لوکامل (کراچی) نے تائید مزید کی۔

نوان رزولیوشن جو ڈسپل زخارم کے متعلق تھا جسے بابو جوگیندر ناتھ مکرجی (کلکتہ) نے پیش کیا اور آنریبل بابو برج کشور پرشاد (دربھنگہ) نے تائید۔ مسٹر رام سوامی آئر (مدراس) اور بابو نبارن چندر داس (بریسال) نے تائید مزید مین تقریر کین۔

دسوان رزولیوشن لوکل سلف گورنمنٹ کے متعلق تھا جسے ڈاکٹر۔ ایچ۔ ایس۔ گوڑ (رائے پور) نے پیش کیا اور آنریبل مسٹر گھورلو (ہرہپور) نے تائید۔ مسٹر سری نواس شاستری (مدراس) اور منشی سنکٹا پرشاد (بنارس) نے تائید مزید کی۔

گیارھوان رزولیوشن تقسیم بنگال سے تعلق رکھتا تھا جسے بابو امبکا چرن موزمدار نے نہایت زوردار تقریر کے ساتھ پیش کیا اور دیوان بہادر کرشنا سوامی (مدراس) نے تائید مزید کی۔

مندرجہ بالا رزولیوشن جس ترتیب سے پروگرام مین درج تھے اُس ترتیب سے پیش نہین ہوئے بلکہ انمین سے اکثر مقدم و موخر ہوگئے۔ تیسرے دوسرے روز کے پروگرام کے سب رزولیوشن اُس روز پیش بھی نہین ہو سکے۔ چنانچہ لوکل سلف گورنمنٹ اور تقسیم بنگال کے مسئلے تیسرے اجلاس مین پیش ہوئے۔ اس روز کے پہلے اجلاس مین پریسیڈنٹ کسی ضرورت سے چلے گئے تھے اور بابو سریندر ناتھ بنرجی اُنکے بجائے کانگریس کی کارروائی انجام دیتے رہے۔ اسمین ہندوستانیون کو میڈیکل سروس مین داخل کرنیکے متعلق بھی ایک رزولیوشن پیش ہوا جسے سرہما لیچند کرشنا (بمبئی) نے پیش کیا اور ڈاکٹر۔ ڈی۔ آر۔ رنجیت سنگھ (الٰہ آباد) نے تائید اور ڈاکٹر ہری دت پنت (لکھنؤ) نے تائید مزید کی۔

اسکے بعد باغیانہ جلسون اور پریس ایکٹ کے متعلق رزولیوشن مسٹر۔ جے۔ چودھری (کلکتہ) نے پیش کیا اور مسٹر کرشنا راؤ (نیلور) نے تائید اور مسٹر دوارکا ناتھ (بانکی پور) نے تائید مزید مین تقریرین کین۔ اسیطرح تمام پولٹیکل مسائل کے متعلق رزولیوشن پیش ہوتے رہے اور مختلف اضلاع کے اسپیکر تقریرین کرتے رہے۔ دو بجے اجلاس عارضی طور پر برخاست ہوا اور چند گھنٹے بعد پھر شروع ہوا۔ اسمین بھی حسب دستور پولٹیکل اصلاحات کے مسئلے پیش ہوتے رہے لیکن وقت کی تنگی کیوجہ سے بہت سے اسپیکرون کو تقریر کا موقع نہین ملا۔ تیسرے روز کے پہلے اجلاس مین مجمع بہت کم تھا لیکن دوسرے اجلاس مین تمام پنڈال بھرا ہوا تھا اور تقریرین بھی زور شور سے

ہوتی رہین - ہر طبقے اور ہر ملت کے سربرآوردہ اشخاص کانگریس مین شریک تھے جو ہندوستان کے مختلف حصّون سے آئے تھے اور مجموعی حیثیت سے الہ آباد کا اجلاس کانگریس کا میاب کہا جاسکتا ہے - لیکن لکھنؤ - بنارس اور کلکتہ کے اجلاسون کے مقابل مین نہایت پھیکا تھا - اس کانگریس مین ہندو مسلمانون کی موجودہ نااتفاقی پر بھی بحث کی گئی اور ان اسباب کو دور کرنے کی صلاح دی گئی جو ملک کی دو بڑی قومون مین عناد کا باعث ہین - انکے لئے عملی کارروائی کی بھی تجویز پیش ہوئی اور جابجا اتحادی جلسے کرنے پر زور دیا گیا - لیکن درحقیقت اتحاد محض دلی صفائی پر مبنی ہے - اسکے لئے ہمین صرف اب سے نصف صدی پیشتر کے طرز عمل پر غور کرنیکی ضرورت ہے جب ہندو مسلمان شیر وشکر ہو رہے تھے اور قومی تفرقہ کا نام و نشان تک باقی نہ تھا - موجودہ حالت مین جب قومی احساس اور پولیٹیکل خودغرضی کے سمندر ملکو لے رہے ہین ایسے اتحادی جلسے جگی کا رروائیان محض کاغذ تک محدود رہتی ہین زیادہ قیمتہ خیز نہین معلوم ہوتے -

کانگریس کی بقیہ کارروائی کیلئے جو تھے روز بھی اجلاس ہوا اور اجلاس نسبتہً سب اجلاسون سے زیادہ بارونق تھا - ایجین بھی زیادہ زوردار ہوئین - اور پریسیڈنٹ کے شکریہ پر کانگریس برخاست ہوئی -

اسی روز سوشیل کانفرنس بھی منعقد ہوئی جسکے پریسیڈنٹ راجہ رامپال سنگھ بالقابہ تھے - حاضرین کی تعداد اور جلسہ کی کارروائی قابل تعریف تھی -

ٹمپرنس کانفرنس بھی اسی روز ایک دوسرے خیمے مین منعقد ہوئی جسکے پریسیڈنٹ پادری فریڈی صاحب تھے اور عام مذاہب کی کانفرنس بھی جسکے پریسیڈنٹ جسٹس کرشنا سوامی آئر تھے -

انڈین انڈسٹریل کانفرنس ۳۰ دسمبر کو کانگریس کے پنڈال مین زیر صدارت مسٹر آر - این - کرجی منعقد ہوئی جسمین ایک اعلیٰ درجے کے ٹکنیکل کالج کے انعقاد پر زور دیا گیا -

جامِ سرور

حضرات سرور جہان آبادی کا کلیات جو مرحوم نے اپنی زندگی مین باخذ حق تصنیف انڈین پریس الہ آباد کو بغرض طبع دیا تھا چھپ کر تیار ہو گیا ہے اسمین علاوہ فیجل اور دلکش غزلون کے مرحوم کے کلام پر ایک تنقید جو ایڈیٹر صاحب ادیب کے قلم سے لیگئی ہے اور مرحوم کے سوانحی حالات بھی درج ہین جو مرحوم کے والد ماجد اور بھائی کو ن نے ارسال فرمائے ہین تقطیع ۲۰ + ۲۶ ضخامت تقریباً دو سو صفحات - کاغذ الوری فنش نمبر اول چھپائی مثل ادیب - قیمت صرف دو روپیہ -

المشتہر
منیجر انڈین پریس الہ آباد

ممیرے کا سرمہ

(معتمد قوجناب اسسٹنٹ کیمکل اگزامینر صاحب گورنمنٹ پنجاب)

معزز انگریزون میڈیکل کالج کے پروفیسرون نامور ڈاکٹرون والیان ریاست اور ولایت کی یونیورسٹی کے سند یافتہ یورپین ڈاکٹرون نے بعد تجربہ اس سرمہ کی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ سرمہ امراض ذیل کے لئے اکسیر ہے ضعف بصارت تاریکی چشم۔ جالا۔ پرواں۔ غبار۔ پھولا۔ سیل۔ سرخی۔ ابتدائی مرتیا بند۔ پانی جانا۔ خارش وغیرہ معزز ڈاکٹر و حکیم بجائے اور ادویہ کے آنکھون کے مریضون پر اب اس سرمہ کا استعمال کرتے ہین۔ چند روز کے استعمال سے بینائی بہت بڑھ جاتی ہے اور عینک کی بھی ضرورت نہین رہتی۔ بچے سے بوڑھے تک کو یہ سرمہ یکسان مفید ہے قیمت اسنے کم رکھی گئی ہے کہ خاص عام اس سے فائدہ اٹھائین قیمت فی تولہ جو سال بھر کیلئے کافی ہے مبلغ (عہ) ممیرے کا سفید سرمہ اعلیٰ قسم فی تولہ (عہ) خالص ممیرہ فی ماشہ نمبر ۱ قیمت خرچ ڈاک بذمہ خریدار درخواست کرتے وقت اخبار کا حوالہ ضرور دین۔

المشتہر پروفیسر میاں سنگھ اہلوالیہ مقام بٹالہ ضلع گرداس پور پنجاب انے بڑھکر اور معتبر شہادت کیا ہو سکتی ہے) جناب پروفیسر میاں سنگھ صاحب سلیم مین نے آپکے یہان سے سفید سرمہ ممیرے کا منگوا کر استعمال کیا حد درجہ کا فائدہ ہوا۔ بالکل صحت حاصل ہو گئی آپ کا سرمہ جملہ امراض چشم کو مفید ہے۔ بصارت کو طاقت بخشتا ہے۔ تیسرے دن فائدہ معلوم ہو جاتا ہے۔ واقعی یہ سرمہ اکسیر کا حکم رکھتا ہے اسلئے مین بڑی خوشی سے تصدیق کرتا ہون کہ اس سے بڑھکر آنکھ کے لئے اور کوئی دوا نہین ہے۔ الراقم کنور چھتر پال سنگھ صاحب بہادر ریاست مچھواون اودھ (۲) مین نے ممیرے کا سرمہ جو کہ سردار میاں سنگھ نے تیار کیا ہے۔ ان مریضون پر جنکی آنکھین بہت کمزور اور بیمار تھین استعمال کر کے مفید پایا میری رائے مین خاصکر بعضونکے واسطے جنکی آنکھون سے پانی جاری رہتا ہے اور دھندغبار کمزوری نظر ہو یہ سرمہ نہایت مفید ہے۔ الراقم ڈاکٹر برج لال گھوش رائے بہادر۔ ایل۔ ایم۔ اسسٹنٹ سرجن و پروفیسر میڈیکل کالج لاہور حال آنریری سرجن گورنر جنرل ہند۔

سرب سادھارن سہائتا

(عام امدادی فنڈ)

فیروزپور شہر

(۱) ہر مذہب اور ہر ملت کے ۱۸ سے ۵۵ سال کے تندرست مرد اور عورت شامل ہو سکتے ہین +

(۲) ڈاکٹری سارٹیفکٹ کی عام طور پر کوئی ضرورت نہین +

(۳) اقسام ممبران لا (۱) ایک روپیہ ماہوار دینے والے (۲) ۸/ ماہوار دینے والے ایک شخص دو قسم کا ممبر ہو سکتا ہے لیکن تعداد امداد دو قسم جدا جدا

(۴) فیس داخلہ صرف ۴ہر +

(۵) سالانہ خرچ عہ مگر آخر حیات تک صرف ۸/ -

(۶) مفلسی مین اور جیتے جی بھی مدد ہو سکتی ہے۔

(۷) رشتہ داروں کے علاوہ خیراتی کامون کو بھی مدد دیجاویگی۔

(۸) تقسیم زر امداد بموجب عرصہ ممبری لینے ایک سال والے کو ایک حصہ دو سال والے کو دو حصہ وغیرہ۔

لائق اور ایماندار ایجنٹون کی ضرورت ہے۔ درخواست داخلہ اور روپیہ بھیجنے اور دیگر حالات کے جاننے کیلئے **مینجنگ ڈائرکٹر** کو لکھین۔

ہماری **افیم چھڑاؤ گولیان** کیون مشہور ہین۔ اسلئے کہ (۱) انکو **ولایت** کے ایک مشہور عکیم نے گرد و اسا رنے بعد کمیائی ملاحظہ ٹھیک پایا ہے (۲) صدہا افیونیون نے انکو آزمایا ہے اور تجربہ کی کسوٹی پر وہ پوری اتری ہین اسلئے افیونیون کو اُنسے فائدہ اُٹھانا چاہئے اور اس بلا سے آزاد ہو کر نئے سرے سے زندگی مین شامل ہونا چاہئے قیمت ۳ درجن عہ ۴ ۱۲ درجن بواسطہ وی پی محصول ڈاک وغیرہ بذمہ خریدار۔ خط و کتابت کا پتہ۔

ڈاکٹر پرسرام ایل۔ ایم۔ ایس (نیشنل) فیروزپور شہر پنجاب

کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر ایس کے برمن کا بنایا ہوا مجرب اور آزمودہ

کولا ٹانک

کولا طاقت کو بڑھاتا ہے زیادہ فکر کی وجہ سے یا محنت و غم و بیماری و تبدیلی آب و ہوا کی وجہ سے بدن کمزور ہو گیا ہو تو کولا کا استعمال کرو۔ اس سے نئی طاقت پیدا ہوتی ہے۔ کولا دم کو بڑھاتا ہے۔ اسلئے گھوڑے کی سواری پہاڑ کی چڑھائی۔ کشتی کی شرط۔ ناچ۔ گانا۔ پڑھانا اور خیال وغیرہ کے کامون مین پہلے کولا پیئے۔ دم جلدی نہین تھکیگا۔ ہولدل۔ دھڑکن اور کلیجہ کی کمزوری جہان تھوڑا چلے اور دم بھر جاتا ہے۔ کولا از حد فائدہ کرتا ہے۔ کولا کاہلی مٹاتا ہے جبکہ اپنا کام خواہ کسی اور وجہ سے رات کو جاگنا پڑتا ہے۔ اُنکو کولا پینا چاہیئے۔ اس سے رات کو جاگنے کی حرارت اور کمزوری نہین ہوتی۔ کولا شراب کے عیبون کو دور کرنے والا آبحیات ہے۔ اگر شراب زیادہ پی ہو وے تو ایک خواہ پوری دو خوراک کو لیکر پی کر کے سو جاوے۔ اچھی نیند آجائیگی۔ جاگنے پر طبیعت فربہ رہے گی۔ سر کا درد۔ جگر۔ طبیعت کی سستی۔ چہرے کا بھاری پن۔ آنکھون کا بھاری پن۔ آنکھون کی سرخی۔ مزاج کی گرمی۔ ایک دم مین مٹ جاتی ہے۔ کچھ دنون کولا کے استعمال سے شراب سے نفرت ہو جاتی ہے۔ کولا افیون چھڑانے کی دوا ہے۔ کولا کے سہارے سے افیون بھی چھوٹ جاتی ہے۔ کولا پیئے اور افیون کی مقدار کم کرتے جاؤ۔ کچھ دنون مین بغیر کسی قسم کی تکلیف کے افیون چانڈو وغیرہ کی عادت چھوٹ جاتی ہے۔

قیمت ۲ روپیہ فی خوراک کی ایک شیشی ایکروپیہ (۱) محصول ڈاک ۵ر

المشتہر

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ وہاتارا چندوت اسٹریٹ کلکتہ

عزت! عزت! عزت!

ٹینل صاحب کے آب حیات کو ڈپٹی انسپکٹر جنرل صاحبان بہادر مجسٹریٹ صاحبان بہادر سپرنٹنڈنٹ صاحبان بہادر پولیس اعلیٰ افسران فوجی۔ غرضیکہ اعلیٰ سے اعلیٰ انگریز بہادرون نے استعمال کیا ہے۔ غرضیکہ جب کبھی آپ کو کمزوری کی شکایت ہو۔ خون کی کمی ہو۔ آنکھون مین اندھیرا آجاتا ہو۔ ذرا کام سے تھک جاتے ہون یا دل دھڑکنے لگتا ہو یا سر مین درد رہتا ہو تو فوراً آب حیات کو شروع کر دیجئے گا۔ طاقت کے واسطے اس سے عمدہ دوا آج ہندوستان مین نہین ہے۔ ایک شیشی ضرور آزمائیے قیمت شیشی کلان للہ مرحمت عجز۔

ٹینل صاحب کا بنایا ہوا سر مین ڈالنے کا خوشبودار تیل۔ کیا پیارا تیل ہے کہ آپکی طبیعت دیکھتے دیکھتے خوش ہو جاوے۔ راجہ صاحب بلاری نے اس تیل کو نہایت عزت دی ہے۔ راجاؤن۔ مہاراجون روساء کے قابل۔

قیمت صرف فی شیشی ۸ر

ٹینل صاحب کا بنایا ہوا دانتون کا خوشبودار منجن۔ صرف ایک بکس استعمال کر لیجئے۔ قیمت صرف ۳ر

ٹینل صاحب کا بنایا ہوا کپڑے پر نام لکھنے کی سیاہی۔ دھوبی کے کپڑے ڈالنے سے پہلے نام لکھدیجئے۔ دھوبی کی کیا طاقت جو کپڑے بدل دے۔ قیمت صرف ۳ر

المشتہر

ایم۔ این ٹینل صاحب آگرہ